2024ء / 1446ھ

مقالاتِ سیرت

ریاست کا تعلیمی نظام

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

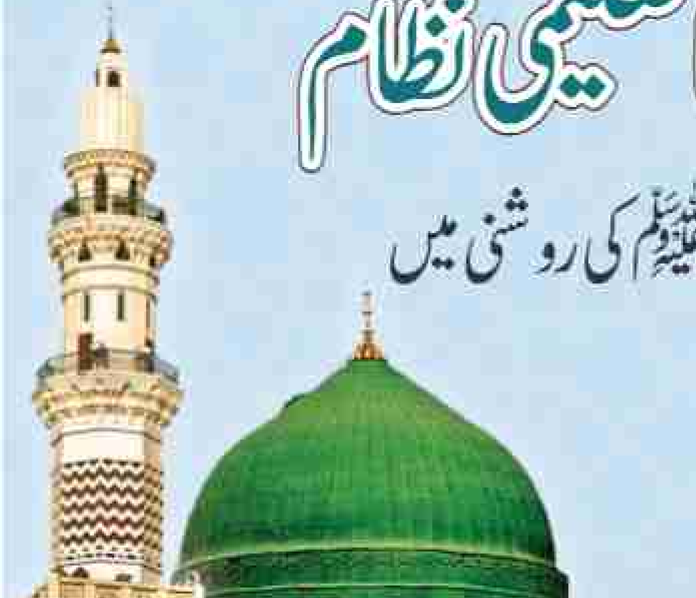

شعبہ تحقیق ومراجع

وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی

حکومت پاکستان، اسلام آباد

بین الاقوامی سیرت النبی ﷺ کانفرنس

2024ء / 1446ھ

مقالاتِ سیرت

ریاست کا تعلیمی نظام

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

شعبہ تحقیق و مراجع
وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی
حکومت پاکستان، اسلام آباد

مقالاتِ سیرت

ریاست کا تعلیمی نظام

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

2024ء / 1446ھ

طبع اول: 2024ء / 1446ھ

تعداد: 500

اہم نوٹ:

مقالات سیرت میں شائع ہونے والے مواد کے بارے میں تمام تر ذمہ داری متعلقہ مقالہ نگار کی ہے اور ادارے کا اُن کی آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ناشر: شعبہ تحقیق و مراجع وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، اسلام آباد

مطبع: گل اعوان پرنٹرز، اسلام آباد

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مشمولات

(پہلا سیشن)

پیغام: وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی 7

پیش لفظ 9

خطاب جناب ذوالفقار حیدر: سیکرٹری مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی 13

خطاب جناب چوہدری سالک حسین: وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی 16

خطاب جناب سینیٹر محمد اسحاق ڈار صاحب: نائب وزیر اعظم و وزیر خارجہ پاکستان 20

خطاب مولانا حنیف جالندھری: ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان 24

خطاب جناب طاہر محمود اشرفی: چیئرمین پاکستان علماء کونسل 29

خطاب جناب ڈاکٹر محمد یاسین ظفر: ناظم اعلیٰ وفاق المدارس سلفیہ پاکستان 32

خطاب محترمہ نبیرہ عندلیب: پرنسپل شعبہ خواتین جامعہ نعیمیہ لاہور 35

خطاب جناب حافظ سید ریاض حسین نجفی: صدر وفاق المدارس الشیعہ پاکستان و پرنسپل جامعۃ المنتظر لاہور 38

خطاب جناب مفتی احمد علی 41

(دوسرا سیشن)

خطاب جناب چوہدری سالک حسین: وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی 44

خطاب جناب ڈاکٹر عزیر محمود الازہری: ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان 47

خطاب جناب انیق احمد: سابق نگران وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی 49

خطاب محترمہ سمیعہ راحیل قاضی 51

خطاب جناب سید شفاء اللہ شاہ بخاری 55

خطاب جناب فیصل کریم کنڈی: گورنر خیبر پختونخوا 58

خطاب جناب یوسف رضا گیلانی: چیئرمین سینیٹ آف پاکستان 59

مقالات سیرت ۲۰۲۴

محمد مشتاق احمد 63

مفتی زبیر عثمانی 91

ڈاکٹر محمد افضل 119

ڈاکٹر محمد فیروزالدین شاہ 137

ڈاکٹر یاسر فاروق 154

حق نواز 170

حبیب اللہ 191

صدام حسین 207

محمد عبداللہ 223

ڈاکٹر خولہ علوی 256

ڈاکٹر حفصہ نسرین 277

سمرین اختر 293

سعدیہ 311

مائیہ بنت عادل اختر 332

رابعہ عتیق 360

سمیرا لیاقت 383

شازیہ بانو 397

پیغام

وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معلم انسانیت، محسن کائنات حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ پوری انسانیت کے لیے رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو بنی نوع انسان کی انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لیے مشعل راہ ہے۔ انہی تعلیمات کی اہمیت کے پیش نظر وزارت مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، حکومتِ پاکستان ہر سال مختلف اقدامات کے ذریعے سیرت النبی ﷺ کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشاں ہے، جن میں **قومی مقابلہ مقالاتِ سیرت النبی ﷺ** اور **سالانہ سیرت کانفرنس** کا انعقاد نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

وزارت کو ہر سال ملک بھر سے سیرت پر لکھنے والے خواتین و حضرات، اسکالرز اور محققین کی طرف سے مقالات موصول ہوتے ہیں۔ یہ مقابلہ اردو، علاقائی زبانوں کے علاوہ انگریزی اور عربی میں بھی منعقد ہوتا ہے تاکہ عالمی سطح پر سیرت النبی ﷺ کے افکار و تعلیمات کو عام کیا جا سکے۔ ان مقالات میں سے بہترین اور معیاری تحریروں کو انعامات سے نوازا جاتا ہے اور بعد ازاں انہیں کتابی صورت میں شائع کر کے لائبریریوں، جامعات، مدارس، اہل علم اور سیرت سے دلچسپی رکھنے والے طبقات کو مفت فراہم کیا جاتا ہے۔

سال 2024 میں وزارت نے مقابلہ مقالات سیرت اور قومی سیرت کانفرنس کے لیے جس اہم موضوع کا انتخاب کیا وہ تھا:

"ریاست کا تعلیمی نظام، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں"

یہ موضوع نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ بنیادی ذریعہ ہے جس کے ذریعے فرد، معاشرہ اور ریاست کی فکری و عملی تشکیل ممکن ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم کو اپنے مشن کا مرکزی جزو بنایا اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی تعلیم و تربیت کو اولین ترجیح دی۔ مسجد نبوی کو تعلیمی مرکز بنایا گیا، اصحابِ صفہ کی تربیت و تعلیم کے ذریعے علم کے چراغ روشن کیے گئے، اور تعلیم کو عبادت کا درجہ عطا فرمایا گیا۔

آج جب ہمارا تعلیمی نظام مختلف چیلنجز سے دوچار ہے، ہمیں سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوئے ایک ایسا تعلیمی ڈھانچہ تشکیل دینا ہوگا جو علم کے ساتھ ساتھ اخلاق، کردار، دیانت، خدمت خلق اور امن و ہم آہنگی کے عناصر سے مزین ہو۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ایک مربوط اور ہمہ گیر تعلیمی نظام ہی ایک مثالی فلاحی ریاست کی بنیاد بن سکتا ہے۔

وزارتِ مذہبی امور نے اس اہم موضوع پر اہلِ قلم کو اظہارِ خیال کا موقع دیا، اور ملک بھر سے بڑی تعداد میں خواتین وحضرات نے اپنے تحقیقی مقالات ارسال کیے۔ ان میں سے منتخب، معیاری اور انعام یافتہ مقالات کو اب کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے تاکہ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تعلیمی نظام کی اصلاح کے لیے اجتماعی شعور کو بیدار کیا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ وزارت مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، حکومت پاکستان کی ان کاوشوں کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اور ہم سب کو سیرت النبی ﷺ کو اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کا حقیقی دستور بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سردار محمد یوسف

وفاقی وزیر

وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، اسلام آباد

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، حکومت پاکستان کا ہمیشہ سے یہ عزم رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور تعلیمات کو عام کیا جائے تاکہ امت مسلمہ اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار کو سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں سنوار سکے۔ اسی مقصد کے تحت وزارت ہر سال قومی سطح پر **مقابلہ کتب سیرت و نعت** کا انعقاد کرتی ہے، جس میں گزشتہ پانچ برسوں کے دوران تحریر کی گئی سیرت اور نعت سے متعلق کتابیں، بشمول بچوں کے لیے لکھی گئی کتب شامل کی جاتی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ، ہر سال سیرت النبی ﷺ سے متعلق ایک اہم اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ موضوع کا انتخاب کیا جاتا ہے جس پر اہل علم و تحقیق کو مقالہ نگاری کی دعوت دی جاتی ہے۔ ان مقالہ جات اور کتب کا جائزہ ماہرین پر مشتمل کمیٹی کے ذریعے لیا جاتا ہے، اور اول، دوم اور سوم آنے والوں کو ہر سال **ربیع الاول** کے مبارک مہینے میں منعقدہ **سیرت النبی ﷺ کانفرنس** کے دوران انعامات و اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔

سال **2024ء/1446ھ** کے لیے منتخب کردہ موضوع تھا : **"ریاست کا تعلیمی نظام، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں"**

یہ موضوع ہماری قومی ضروریات سے نہایت ہم آہنگ ہے۔ تعلیم ہی وہ بنیاد ہے جس پر افراد، ادارے اور ریاست کی فکری، اخلاقی اور سماجی تعمیر ممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم و تربیت کو نبوی مشن کا بنیادی ستون قرار دیا، اور اسلامی ریاست مدینہ کی بنیاد ہی علم، اخلاق، مساوات اور عدل پر رکھی۔ آپ ﷺ کی تعلیمات میں تعلیمی نظام نہ صرف دنیاوی ترقی کا ضامن ہے بلکہ اخروی فلاح کی کنجی بھی فراہم کرتا ہے۔

قومی سیرت مقابلہ جات 2024ء کے تحت ملک بھر سے بڑی تعداد میں خواتین و حضرات نے اپنے علمی، تحقیقی اور فکری مقالات ارسال کیے۔ اسی طرح سالانہ **سیرت النبی ﷺ کانفرنس** کے موقع پر ملک کے ممتاز علمائے کرام، دانشوروں اور ماہرین تعلیم کو دعوت دی گئی، جنہوں نے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ریاستی تعلیمی نظام کو درپیش چیلنجز کا تجزیہ کیا اور اصلاح کے لیے قابل عمل سفارشات پیش کیں۔ انعام یافتہ مقالات اور علماء و اسکالرز کی تقاریر کو مرتب کر کے "مقالاتِ سیرت" کے عنوان سے اس کتابی مجموعے کی صورت میں شائع کیا گیا ہے، جسے ملک بھر کی جامعات، دینی مدارس، لائبریریوں اور علمی مراکز میں مفت تقسیم کیا جائے گا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی کی اس کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اور ہمیں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ایک باکردار، باشعور اور مہذب معاشرہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ

ڈاکٹر سید عطاء الرحمن
وفاقی سیکرٹری
وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی، اسلام آباد

تقاریر قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس 2024ء

(پہلا سیشن)

خطاب جناب ذوالفقار حیدر
سیکرٹری مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مجلس محترم جناب سینیٹر محمد اسحاق ڈار صاحب نائب وزیر اعظم و وزیر خارجہ پاکستان
جناب چوہدری سالک حسین صاحب وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی
محترم وزراء، اراکین پارلیمنٹ، معزز سفراء کرام، قابل قدر علمائے کرام و مشائخ عظام
ملک بھر سے آئے ہوئے معزز مہمانان گرامی، خواتین و حضرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ سب کو اس عظیم الشان سیرت النبی ﷺ کانفرنس میں خوش آمدید کہتا ہوں اور ہم سب کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ہم سیرت النبی ﷺ سے عملی رہنمائی لینے کے لیے اس بابرکت محفل کا حصہ ہیں۔ ربیع الاول کا ماہ مبارک تمام مسلمانوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس ماہ مبارک میں ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ اس سال وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی جانب سے 49 ویں سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد اس ماہ مبارک کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی ایک کاوش ہے۔ وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی یہ بھی کوشش ہے کہ ملک کے مذہبی ہم آہنگی ورواداری، اخوت و مساوات، احترام انسانیت، عدم تشدد، اتحاد و اتفاق، مفاہمتی عمل اور ڈائیلاگ کے کلچر پر مبنی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔ ہر سال اسی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ اس کانفرنس کے درج ذیل اہم حصے ہیں:

۱۔ تقسیم انعامات مقابلہ مقالات و کتب سیرت و نعت ۲۔ سیرت النبی ﷺ کانفرنس کا انعقاد

وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی ہر سال، قومی، علاقائی، اور بین الاقوامی زبانوں (عربی اور انگلش) میں کتب سیرت و نعت کے مقابلوں کا اعلان کرتی ہے۔ نیز کسی ایک عنوان پر مقابلہ مقالات سیرت کا بھی اعلان ہوتا ہے۔ سال 2024ء کے مقابلہ مقالات / کتب سیرت و نعت کا اعلان جنوری کے مہینے میں کیا گیا تھا اور امسال مقالات سیرت کے لیے درج ذیل عنوان کا انتخاب کیا گیا۔

"ریاست کا تعلیمی نظام۔۔۔۔۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں"

اور آج کی اس عظیم الشان کانفرنس کا موضوع بھی یہی ہے۔ مقابلہ مقالات و کتب سیرت کے لیے وزارت کو موصول ہونے والے تمام مقالات و کتب کو ایک مشکل اور شفاف نظام سے گزار کے انعام یافتگان کو منتخب کیا جاتا ہے۔ سال 2024 کے مقابلہ کتب سیرت و نعت کے لئے کل 169 کتابیں اور 118 مقالات سیرت موصول ہوئے۔ میں انعام یافتگان اور شرکت کرنے والے تمام اسکالرز کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے حب رسول ﷺ کے جذبے سے سرشار ہو کر ادبی شہ پارے تخلیق کیے۔

اب میں اس کانفرنس کے موضوع کی مناسبت سے کچھ گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں آج ہم یہاں اس مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں کہ ہم اپنے محبوب آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تناظر میں ایک ریاست کے تعلیمی نظام پر غور

کریں جو علم حکمت اخلاق عظمت کا بہترین نمونہ ہے اسلام میں علم حاصل کرنے پر بہت زیادہ زور دیا گیا حضرت محمد مصطفی ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ اقرأ ہے یعنی پڑھیے اسلام میں تعلیم کی اہمیت کو یہی اجاگر کرتا ہے اللہ تعالی نے قران پاک میں فرمایا۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ۔ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی، انسان کو وہ علم دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ علم اللہ کی طرف سے ایک تحفہ ہے اور اس کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے ایک اسلامی ریاست میں تعلیم صرف ایک نعمت ہی نہیں بلکہ ہر شہری کا ایک بنیادی حقوق بھی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت چھوٹا ہو یا بڑا یا کسی بھی سماجی حیثیت سے تعلق رکھتا ہو اسلامی اصولوں پر مبنی تعلیمی نظام اس بات کو یقینی بنائے کہ ہر فرد کو معیاری تعلیم حاصل ہو اور جو اسے ایک ذمہ دار شہری کے طور پر اپنا کردار ادا کرنے کے قابل بنائے اور اسی لیے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

طَلَبُ العِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

سامعین محترم

حضرت محمد مصطفی ﷺ کی سیرت سے متاثر ریاست کا تعلیمی نظام جامع ہونا چاہیے جو دینی اور دنیاوی دونوں علوم پر مشتمل ہوں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے دنیاوی علم کی قدر کو بھی خاص اہمیت دی آپ نے اپنے پیروکاروں کو زبان حب فلکیات اور تجارت جیسے علوم سیکھنے کی بھی ترغیب دی جو کہ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے انتہائی ضروری تھے

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ اللہ پاک فرماتے ہیں

"پھر جب نماز ادا کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔" یہ آیت مسلمانوں کو مذہبی فرائض کی ادائیگی کے بعد روزگار کی تلاش کرنے اور دنیاوی سرگرمیوں میں مشغول ہونے کی ترغیب دیتی ہے یہ دینی اور دنیاوی تعلیم کے درمیان توازن کی بھی عکاسی کرتے ہیں جو کہ ایک ہمہ جہد شخصیت کی نشوونما کے لیے انتہائی ضروری ہے

سامعین کرام

ایک اہم چیز جس کو آج پس پشت ڈال دیا گیا ہے وہ ہے تعمیر کردار اور افراد کی تربیت اور اس کی بنیاد اخلاق ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نہ صرف خود اخلاق کا پیکر تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی خاص تلقین کی اور تربیت فرمائی اور یہی وہ تربیت تھی جس سے صحابہ کرام کو عظیم بنایا اور انہوں نے ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیا آپ ﷺ نے فرمایا۔

"إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق"

یعنی میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں

اخلاق تربیت اور کردار سازی پر مبنی تعلیم نظام کو ترجیح دینا وقت کی اہم ضرورت ہے طلباء کو ایمانداری دیانتداری ہمدردی انصاف کی تعلیم دی جانی چاہیے جو اسلامی تعلیمات کا لازمی حصہ ہے عدل اور انصاف اسلامی اخلاقیات کے ستون ہیں اور ان اقدار کو تعلیمی نصاب میں گہرائی سے

شامل کیا جانا چاہیے اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام افراد کی تربیت کے ساتھ ساتھ اجتماعی سماجی انصاف اور مساوات کو بھی فروغ دیتا ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات سے متاثرہ تعلیمی نظام کو مظلوموں کی حمایت کرنی چاہیے سب کے لیے مساوی مواقع فراہم کرنے چاہیے اور نسل قومیت یا جنس کی بنیاد پر کسی بھی قسم کے امتیاز کو ختم کرنا چاہیے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تعلیم کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئی قیامت کے دن وہ اور میں اس طرح ساتھ ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں ملا کر دکھائی یہ حدیث خواتین کے ساتھ احترام اور وقار کے ساتھ برتاؤ کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے جس میں ان کا حق ہے تعلیم کو بھی بہت زیادہ اہمیت دی گئی کیونکہ دونوں معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

سامعین کرام

ریاست کا تعلیمی نظام قرآن کی تعلیمات اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے اخذ کرنا چاہیے علم کے حصول کو بنیادی حق کے طور پر فروغ دینا چاہیے تعلیم کے جامع نظریہ کو اپنا نصب العین بنانا چاہیے اخلاق ترقی کو ترجیح دینی چاہیے اور سماجی انصاف اور مساوات کو فروغ دینا چاہیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماڈل کی پیروی کرتے ہوئے ایک اسلامی ریاست ایک ایسی تعلیم یافتہ منصفانہ اور اخلاقی طور پر مضبوط معاشرہ تشکیل دے سکتی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے انسانیت کے لیے رحمت کے مشن کو تکمیل دے گی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ ہمیں ان اصولوں کو اپنی تعلیمی نظام میں نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو کہ علم کے طلبگار ہیں اور اسے انسانیت کی بھلائی کے لیے عمل میں لاتے ہیں۔ آپ سب کا بہت بہت شکریہ

پاکستان پائندہ باد

خطاب جناب چوہدری سالک حسین
وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد

صدر مجلس محترم جناب سینیٹر محمد اسحاق ڈار صاحب نائب وزیر اعظم و وزیر خارجہ پاکستان

محترم جناب ذوالفقار حیدر صاحب وفاقی سیکرٹری برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

محترم وفاقی وزراء، اراکین پارلیمنٹ، معزز سفراء کرام، قابل قدر علمائے کرام و مشائخ عظام، ملک بھر سے آئے ہوئے معزز مہمانان گرامی، خواتین و حضرات، **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!**

میں محترم صدر مجلس جناب سینیٹر محمد اسحاق ڈار صاحب نائب وزیر اعظم و وزیر خارجہ پاکستان کو، اس عظیم الشان قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس 2024ء میں خوش آمدید کہتا ہوں اور صدر مجلس اور دیگر شرکا کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی کی طرف سے کانفرنس میں شرکت کی دعوت قبول فرمائی۔

محترم صدر مجلس!

میں 12 ربیع الاول کے مبارک موقع پر تمام حاضرین مجلس کو اور اہلیان وطن کو دلی مبارک باد بھی پیش کرتا ہوں۔ یہ دن ہمیں حضور رحمۃ للعالمین کے اُسوہ حسنہ کی روشنی میں اپنے شب و روز کو منور کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی اعلیٰ اور روشن تعلیمات کا احیاء اور فروغ ہی وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔

آج ہم سب پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت پیش کرنے کے لئے اس کانفرنس میں جمع ہوئے ہیں۔ ہمیں اس بابرکت محفل کے ذریعے ملک بھر سے آئے ہوئے علمائے کرام اور مشائخ عظام سے ملاقات اور گفتگو کا موقع مل رہا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات ہمارے لیے سرچشمہ ہدایت اور مشعل راہ ہے۔ اور ایسی کانفرنسز کا بنیادی مقصد نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور اسوۃ کا پرچار کرنا ہے تاکہ معاشرے کا ہر فرد اور ادارہ آپ ﷺ کی زندگی سے راہنمائی لے کر معاشرتی، مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی اور بین الاقوامی افق پر کامیاب و کامران ہو سکے اور دوسروں کے لئے مشعل راہ ہو۔

اس سال 2024ء میں قومی سیرت النبی کانفرنس کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے وہ ہے۔

"ریاست کا تعلیمی نظام، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں"

اگر ہم نبی اکرم ﷺ کی زندگی اور تعلیمات پر غور کریں، تو معلوم ہو گا کہ یہ تعلیمات نہ صرف روحانی ہدایت کا سرچشمہ ہیں بلکہ ایک منصفانہ اور مضبوط تعلیمی نظام کے قیام کے لیے بھی مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ جدید دنیا میں علمی تفاوت اور سماجی ناانصافیوں کے چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں موجود اصول ہماری قوم کے لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر روشن مینار ہیں جن کے نور میں گمراہی اور تاریکی سے نکل کر ہم کامیابی اور کامرانی کی صبح کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کی مثالی طرز زندگی اور کمال طرز حکمرانی نے خطہ یثرب کو دنیا کی سب سے بہترین

فلاحی ریاست میں بدل کر رکھ دیا۔ جس کے پیچھے تعلیم کی قوت اور سٹریٹیجی شامل تھی۔ امت مسلمہ پر لازم ہے کہ اس اولین اسلامی فلاحی ریاست کے تمام پہلوؤں کو ہمہ وقت سامنے رکھے تاکہ ان مشکل ترین حالات میں ہم اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے مسائل حل کر سکیں۔

رسول اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نظام تعلیم اور علوم کی سرپرستی یہ بہت اہم موضوع ہے۔ مسلمانوں نے بعد کے زمانے میں جو علمی ترقیاں کیں اور جس کے باعث وہ ساری دنیا کے معلم بنے اور ساری دنیا کے لوگ عربی کتب کو پڑھ کر جدید ترین تحقیقات سے آگاہ ہوئے، اس کی اساس، ظاہر ہے عہد نبوی ﷺ کی تیار کردہ بنیاد ہی ہو سکتی تھی۔

ایک چیز ہے میں ہمیشہ متاثر ہوا ہوں اور یہ ایک نہایت ولولہ انگیز چیز ہے۔ نبی امی ﷺ کو سب سے پہلا جو خدائی حکم ملتا ہے وہ یہ ہے کہ:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ

اس میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ پہلے جملے میں اللہ کی طرف سے ایک حکم آتا ہے اور پھر پڑھنے کی اہمیت بھی اس وحی میں بیان کر دی جاتی ہے، یعنی یہ کہ قلم ہی وہ واسطہ ہے جو انسانی تہذیب و تمدن کا ضامن و محافظ ہے۔

سامعین محترم!

نبی کریم ﷺ نہ صرف روحانی رہنما ہیں بلکہ ایک مثالی معلم بھی ہیں جن سے ہم نہایت قیمتی سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ ایک تعلیمی نظام کیسا ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے مطالعے سے ہم ایسے اہم اصول حاصل کر سکتے ہیں جو ایک تعلیم یافتہ اور متوازن تعلیم یافتہ معاشرے کی تشکیل میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم الشان معلم اور مربی بھی تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ اور آپ کے تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ لوگ دین اور دنیا میں کہاں کہاں اور کتنے کامیاب ہوئے اسکی مثال خلفائے راشدین کے مثالی نظام حکمرانی سے لیکر صحابہ کرام کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں سے جابجا دی جا سکتی ہے جس سے سارا جہاں واقف ہے۔
قرآن کریم اور حدیث پاک ﷺ چونکہ کسی بھی اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کا تانا بانا ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا::

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ریاست کے تعلیمی نظام کو نہ صرف ذہنی ترقی پر توجہ دینی چاہیے بلکہ اخلاقی اور روحانی ترقی پر بھی زور دینا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے"

یہ حدیث اخلاقی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں اخلاقی خصوصیات جیسے کہ احسان، دیانت، صبر اور عاجزی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ ان خصوصیات کو نصاب میں شامل کرنا چاہیے تاکہ طلباء نہ صرف علمی طور پر بلکہ اخلاقی طور پر بھی مضبوط ہوں۔ آج معاشرے میں میرٹ ملے گا لیکن دیانت کا فقدان نظر آئے گا۔ زندگی کے ہر شعبے میں اخلاقیات کا نفاذ کسی بھی معاشرے کے علمی لیول اور نظام تعلیم کی کامیابی کا تعین کرتی ہے کہ جب کوئی سی سی ٹی وی کیمرہ نہ ہو اور کوئی چیک اینڈ بیلنس نہ ہو پھر عوام کیا کرتی ہے اور ان سے کیسے اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ میں اور صحابہ کرام کی زندگیوں میں وہ جمیع اخلاقیات اور قدریں جیسے انصاف، دیانت داری، امانت داری، خود احتسابی، ذمہ داری، دوسروں کے حقوق کا خیال، محبت، رواداری، سچ، عفو و درگزر اور ایثار نظر آتا ہے جسکے پیچھے سرکار دو عالم ﷺ کا وہ عظیم نظام تعلیم و تربیت ہے جو انسان کے اندر یہ تقویٰ اور اللہ کا خوف پیدا کر دیتا ہے کہ کوئی دیکھے نہ دیکھے غلط کام نہیں کرنا کیونکہ میرا اللہ دیکھ رہا ہے

اور مجھے ایک ایک ذرے کا حساب دینا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک نے احترام قانون بھی سکھایا اور قانون پر عملداری کا نظام وضع کر کے ترقی کی منازل بھی طے کرنے لگے لیکن انکے پاس یہ تقویٰ اور پاکیزگی پیدا کرنے کا کوئی میکنزم نہیں ہے جو کہ ہمیں سیرت النبی ﷺ سے ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں قانون کی عملداری قائم کی وہاں تعلیم وتربیت کے میدان میں وہ کامیابی حاصل کی کہ اپنے اصحاب کے اندر وہ تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا کر دی کہ تاریخ آج بھی انکی مثالیں دیتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اپنا نظام تعلیم وتربیت یوں مرتب کریں کہ ہمارا ہر فرد چاہے وہ ڈاکٹر بنے یا سیاستدان، تاجر ہو یا مزدور، عالم ہو یا ٹیچر، بادشاہ ہو یا سپہ سالار، سرکاری ملازم ہو یا پرائیویٹ یا زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو وہ دیانت دار اور امانت دار بھی ہو۔ یوں وہ معاشرے کو مثالی بنا دے گا۔ اور یہی نبی کریم ﷺ کا کارنامہ ہے جسکی نظیر ہمیں آج کے اس ترقی یافتہ دور میں کہیں نہیں ملتی۔

روحانی تعلیم کی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید میں بارہا تقویٰ (اللہ کا خوف) کی اہمیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں کہا گیا ہے:

"ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" ترجمہ: "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔"

تیسرا اہم نکتہ جس نے جاگیرداری اور عدم مساوات اور ناانصافی کی جڑوں کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ ہے تمام نسل انسانی کے لئے بغیر کسی تفریق کے تعلیم کا بنیادی حق۔ نبی کریم ﷺ نے ہر شخص کے لیے علم حاصل کرنے کے حق کی حمایت کی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اور کسی بھی نسل یا معاشرتی حیثیت سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یہ بیان انقلاب آفریں ہے، کیونکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تعلیم صرف مخصوص طبقے کے لیے نہیں بلکہ ہر فرد کا حق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر ایک تعلیمی نظام ہر طالب علم کو مساوی مواقع فراہم کرے گا اور تعلیمی رکاوٹوں کو دور کرے گا۔

چوتھا اہم نکتہ تعلیم وتربیت کے پراسیس میں اساتذہ اور علماء کا کردار ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بھی اساتذہ اور علماء کا کردار بہت اہم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

یہ حدیث اساتذہ کے بلند مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر مبنی تعلیمی نظام میں اساتذہ کی حیثیت محض معلومات فراہم کرنے والے نہیں بلکہ وہ طلباء کے کردار اور مقدر کو سنوارنے والے ہوتے ہیں۔ ریاست کو اساتذہ کی تربیت اور ترقی میں سرمایہ کاری کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دے سکیں۔

آخری نکتہ جسکی طرف میں اہل علم کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا وہ ہے جدید تعلیمی نظام میں عملی اطلاق کیسے ممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں، ہم ان اصولوں کو جدید تعلیمی نظام میں کیسے لاگو کر سکتے ہیں؟ سب سے پہلے، نصاب کو اس طرح تیار کیا جانا چاہیے کہ دینی اور دنیاوی علم میں توازن ہو۔ سائنس، ریاضی، اور تاریخ جیسے مضامین کو قرآن، حدیث، اور فقہ کے ساتھ سکھایا جائے تاکہ طلباء کی تعلیم متوازن ہو۔

دوسرا، کردار کی تعمیر کو نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ اسکولوں، کالجوں، مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں ایسے پروگرام نافذ کیے جائیں جو دیانتداری، ہمدردی، اور دوسروں کے احترام جیسے اخلاقی اقدار کو سکھائیں، جو نبی کریم ﷺ کی خصوصیات کا عکس ہو۔

تیسرا، تعلیم کو سب کے لیے دستیاب بنایا جائے۔ ریاست کو یقینی بنانا چاہیے کہ تعلیمی مواقع ہر شہری کے لیے میسر ہوں، خاص طور پر نچلے طبقے کے لیے، اور طلباء کو کامیاب بنانے کے لیے معاون نظام فراہم کیا جائے۔

اسکے ساتھ ساتھ، تعلیمی نظام میں ٹیکنالوجی کا کردار نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جدید ٹیکنالوجی موجود نہیں تھی، لیکن انہوں نے جو اصول سکھائے، جیسے کہ علم کے حصول اور اس کی اشاعت کے لیے تمام دستیاب وسائل کا استعمال، آج کے دور میں بھی لاگو ہو سکتے ہیں۔ تعلیمی نظام میں ٹیکنالوجی کو شامل کرنا علم کو زیادہ قابل رسائی اور دلچسپ بنا سکتا ہے۔

آخر میں یہی کہوں گا کہ، ایک تعلیمی نظام جو نبی کریم ﷺ کی سیرت سے متاثر ہو، وہ ہے جو علم کی قدر کرتا ہے، اخلاقی اور روحانی ترقی کو فروغ دیتا ہے، شمولیت کی حمایت کرتا ہے، اور اساتذہ کے اہم کردار کا احترام کرتا ہے۔ ان اصولوں کو اپناتے ہوئے، ہم ایک ایسا تعلیمی نظام تیار کر سکتے ہیں جو نہ صرف طلباء کو دنیاوی کامیابی کے لیے تیار کرتا ہے بلکہ ان کی روح اور کردار کی بھی پرورش کرتا ہے، اور انہیں ایک ذمہ دار، اخلاقی اور روحانی طور پر آگاہ فرد بننے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اللہ ہمیں ان تعلیمات کو اپنے تعلیمی نظام اور زندگی میں نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ آخر میں رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیرت النبی ﷺ کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق دے اور ہمارے ملک پاکستان کو نبوی اصولوں کی روشنی میں علمی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی استحکام نصیب فرمائے آمین۔ آپ سب کا بہت شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

خطاب جناب سینیٹر محمد اسحاق ڈار صاحب
نائب وزیر اعظم و وزیر خارجہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب چوہدری سالک حسین صاحب وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

محترم جناب ذوالفقار حیدر صاحب وفاقی سیکرٹری برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

محترم وفاقی وزراء، اراکین پارلیمنٹ، معزز سفراء کرام، قابل قدر علمائے کرام و مشائخ عظام، ملک بھر سے آئے ہوئے معزز مہمانان گرامی، خواتین و حضرات، **السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!**

میں سب سے پہلے وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی جناب چوہدری سالک حسین صاحب، سیکرٹری مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی اور وزارت کے تمام افسران اور عملے کو اس عظیم الشان کانفرنس کے انعقاد پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور معزز علماء و مشائخ اور جملہ خواتین و حضرات کو خوش آمدید کہتا ہوں کہ آپ سب اس محفل میں حکومت پاکستان کی دعوت پر شریک ہوئے۔

آج کے اس عظیم الشان سیرت النبی ﷺ کانفرنس میں شریک ہونا میرے لیے ایک عظیم سعادت کی بات ہے، جہاں ہم سب نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر کر رہے ہیں۔ آج کا ہمارا موضوع ہے: "ریاست کا تعلیمی نظام سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں"۔

یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی بنیاد خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی ابتدائی وحی میں رکھی ہے، جہاں فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ

ترجمہ: اللہ کے نام سے پڑھیے۔ جس نے (جہانوں) کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جس کا علم اس کے پاس نہیں تھا۔

اس آیت میں تعلیم کی فضیلت اور اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا کر کے اشرف المخلوقات بنایا، اور قلم کے ذریعے اس علم کو محفوظ کیا تاکہ رہتی دنیا تک اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ علم ہی وہ روشنی ہے جو انسان کو نیکی و بدی میں تمیز سکھاتی ہے اور ہدایت کی راہ دکھاتی ہے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک بلند مقام اور قربت کا حصول انہی لوگوں کے لیے ممکن ہے جو تقویٰ اور علم سے مزین ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنے اور ایمان لانے والوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ: "اللہ ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو ایمان لائے اور جنہوں نے علم حاصل کیا" (سورۃ المجادلہ: 11)۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ: "اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ کیا علم رکھنے والے (عالم) اور علم نہ رکھنے والے (جاہل) برابر ہو سکتے ہیں، نصیحت تو وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں" (سورۃ الزمر: 9)۔

خواتین و حضرات!

علم کا حصول ایک دینی فرض ہے۔ اسلام میں حصول تعلیم لازمی ہے۔ تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر، اسلام میں اختیاری تعلیم کا کوئی تصور نہیں ہے۔ تعلیم ہر ایک کے لیے ضروری ہے اور اس کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ناخواندہ افراد کی تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور انہیں حصول علم پر آمادہ کرنا حکومت کا فرض ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" بچے قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا انتظام کرنا در حقیقت خود اپنے مستقبل کو سنوارنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے والدین کو بچوں کی تعلیم کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: "کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔"

نبی اکرم ﷺ نے تعلیم کے ذریعے دین اسلام کو پوری دنیا میں پھیلایا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران، آپ ﷺ نے وہاں تعلیم کے مراکز قائم کیے اور مسجد نبوی کو علم کا مرکز بنایا، جہاں اصحاب رسول ﷺ علمی دروس و حلقوں میں شریک ہو کر تعلیم سے فیض یاب ہوتے تھے۔ آج کل بھی مدینہ شریف میں درس جاری ہے۔

خواتین و حضرات!

آج پاکستان کی حالت پر نظر دوڑائیں تو ہمیں تعلیم کے شعبے میں بے شمار چیلنجز کا سامنا ہے۔ تعلیمی ادارے موجود تو ہیں، لیکن تربیت کا فقدان ہے۔ ہمیں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ تعلیم کے نظام کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اسے سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں مرتب کیا جائے، تاکہ ہماری نسلیں نہ صرف علم سے بہرہ مند ہوں بلکہ ان کی تربیت بھی اسلامی اصولوں پر ہو۔

اس سلسلے میں اپنے بھائی چوہدری سالک حسین کو برادرانہ مشورہ دوں گا ان کی جو وزارت ہے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی اگر یہ وزارت تعلیم کے ساتھ مل کر علماء کی تجاویز کے حوالے سے کوئی ایک جامعہ تجاویز مرتب کرے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑی ان کی خدمت ہوگی یہ میرے نزدیک صدقہ جاریہ ہو گا جب تک اس پر عمل ہو گا اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو بھی اجر و ثواب عطا کرے گا۔

تعلیم کا مقصد صرف مادی ترقی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی نشوونما بھی ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں تعلیم کا بنیادی مقصد اللہ کی معرفت، اطاعت، اور انسانوں کی فلاح و بہبود ہے۔ تعلیم کے ذریعے انسان اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور معاشرے کی نشوونما میں بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔ ہمیں اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ ہمارے تعلیمی ادارے نہ صرف دنیاوی علوم میں ممتاز ہوں بلکہ ان میں اسلامی اخلاقیات اور روحانیت کا بھی اہم کردار ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: "مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اخلاق کی اعلیٰ قدروں کو مکمل کروں۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ دین کیا چیز ہے انہوں نے فرمایا اخلاق، پھر وہی سوال کیا فرمایا اخلاق، تیسری مرتبہ سوال کیا پھر فرمایا اخلاق، ہم دیکھتے ہیں ہمارے نوجوانوں میں کچھ عرصے سے اخلاق کی کمی آگئی ہے تمام علماء سکالر جن کا ایجوکیشن سے تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ مل کر آنے والی نسلوں کے اخلاق کو صحیح راستے پر لگائے اس کے لیے کوشش کرے آپ کی جو نوجوان ہے ان کی 65٪ آبادی ہے یعنی 25 کروڑ آبادی میں 65٪ آبادی نوجوانوں کی ہے اور نوجوانوں میں ہر آنے والے دن میں اخلاق کی کمی آجاتی ہے آج کل یہ جو انٹرنیٹ کا استعمال ہے آپ جانتے ہیں کہ اس میں کس قسم کی بد اخلاقی شروع ہو چکی ہے آپ اپنا Point of view دے سکتے ہیں اور وہ اچھے طریقے سے بھی دیا جاتا ہے لیکن بد تمیزی بد اخلاقی وغیرہ ان کے لیے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔ اسلامی نظام تعلیم میں اخلاقیات کی تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے نظام تعلیم کو اس بات پر توجہ دینی چاہیے کہ طلباء میں نہ صرف علمی صلاحیتیں پیدا ہوں بلکہ وہ اخلاقی طور پر بھی بہترین انسان بن سکیں۔

سرکار دو عالم خاتم النبیین ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے قبل عرب معاشرہ جہالت، ظلمت اور گمراہی کے عمیق گڑھے میں گرا ہوا تھا۔ اس زمانے کے لوگ بے جا غرور، تکبر اور جہالت میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرتے اور اس پر فخر کرتے تھے، ان کے

نزدیک عزت اس کی تھی جو زیادہ دولت مند ہو۔ ان لوگوں نے کمزوروں کے استحصال کو ہی اپنی کامیابی سمجھ رکھا تھا۔ سرکار دوعالم ﷺ نے ایمان کی دولت سے محروم ان عرب قبیلوں اور خاندانوں کی زندگیوں کو علم کے نور سے منور کیا اور یہ جاہل عرب قوم مہذب اور تعلیم یافتہ بن گئی، جس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے یہ پوری قوم امت واحدہ بن کر قرآن وحدیث کی تعلیم وتدریس میں مصروف ہو گئی۔ آج آپ دیکھیں تو سب سے تیز جو دین پھیل رہا ہے وہ دین اسلام ہے تو یہ بھی ایک معجزہ ہے لیکن جو تعلیم 1400 سال قبل تو نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی امت کو لگایا جب شروع ہوا تو چند صحابہ کرام تھے اج اپ ایک بہت بڑی دنیا کی یعنی چھ ارب آبادی ہے اس میں آپ کا دو ارب بہت بڑا حصہ ہے آج کل OIC میں 57 اسلامی ممالک ہیں۔

ہمارا تعلیمی نظام اس نکتے پر مبنی ہونا چاہیے کہ یہ صرف معلومات فراہم نہ کرے بلکہ فرد کے کردار کو بھی تعمیر کرے۔ آج کے تعلیمی نظام میں ہمیں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں ان اصولوں کو شامل کرنا چاہیے جو معاشرتی ترقی، اخلاقی بلندی اور روحانی پاکیزگی کا باعث بن سکیں۔ اسلامی تعلیم کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ وہ فرد کے دل ودماغ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے جوڑے۔ اور اس افادیت کے حامل علم کے حصول کو کسی مسلمان کی زندگی کا لازمی حصہ ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے مسلسل ایسے علم میں اضافے کی دعا بھی کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: **"وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا"** ترجمہ: "اور کہہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔"

خواتین وحضرات:

اسلامی نظام تعلیم کا ایک اور اہم پہلو معاشرتی انصاف اور مساوات ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ترجمہ: "اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو۔" ہمارے تعلیمی نظام کو ان اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے جو عدل وانصاف، مساوات اور انسانی حقوق کے علمبردار ہوں۔ ایسے طلباء تیار کیے جائیں جو معاشرے میں عدل وانصاف کو فروغ دیں اور انسانی فلاح کے لیے کام کریں۔

خواتین وحضرات!

ہمارا موجودہ تعلیمی نظام دو متضاد سمتوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک طرف دینی مدارس ہیں جو جدید علوم سے دور ہیں، اور دوسری طرف وہ تعلیمی ادارے ہیں جو جدید علوم تو پڑھاتے ہیں مگر دین سے خالی ہیں۔ اس دوہری تقسیم کو ختم کرنا ضروری ہے تاکہ ہم ایک متحد اور مربوط تعلیمی نظام کے تحت قوم کے تمام افراد کو دین اور دنیا دونوں کی تعلیم دے سکیں۔ اسلام علم کو دینی اور دنیاوی خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ بنیادی دینی تعلیم ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ اس کے بعد علم ومعرفت کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ قرآن کریم میں علوم موسمیات، نباتات، طبقات الارض، بشریات اور حیوانات کی طرف اشارے موجود ہیں، جو جدید علوم کے زمرے میں آتے ہیں۔ اسلامی نظام تعلیم کا جامع تصور ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تعلیم کے ذریعے ہمہ جہت ترقی اور انسانی بھلائی ممکن ہے۔ ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو اس جامع تصور کے مطابق ڈھالنا ہوگا تاکہ ہم دنیاوی اور دینی دونوں علوم میں ممتاز ہو سکیں اور ایک صالح معاشرے کی تشکیل کر سکیں۔ جس میں اخلاقیات بہت اوپر درجے پر ہو۔

ہمارے دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے دنیا کو ایک نئے مقام پر پہنچا دیا ہے۔ جدید سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی نے ہماری زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہماری تعلیمی نظام کو جدید سائنسی اور تکنیکی علوم میں بھی ماہر ہونا چاہیے۔ اسلام نے علم کی جستجو اور تحقیق کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ایک حدیث شریف میں اس زمانے میں عرب سے چین جانا کوئی خواب ہی ہوگا آج بھی آپ کئی گھنٹے جہاز میں سفر کر کے پہنچتے ہیں تو آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین جانا پڑے یہ بات ہم 1400 سال پہلے کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا مشکلات آئے سفر کرنا پڑے جہاں علم ملتا ہے

وہاں علم حاصل کرے۔ ہمیں اپنے طلباء کو جدید سائنسی علوم، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ، میڈیسن اور دیگر جدید علوم کی تعلیم دینی چاہیے تاکہ وہ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکیں۔

آخر میں، میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے تعلیمی نظام کو بہتر بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں علم کے نور سے منور کرے۔ آمین۔

شکریہ۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پاکستان پائندہ باد

خطاب مولانا حنیف جالندھری

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیاء والمرسلین، و علی آلہ و اصحابہ اجمعین، و من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔ اما بعد، فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ صدق اللہ العظیم، و صدق رسولہ النبی الکریم، و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین، و الحمد للہ رب العالمین۔

قابل صد احترام، گرامی قدر محترم جناب چوہدری سالک حسین صاحب وفاقی وزیر برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی، گرامی قدر محترم جناب ذوالفقار حیدر صاحب وفاقی سیکرٹری برائے مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی، قابل صد احترام مشائخ عظام، علماء کرام، ارباب علم و دانش، اصحاب فکر و نظر، السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ربیع الاول کی مبارک اور مقدس مہینے کی آج ۱۲ تاریخ جو جناب نبی کریم، رحمت عالم، حضور اکرم ﷺ کی پیدائش، ولادت باسعادت کا مبارک دن ہے۔ آج کے اس مبارک دن میں وفاقی وزارت مذہبی امور نے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے میں اس انتخاب پر انہیں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت دے کر اس سعادت میں شریک کیا، یہ عنوان اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ملک وملت کی تعمیر وترقی اور استحکام میں نظام تعلیم ایک بنیادی، اساسی، جوہری اور کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے تاجدار ختم نبوت، جناب نبی کریم ﷺ کے طفیل میں جو ہمیں دین اسلام عطا کیا ہے یہ مذہب نہیں ہے بلکہ دین ہے، اس سے پہلے انبیاء کرام کو مذہب دیے گئے مگر جناب نبی کریم ﷺ مذہب نہیں بلکہ دین لیکر آئے اس لئے قرآن کریم میں لفظ اسلام ہے وہاں مذہب کا نہیں بلکہ دین کا لفظ ہے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالی ہے کہ:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا"

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ"

"اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"

اور خود حضور پاک ﷺ نے بھی احادیث مبارکہ میں اسلام کے لئے مذہب نہیں بلکہ دین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حدیث جبرائیلؑ جو کہ ام السنۃ ہے اس میں آپ نے فرمایا

"یہ جبرائیلؑ ابھی انسانی شکل میں آئے تھے تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھادیں"

تو پہلی گزارش یہ کہ کبھی بھی کسی مسلمان کو بولتے یا لکھتے وقت یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میرا مذہب اسلام ہے بلکہ اسے کہنا چاہئے کہ میرا دین اسلام ہے، مذہب ایک محدود تصور رکھتا ہے جبکہ دین ایک بہت جامع تصور رکھتا ہے، دین ایک مکمل ضابطہ حیات کا نام ہے، دستور زندگی کا نام ہے اور دین اسلام کی بنیاد ۵ چیزوں پر ہے

۱۔ عقائد و نظریات

۲۔ عبادات

۳۔ معاملات (جس کو آپ معیشت و تجارت بھی کہہ سکتے ہیں)

۴۔ معاشرت

۵۔ اخلاق و آداب زندگی

یہ پانچوں اسلام کی بنیادیں ہیں، ان پانچوں کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ عقائد و نظریات کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے، عبادات کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے، معاملات و تجارت کے لئے تعلیم کی ضرورت ہے اور اسی طرح معاشرت کے لئے، رہنے اور سہنے کے لئے علم اور تعلیم کی ضرورت ہے، آداب زندگی اور اخلاق کے لئے پہلے علم کی ضرورت ہے۔ علم ہوگا تو میں اور آپ عقیدہ توحید، عقیدہ ختم نبوت و رسالت اور دیگر عقائد پر ایمان لائیں گے، علم ہوگا تو ہم عبادات کر سکیں گے، علم ہوگا تو ہم خرید و فروخت اور لین دین شریعت کے مطابق کر سکیں گے، علم ہوگا تو ہمیں رشتہ داروں کے حقوق کا، پڑوسیوں کے حقوق کا، خواتین کے حقوق کا علم ہوگا، علم ہوگا تو ہمیں اچھے اور برے اخلاق کا فرق معلوم ہوگا۔ گویا اسلام جو دین اور ضابطہ حیات ہے اور اس کی جو ۵ بنیادیں ہیں، ان پانچوں بنیادوں کی بنیاد تعلیم ہے۔ اس لحاظ سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عنوان نہ صرف وقت، قوم اور ملت کی ضرورت ہے بلکہ یہ دین کا تقاضہ بھی ہے۔ مجھ سے پہلے وفاقی سیکرٹری، وفاقی وزیر مذہبی امور اور محترم اسحاق ڈار صاحب نے جو باتیں فرمائی، بہت جامع انداز میں فرمائی میں ان کو دہراؤں گا نہیں اشارے میں ۲، ۳ باتیں کر کے پھر اپنی تجاویز پیش کروں گا۔

اسلام میں علم کی تقسیم دین اور دنیا کے اعتبار سے نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت نوحؑ کی کشتی بنانے کا علم قرآن میں ہے گویا یہ قرآنی علم ہے، آدمؑ کو اللہ نے اسماالصفات کا علم دیا اس سے مراد اشیاء عالم بھی ہیں اور ان کی خاصیتیں بھی ہیں یہ علم بھی قرآن کا علم ہے، داؤدؑ کو لوہے کو نرم کرنے کا علم دیا گیا یہ بھی قرآن کا علم ہے، یوسفؑ کو خوابوں کی تعبیر کا علم دیا گیا یہ بھی قرآنی علم ہے، تو یہ تمام کے تمام قرآنی علوم ہیں۔ اسلام اور سیرت طیبہ کا جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے مجھے علم کی تقسیم دین اور دنیا کے اعتبار سے نظر نہیں آتی بلکہ مجھے علم کی تقسیم نافع اور غیر نافع کے اعتبار سے نظر آتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی دعا یہ ہے

"اللهم إني أسألك علما نافعا"

"اے اللہ مجھے ایسا علم دیجئے جو نفع دینے والا ہو"

اور آپ ﷺ نے پناہ مانگی

"اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع"

"اے اللہ جو علم کسی ضرورت اور فائدے کا نہ ہو مجھے اس سے محفوظ رکھئے۔"

تو علم کی تقسیم دین اور دنیا کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ نافع اور غیر نافع کے اعتبار سے ہے۔

دوسری بات یہ کہ علم ایک مقصد زندگی ہے اور ضرورت زندگی ہے، آپ حضرات اہل علم ہیں، ہم اپنا گھر بناتے ہیں، فارم ہاؤس بناتے ہیں، اس میں ہم بیڈ روم بھی بناتے ہیں، ڈرائینگ روم بھی بناتے ہیں، کچن بھی بناتے ہیں، ٹوائلٹ بھی بناتے ہیں مگر ہمارے گھر کا مقصد بیڈ روم اور ڈرائنگ روم ہوتا ہے، ہمارا گھر بنانے کا مقصد کچن یا ٹوائلٹ نہیں ہو کرتا، وہ ہماری ضرورت ہے ہمارا مقصد نہیں ہے، مقصد آرام کا کمرہ ہے۔ اسی طرح میرے دوستو اور میرے بھائیو میں نے جو سیرت طیبہ اور سنت کا مطالعہ کیا مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے زندگی کا مقصد قرآن و سنت اور

وحی الٰہی کا علم ہے باقی تمام جدید علوم میری اور آپ کی ضرورت ہیں، نہ ہم ضرورت کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ مقصد کو۔ آج بد قسمتی سے جو علم ہماری زندگی کا مقصد ہے وہ ضرورت سے بھی پیچھے چلا گیا اور جو علم ہماری ضرورت کا ہے (معاشیات کا علم، سائنس و ٹیکنالوجی، ریاضی و جغرافیہ) یہ تمام علوم میری دنیا کی ضرورت ہیں اور قرآن وحدیث کا علم میری زندگی کا مقصد ہے۔ اسی لئے اللہ نے کہا

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ"

میری کچھ سفارشات ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نصاب تعلیم سیرت طیبہ کی روشنی میں اس طرح ہونا چاہئے کہ تعلیم کا مقصد پیسہ کمانا نہ ہو بلکہ تعلیم کا مقصد اللہ کو راضی کرنا، ذات کی تکمیل، اعلیٰ انسانی اوصاف کا حصول اور ملک وملت کی خدمت کا جذبہ ہو۔

۲۔ نظام تعلیم کو اس طرح اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے کہ صرف ایک یا دو گھنٹے میں اسلامیات کی کتاب ہی نہیں بلکہ ہر علم وفن کی کتاب کو اس طرح مرتب ومدون کیا جائے کہ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے افکار ہر علم وفن میں رچے بسے ہوئے ہوں، ہر علم وفن کی تعلیم اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر کے ساتھ دی جائے۔ میں اس کی مثال مختصر اً عرض کرتا ہوں کہ ہم جغرافیہ پڑھاتے ہیں اگر ہم جغرافیہ کو قرآن سنت کے سانچے میں ڈھال کر اس طرح پڑھائیں کہ جغرافیہ پڑھنے والے کو سمت قبلہ کا تعین کرنا معلوم ہو، اوقات نماز کا طریقہ معلوم ہو، اس کو مواقیت حرام کے طریقے معلوم ہوں، تو ہم جغرافیہ پڑھائیں گے مگر قرآن وسنت کے آئینے میں پڑھائیں گے۔ ہم سائنس پڑھاتے ہیں اس میں ایک نظریہ یہ ہے کہ آپ یہ کہیں دماغ میں سوچنے کی صلاحیت موجود ہے اور آگ میں جلانے کی خاصیت ہے لیکن اگر ہمارا استاد پڑھائے تو سائنس مگر قرآن وسنت کے آئینے میں یوں پڑھائے کہ آگ میں جلانے کی خاصیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور دماغ میں سوچنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے تو وہ سائنس پڑھاتے ہوئے جہاں پر یہ تحقیقات پڑھائے گا وہاں پر وہ اسے اللہ کے ساتھ بھی جوڑ دے گا۔ اسی طرح ہم اپنے تعلیمی اداروں میں ریاضی پڑھاتے ہیں لیکن ہم ریاضی میں کیا پڑھاتے ہیں کہ اتنا سود ہو گیا، سود در سود کا حساب نکالتے ہیں اس کے بجائے اگر ہم اپنے نظام تعلیم کو سیرت طیبہ کی روشنی میں اس طرح ترتیب دیں کہ ریاضی پڑھانے والا یہ بتائے کہ زکوٰۃ نکالنے کے کیا طریقے ہیں اور کوئی فوت ہو جائے تو اس کی وراثت کے طریقے کیا ہیں۔ اسی طرح ہمارے تعلیمی اداروں میں اسلامیات کا معیار بہت پست ہے اسے بلند کیا جائے۔

۳۔ پانچویں جماعت تک ناظرہ قرآن کریم اور بارہویں جماعت تک ترجمہ قرآن کریم کی تعلیم کو یقینی بنایا جائے

۴۔ عربی زبان کو سیکنڈ لینگویج کے طور پر اختیار کیا جائے، اس لئے کہ ہر ملک میں کوئی دوسری زبان ہوتی ہے عربی زبان سے قرآن سمجھ آئے گا، سنت رسول اللہ سمجھ آئے گی، عالم عرب سے رابطہ ہو گا۔

۵۔ تربیت کی طرف بھی توجہ دی جائے اور تربیت صرف طالبعلم کی نہیں بلکہ استاد کی بھی ہونی چاہئے

۶۔ مخلوط نظام تعلیم میں نقصانات کیا ہوئے، فائدے کیا ہوئے اس کا حکومتی سطح پر جائزہ لینا چاہئے اور اگر مخلوط تعلیم کے نقصانات زیادہ ہوں تو ہمیں خواتین اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ تعلیمی اداروں کا بندوبست کرنا چاہئے۔

۷۔ طلباء کو ایسی غیر نصابی سرگرمیوں کی ہرگز اجازت نہ دی جائے جو کہ خلاف اسلام ہوں مثلاً ایسے ڈرامے اور رقص وسرود کی ایسی محفلیں جو قرآن وسنت اور سیرت طیبہ کے متصادم ہوں

۸۔ تعلیمی اداروں میں اسلامی شعائر کا احترام کیا جائے، نمازوں کے اوقات میں تمام تعلیمی اداروں میں نماز کا وقفہ کیا جائے اور ہر سرکاری و

پرائیویٹ اسکول، کالج اور یونیورسٹیز میں نماز کے لئے مسجد بنائی جائے اور اگر مسجد نہیں بنائی جاسکتی تو نماز کے لئے جگہ مخصوص کی جائے

۹۔ ہفتہ وار چھٹی اتوار کی بجائے جمعہ کو دی جائے۔

۱۰۔ ذریعہ تعلیم اردو قرار دیا جائے دنیا میں تعلیم ان کی اپنی زبان میں ہے مگر یہ کیا غلامانہ ذہنیت ہے کہ ۷۵ سال گزرنے کے بعد بھی ہم غلامی سے نہیں نکلے آج بھی ہمارے سر پر انگریزی سوار ہے آج ہم اپنے بچوں کو ریاضی، سائنس، جغرافیہ سب انگریزی زبان میں پڑھا رہے ہیں اگر وہ انگریزی زبان نہیں جانتا تو اسے ریاضی کا فن نہیں آتا، سائنس کا فن نہیں آتا۔ آزاد قومیں اپنی زبان کو ترجیح دیتی ہیں، ہمیں اپنا ذریعہ تعلیم اردو کو قرار دینا چاہئے، انگریزی زبان کو بطور زبان پڑھائیں لیکن انگریزی زبان، زبان ہے علم نہیں ہے۔ قرآن کی زبان عربی ہے، حضور کی زبان عربی ہے تو ہمیں عربی زبان کو لازمی کرنا چاہئے، اس کو لازمی مضمون کے طور پر رکھیں اور اس میں پاس ہونا بھی لازمی رکھیں، عربی کو اسلامیات سے الگ رکھیں دونوں کو مکس نہ کریں۔

۱۱۔ مدارس کے اندر بھی عصری بنیادی تعلیم لائی جائے، میں وفاق المدارس العربیہ اور تنظیمات مدارس کے خادم کی حیثیت سے پوری ذمہ داری سے یقین دہانی کرواتا ہوں کہ ہم پاکستان کے تمام مدارس اور جامعات میں میٹرک تک کی بنیادی تعلیم جس میں انگلش، سائنس، ریاضی، معاشرتی علوم، مطالعہ پاکستان، اردو، کمپیوٹر پڑھانے کے لئے تیار ہیں، ہم کئی مدارس میں یہ شروع کر چکے ہیں۔ میٹرک کے امتحان میں اکثر بورڈ میں ہمارے مدارس کے طلباء نے پوزیشنز لی ہیں۔ میں اپنے بھائی سالک حسین سے کہوں گا کہ آپ ایک تقریب کا اہتمام کریں جس میں مدارس کے وہ طلباء جنھوں نے اس سال میٹرک کے امتحان میں ٹاپ کیا ان کو انعام دیں اور ان کے اعزاز میں تقریب رکھیں تاکہ دنیا کو عملی طور پر پتہ چلے کہ مدرسہ صرف قرآن وحدیث نہیں پڑھاتا بلکہ سائنس، انگلش بھی پڑھاتا ہے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ حکومت آجکل میں اعلان کرے گی کہ ہم تمام تعلیمی اداروں میں دین کی بنیادی تعلیم، قرآن وسنت کی بنیادی تعلیم کو بھی لازم کررہے ہیں۔

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ"

یہ دین کی وہ بنیادی تعلیم ہے جو مرد اور عورت پر فرض ہے، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی طرح فرض ہے۔ ہم تو مدارس میں میٹرک تک تمام عصری مضامین پڑھائیں گے آپ بھی اعلان کریں کہ تمام سرکاری اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں قرآن، حدیث اور دین کی لازمی بنیادی تعلیم ضرور دیں گے۔ صرف مدرسہ ریفارم کی بات نہ کریں بلکہ ایجوکیشن ریفارم کی بات کریں۔ کہا جاتا ہے مدرسہ سے ڈاکٹر اور سائنسدان نہیں نکلتا تو مدرسہ کا یہ مقصد ہی نہیں ہے۔

آخری بات کروں گا کہ پوری قوم میں ختم نبوت کے حوالے سے بے چینی موجود ہے، ۲۲ اگست کو چیف جسٹس پاکستان نے قادیانی مبارک ثانی کیس میں مختصر فیصلہ سنایا آج ۲۵ دن ہونے کو ہیں تفصیلی فیصلہ نہیں آیا، قوم اضطراب و بے چینی میں ہے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ اٹارنی جنرل کے ذریعے چیف جسٹس سے کہیں کہ قوم کو اس اضطراب سے نکالے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ۷ ستمبر ۲۰۲۴ کو جب ختم نبوت کی گولڈن جوبلی تھی اور پارلیمینٹ کے غیر مسلم قرار دئے ہوئے قادیانی کو ۵۰ سال مکمل ہو رہے تھے اس سے پہلے چیف جسٹس صاحب فیصلہ دے دیتے پھر میں نے ان سے گزارش کی تھی کہ ۱۲ ربیع الاول سے پہلے دے دو لیکن شاید مصروف ہونے کی بنا پر نہ دے سکے تو خدا کے لئے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ ربیع الاول کے مبارک مہینے میں فیصلہ دے دیں اس فیصلے میں تاخیر نہ کریں۔ آج کی اس کانفرنس میں غزہ کے مسلمانوں کو نہ بھولیں ۷ اکتوبر کو ان پر وحشیانہ مظالم کو سال ہونے والا ہے، میں اپنے بھائی سالک حسین سے امید رکھوں گا کہ یہ حکومتی سطح پر جو کردار ادا کرسکتے ہیں کریں گے اور پارلیمینٹ میں اسرائیلی

مظالم کے خلاف قرارداد پیش کریں۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ وقت زیادہ لیا اور میں ایک بار پھر وزارت مذہبی امور کو اس عظیم عنوان پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اللہ کرے یہ نتیجہ خیز بھی ہو۔

وما علینا الا البلاغ۔

خطاب جناب طاہر محمود اشرفی
چیئرمین پاکستان علماء کونسل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی عباد اللہ الصالحین

امابعد

محترم المقام برادر عزیز جناب چوہدری سالک حسین صاحب انتہائی محترم جناب ذوالفقار حیدر صاحب سیکرٹری وزارت مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی، علماء و مشائخ، حضرت مولانا حنیف جالندھری صاحب نے تمام باتیں کر دی ہے صرف دو تین چھوٹی چھوٹی گزارشات ہے ایک تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ اج کا یہ جو اجتماع ہے اس اجتماع کی موجودگی میں یہ بات پورے پاکستان میں اور پوری دنیا تک جانی چاہیے. کہ دین اسلام جہاں مرد کی تعلیم کا حکم دیتا ہے وہاں عورت کی تعلیم کا بھی حکم دیتا ہے رسول اکرم ﷺ کا یہ جو فرمان ہے **طلب العلم فریضۃ علی کلِّ مسلم ومسلمۃ** جس میں مرد کا بھی ذکر ہے اور عورت کا بھی ذکر ہے اور جو لوگ اپنی بچیوں کو تعلیم سے روکتے ہیں وہ دراصل اسلام کے اس حکم کے مخالف بھی ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم مخالف بھی ہے ہمارے ہاں بعض لوگ اسلام کا نام لے کر بچیوں کو تعلیم سے روکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسلام ان کے اس عمل سے بری ہے اسلام کا اس عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے اگر ہم دیکھتے ہیں تو دین اسلام میں رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے بہت ساری رہنمائی جو ہے وہ ہمیشہ سیدہ طیبہ طاہرہ اماں عائشہ صدیقہ سے ملتی ہے سیدہ فاطمۃ الزہرا سے ملتی ہے سیدہ حفظہ سے ملتی ہے صحابیات سے ملتی ہے امہات المومنین سے ملتی ہے اور ایک اور بات ہے اج اگر بیوی یا بیٹی یا بیٹی بیمار ہو جائے ہر کوئی کہتا ہے کوئی لیڈی ڈاکٹر کوئی اچھی واقع ہے فلاں مرض کی میرے گھر کے اندر یہ مرض ہے جب میں اور اپ اپنی بیٹی کو لیڈی ڈاکٹر نہیں بنائیں گے تو لیڈی ڈاکٹر اسمان سے نہیں اترنی لہذا اج کے اس فورم سے میں چاہتا ہوں کہ ایک قرارداد پاس ہو کہ جو لوگ بچیوں کو تعلیم سے روکتے ہیں یا بچیوں کے پیدائش پہ ماتم کرتے ہیں گورنمنٹ اف پاکستان ان کے لیے سخت ایسے قوانین بنائے اور ایسے لوگوں کو کٹہرے میں کھڑا کیا جائے دوسری گزارش یہ ہے کہ ابھی بات ہوئی مدرسہ سکول کالج یونیورسٹی کی میرے بھائی مجھ سے بہت بہتر جانتے ہیں کہ ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ ہمارے ملک میں کتنے نظام تعلیم ہیں ہر یونیورسٹی نے اپنا نظام تعلیم بنایا ہوا ہے ہر سکولوں کی چین میں اپنا نظام تعلیم بنایا ہوا ہے اور پھر اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ الامان والحفیظ ہے لہذا ملک کے اندر ایک نظام تعلیم کی بات ہونی چاہیے جس نظام تعلیم میں دین بھی ہو اور دنیا بھی ہو جس میں انگلش بھی ہو اور عربی بھی ہو لیکن جو کچھ ہمارے جامعات اور یونیورسٹی کا حال ہے بالخصوص پرائیویٹ یونیورسٹیز کے جو صورتحال ہے وہ اپ سب کے سامنے ہے وہاں تعلیم معیار نہیں ہے وہاں پیسہ معیار بن چکا ہے مجھے خود ایک یونیورسٹی کا تجربہ ہو الاکھوں روپے فیس ہے لیکن اس کا لاہور کا کیمپس دو یا تین کمروں پر ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے تو میرا خیال ہے کہ جب ہم تعلیم کی بات کرتے ہیں تو تعلیم معیاری بھی ہونی چاہیے جس میں اخلاق بھی ہو جس میں کردار بھی ہو جو تعلیم اور تربیت دونوں ساتھ ساتھ ہو خالی تعلیم سے کوئی فائدہ نہیں ہے اگر تربیت عمل نہ ہو اور اج ہماری نوجوان نسل جس طرف جا رہی ہے اور جدید ذرائع ابلاغ جو ہے انہوں نے جس طرف اس کا اجتماع شروع ہو گیا ہے جسے اپ فیک نیوز کہہ لیں پروپگنڈا کہہ لیں کچھ بھی نام دے لیں حتیٰ کہ ہم بعض اوقات یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی حدیث ارسال کر دی جاتی ہے صبح صبح جب کھولتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث نبھی ہے اور جس کا کوئی وجود بھی نہیں ہوتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے

منسوب کر دی جاتی ہے ان حالات میں اپنی نوجوان نسل کو دین کی تعلیم سے بھی اور دنیا کی تعلیم سے بھی دونوں سے اراستہ کرنا یہ ہماری ذمہ داری ہے اور اخلاق یہ تو تیجی بات ہے یہ سوشل میڈیا نے خواہ وہ یونیورسٹی کا طالب علم ہے یہ ہمارے مدرسے کا طالب علم ہے اس سوشل میڈیا نے سب کو ہی ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے گالی بدتمیزی بد تہذیبی یہ حصہ بن چکا ہے اپ جا کے سوشل میڈیا پر دیکھ لیجئے جبکہ میرے اور اپ کے اقا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفی ﷺ کا فرمان بڑا واضح ہے کہ مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا انسان اور دوسرا مسلمان محفوظ ہو لیکن ہم یہ بھول چکے ہیں اسی طرح یہ وطن عزیز پاکستان کا بھی مولانا حنیف جالندھری صاحب نے کہا ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا **لا الہ الا اللہ** لیکن سودی نظام بھی ہم 76 سالوں سے ختم نہیں کر سکے نظام عدل ہمارے وزیر قانون کل کہہ رہے تھے بالکل درست کہہ رہے تھے کہ نظام عدل کا حال یہ ہے کہ 20 سال گزر جاتے ہیں پھر تاریخ نکلتی ہے پتہ چلتا ہے جس کے لیے سزا ہوئی تھی وہ فوت ہو گیا ہے یا اپنی قید کا کے واپس چلا جاتا ہے اور عدالت سے باعزت بری کیا جاتا ہے اس کے 20 سال کون دے گا یہ ساری چیزیں جو ہیں یہ ہمارے مسائل ہیں یہ تعلیم سے بھی وابستہ ہے تربیت سے بھی وابستہ ہے اگر تعلیم معیاری ہو گی تربیت اچھی ہو گی تو پھر ملک کے حالات بھی بہتر ہو جائیں گے پھر مصائب بھی ختم ہو جائیں گے پھر مسائل بھی حل ہو جائیں گے اور اگر تعلیم اور تربیت دونوں ہی میں فقدان ہو گا تو پھر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے جو اس وقت ہم کر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں وزارت مذہبی امور نے بہت اچھا موضوع کا انتخاب کیا ہے لیکن چودری سالک حسین صاحب اپ سے گزارش یہ ہے کہ یہ صرف ایک کانفرنس تک محدود نہ رہے اج اپ کو کل پرسوں ایک ہفتے بعد ایک کمیٹی بنائی ہے وزارت مذہبی امور بنائیں جس میں ہمارے اقلیتوں کے غیر مسلموں کے نمائندے بھی شامل ہو الحمدللہ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ بطور چیئرمین متحدہ علماء بورڈ پنجاب نصابی کتب سارے ساڑھے چار سو ہم نے جو ہے ان کو دیکھا ان کی اصلاح کی اج پنجاب کے اندر وہ پڑھائی جاری ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ میرے نصاب تعلیم میں دین مصطفی ﷺ میں پائی جانے والی رواداری بھی موجود ہو وہ محبت بھی موجود ہو اخوت بھی موجود ہو پتہ ہو کہ اسلام نے جو عورتوں کو حق دیا ہے اج بات ہوتی ہے عورتوں کے حقوق کی میرے دین نے تو جنت جس کے لیے سارا کچھ کیا جاتا ہے اسلام میں اتنا بڑا حق دے دیا کہ **الجنة تحت أقدام الأمهات** جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے اس سے بڑا عورتوں کا حق کیا ہے اسلام تسلیم کرتا سب سے بڑا حق دے دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیرکم خیرکم لاھلہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اہل کے لیے بہتر ہے ہم دنیا کو بتائیں کہ ہمارا دین اور عورت کو بھی حق دیتا ہے وہ غیر مسلم کو بھی حق دیتا ہے وہ بچے کو حق دیتا ہے وہ بوڑھے کو بھی حق دیتا ہے یہ ہماری ذمہ داری ہے اور یہ ہمارے نصاب میں شامل ہونا چاہیے اخری بات عرض کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف کا قاری نے توجہ دلائی ہے چودری صاحب حقیقت حال یہ ہے یہ تو اپ میرے ساتھی ہیں اللہ اپ کو جزائے خیر دے اس کام میں اپ نے بہت بڑھ چڑھ کر یہ کوئی اپ نے میرے اوپر یا کسی کے اوپر احسان نہیں کیا یہ اپ نے اللہ کے کہ نبی ﷺ کی شفاعت لینی ہے اور اس کے لیے اپ نے کیا ہے اور اپ کا خاندان وہ ہے کہ کہ اپ کے دادا اپ کے والد وہ تاریک ختم نبوت کے ان لوگوں میں شامل تھے جن کے نام سے جن کی مدد اور نصرت سے اللہ کے بعد یہ تحریک چلی اور رب کا گھرانہ اس کا مرکز تھا اضطراف بھی ہے پریشانی بھی ہے کہ اخر کیا وجہ ہے کہ اتنے دن گزرنے کے باوجود چیف جسٹس صاحب پورے امت متفق ہے پوری امت کوئی فرد ایسا نہیں ہے امت کا جو عالم اسلام میں اس بات سے متفق نہ ہو جو علمائے اسلام نے موقف دیا مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب ہو یا پیر صاحب گولڑہ شریف ہو یا ہمارے دیگر اکابرین ہو اخر کیا وجہ ہے کہ مختلف فیصلہ اتا ہے اور اس کے بعد ایک طویل وقت گزر گیا ہے اس مبارک ثانی کیس کا مفصل فیصلہ نہیں ایا ہے یہ اسطراب ہے ملک کے اندر مختلف کے اندر ہم نہیں چاہتے کہ ملک کے مصائب جو حالات ہیں ہم اس میں یہ چاہتے ہیں کہ مہربانی کرے اٹارنی جنرل صاحب سے بات کریں تارڑ صاحب سے کریں انہیں اپ بھی کہیں کہ مہربانی کر دیا اپ کہتے ہیں ہم سارے جا کے چیف جسٹس صاحب کے پاؤں پکڑنے کو تیار ہے کہ اس ملک کے اندر عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے جو قانون سازی ہو چکی ہے

کسی کے باپ کو بھی ہم اسے ختم نہیں کرنے دیں گے ہماری ماؤں نے ہمیں اس لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ ہم یہاں محمد عربی ﷺ کے منکرین ختم نبوت کی سہولت کاری ہو اور ہم خاموشی سے گھروں میں جا کر بیٹھ جائیں یہ نہیں ہو سکتا یہ ممکن ہی نہیں ہے کسی کو غلط فہمی ہو تو دوبارہ امتحان لے لے جب پہلا امتحان ایا تھا اس تحریک کو لیڈ اپ کا گھرانہ کر رہا تھا مفتی محمود کے ساتھ مولانا شاہ احمد نورانی کے ساتھ ان اکابرین کے ساتھ ہم سمجھتے ہیں یہ متفقہ مسئلہ ہے اس کو یاجوج ماجوج کی وجہ سے دو چار افراد کی وجہ سے اور بالخصوص میں کہنا چاہتا ہوں کہ محترم چیف جسٹس صاحب اپنے ارد گرد دیکھیے ہم یہ سہولت کاریاں نہیں تسلیم کریں گے کسی صورت نہیں کریں گے ہم اپ سے ملتمس ہیں اج کا یہ قوم اپ کو بطور اپنا نمائندہ بناتے ہوئے تمام ساتھی ہاتھ گزارکر کے طالب کرتا ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر مبارک ثانی کیس کا تفصیلی فیصلہ انا چاہیے یہ اج کے اس فورم کی قرارداد ہے جو ہم اپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں کہ مہربانی کریں ہماری گزارش کو مانیں چیف جسٹس صاحب اصل بقا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وفا میں ہے اصل بقا اس میں ہے اصل اس دنیا میں نہیں ہے اپ سے پہلے بھی بہت سارے ائے اپ کے بعد بہت سارے ائیں گے ہم سے پہلے بھی بہت سارے موجود تھے ہمارے بعد بھی بہت سارے موجود ہوں گے اس لیے گزارش ہے کہ اس حوالے سے اپ ہمارا یہ پیغام وزیر وزیر اعظم صاحب تک بھی پہنچائیں اٹارنی جنرل کو بھی وزیر قانون کو بھی اور انہیں بتائیں کہ مسلمانوں کو امتحان میں نہ ڈالے اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی ہماری اج کی اس حاضری کو قبول فرمائے.

وما علینا الا البلاغ المبین

خطاب جناب ڈاکٹر محمد یاسین ظفر
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس سلفیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ، وَأَنْعِمْ عَلٰى حَبِيْبِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ، وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔ أَمَّا بَعْدُ، فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

گرامی منزلت جناب صدر فضیلت مآب علماء و مشائخ واجب الاحترام سامعین محترم و سامعات مجھ سے پیشتر اپ نے بہت ہی جذباتی گفتگو سنی ہے اور اس میں بہت سارے مسائل کا احاطہ ہو گیا ہے اور بالخصوص یہاں سٹیج سے بھی جو ہمارے صاحب صدر محمد اسحاق ڈار صاحب اور وزیر محسوس نے گفتگو فرمائی سیکرٹری صاحب نے بھی گفتگو فرمائی وہ ہمارے دلوں کی ترجمانی تھی اور یہی ہمارا مقصد بھی تھا لیکن چند باتیں جو اس حوالے سے چونکہ یہ موضوع پاکستان کے لیے بہت ہی اہمیت کا حامل ہے اور یہاں جتنے بھی حضرات موجود ہیں ان سب کا تعلق بھی اہل فکر و دانش اور تعلیمی شعبوں سے ہے لہذا ضروری ہے کہ ہم اس کانفرنس کو بامقصد بنائیں اور ایسی سفارشات اس سے مرتب کرے جس کی روشنی میں ہم اپنے نظام تعلیم کو نصاب تعلیم کو سیرت النبی ﷺ کا صاحبان مہیا فرمادے اس لیے کہ یہ نظام اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک یہ سیرت النبی کے صاحبان کے نیچے نہیں اتا تعلیم بنیادی طور پر اپنی معلومات اپنا علم اپنی عادات اپنی مہارتیں انے والے نسلوں کو منتقل کرنے کا نام ہوتا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ اگر ہم اپنی عادات کو تہذیب وثقافت کو اس پیمانے پر لے ائیں جس کو اپنانے کے بعد وہ نسل ایسی نسل تیار ہو جو میرے اور اپ سب کے لیے راحت کا باعث ہو لیکن مشکل یہ ہے کہ پاکستان کا نظام تعلیم اگر اس کو سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو بہت سارے نظاموں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہاں کہا گیا کہ شاید دو نظام ہے ایسا نہیں ہے یہاں بیسوں نظام ہے جن میں سے ایک مدرسے کا نظام ہے کون نہیں جانتا کہ پاکستان میں اس وقت تعلیمی وحدت نہیں ہے اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم کے شعبے صوبائی حکومتوں کو منتقل ہو گئی ہر صوبے کا اپنا ایک نظام ہے اپنا ایک نصاب ہے اور وہاں وہ چاہے تو اپنی زبان میں چاہے تو اردو زبان میں تعلیم دیتے ہیں جب یہ اٹھارویں ترمیم ہو رہی تھی ہم نے اس وقت بھی حکومت سے یہ گزارش کی تھی کہ باقی جو چاہے اپ کر لیں لیکن تعلیم کے شعبے میں وحدت قائم رکھیں اس کو مرکز کے سپرد رکھیں وفاق اس پورے پاکستان کے نظام تعلیم کو کو کنٹرول کریں تب یہ قوم اس میں وحدت ہو سکتی ہے لیکن وہ بات تسلیم نہیں کی گئی اج ہم دیکھتے ہیں کہ ہر صوبے کا اپنا اپنا ایک سسٹم ہے نظام ہے اس کے اندر بھی اپ دیکھیں انگلش میڈیم سکول الگ سے ہیں اردو میڈیم الگ سے ہیں اور نارٹ سکول الگ سے ہیں سرکاری غیر سکول کے درمیان جو فرق ہے وہ اپ کے سامنے ہے اسی کے درمیان ایک مدارس بھی ہے۔ وقت نہیں ہے کہ اس پر کچھ تفصیل سے بات کروں صرف اشارہ ہے بات یہ ہے کہ کوئی بھی کام ہم جب ہم کرتے ہیں اس کے ہم کچھ مقاصد متعین کرتے ہیں مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ پاکستان میں تعلیم کے مقاصد متعین ہے یہاں بے مقصد تعلیم دی جاتی ہے اور ظاہر ہے اکثریت ہمارے نوجوانوں کی وہ کالج اور سکولوں میں یا اگے یونیورسٹیوں میں جا کے پڑھتے ہیں اور ان کی اکثریت کسی سے اپ پوچھ لیں کہ اپ کس مقصد کے لیے تعلیم لے رہے ہیں ایک ہی مقصد اس کے سامنے ہو گا کہ میں نے پڑھ کے کہیں ملازمت حاصل کرنی ہے روزگار کا کوئی سلسلہ کرنا ہے حضرات وخواتین تعلیم کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے تعلیم انسان سازی کا نام ہے تعلیم کے ذریعے سے ہم اس

معاشرے کو ایک انسانوں کا معاشرہ بناتے ہیں اس کے تو بہت سی اعلیٰ مقاصد ہے سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ تعلیم اللہ کی معرفت عطا کرتا ہے اور جب تک اللہ کی مغفرت حاصل نہیں ہوتی تعلیم کا مقصد بھی حاصل نہیں ہوتا لیکن بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ یہاں ایسی تعلیم جس کا کوئی مقصد نہیں بہت عرصہ ہوا ہمارے پاکستان کے ایک کالم نگار جو کہ صحافت سے وابستہ ہیں اس یونیورسٹی میں پڑھاتے ہوئے اپنی کلاس کے طلبہ سے انہوں نے سوال کیا کہ اپ نے اگر ایک شعبے کا انتخاب کیا ہے تو کیوں کیا تو اس بچے کا جواب یہ تھا کہ مجھے کسی اور شعبے میں داخلہ نہیں ملا لہذا میں اس شعبے میں آگیا دوسرے سے پوچھا اس نے کہا چونکہ میرے دوست اس شعبے میں اگے تو میں اس شعبے میں آگیا یہاں سے یہ اندازہ ہوا کہ مقصد کوئی نہیں ماسوائے وہ وقت گزرتا ہے یا اس کے سامنے صرف مزاازمت کا حصول ہے حضرات گرامی یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے جس کو درست کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام سرکار کر سکتی ہے ریاست کر سکتی ہے کہ وہ ان چیزوں کو پیش نظر رکھ کر تعلیم کا قبلہ درست کرے دوسری بات جو میں اپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تعلیم کو جہاں اللہ کی معرفت کا ہم ذریعہ بنائے وہاں رضائے الہی کے لیے ہم اس کو حاصل کریں اپ دیکھیں دنیا کے جتنے بھی شعبے ہیں ان کا تعلق انسانیت سے ہی ہے کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے کہ انسان اس میں علم حاصل کر کے کہیں جنگل میں نکل جائے صحرا میں نکل جائے یا وہ اکیلا انفرادی زندگی بسر کرے وہ تعلیم حاصل کر کے معاشرے کی طرف لوٹتا ہے لیکن اگر اس میں رضائے الہی ہے اور خلوص ہے محبت ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے یہ تعلیم اپنی اخرت کو سنوارنے کے لیے حاصل کی ہے تو وہ اس مخلوق کی خدمت پر رہے بے شمار لوگ اپ دیکھتے ہیں ہر شعبے میں بظاہر وہ یہی کہتے ہیں کہ ہم خدمت کر رہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ خدمت نہیں ہوتی وہ ان لوگوں کے ذریعے سے اپنی جیب بھرتا ہے اور اپنے مستقبل کے لیے وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن میں کسی کے دل ازاری نہیں کرتا طب کا شعبہ لے لے انجینئرنگ کا شعبہ لے لے ارٹی کا شعبہ لے لیں کوئی بھی اور شعبہ اپ لے لیں اس کی حالت اپ کے سامنے ہے اس وقت قوم بری حالات سے دوچار ہے حضرات گرامی میں اس موقع پر یہ بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تعلیم میں اخلاقیت کے جو پہلو ہے وہ بہت کم ہے ہونا تو یہ چاہیے کہ ہماری پرائمری کی تعلیم جہاں بچے کو سکھایا جاتا ہے اور ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ کوئی بھی بچہ جب اپ کو کوئی اچھی عادت سکھانا چاہتے ہیں تو اس کی عمر پانچ سے لے کے 14 سال تک ہونی چاہیے اور پرائمری کی تعلیم یہاں سے شروع ہو جاتی ہے تو میری یہی گزارش ہے کہ پرائمری کی تعلیم میں اخلاقیات اپ لے کے ائے وہاں اور کسی بھی قسم کی ضرورت نہیں ہے اسے اداب سکھائیں اور اسلامی اداب کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم جس میں سچائی ہے امانت ہے دیانت ہے ان چیزوں کو اپ مد نظر رکھتے ہوئے سامنے لائیں اس کے ساتھ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اساتذہ کرام جو کہ ہمارے معاشرے کا ایک معزز طبقہ ہے میری یہ گزارش ہوگی کہ ان کو خصوصی تربیت دی جائے اپ ﷺ سے بہتر کوئی معلم نہیں تھا اپ ﷺ جس محبت اور شفقت کے ساتھ صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے اور وہ چیزیں نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان تک منتقل کرتے تھے اور بہت ہی پیار اور الفت کے ساتھ ان کے مسائل کو سن کر ازادانہ سوال سن کر ان کے جوابات ان کو دیتے تھے تو میرا خیال میں اگر ہم یہ سارا سلسلہ اس انداز سے کریں گے تو ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔ اختصار کے ساتھ دو چار باتیں کیونکہ اس وقت اہل اقتدار بھی موجود ہے شاید ان کی وسعت سے یہ باتیں اوپر جائیں گی پہلی میری تجویز یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ پر مبنی ایک ایسا نصاب مرتب کیا جائے جو وفاقی وزراء صوبائی وزراء اراکین قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کو لازماً پڑھایا جائے یہ ایسا نصاب جو ان کے لیے مرتب کیا جائے اور ان کے لیے لازم قرار دیا جائے کہ وہ اس نصاب کو پڑھے دوسری میری تجویز یہ ہے کہ پرائمری کے نصاب میں سیرت النبی کے جو واقعات ہیں ان کو داخل کیا جائے اور اس موقع پر جو کچھ اور بھی کہانیاں ہیں ان کو نکال کے ان کو وہاں داخل کیا جائے تیسری تجویز میری یہ ہے کہ جتنے بھی اساتذہ ہیں کسی بھی شعبے کو وہ پڑھاتے ہیں لازم نہیں ہے کہ اسلامیات اور دینیات والے ہو کالج کے کسی بھی شعبے سے ہو ان کو سیرت کا مطالعہ لازمی قرار دیا جائے اور ان کو کہا جائے کہ وہ سیرت پڑھے اسی طرح کالج اور یونیورسٹیوں کی سطح پہ سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر

کانفرنس لازمی قرار دی جائے سالانہ ایک کانفرنس ہر یونیورسٹی اور کالج کے اندر ہو جہاں اسکالرز جائے اور ان طلبہ اور اساتذہ کے سامنے نبی اکرم ﷺ کے حسنہ حسنہ کو وہاں پہ بیان کریں اسی طرح میری درخواست بھی ہو گی کہ آپ کے زیر اہتمام جتنے بھی ٹی وی چینلز ہیں پاکستان میں ان کو بھی لازم قرار دیا جائے کہ روزانہ ادھا گھنٹہ کم از کم 15 منٹ سیرت کے اوپر وہ لگائے اور میں یہ سمجھتا ہوں یہاں ایک روایت قائم کی گئی تھی ابھی ذکر ہوا تھا جنرل ضیاء الحق مرحوم کا کہ اس دور میں جتنے بھی لوگ سیرت کے اوپر کام کرتے تھے یا مقالہ نگار تھے جہاں انہیں نعد انعام یا حرمین شریفین کی زیارت کے لیے لے کر جایا جاتا تھا تو میری یہ درخواست ہو گی کہ یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے جہاں حکومت ارب روپیہ باقی معاملات پر صرف کرتی ہے اور یہ تو ایک نیکی کا کام ہے۔ تاکہ سیرت کو پذیرائی ملے اور سیرت کا کام وہ اچھے انداز میں اچھے اصول کے ساتھ آگے بڑھ سکے اور یہاں میں جاتے ہوئے یہ بھی عرض کر دوں کہ پاکستان میں ایک ایسا کام ہوا ہے جس کو جان بوجھ کر اجاگر نہیں کیا گیا میں کہیں جگہوں پر اس کا تذکرہ کر چکا ہوں اج بھی میں خوبصورت پروگرام کی وساطت سے قوم کو بھی اور اہل اقتدار کو بھی بتانا چاہتا ہوں کہ جہاں یہ وزارت بین المذاہب ہم آہنگی کا کام کرتی ہے وہاں اگر وہ اس ایجنڈے کے اندر اس کام کو بھی شامل کرے تو زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام مسالک جس میں اہل حدیث ہے دیوبندی ہے بریلوی ہے اہل تشیع ہے اور جماعت اسلامی ہے پانچ گروہوں نے مل کر ایک ترجمہ اس پر اتفاق کیا اور چھپ چکا ہے اور وہی ترجمہ اس وقت نافذ العمل ہونا چاہیے ہمارے کالج و یونیورسٹیوں اور سکولوں کے اندر کہ اس کی روشنی میں یہ تعلیم دے اگر اپ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں وحدت قائم ہو اس سے بڑی وحدت آج تک پاکستان میں نہیں ہو سکی کہ قرآن حکیم کے ترجمے کے اوپر سب کی مہریں لگی ہے اور ایک ترجمے کے اوپر سب کا اتفاق ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کانفرنس کو کامیاب کرے اور جو سفارشات ارہی ہے مزید بھی ائیں گے ان کو یکجا کر کے اپ اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

خطاب محترمہ نبیرہ عندلیب

پرنسپل شعبہ خواتین جامعہ نعیمیہ لاہور

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، صدق اللہ العظیم۔

میں آج اس وسیع ایوان کے خوبصورت تقریب کے انعقاد پر وزارت مذہبی امور کو خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔ قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس کے اس موقع پر آپ نے اس انتہائی اہم موضوع کا انتخاب جو کہ فکر اور تعمیر نسل نو کا غمازی ہے، مقرر کیا ہے۔ میرا عنوان ریاست کا تعلیمی نظام سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں گفتگو کرنا ہے۔ جناب صدر تقریب، بنیادی طور پر ریاست پاکستان کا نظام نظریاتی مملکت ریاست مدینہ کے تعلیمی خدوخال کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔ معزز خواتین وحضرات چند منٹس اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی ریاست مدینہ کے خدوخال اور تعلیمی ڈھانچے پر نظر ڈالیں تو پتہ لگتا ہے یعنی تاریخ اسلام ہمیں بتاتی ہے کہ تعلیم کے فروغ کے حوالے سے عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ کا زمانہ خاص طور پر فروغ کے حوالے سے اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس دور میں مسلمانوں نے علم کی بنیاد رکھی اور مختلف اقدامات کرنے سے اسلامی تہذیب وتمدن میں تعلیم کو ایک مرکزی مقام حاصل رہا آپ ﷺ نے فرمایا "انا بعثت معلما" آپ ﷺ نے فرمایا "طلب علم فریضۃ علی کل مسلم" آپ ﷺ نے فرمایا "اطلبوا العلم من المھد الی اللحد" اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا "جو علم حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جنت کے راستوں کو آسان فرما دیتا ہے" یہ حدیث اسلامی معاشرت میں تعلیم کی اہمیت کو نہ صرف واضح کرتی ہے اور بلکہ ان احادیث کی وجہ سے مسلمان ہمیشہ اور ہر دور میں علم حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں سب سے اہم تعلیمی ادارہ مسجد نبوی تھا جہاں تعلیم کا اہتمام ہوتا تھا پھر مسجد کے ساتھ ایک مخصوص حصہ جسے صفہ کے نام سے موسوم کیا گیا تھا وہ بنیادی طور پر حصول علم کے لئے وقف تھا یہ اسلامی تاریخ کی پہلی یونیورسٹی سمجھی جا سکتی۔ صفہ میں طلباء مقیم ہوا کرتے تھے انہیں قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی جو آپ ﷺ بذات خود عطا فرماتے تھے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں تعلیم کا محور قرآن اور سنت تھا۔ آپ ﷺ نے خواتین کی تعلیم پر بھی بہت زیادہ زور دیا اور فرمایا "اپنی بچیوں کو سورۃ نور سکھاؤ" خصوصا تعلیم نسواں کے حوالے سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمات ہم بھلا نہیں سکتے۔

اگر ہم عہد صحابہ کو دیکھیں تو خلفاء راشدین کے ادوار میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے حوالے سے تدوین قرآن کا کام ہوا، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں منظم نظام تعلیم قائم کیا گیا معلمین بھیجے گئے، قاضی بنا کر بھیجے گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ کا دور دیکھا جائے تو قرآنی رسم الخط کو مرتب کیا گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں علوم حدیث اور فقہ کے خطبات اور وروث ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور جو خدمات ان حضرات نے پیش کی وہ تاریخ میں اسلامی تعلیمات کی حفاظت کے لئے بہت ہی اہم اقدامات ثابت ہوئے۔ بعد کے ادوار میں عمر بن عبدالعزیز نے خلافت راشدہ کی روحانی اور تعلیمی پالیسیوں کو جاری رکھتے ہوئے تدوین حدیث کا ایک بہت اہم اور بڑا کام کیا اور علم حدیث کی حفاظت کی بنیاد رکھی۔ دیگر مسلمان حکمرانوں نے مساجد میں دیئے جانے والے علوم سے چند قدم آگے بڑھتے ہوئے باقاعدہ تعلیمی ادارے قائم کئے خصوصا عباسی خلفانے دار الحکمۃ بنایا جو اس وقت کا پہلا ریسرچ سنٹر ثابت ہوا اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بعد میں مسلمان حکمرانوں نے جامعہ قرطبہ، مدرسہ نظامیہ بغداد جیسے معیاری ادارے قائم کئے جہاں دین کے ساتھ علم طب، فلسفہ، کیمیا، ریاضی، فلکیات اور دیگر سائنسی علوم پڑھائے جاتے تھے

ان ہی اداروں سے ابن سینا، ابن ہیثم اور خوارزمی جیسے علماء نے مغربی دنیا پر بھی گہرے اثرات چھوڑے جو بعد میں مغرب کی ترقی کی بنیاد بھی بنے۔ اسلامی تاریخ میں علمی ترقی کے درخشاں ابواب کے بعد گزشتہ ۱۵۰ سالوں سے مسلمان تعلیمی میدان میں نئے موضوعات پر وہ بحث اور تحقیق نہیں کر سکے جو مغرب نے کی ہے اور جس سے نسل انسانی کی ترقی و بھلائی میں اضافہ ہوا ہے، آج مسلمان مغرب کی علمی ترقی سے استفادہ کر رہا ہے اور نئے علوم سے متاثر ہے اگر چہ ''الحکمۃ ضالۃ المومن'' کے مصداق نئے علوم کی چکا چوند روشنی میں اپنے دینی علوم اور اخلاق کو بھلا کر اور اپنے نظام تعلیم کو اخلاقی تربیت سے بیگانہ کر دینا کوئی دانشمندانہ قدم ہے۔ اب اگر ہم ریاستی نظام تعلیم کی بات کریں تو سب سے پہلے مجھے اسٹیج پر ان حضرات کی کمی محسوس ہو رہی ہے جنہیں آج یہاں ہونا چاہئے تھا اور مجھے لگتا ہے سیرت النبی ﷺ کے موقع پر یہ بحث و مباحثہ صرف علماء کے سپرد کر دیا گیا ہے اگر عملدرآمد کی نیت ہوتی تو یہاں محکمہ تعلیم بھی موجود ہوتا اور وزیر تعلیم بھی موجود ہوتے۔ ہمارا ریاستی نظام طلب و طالبات کو روبوٹ بنا رہا ہے، انہیں نمبرز لینے کی مشین بنا رہا ہے، ۱۲۰۰ میں سے ۱۱۹۵ نمبر لئے جا رہے ہیں لیکن جب ان ذہین طلباء سے معاشرے کے مسائل کا حل اور اندازہ پوچھا جاتا ہے تو وہ حل پیش کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے الٹا اس نظام تعلیم نے انہیں اخلاق و کردار سے بھی عاری کر دیا ہے، آج سائنس کی ترقی اور کمپیوٹر کے عروج نے عمل پیداوار میں انسانی وسائل کو محدود کر دیا ہے، وائٹ کالر جابز ختم ہو گئی ہیں لیکن ہاتھ سے کام کرنے والوں کی ابھی بھی مانگ موجود ہے، اس لئے ریاست کو اپنے تعلیمی نظام میں ہنر مندی یعنی ٹیکنیکل ایجوکیشن کو شامل کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ میں محترم سالک صاحب اور وزارت مذہبی امور کو دوبارہ یہ بات یاد دلوانا چاہوں گی کہ اسحاق ڈار صاحب آپ کی یہ ذمہ داری لگا کر گئے ہیں کہ جو بھی سفارشات یہاں پیش کی جائیں ان کو آپ نے نہ صرف اعلیٰ عہدیداران یعنی حکومت و ریاست تک پہنچانا ہے بلکہ عملدرآمد کی حکمت عملی بھی تیار کرنی ہے۔ میں اپنی طرف سے گفتگو کو منظم کرتے ہوئے ۳ تجاویز پیش کرنا چاہوں گی۔

1۔ یکساں نظام تعلیم،

پاکستان میں طبقاتی نظام تعلیم امیر اور غریب میں فرق کو بڑھا رہا ہے ایسے میں مدارس کا نظام تعلیم غریب اور پسماندہ علاقے کے بچوں تک محدود ہو گیا ہے۔ سرکاری، پرائیویٹ، ایلیٹ کلاس کے اسکول و کالجز کا نصاب جدا جدا نظر آتا ہے اور مدارس کا ان سب سے الگ۔ ایسے میں ایک ایسے نظام تعلیم کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے جو تمام طبقات کے لئے مشترک ہو۔ دینی معلومات، اخلاق و کردار، معاشی اور سماجی اقدار پر مشتمل نصاب ہی خوبصورت، امن اور انصاف پر مشتمل معاشرے کی بنیاد بنے گا۔ آٹھویں سے دسویں تک مشترک نظام تعلیم کے بعد طلباء کو مزید آگے تعلیم میں مختلف گروپس (سائنس، آرٹس، دین کی تعلیم، سماجی علوم) کا اختیار ہونا چاہئے، مختصر یہ کہ ہمیں ڈاکٹرز، انجینئرز اور کمپیوٹر پر اگرامرز نہیں چاہئیں بلکہ ہمیں مخلص، دیانتدار اور باکردار ڈاکٹرز، انجینئرز اور کمپیوٹر پر اگرامرز چاہئیں۔ یہاں پر گیریژن یونیورسٹی کا ایک چھوٹا سا واقعہ سناتی چلوں کہ ہمارے نظام تعلیم کی یہ صورتحال ہے کہ اسلامیات ڈیپارٹمنٹ کے استاد نے ہندوں کا تہوار منانے سے یونیورسٹی کو منع کیا اور اگلے دن اسے استعفیٰ دینا پڑا۔

۲۔ تعلیم ارزاں ہو،

پنجاب میں ۵۰۰۰ سے زائد سرکاری اسکول مختلف این جی او، گروپس اور پرائیویٹ اداروں میں دیے جا رہے ہیں، اگر چہ اٹھارویں ترمیم کے بعد تعلیم صوبائی فہرست میں آگئی ہے مگر آئینی طور پر وفاقی حکومت ہی ۱۶ سال تک بچے کی تعلیم کی ذمہ دار ہے لیکن پرائیویٹائزیشن کے نتیجے میں تعلیم مہنگی ہو جائے گی اور غریب طلباء کے آگے بڑھنے کے مواقع ختم ہو جائیں گے، لہٰذا وفاقی حکومت اس آڈر کو واپس لے ورنہ جو تجاویز پیش کی گئی ہیں یا میں پیش کروں گی وہ فائلوں میں بند ہو جائیں گی۔

۳۔ اساتذہ کے معیار تعلیم کو بہتر بنایا جائے

کیونکہ جہاں نصاب معیاری ہوتا ہے اور تعلیم معیاری ہوتی ہے وہاں اساتذہ کے معیار تدریس سے بھی تعلیم کا معیار بڑھتا ہے۔ بلاشبہ سرکاری اسکول وکالجز کا معیار پرائیویٹ اسکول سے بہت بہتر ہے لیکن مزید بہتری کی گنجائش ہوتی ہے۔ ریفریشر کورسز پابندی سے کروائے جائیں اور سنت رسول ﷺ کی نگاہ سے تربیت دی جائے اور کلاس روم میں مطمئن تدریس کی تربیت بھی دی جائے تاکہ طلباء کو کسی ٹیوشن کی ضرورت نہ پڑے۔

۴۔ تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی اہتمام کیا جائے۔

بچے کو پیشہ وارانہ عملی تربیت دینا، اسکول میں اخلاق و ہنر بھی سکھائے جائیں یعنی تعلیم کے ساتھ ساتھ "**الکاسب حبیب اللہ**" کا درس بھی دیا جائے۔

آخر میں وزیر مذہبی امور اور سیکرٹری مذہبی امور سے گزارش ہے کہ وزیر اعظم صاحب تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ جس طرح راتوں رات آئین میں ترمیم ہو سکتی ہے تو راتوں رات اسلامی نظام کیوں قائم نہیں ہو سکتا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

خطاب جناب حافظ سید ریاض حسین نجفی

صدر وفاق المدارس الشیعہ پاکستان و پرنسپل جامعۃ المنتظر لاہور

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِأَهْلِهِ. وَالصَّلَاةُ لِأَهْلِهَا. أَمَّا بَعْدُ. فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى. "وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ"

ہمارے اتحاد تنظیمات کے جنرل سیکرٹری حضرت مولانا حنیف جالندھری صاحب نے بہت ہی اچھی، پر مغز، کچھے دار تقریر کی، اور اس طرح کی تقریر کی جسے پنجابی میں کہا جاتا ہے میلہ لٹ لیا، ظاہر ہے وہ جالندھری صاحب تھے۔ لیکن میں چونکہ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ نجف اشرف کا پڑھا ہوا ہوں، نجف اشرف جہاں حضرت علی ابن ابی طالب کا مزار ہے جن کے بارے میں رسول اعظم ﷺ نے فرمایا تھا **"اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِيٌّ بَابُهَا"** کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے"۔ ٹائم نہیں رہا اس لئے میں جو کچھ ذکر کروں گا وہ صرف اور صرف قرآن مجید سے ذکر کروں گا، آپ کی مرضی کہ میری اس تقریر کو کلیدی تقریر کا حاشیہ بنادیں یا قرآن کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو بھی باقاعدہ تقریر قرار دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء، اولیاء، انسانوں کو انسان بنانے کے لئے آئے لیکن کائنات کے سب سے بڑے معلم، سب سے بڑے استاد، خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ تھے۔ سب سے بڑے معلم وہی تھے جن کو معلم اول بھی کہا جاسکتا ہے معلم کائنات بھی کہا جاسکتا ہے۔ چالیس سال انہوں نے اس طرح گزارے کہ اسی سے معلوم ہو رہا تھا کہ نبوت کی جب بعثت ہوگی تو اس وقت دین کس قسم کا ہوگا۔ سب سے پہلا کام انہوں نے چالیس سال میں کیا اور اپنی سچائی کا کلمہ پڑھوایا اور سچائی کا کلمہ اتنی بڑی چیز ہے کہ قرآن مجید سورۃ توبہ کو کہنا پڑا **"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ"** سچوں کے ساتھ ہو جاؤ یعنی ہمیشہ سچ کا ساتھ دو اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے تیسرے پارے، سورۃ آل عمران میں فرمایا **"لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔"** دوسرا کام حضور ﷺ نے ۳۵ سال کے عرصے میں کیا وہ ہے امانت داری، اللہ تبارک و تعالیٰ سورۃ نساء میں فرماتے ہیں **"اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا"** یعنی امانتیں ہر صورت میں امانت والوں کے اہل تک پہنچاؤ۔ ان ﷺ کا تیسرا کام عہد کی پاسداری تھا۔ قرآن مجید پارہ نمبر ۱۵ میں ہے **"وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا"** ہمیشہ عہد کی پاسداری کیا کرو۔

چوتھا کام جس میں ہمارا ملک گرفتار ہے وہ ہے قتل و غارت۔ چالیس سال کے عرصے میں انہوں نے قتل و غارت کو روکنے کی کوشش کی، حلف الفضول کروایا اور حجر اسود کو خود نصب کروایا تاکہ قتل و غارت کا سلسلہ نہ ہو۔ قرآن مجید میں ہے **"مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعاً"** کہ جس نے ایک کو قتل کیا اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر دیا، جس نے ایک کو زندہ رکھا اس نے پوری انسانیت کو زندہ رکھا۔

پانچواں کام انہوں نے گھر کے تحفظ کا کیا یعنی خانہ کا تقدس۔ گھر کا خیال کرنا کہ کوئی آدمی داخل نہ ہو **"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا"** کبھی کسی کے گھر میں داخل نہ ہو، پہلے سے اطلاع دو اور سلام کرو۔

گویا صداقت، امانت، عہد کی پاسداری، قتل و غارت سے بچاؤ اور گھروں کا تقدس بنیادی چیزیں تھی جو معلم کائنات کی تربیت تھی، پھر اس کے بعد ان کی نبوت کی بعثت ہوئی اور قرآن مجید نے ان سب کی تصدیق بھی کی۔ آج ہم میں صداقت ہے؟، ہم میں ایمانداری ہے؟ جتنے لوگ دفتروں میں کام کرتے ہیں کیا وہ وہاں سے چیزیں سے اٹھا کر نہیں لے آتے؟ کیا عہد کی پاسداری ہے؟ یہ چیزیں آج کل ناپید ہو رہی ہیں، قتل و غارت

بھی روز ہو رہی ہے، گھروں کا تقدس بھی پامال ہو رہا ہے تو معلم کو پہلے پہل یہ سمجھایا گیا اس کے بعد ان کو معلم بنایا گیا۔ اب جب معلم بنے جن کو تعلیم دیتے تھے جو مسلمان بن جاتے تھے ان کے لئے کہا گیا "**وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ**" ان کی عزت کرو جو آپ پر ایمان لے آئے ہیں، ان کا احترام کرو، ان کا خیال کرو، ان کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ کرو۔ یہ کیوں کہا جا رہا ہے؟ کیونکہ جو پڑھ رہے ہیں ان میں بھی اخلاق کریمانہ ہوں، ان کو بھی پتہ ہو کہ استاد ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کر رہا ہے اور ان کو بھی پتہ ہو ہم نے لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر اتنا عمل کیا کہ طبقاتی تفاوت والے لوگ چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن شرط یہ ہے غریب غرباء جو بیٹھے ہیں ان کو اٹھا دیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا "**وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ**" ان کو کبھی نہ اٹھانا، اگر آپ نے ان کو اپنی محفل سے اٹھایا تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے

تو گویا کہ شاگرد بھی ایسے تیار کئے جن کی خود عزت کیا کرتے تھے، شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے، کبھی کسی کو گدھا نہیں کہا، کبھی کسی کو گالی نہیں دی، کبھی کسی کو تھپڑ نہیں مارا، کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوئے، پیار و محبت سے پیش آئے تاکہ اخلاق کریمانہ جو کہ رسول اعظم کا ہے ان میں بھی لامحالہ ہو جائے۔

خواتین کی کوئی عزت نہیں تھی، ان کا کوئی احترام نہیں تھا، ان کو زندہ در گور کیا جاتا تھا جب بچی پیدا ہوتی تھی "**وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ . يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ**" جب کسی گھر میں بچی پیدا ہوتی تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور قوم سے بھاگ جاتا تھا یا اسے مٹی میں دبا دے کتنا برا فیصلہ ہے اے عربوں جو آپ کر رہے ہو (اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بشارت کی برائی کے سبب کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا ارے بہت ہی برا حکم لگاتے ہیں)۔

اس زمانے میں انہوں ﷺ نے اپنی بیٹی کی اتنی عزت کی کہ جب فاطمۃ الزہرہؓ آتی تھی رسول ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے۔ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ جب فاطمہ آتی تھی رسول ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے، اپنی بیٹی کا ہاتھ چومتے تھے اور اپنی مسند پر بٹھاتے تھے تاکہ لوگوں کو بتایا جائے کہ بچی کی کیا عزت ہوتی ہے، وہ زندہ در گور نہ کریں بلکہ بچی کی عزت کے ساتھ حفاظت کریں، تربیت کریں، بعد میں ان کو جنت ملے گی، اللہ نے عورت کے قدموں میں جنت رکھ دی۔ رسول اکرم ﷺ نے امہات المومنینؓ کی عزت کر کے، ان کو احتیاط و احترام کے ساتھ رکھا۔

آخری بات میں کروں گا کہ جیسی ان کی سیرت شاگردوں کے ساتھ تھی، صحابہ کے ساتھ تھی، امہات المومنین کے ساتھ تھی، اسی طرح ان کی سیرت اپنے اہل بیت کے ساتھ تھی۔ سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں فاطمہؓ سے مل کر جاتے اور واپس آتے تو سب سے پہلے انؓ سے ملتے۔ حضرت علیؓ جو خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے ان کو خود لے کر آئے، خود تربیت کی اور ان سے کہا میرے بستر پر سو جانا میں جا رہا ہوں، انہی کے ایک بیٹے امام جعفر صادقؒ نے مدینہ میں پہلی یونیورسٹی قائم کی تھی اس یونیورسٹی میں ۴۰۰۰ سے زائد آدمی تھے۔ سندھ یعنی بمبئی سے لیکر کابل تک ۳ آدمی تھے، ہند کے ۴ آدمی تھے، غیر مسلم بھی تھے، کمیونسٹ بھی تھے، ہندو بھی ہوتے تھے، سکھ بھی ہوتے تھے، مسلمان بھی تھے۔ جابر بن حیان کو فزکس، کیمسٹری پڑھائی جس سے مسلمانوں نے ۷۰۰ سال تک ترقی کی۔ جب مسلمان اللہ کو چھوڑ کر ایک طرف ہو گئے تو اس سے انگریزوں نے پڑھا اور اس سے ترقی کی۔ قرآن مجید میں ابابیل کا ذکر ہے، ابابیلوں نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کر دیا تھا، ان ابابیلوں کو دیکھ کر انگریز نے ڈرون بنا لئے اور ہم لوگ بحث کرتے رہتے ہیں کہ وہ کونسا پرندہ تھا اور اس کا رنگ کیسا تھا۔

آخر میں ۳ باتیں کہنا چاہوں گا

۱۔ مسلمانوں کے پرانے نظام تعلیم کو دوبارہ سے رائج کیا جائے

۲۔ سیرت نبی ﷺ میں غیر مسلموں کو دعوت دی جائے

۳۔ اردو کو بین الاقوامی شناخت دی جائے۔

خطاب جناب مفتی احمد علی

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " من یرد اللہ بہ خیرا یفقهه فی الدین "یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ "

میرے دوستوں بزرگو میرے بھائیو اور میری بہنوں ریاست کی ذمہ داری تعلیم کے اعتبار سے بعد میں آتی ہے۔ ماں کی ذمہ داری پہلے آتی ہے، کوئی زمانہ تھا سب سے بہترین تربیت گاہ ماں کی گود ہوا کرتی تھی۔ بختیار کاکی ایک بزرگ گزرے ہیں جب وہ (۶) چھ برس کے ہوئے تو ان کی والدہ ماجدہ ان کو قاری صاحب کے پاس لے کر گئی، کہ قاری صاحب اسے قاعدہ شروع کروائیں اس ننھے منے بچے سے قاری صاحب نے کہا بیٹا پڑھو اب ت ث ج ح خ اس بچے نے کہا قاری صاحب مجھے آپ یہ نہ پڑھائیں مجھے 15 پارے زبانی یاد ہیں (۱۶) سولواں شروع کروائیں (قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا) یہ شروع کروائیں۔ قاری صاحب نے اس بچے کو دیکھا اس کی اٹیج کو دیکھا اس کے جواب کو سنا حیران ہو کے پوچھنے لگے بیٹا تو نے ۱۵ پارے کہاں حافظ کیے تو اس بچے بختیار کاکی نے کہا قاری صاحب جب میری اماں مجھے دودھ پلایا کرتی تھی تو اللہ کا قرآن پڑھا کرتی تھی میں نے ماں کی گود کے اندر (۱۵) پارے زبانی یاد کر لیے ہیں (۱۶) سولواں شروع کروائیں۔ سب سے پہلے تربیت گاہ ماں کی گود ہوا کرتی تھی۔

آج بچے اس تربیت سے محروم ہو چکے ہیں ریاست کی ذمہ داری بھی ہے لیکن میرے بھائیوں سب سے بڑا ظلم ہم لوگ کرتے ہیں بچے کی تربیت کے اعتبار سے اگر کوئی آدمی ہمیں ملنے کے لیے آیا بیل دی ہم نے اس سے نہیں ملنا ہم اپنے (۴) چار سالہ بچے کو کہتے ہیں کہ بیٹا جا کے کہہ دو کہ ابا گھر میں نہیں ہے یہ تربیت ہو رہی ہے۔

شیخ سعدی نے کیا خوب کہا اگر پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو گی تو اس دیوار کو آسمان تک لے جاؤ وہ دیوار کبھی سیدھی نہیں ہو سکتی دوسری بات حضرت مولانا قاری حنیف صاحب دامن برکت علیہ نے ایک بات کی طرف اشارہ کیا ایک ہوتا ہے علم ایک ہوتا ہے ہنر ہمارے اداروں کی توجہ ہنر پر بہت زیادہ ہے۔ مدارس کے اندر تعلیم ہونی چاہیے یہ بھی ہونی چاہیے یہ بھی ہونی چاہیے اور دنیاوی مدارس کے اندر کبھی کسی نے یہ نہیں سوچا کہ ان کو بھی پڑھا دیا جائے کہ حضور پاک کے اخلاق کیسے تھے ہنر کی فکر ہے یہ دنیاوی تعلیمات ایک ہنر ہے یہ (۵۰)(۶۰) سال کے بعد بند ہو جاتی جب قبر میں آپ بھی جائیں گے میں نے بھی جانا ہے وہاں یہ نہیں پوچھا جائے کے (LUMS) لمز کی ڈگری ہے یا نہیں وہاں پوچھا جائے گا "مَنْ رَّبُّکَ" تمہارا رب کون ہے "مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ" رسول اللہ ﷺ کا دیدار کروایا جائے گا ان کا پوچھا جائے گا کہ ان کے بارے میں کیا خیال ہے ان کی زندگی تو پڑھی نہیں کیا جواب دو گے آج ہر آدمی کو اس بات کی فکر ہے میرے مرنے کے بعد میری اولاد کا کیا بنے گا کبھی یہ سوچا ہے کہ ہماری اولاد کے مرنے کے بعد آخرت میں ہماری اولاد کا کیا بنے گا اللہ کا واسطہ دیتا ہوں اپنی اولاد کو دین سکھاؤ ہنر بھی سکھاؤ لیکن دین ضرور سکھانا دین ضرور سکھانا آج ایسا معاشرہ چل رہا ہے بیٹا باپ کا قاتل بن گیا یہ اس نے کہاں تربیت حاصل کی اپنے بچوں کو دین سکھاؤ۔

میں نے اس لاہور میں ایک ایسا جنازہ دیکھا لوگ صفوں میں کھڑے تھے دو بیٹے باپ کے سرہانے میت کے قریب سگریٹ پی رہے تھے کسی نے کہا بدبختو باپ کا جنازہ ہے جنازہ تو پڑھو کہا اس ظالم نے ہمیں جنازہ سکھایا ہی نہیں ہے جنازہ کیا ہوتا ہے اس لیے بچوں کی تربیت کرو اللہ کی قسم جو مرضی ہے کر لو جب تک ابتدا سے بچوں کی تربیت نہیں کرو گے۔

میرا پاکستانوں کی جیلوں میں جانا ہوتا ہے تعلیم کی وجہ سے میں کیمپ جیل میں گیا کچھ مہینے پہلے (۹۲) کے قریب وہ بچے جن کی عمریں (۱۴) سال (۱۵) سال (۱۱) سال تھیں، میں نے پوچھا بیٹا کس کیس میں آئے ہو (302) کوئی کیا کوئی کیا۔ اللہ کی قسم مجھے رونا آگیا میں نے کہا یار تم تو ہمارا مستقبل تھے تم ہمارا مستقبل تھے تمہیں کیا ہو گیا اس لیے خدا کا واسطہ دیتا ہوں ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں یہ فرقہ واریت کو ختم کرو اس امت کی نسل کو سیدھے راستے پر لے کے آجاؤ ورنہ قیامت والے دن پوچھ ہوگی سب سے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

تقاریر قومی سیرت النبی ﷺ کانفرنس 2024ء

(دوسرا سیشن)

خطاب جناب چوہدری سالک حسین
وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد

صدر مجلس محترم جناب یوسف رضا گیلانی صاحب چیئرمین سینٹ،

محترم جناب فیصل کریم کنڈی صاحب گورنر خیبر پختونخواہ،

محترم جناب سردار شمشیر علی مزاری صاحب پارلیمنٹری سیکرٹری مذہبی امور

محترم وزراء، اراکین پارلیمنٹ، معزز سفراء کرام، قابل قدر علمائے کرام و مشائخ عظام، ملک بھر سے آئے ہوئے معزز مہمانان گرامی، خواتین و حضرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں آپ سب کو اس عظیم الشان سیرت النبی ﷺ کانفرنس کے دوسرے اور اختتامی سیشن میں خوش آمدید کہتا ہوں اور ہم سب کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ہم سیرت النبی ﷺ سے عملی رہنمائی لینے کے لیے اس بابرکت محفل کا حصہ ہیں۔ پہلے سیشن میں سیرت النبی ﷺ کے بنیادی موضوع **"ریاست کا تعلیمی نظام، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں"**، فاضل علماء اور اسکالرز نے سیر حاصل گفتگو کی جس نے شرکاء کے قلب و اذہان کو جہاں منور کیا وہاں ہمیں روشنی اور امید کے ساتھ ساتھ ریاست کے تعلیمی نظام کے مختلف پہلوؤں پر سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ترقی کی جانب ایک واضح روڈ میپ دیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پاکستان کے جید علماء اور اسکالرز کو دعوتِ سخن دیا گیا تاکہ سیرت النبی ﷺ کی اس عظیم الشان کانفرنس سے ہم کماحقہ استفادہ کر سکیں اور اس وجہ سے بھی علمی و ادبی طور پر یہ کانفرنس بہت اہم ہے۔ انشاء اللہ ہمارا یہ سیشن بھی بہت علمی، بہت مفید اور بابرکت رہے گا اور ہم اس سے وہ اسباق حاصل کریں گے جو انفرادی و اجتماعی طور پر ہماری کامیابی کا ضامن ہو گا۔ آج کی اس کانفرنس مین جن اسکالرز کو سیرت النبی ﷺ کے عنوان کے تحت مختلف کیٹیگریز میں انعامات ملے ہیں یا اس تقریب میں ملنے والے ہیں، ان سب کو میں تہہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں، کہ یہ فاضلین ہمارا علمی سرمایہ ہیں اور انکا تحقیقی کام کتابی شکل میں بھی جلد دستیاب ہو گا۔

سامعین محترم!

ہم اس کانفرنس کے اختتامی سیشن میں ہیں، آیئے ہم اُس عظیم اور ابدی حکمت پر غور کریں جو ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں موجود ہے، خاص طور پر ریاستی نظام تعلیم کے حوالے سے۔ تعلیم کا معاشرے کی تعمیر میں ایک منصفانہ، اخلاقی اور خوشحال معاشرہ بنانے میں جو کردار ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اور سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی سیرت ہمیں ایک بہترین نمونہ فراہم کرتی ہے جس کی تقلید کر کے ہم بحثیت قوم تعلیمی میدان میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔۔۔ ایک اسلامی ریاست میں تعلیمی نظام کی بنیاد اُس پہلی وحی پر قائم ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی۔ سورۃ العلق میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہمیں علم کی اہمیت کی یاد دہانی کراتا ہے۔

یہ آیات تعلیم کو انسانی ترقی کا سنگ بنیاد قرار دیتی ہیں۔ علم کے حصول، پڑھنے، اور قلم کے استعمال پر زور، خواندگی اور علم کے حصول کی

اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی سے متاثرہ تعلیمی نظام کو علم کے حصول کو ترجیح دینی چاہیے تاکہ روحانی اور دنیاوی دونوں کامیابیاں حاصل ہو سکیں۔

سامعین ذی وقار!

نبی کریم ﷺ خود بے مثال استاد تھے۔ آپ کا طریقہ تدریس ہمدردی، سمجھداری، اور عملی حکمت پر مبنی تھا۔ آپ نے علم کے حصول کی اہمیت پر زور دیا، جیسا کہ حدیث میں ہے

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

یہ فرض اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ریاست کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ تعلیم کو ہر فرد تک پہنچایا جائے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، امیر ہو یا غریب، یا کسی بھی قومیت سے ہو۔ ایک اسلامی ریاست کو ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیے جہاں ہر فرد کو سیکھنے اور ترقی کرنے کا موقع ملے، اور ایک ایسا معاشرہ پروان چڑھایا جائے جو باخبر، اخلاقی اور معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کے قابل ہو۔

نبی کریم ﷺ نے اس علم کی قدر پر زور دیا جو دوسروں کے لیے فائدہ مند ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا

"لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو دوسروں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوں۔"

اس حدیث کی روشنی میں، تعلیمی نظام کو نہ صرف نظریاتی علم فراہم کرنا چاہیے بلکہ عملی مہارتوں اور اخلاقی اقدار پر بھی زور دینا چاہیے جو افراد کو معاشرے کی بہتری کے لیے کردار ادا کرنے کے قابل بنائے۔ تعلیم کو افراد میں ذمہ داری، ہمدردی، اور خدمت کے جذبات پیدا کرنے چاہئیں، تاکہ وہ ریاست کی ترقی میں فعال کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت میں تعلیم کے حوالے سے جو جامع طریقہ کار ہے، وہ آپ ﷺ کے کردار سازی پر زور دینے سے مزید واضح ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کو تمام انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا، اور آپ کی زندگی اعلیٰ اخلاقی معیاروں کا ایک نمونہ تھی۔ قرآن کہتا ہے:

"اور بے شک آپ ﷺ عظیم اخلاق کے مالک ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کی زندگی سے متاثرہ تعلیمی نظام کو کردار کی تعمیر کو علم کے ساتھ اہمیت دینی چاہیے۔ اس نظام کو ایمانداری، عاجزی، صبر، اور انصاف جیسی خوبیاں سکھانی چاہئیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ بھی سکھایا کہ عمل کے بغیر علم نامکمل ہے۔ آپ ﷺ نے محض علم کے ذخیرے کے بجائے اس کے عمل پر زور دیا۔

تعلیمی نظام کو ایسا ہونا چاہیے جس میں معاشرے کا ہر فرد شامل ہو۔، جو معاشرے کی مختلف ضروریات کو پورا کرے۔ نبی کریم ﷺ اپنے معاشرے کے تمام افراد، بشمول خواتین اور پسماندہ طبقوں کے لیے تعلیم کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے جانے جاتے تھے۔

ایک اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام ان اصولوں پر قائم ہونا چاہیے جو نبی کریم ﷺ کی زندگی سے مستفاد ہیں۔ اسے علم کے حصول، کردار سازی، اور معاشرے کے فائدے کے لیے علم کے عملی استعمال کو ترجیح دینی چاہیے۔ ایسا کرنے سے، ریاست نہ صرف اپنے شہریوں کی ذمہ داری پوری کرے گی بلکہ نبی کریم ﷺ کے ورثے کو بھی برقرار رکھے گی جو تعلیم میں عمدگی کا نمونہ ہے۔ اور جب ہم اس کانفرنس سے رخصت ہوں، تو نبی کریم ﷺ کی سیرت سے سیکھے گئے اسباق کو اپنے ساتھ لے کر جائیں۔ آئیے ہم ایک ایسا تعلیمی نظام قائم کرنے کی کوشش کریں جو علم والے، اخلاقی، اور ذمہ دار افراد کو پروان چڑھائے، جو ہماری ریاست کی خوشحالی اور اخلاقی سالمیت میں کردار ادا کریں گے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب انفرادی اور اجتماعی طور پر سیرت طیبہ سے راہنمائی لیں اور ملک کا کوئی ایک بھی فرد ایسا نہ ہو جو

ملکی ترقی میں کردار ادا نہ کرے اور علم کی روشنی سے اپنے آپ کو اپنے اہل وعیال کو منور نہ کرے اور سب مل کر اپنی جگہ کردار ادا کریں تا کہ کوئی فرد اس روشنی سے محروم نہ ہو، اور نبوی ﷺ تعلیمی اصولوں سے افراد اور ادارے راہنمائی حاصل کر کے معاشرے کو نئی جہت دیں اور دنیا میں اپنا مقام بنائیں۔ اور علم کی کھوئی ہوئی میراث دوبارہ حاصل کریں کیونکہ مسلمان کی اٹھان اور علم کا معیار جدا اور اعلیٰ ہے۔

کرداری سازی پر توجہ، ٹیکنالوجی کا استعمال، تعلیمی نظام کے لئے جامع طریقہ کار کی حکمت عملی، علم کا عملی استعمال، علم برائے علم، فائدہ مند علم کا حصول، خواتین کو علم کے ذریعہ شعور دینا اور با اختیار بنانا اور تعلیم میں مساوات، جیسے زریں اصول اپنا کر ہم تعلیم کے میدان میں ترقی کر سکتے ہیں اقوام عالم میں اپنا مقام پیدا کر سکتے ہیں۔

آخر میں رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سیرت النبی ﷺ کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی توفیق دے اور ہمارے ملک پاکستان کو نبوی اصولوں کی روشنی میں تعلیمی کامیابیاں نصیب فرمائے آمین۔ آپ سب کا بہت شکریہ۔

پاکستان پائندہ باد

خطاب جناب ڈاکٹر عزیر محمود الازہری

ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ، صدق اللہ و صدق المولانا العظیم و صدق الحبیب امین ۔

بہت ہی خوبصورت لمحات ہیں نبی کریم رؤف الرحیم رحمت اللعالمین خاتم ﷺ کی تشریف آوری پر پورا عالم ہی خوشیاں منا رہا ہے ہر ایک اپنے اپنے انداز میں خوشیوں کا اظہار کر رہا ہے میں مبارکباد پیش کرتا ہوں حکومت پاکستان کو ریاست پاکستان کو بالخصوص وزارت مذہبی امور کو ان کے وزیر ماشاءاللہ جناب چوہدری سالک حسین صاحب کو کہ جنہوں نے اس خوبصورت انداز میں خوشی کا اظہار کر کے اپنے نبی ﷺ سے محبت کا اظہار کر دیا اور ہمارے دامنوں میں رحمتیں سمیٹنے کا بہانہ بھی بنا دیا۔ الحمدللہ۔

یہ اللہ کا بڑا کرم ہے، ماشاءاللہ ہمارے چیئرمین سینٹ موجود ہیں اور تمام ممبران صاحبان بھی قابل مبارک اور رحمتوں کے مستحق ہیں ۔وقت بھی کم ہے، موضوع کا انتخاب بڑا خوبصورت ہے جس کے اندر یہ بتایا گیا ہے کہ ریاست کا تعلیم نظام اور سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں یعنی اس میں یہ اظہار کرنے کا اتنا تو اجازت ہوگی کہ کیا وہ پوائنٹس ہیں جہاں ریاست پاکستان میں جو ہم نے انٹرنیشنل ایجوکیشن سسٹم جو کہ نبی کریم الصلوۃ والسلام کی طرف سے ہمیں مہیا کیا گیا ہے اور اس میں کون سے ایسے پوائنٹس ہیں کہ جن کو ریاست میٹ کر رہی ہے اور وہ کون سے ایسے پوائنٹس ہیں اور وہ کون سی ایسی کمیاں ہیں کہ جن کو ہم میٹ نہیں کر رہے۔ اس میں یہ بات بار بار کہہ رہا ہوں انٹرنیشنل ایجوکیشن سسٹم جو رسول اللہ ﷺ نے دیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں اس لیے یہ بات کر رہا ہوں نہیں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میں مسلم ہوں بلکہ جن کو ہم عالمین مانتے ہیں تسلیم کرتے ہیں جن کو کہتے ہیں کہ وہ عالمی سٹوڈنٹ کے لوگ ہیں کمال یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جو علم شناسائی گہرائیاں علم سیکھا وہ پیارے نبی کریم ﷺ سے سیکھا ہے۔

یہی وجہ ہے جس میں بڑے بڑے نام ہیں مائیکل اچارٹ سر ولیم میور، تھامس کارل، آپ کو نبی کریم ﷺ کی تعلیمی انقلاب اور انٹرنیشنل سسٹم کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ آپ کو اندازہ ہے جب مائیکل چارٹ نے کتاب **THE HUNDERED** لکھی تھی سو لوگوں کو اس میں جمع کیا جس میں دنیا کے ذہین ترین سائنٹسٹ، نیوٹن، آئنسٹائن، سکرات، اور مذہبی لیڈر بھی تھے لیکن آپ سب کے علم میں ہے کہ اس نے سارے سو ذہین ترین لوگوں کو مختلف فیلڈ سے جمع کیا لیکن پھر آخر میں وہ سوچنے لگا کہ یہ پہلا نمبر میں کس کو دوں جس نے ہر فیلڈ میں خواہ وہ سائنس کی فیلڈ ہو، چاہے جنگ کی فیلڈ ہو، چاہے حرب کا میدان ہو بے شک وہ سوشل معاملے یا اکنامیکل معاملے سے ہو جس نے ہر میدان میں کام کیا ہے وہ کون ہے وہ ہمارے رسول ﷺ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو آپ ﷺ نے ہمیں انٹرنیشنل ایجوکیشن سسٹم دیا ہے، اس میں سب سے **پہلا پوائنٹ** نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایجوکیشنل سسٹم کو مضبوط کرنے کے لیے مختلف علمی مجالس حلاقات کا قیام یعنی صرف ایک یونیورسٹی کی حد تک محدود نہیں کیا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مسجد کے مختلف گوشوں کے اندر، مختلف پر دو جوار کے اندر، صحابہ کے گھروں کے اندر، حتیٰ کہ آپ ﷺ اگر کسی صحابی کے باغ میں تفریح کرنے کے لیے جاتے تو وہاں پر بھی سوال وجواب اور مختلف انداز میں صحابہ مسائل ذکر کرتے۔ آپ ﷺ ان کے جواب دیتے اور آپ ﷺ اس کو ڈسکس کرتے۔ آپ ﷺ ان کے علمی صلاحیتیں اجاگر کرتے اور اس انداز کے اندر نبی کریم ﷺ نے

ایجوکیشنل سسٹم کو سپریڈ کیا اور آج پوری دنیا اسی نظام تعلیم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی بلکہ سب کے سب گرویدہ ہو گئے۔

الحمد للہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آج کے دور میں جو ہم کانفرنسز کونشنز اور علمی سیمینارز کرتے ہیں یہ اسی کی ہی ایک جدید شکل ہے اور آج میں کہوں کہ ہم، حکومت پاکستان اور ریاست پاکستان بھی اگر یہ طریقہ اپنا رہی ہے۔ یہ علمی نشست ہے جس میں اپ اہلِ علم حضرات کی گفتگو سن رہے ہیں۔ در حقیقت آج ہم اس کو اپنا رہے ہیں اور امید کر رہے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے دیے گئے ایجوکیشنل سسٹم میں سے ہم اس پوائنٹ کو اور سٹینڈرڈز کو میٹ کر رہے ہیں، اور یہ وہ نظام ہے جو آج دنیا اپنا رہی ہے اور میرے مصطفی ﷺ 1400 سال پہلے ہی اپنے اقوام عالم کو یہ دے چکے ہیں۔ الحمد للہ۔ نبی کریم ﷺ نے جو کورس / نصاب ڈیزائن کیا اس میں کوئی تشدد نہیں ہے، یعنی کورس / نصاب ، طریقہ کار، طریقہ تدریس اور طریقہ تعلیم میں بھی کسی قسم کا تشدد نہیں ہے۔ مجھے بخاری شریف کی وہ حدیث مبارکہ یاد آتی ہے جسے سن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک اعرابی آیا ، اور مسجد کے اندر وہ پیشاب کرنا شروع ہو گیا، جیسے ہی وہ پیشاب کرنے بیٹھا جو صحابہ کرام ایجوکیٹڈ تھے جنہوں نے نبی ﷺ کی صحبت سے علم حاصل کیا ہوا تھا ان سے برداشت نہ ہوا نبی ﷺ اسی وقت یہ منظر دیکھ رہے تھے اس کو چھوڑنے کے بعد اب جب اس نے پیشاب کر لیا کیونکہ اگر ایک انسان پیشاب کر رہا ہے تو اس کو درمیان میں روکنا خطرناک ہے اس طریقے سے اس کی میڈیکلی ہیلتھ ڈسٹرب ہوتی ہے اسی لیے آپ ﷺ نے کہا چھوڑو اس شخص کو پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو سمجھایا اور آپ ﷺ نے صحابہ کو کہا کہ آپ لوگ جاؤ اور پانی کا ایک ڈھول بھر کر لاؤ اور اس کے اوپر ڈال کے اس کو صاف کر دو۔ جب اس نے پیشاب کر لیا تو آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور پیار سے بٹھایا اور بڑی محبت سے سمجھایا کہ اے خدا کے بندے یہ جو مسجدیں ہوتی ہیں یہ پیشاب، پاخانہ اور گندگی کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں اور پھر ایک تاریک ساز جملہ فرمایا، آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ دیکھو تمہیں اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ تم لوگوں کو تنگی اور پریشانیوں میں مبتلا کر دو۔ مجھے دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے تو میرے معلم کا بھی یہ حال ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کے لیے رحمت کا باعث بن جائے۔

اس سے پہلے مقررین نے بڑے عمدہ انداز میں ذکر کیے ہیں کہ اخلاقیات اہم موضوع ہے لیکن کبھی ہم نے اس بات کا سوچا کہ ہمارے اداروں سے اخلاقیات اور تربیت کیوں ختم ہو گئی، آپ نے کبھی سوچا!ہم سے غلطی کہاں ہو رہی ہے۔ مہربانی فرما کر بس یہ آخری نقطہ سمجھیے گا۔ اصل میں ہم سے غلطی یہاں ہو رہی ہے کہ ہم نے ایجوکیشن اور اخلاقیات کو علیحدہ علیحدہ سمجھ لیا۔ ہم صرف لبرلزم ،ماڈریشن ، ماڈرنائزیشن، حقوق کے برابری اور آزادی کے بڑے اٹریکٹو نعروں کے پیچھے چلے۔ میں آپ کو کمال کی بات بتاؤں کہ کس طرح ہم نے ایجوکیشن سسٹم کے اندر سے تربیت اور اخلاقیات کو نکالا ہے. سر ولیم میور یہ کہتے ہیں، ہمیں حیرانگی اس بات پر ہے کہ ایجوکیشن کو مولوی سے اگر کسی نے جوڑا ہے تو وہ نبی ﷺ کی ذات ہے۔ مجھے امید ہے کہ ریاست اور تمام مکاتب فکر کے علماء بھی اخلاقیات اور تشدد کے حوالے سے کوشش کر رہے ہیں۔ میں بھی بحیثیت جامعۃ الازہر کی طرف سے نمائندے کا کردار ادا کر رہا ہوں اور ہم اللہ کے فضل و کرم اور نبی ﷺ کی رحمت سے تعلیمی نظام اور اس میں اخلاقیات کو دیکھ رہے ہیں۔

جزاک اللہ۔ بہت شکریہ۔

خطاب جناب انیق احمد

سابق نگران وفاقی وزیر مذہبی امور و بین المذاہب ہم آہنگی

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

ایک آیت بہت پڑھی گئی، وہی ذہن میں آتی ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

ترجمہ "جن کے پاس علم ہے وہ اور جن کے پاس علم نہیں ہے وہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں"۔

علم کی اہمیت پر بہت ساری گفتگو ہو چکی ہے وقت کی قلت چند موٹی موٹی باتیں عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی محفل میں علم پر گفتگو ہو رہی ہے ایک صحابی نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ علم کسے کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "العلم مخافت اللہ" علم خدا خوفی کا نام ہے۔

آج کا موضوع بہت بڑا ہے لیکن مجھے خشیت زبیر صدیقی میں پانچ منٹ دیے گئے ہیں۔ انشاء اللہ میں پانچ منٹ میں اپنی بات مکمل کروں گا۔ جناب والا پہلے تعریف ہو جائے کہ علم کسے کہتے ہیں؟ دین کسی بھی ایسے علم کو علم نہیں مانتا جس میں توحید شامل نہ ہو۔ پہلی وحی کی آیات یہاں تلاوت ہوئیں کہ **اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔** آج بہت سے لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ علم کا کوئی مذہب، کوئی دین نہیں ہوتا۔ جناب والا **"العلمُ مخافةُ اللهِ"** جس علم میں توحید نہیں وہ سب کچھ ہو سکتا ہے علم نہیں ہو سکتا۔

پہلی وحی کے بعد دوسری وحی میں **يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ** کیا بتایا جا رہا ہے اب بات آگے پہنچائی ہے **وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** سب سے پہلے جو قریب ہیں، عزیز ہیں، فیملی ہے ان تک بات پہنچاؤ۔ ابراہیمؑ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کی دیواریں بلند فرما رہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں "اللہ انہی میں سے ایک رسول اٹھا جو ان کے سامنے تلاوت کرے"۔ تلاوت صرف پڑھ لینا کا نام نہیں ہے تلاوت پیچھے پیچھے چلنے کا نام ہے۔ قران پر انکو چلانا ہے۔ پھر یہ بتایا گیا کہ علم کہتے کسے ہیں۔ آج من حیث الامہ ہم اس لیے پیچھے ہیں کیونکہ ہم جاہل ہیں مغرب اس لیے آگے ہے۔ میں سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمت اللہ علیہ کا ایک قول عرض کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں کہ دنیا ایک ریل گاڑی ہے جسے علم کا انجن چلا رہا ہے جو اس انجن پر فائز ہو گا وہ کائنات کو لیڈ کرے گا۔ یونان آگے تھا یونان نے لیڈ کیا، فاطمی آگے تھے فاطمیوں نے لیڈ کیا، ہم مسلمان آگے تھے دنیا کو ہم نے لیڈ کیا۔ آج ہم من حیث الامہ جاہل ہیں چاہے وہ دنیاوی علوم ہوں یا دینی علوم ہو۔ ابھی یہاں دینی اور دنیاوی علوم پر گفتگو ہوئی۔ ہمارے دین میں ہماری دنیا بھی دین ہے ہمارے ہاں یہ تقسیم ہی نہیں کہ یہ دنیاوی علوم یا دینی علوم ہے۔ ہمارے معزز علماء تشریف فرما ہیں میری اس بات کی تائید کریں گے کہ ہم سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں لیکن ابھی بھی ٹائم ہے کہ ان غلطیوں کو دور کیا جائے۔ ابھی بات ہوئی کہ پاکستان کا مطلب کیا" **لا الہ اللہ** "پاکستان کا مقصد کیا" **محمد الرسول اللہ**" مقصدیت جب ہٹ جاتی ہے۔ امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں کہ "کسی غلط سمت کی طرف دوڑنے سے بہتر ہے کہ آدمی صحیح سمت کی طرف رخ کر کے کھڑا رہے"۔

محترم چوہدری سالک حسین صاحب آپ نے بہترین پروگرام منعقد فرمایا۔ "ریاست کا تعلیمی نظام" بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی سلسلے چند پوائنٹس میں بیان کرکے اپ سے اجازت چاہوں گا۔

- ریاست کی تعلیمی ذمہ داریاں اور دین کا نظریہ علم:

اس پر کہیں کہیں کوئی بات ہوئی۔ علم نافع کی تعریف، علم اور اخلاق کا باہمی تعلق، اساتذہ کی تربیت کا نظام: جو کچھ ہمیں پڑھارہے ہیں کہیں ان کو خود پڑھنے کی ضرورت تو نہیں ہے۔ میرے حصول علم کا مقصد کیا ہے: میں اللہ کو اللہ سے حاصل کرنا چاہتا ہوں، میں اللہ کو اللہ سے مانگنا چاہتا ہوں۔ جو اہل ایمان ہوتے ہیں وہ اللہ سے ٹوٹ کے محبت کرتے ہیں تو کیا اللہ سے ٹوٹ کے محبت کرنا سکھایا جارہا ہے؟

- کریٹیکل تھنکنگ:

اب تک کریٹیکل تھنکنگ پر کوئی بات نہیں ہوئی کہ کریٹیکل تھنکنگ کیا ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سوال ہی میں ادھا جواب چھپا ہوتا ہے۔ ہم سوال کرنا بھول گئے ہیں ہم سوال کرنے کی اجازت اپنے طلبہ وطالبات کو نہیں دیتے۔ تحقیقی اور تخلیقی صلاحیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ علم کے نئے ذرائع یا آرٹیفیشل انٹیلیجنس یہ نئے ذرائع آرہے ہیں یہ جو جینڈر انجینیئرنگ پر بات نہیں ہوتی۔ کلائمٹ چینج پر بات نہیں ہورہی۔ آج ہمارے وہ بچے جو اولیول اور اے لیول کرکے اگے بڑھ جاتے ہیں وہ ہم سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں اس کا جواب جو دین میں پیش کر رہا ہوں اگر اس میں سے نہیں دے سکتا تو میرے لیے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ میں اس دین کا نمائندہ ہوں جو اقرا باسم ربک الذی خلق سے جس کا اغاز ہوا۔ رسول کریم ﷺ بطور معلم حصول علم کے اداب بیاں کیے ہیں۔ جدید علوم کی اہمیت میں نے بیان کیا۔

- نصاب سازی کے اسلامی اصول کیا ہے؟

نصاب سازی میں سے اللہ اور سیرت کو نکال کر نصاب تیار ہورہا ہے یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے یہاں ہمارے بچوں کو سیکولر بنائے جاتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو ہٹا کر تم کو جو کرنا ہے کرلو ایسا اسلامی جمہوریت پاکستان میں کبھی نہیں ہو سکتا۔

- عورتوں کی تعلیم:

خواتین کی تعلیم کو اہمیت نہیں دی جاتی اللہ کے واسطے ان کو ہم اہمیت دیں اگر علم امر دتک ایا تو ایک فرد تک علم ایا اور اگر ایک عورت تک علم ایا تو ایک نسل تک ایا نسلوں کی تعمیر یہ ہماری بہنیں کرتی ہیں ان کو تعلیم کے زیور سے روشناس کرایا جائے۔

- غیر مسلموں سے حصول علم:

غیر مسلموں کے پاس علم کی یہ حکمت ہمارا گمشدہ میراث ہے۔ اگر یہ غیر مسلم کے پاس بھی ہے تو کیا کررہا ہے چیز ہماری ہے تمہارے پاس کیوں ہے تو غیر مسلموں سے علم بھی لیں اور امت مسلمہ کو مضبوط بنائیں۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ　　　سرمہ ہے میری انکھ کا خاک مدینہ اور نجف

آپ سب کا بہت شکریہ۔

خطاب محترمہ سمیعہ راحیل قاضی

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں بھی اب ضروری کہہ دوں کہ جواب ضرور دے دیں سلام کا اور شاید لوگ تھک بھی چکے ہیں صبح سے ، لیکن میں سمجھتی ہوں کے اس محفل میں بیٹھنا یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے حضور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ قیامت کے دن انسان اپنی ہر محفل پر پچھتائے گا سوائے ان محفلوں کے جس میں اللہ اور اس کے رسول کا ذکر ہوگا تو میں اپنے سابق وزیراعظم سینٹ کے چیئرمین سید یوسف رضا گیلانی صاحب اور سالک بھائی فیصل کریم بھائی ان سب کی شکر گزار ہوں کہ بہت اچھی محفل وزارت مذہبی امور نے منعقد کی ہے اور اس میں بطور ایک ماں کے ایک بیٹی کے بہن کے اس محفل میں جو عورت ہے اس کو بھی اتنی ہی شرکت کرنی چاہیے اس لیے کہ آپ نے خود ہی کہا، آپ سب بھی اپنے ماؤں کے مصلوں کی دعاؤں کی وجہ سے یہاں پر بیٹھے ہیں۔یہاں پر جتنے بھی بڑے بڑے علماء ہیں جتنے بھی بڑے بڑے لوگ ہیں آپ کی ماؤں نے آپ کی تربیت کی تو یہاں تک پہنچایا ہے اس لیے ماؤں کی قدر کریں اور ان کو وقت دیں اور بتایا گیا ہے کہ بس پانچ منٹ میں جلدی سے اپنی بات ختم کر لیں تو انشاءاللہ میں کوشش کرتی ہوں کہ میں ختم کر لوں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایسی محفل ہے جس میں ہمیں وقت نکال کر آنا چاہیے اور ہمیں بیٹھنا چاہیے ہمیں ماؤں کی باتوں کو بھی سننا چاہیے اور علماء کی باتوں کو بھی سننا چاہیے اس لیے کہ بہت ہی اہم ٹاپک ہے یہ جو ٹاپک ہے کہ" ریاست کا تعلیمی نظام حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں" تو ابھی انیق بھائی نے جو آیات آپ کو تلاوت کر کے سنائیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھائی تو انہوں نے اللہ سے دعا کی ، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیم کی اس دعا کا جواب ہوں اور وہ دعا یہ تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (129)

اور پھر اللہ نے سورہ آل عمران میں ،پورے قرآن کریم میں سوائے اسلام کے اللہ نے اپنے کسی احسان کو جتلایا نہیں ہے لیکن اس احسان کو اللہ تعالی جتلاتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (164)

وہ معلم بنا کر بھیجے گئے اور اللہ تعالی کی معرفت کے لیے بھیجے گئے کہ تعلیم کی بنیادی معرفت الٰہی ہے صبح سے ہم اسی موضوع پر بات کر رہے ہیں کہ تعلیم کا بنیادی مقصد معاشرے کی کردار سازی ہے کریکٹر بلڈنگ اور بیہیویرل ڈویلپمنٹ یہ اصل کام ہے تعلیم کی جو کہ ناپید ہوتا جا رہا ہے۔

تعلیم کو صرف ایک ہنر ،ایک ڈگری ہم لے لیتے ہیں لیکن جو اصل کریکٹر بلڈنگ ہے اور جو کردار سازی ہے وہ ختم ہوتی جا رہی ہے تو تعلیم کا مقصد اخلاق حسنٰی کہ انسان اپنی زندگی کو اچھے اخلاق اچھے اصولوں پر استوار کرے دوسرے لوگوں کے

برے رویوں کے باوجود ان کی پرواہ کیے بغیر اعلی انسانی کردار کا مظاہرہ کریں حضور نبی کریم صلی وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص تجھ سے قطع رحمی کرے تو اس سے حسن سلوک کر اور جو تجھ سے برا برتاؤ کرے تو اس پر احسان کر۔ تو حسن خلق اصل مقصد ہے اس تعلیم کا اور ریاست کو اسی وجہ سے اس تعلیم کے اوپر بہت زیادہ بنیادی کام کرنا چاہیے یہ ایسی نسل تیار ہوں جو اعلی انسانی اخلاق اور اس کردار کی وہ حامل بن جائے، ایک چینی کہاوت ہے کہ اگر تمہارا منصوبہ سال بھر کا ہے تو فصل کاشت کرو اگر دس سال کے لیے ہے تو درختوں اگاو اور اگر دائمی ہے تو افراد پیدا کرو اور افراد کی تغیر صرف تعلیم سے ممکن ہے۔ تعلیم کی بھی تعریف کی بات ہو رہی تھی ،ڈیفینیشن اس کی یہ ہے کہ تعلیم وہ اجتماعی علم ہے جس کے ذریعے سے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصورات سکھاتا ہے اسلامی تصورحیات کی طرف اس کو گامزن کرتا ہے اور اسلامی عقائد اور افکار ان کے ذہنوں میں راسخ کرتا ہے اسلامی افکار کی روشنی میں آداب زندگی اور اخلاقی تربیت دیتا ہے تعلیمی نظام کو اگر ہم سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں دیکھیں تو ہمیں تین چار چیزوں نظر آئیں گی،میں جلدی جلدی اس سے گزرتی ہوں کہ علم کی اہمیت ہے، اخلاقی تربیت ہے، انصاف اور مساوات ہے عقیدے اور عمل کی آزادی،علمی آزادی ،علمی اور عملی تعلیم کا امتزاج ،اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے تعلیم کا مقصد ایک مضبوط اور مہذب معاشرہ ہے وہ بنانا ہوگا۔ اب آتے ہیں تھوڑا عورت کی تعلیم پر، اس لیے کہ میں ایک عورت ہوں عورتوں کی نمائندگی کر رہی ہو اور آج کی دنیا میں بھی ہم کہیں دیکھتے ہیں کہ بچی عورت کی تعلیم کو بہت زیادہ پسندیدہ نہیں سمجھا جاتا ۔علماء کا فرض ہے ممبر و محراب کا میڈیا کا حکومت کا سب کا فرض ہے کہ اپنی نسلوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لیے ہم اس نبوی دور کی طرف جائیں جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہم نے آج بھی ایک تہائی دین کے لیے ہم ان کے محتاج ہیں بڑے بڑے اکابر صحابہ ان سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے ان سے درس لیا کرتے تھے ان کی بیان کردہ احادیث سے آج بھی قانون سازی ہوتی ہے تو اس لئے بہت زیادہ ضرورت ہے عورتوں کی تعلیم کی، اس لئے کہ قرآن کریم صرف مردوں کے لیے تو نہیں آیا یہ قرآن کریم عورت کا بھی اتنی ہی قرآن ہے، یہ دین عورت کا بھی اتنا دین ہے جتنا یہ مردوں کا دین ہے اور یہ احادیث بھی اتنی عورتوں کے اوپر بھی فرض ہے جتنا یہ مردوں کے اوپر فرض ہے لیکن چونکہ آپ لوگ معاشرے کے صورت گر ہیں ہم وہ عورتیں اس بات پر ایمان رکھتی ہیں: فالصالحات قانتات ہمارے رب نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آپ کی فرمانبرداری کریں آپ کو قوام تسلیم کریں لیکن قوام کا مطلب ظالم حاکم نہیں ہے قوام کا مطلب ہے مہربان نیچر جو شفقت لے ساتھ مہربانی کرکے وہ اس عورت کو اس لئے کہ ہم ہیں تو تھوڑی ٹیڑھی اس لیے اللہ کے رسول نے کہا کہ ان کو ان کے ٹیڑھے پن کے ساتھ قبول کر لینا۔ میرے والد بہت ہی خوبصورت بات کرتے تھے بیٹا ایک روایت میں ہے کہ عورت پسلی سے بنی ہے بائیں پسلی سے بائیں طرف دل ہوتا ہے اس کی بنیادی فطرت ہے کہ اس سے محبت کی جائے اس کو دل کے قریب رکھا جائے اس کی حفاظت کی جائے اس کو اپنے بازو کے نیچے رکھا جائے جب عورت کو یہ عزت محبت اور حفاظت مل جاتی ہے نہ وہ ہر ناممکن کو ممکن کرتی ہے وہ آپ کے معاشرے کو آپ کے گھر کو بھی سنوارتی ہے آپ کے معاشرے کو بھی سنوارتی ہے آپ کی قوم کو بھی سنوارتی ہے آپ اس کے اوپر ایک دفعہ مہربانی کرے وہ وفا کی پتلی ہے وہ آپ کے اوپر اپنا تن من دھن نچھاور کر کے تو انشاء اللہ آپ کو وہ قوم دے گی آپ کو وہ نسل دی گئی جس پر آپ پر فخر کریں گے آپ کے گھر کو بھی سنوارے گی تو یہ ریاست میں عورت کی تعلیم کی اہمیت ہے میرے پاس ابھی ٹائم کم ہے ورنہ میں ضرور آپ کو ساری احادیث سناتیں لیکن آپ لوگ گھر ضرور جا کہ پڑھ لیجئے گا کہ کتنی زیادہ آیات ہیں کتنی احادیث ہے کہ جس میں جینڈرا کولیٹی کا ذکر

ہے لوگ آج کہتے ہیں شاید جینڈر اکولٹی مغرب کا کوئی فینومنا ہے آپ سورۃ النساء کی پہلی آیت دیکھیں جینڈر اکولٹی کی سب سے بڑی علمبردار ہے اللہ رب العزت فرماتا ہے: **یا أیها الناس اتقوا ربکم الذي خلقکم من نفس واحدة** ایک جان سے پیدا کیا اور بطور انسان مرد اور عورت کے حقوق بالکل ایک ہی ہیں ان کے حقوق بھی ایک ہی ہے اور ان کا ایک ہی ثواب ہے ایک ہی عذاب ہے ایک ہی جنت اور ایک ہی دوزخ ہے۔ تو قوموں کے عروج و زوال کی داستان اور تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ عروج تب ملے گا جب معاشرے اور تعلیم گاہیں اپنے مقتدر قوتوں کو اپنے اہداف اور مقاصد سے ہم آہنگ کریں بصورت دیگر منتشر قومیں وہ زوال کا شکار ہو جاتی ہیں ہمیں آنے والے روشن مستقبل کے لئے تیاری کرنا ہوگی۔ مجھے اقبال کا یہ شعر بڑا پسند ہے

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ

اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

ہمارے پاس بظاہر کچھ نہیں ہے لیکن جیسے اندھیری شب میں چیتا اپنی آنکھوں کو اپنا چراغ بنا کر اس سے ہی سمت کا تعین کرتا ہے اسی سے وہ شکار کرتا ہے ہمیں بھی اپنے محدود وسائل سے انشاءاللہ اپنی قوم کو آگے لے کر جانا ہے۔

اور آخر میں وہ ساقی نامہ کے کچھ اشعار آپ کی نذر کرتی ہوں کہ اقبال کہتے ہیں کہ: ندی کی طرح اپنا راستہ بناتے جاؤ تو ہم عورتیں بھی انشاءاللہ ندی کی طرح اپنا راستہ بنا رہی ہیں۔

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی — اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی

اچھلتی، پھسلتی، سنبھلتی ہوئی — بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

رکے جب تو سل چیر دیتی ہے — یہ پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے — لڑا دے ممولے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے — نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

شراب کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا — میری خاک جگنو بنا کر اڑا

یہ سات اکتوبر طوفان الاقصی انہوں نے ایسے پر لگا کر اڑے تھے۔ میں چیرمین سینٹ بھی بیٹھے ہیں سالک بھائی بھی بیٹھے ہیں اور فیصل کریم بھائی بیٹھے ہیں آپ لوگ ضرور سات اکتوبر کو جو طوفان الاقصی کی سالگرہ آرہی ہے پورا ایک سال ہو گیا ہے ہمارا فلسطین جل رہا ہے ہمارا غزہ کے بچے بالکل تباہ ہو رہے ہیں ہمیں پاکستان سے سٹرونگ میسج ان کی طرف لے کر جانا ہے کہ وہ ہماری امت کا تاج ہے ہمارا قبلہ اول ہے اور " ہمیں ان شاء اللہ ان کی مدد کرنی ہے تو انہوں نے کہا وہی جام گردش میں لا ساقیا مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا میری خاک جگنو بنا کر اڑا خرد کو غلامی سے آزاد کر جوانوں کو پیروں کا استاد کر تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضی سوز صدیق دے جگر سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر میرا دل میری رزم گاہ حیات گمانوں کے لشکر یقین کا ثبات ہے یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر میرے قافلے میں لٹا دے اسے لوٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے اور آخر میں ختم نبوت ﷺ کی ایک تحریک کی ایک کارکن ایک کنیز سمجھ لیں بچپن سے حضرت موصیبہ حضرت ام عمارہ میری آئیڈیل تھی اور ہم انشاءاللہ یہ ساری ملک کی عورتیں اس ختم نبوت کی اس تحریک میں آپ کے ساتھ ہیں اور ہمیں بہت زیادہ امید ہے کہ ان شاء اللہ

اس ملک میں جب تک ہماری گردنوں پر ہمارے سر سلامت ہیں کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دیجئے کہ وہ اس طرح کی شرارتیں ہر وقت کرے، آپ انہیں کہیں انف از انف اس فیصلے کو اس طرح سے لکھا جائے کہ پھر کسی کو بھی جرات نہ ہو کہ بار بار ان چیزوں کو چھیڑ لے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خطاب جناب سید شفاء اللہ شاہ بخاری

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ ۚ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

صدر محفل حاضرین مجلس ہر صبح اپنی روشنیوں کے ساتھ ساتھ ایک تاریکی کی نوید بھی ہوتی ہے اور تاریکی اپنی تاریکیوں کے گھیرے ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نئی روشنی کی امید پھیلاتی ہے اب اس کو یوں ہی سمجھ لیجئے کہ یہ علم و ظلمت کی آنکھ مچولی ہوتی ہے

جو انسانی کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اس علم وظلمت کی آنکھ مچولی کے پیچھے جو قوت کارفرما رہتی ہے وہی قوت ہے جس نے یہ پیغام دے رکھا ہے:

هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ

یہ اسی نے تقسیم کر رکھی ہے کہ یہ قرآنی اسلوب ہے قرآن کے اسلوب پر قربان جائیں جہالت کا لفظ نہیں بولا **لا یعلمون** کہہ کر بات کی ایک طرف بولا **یَعْلَمُوْنَ** اور دوسری طرف کہا **لا یعلمون** یہ جو علم اور عدم علم کی تقسیم ہے اس تقسیم کا کرنے والا بھی میرا اللہ ہے جب وہ علم عطا کرتا ہے۔

تو وہ یہ پیغام دیتا ہے **وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ** اور جب وہ علم کی بے قدری کرنے والوں کا تذکرہ کرتا ہے تو پھر وہ یہ تذکرہ بھی کرتا ہے **یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ** جب وہ علم کی روشنیوں کے زور کی بات کرتا ہے اور اپنا فضل اللہ کی بات کرتا ہے تو یہ کہتا ہوا اس کائنات کو اپنے احسن الکلام سے پیغام دیتا ہے **یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ یُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ** ؕ یہ ظلمتوں سے اور جہالتوں سے علم کا سفر، یہ میرے کسب سے متعلق اتنا نہیں جتنا یہ اللہ کی عطاؤں سے متعلق ہے ۔

میں اپنی دوڑ دھوپ لگانے کے باوجود وہ روشنی حاصل نہیں کر سکتا جو دن میں مجھے عطا کی ہے یہ لائٹیں انسانی محنت کی عکاس ہیں ان میں وہ طاقت نہیں کہ ان سے دن کی روشنی کو ان کے ساتھ کوئی موازنہ کرنے لگوں میری روشنیاں جو میں ترتیب دیتا ہوں وہ بڑے محدود خطوں کو اور محدود حصوں کو روشن کرتی ہیں میں اپنی گفتگو میں طوالت واطناب سے گریز کرتے ہوئے عرض کروں گا ،میں روشنیاں ترتیب دوں تو وہ علم جنم لیتے ہیں جو میرے ذہنوں کو روشن کرتے ہیں میں بحیثیت انسان روشنیاں ترتیب دوں تو وہ علم جنم لیتے ہیں جن سے میری عقل روشن ہوتی ہے دل میں موجود ظلمتوں کا خاتمہ نہیں ہوتا ریاست کا تعلیمی نظام سیرت ﷺ کے اس عنوان کا ایک ہی حل ہے کہ میری ریاست پاکستان اور اس کے اہلدل اہل علم اور مقتدرہ اور اس ملک کی باگ دوڑ چلانے والے رقیق القلب اور شفیق القلب انسانجو بطور حاکم اور حکمران کے اس خطے کے مسلمانوں کو لیڈ کر رہے ہیں وہ ایسی روشنی کا اہتمام اس ریاست میں کریں جو صرف دماغ کو روشن نہ کرے بلکہ میرے دل میں موجود ظلمتوں کے خاتمے کو یقینی بنائے

میں عرض کرنا چاہتا ہوں وقت بہت کم ہے اور بڑی شرمندگی ہونے لگتی ہے، مقرر کو جب وہ بات طویل کرتا ،اور اس کی بہت اچھی بات بھی ہو، بے وزن محسوس ہوتی ہے۔میں آگے بڑھوں گا مجھے دل کی روشنی درکار ہے بہت ساری قوموں کی تباہی کا قرآن میں تذکرہ ہوا اور فرمایا: **فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ**

بہت ساری بستیوں کو ہم نے تباہ و برباد کردیا ان کے کنویں بڑے موجود رہے اور ان کے محلات موجود تھے لیکن ان کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا کیوں اس لیے قرآن نے جواب دیا کہ: **أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ**

جب بستیوں کے باسیوں کی آنکھیں دیکھنے کے قابل نہ رہجائے اور دل روشنیوں سے محروم ہو جائے تو میرے اللہ کا ضابطہ ہے کہ ہلاکتوں کا اعلان کرکے بستیوں کو انکے محلات کی بلندیوں کے باوجود ان کی معیشت کے چشموں کی روانیوں کے باوجود کے ہلاکت سے دوچار کرتا ہوں ہاں جب انسانی بستیوں کے باسیوں کے دلروشن ہوں اور ان کی ان کی بصیرتیں نمایاں ہوں اور انہیں قدم قدم پہ اجالے میسر ہوں کوئی لیل ان کے اجالوں کو مات نہ کرے کوئی ظلمت ان کے اجالوں کو مات نہ کرے جب وہ اس بصیرت تک اپنے سفر کو لے جائیں تو وہ بصیرت کا سفر، اس وقت میں نے اس کائنات انسانی کو دیا جب میں نے قرآن کریم کی عظیم الشان علمی روشنی کو مکہ کے ایک یتیم کے سینے پہ اتار کر کہا **الم نشرح لک صدرک**

وہاں عقل کی بات نہیں ہوئی وہاں انشراح صدر کی بات ہوئی ہے میں کہنا چاہتا ہوں پنجابی میں کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ رویوں سے مایوس کرنے لگتا ہے تو کہتے ہیں بڑا چھوٹا دل ہے ایدا اور جب کبھی بندے اپنے صبر میں بہت بڑے ہوں معافیوں میں دشمنوں کو معافیوں دینے والے ہوں آپ کو پتہ ہے نہ فاتح مکہ فتح مبین کا سہرا باندھنے والے آپ ﷺ جب مکہ میں بحیثیت فاتح کے داخل ہوتے ہیں تو آپ ﷺ اعلان فرماتے ہیں: آج کے بعد جو بندہ اللہ کے گھر داخل ہو گیا آج کے دن میں محمد عربی ﷺ انشراح صدر سے اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ وہ محفوظ ہو گیا اور جتنے جو بندہ میرے ﷺ سب سے بڑے دشمن ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ بھی میری اس فوج کے حملوں سے محفوظ کر دیا گیا یہ بڑے پن کا مظاہرہ یہ بڑے حوصلوں کی بات یہ بڑے صبروں کی بات یہ دماغ کے روشن ہونے سے جنم نہیں لیتی یہ دل کے روشن ہونے سے جنم لیتی ہے اور یہ میرا دل روشنتب ہو گا کہ میرا یہ دل قرآن کے علم کا مرکز بن جائے اور میں کہنا چاہتا ہوں باقی تمام علوم میں ڈاکٹری کا علم ہو، سیاست کا علم ہو، وکالت کا علم ہو ،اور جغرافیے کا علم ہو جتنے مابہ الامتیاز علوم عالیہ ہیں جن کی اپنی جگہ پہ بج وہج برقرار ہے۔

ان سب کے ساتھ کسی بھی انسان کے دماغ کو روشن کیا جاسکتا ہے دل روشن نہیں، اسی لیے اقبال اس اس بات پر احتجاج کرتے ہوئے کہتے ہیں: "عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں۔" رہبر ہوں ظن و تخمین تو زبوں کار حیات"، میں اپنے بھائی چوہدری سالک کو مبارکباد دیتے ہوئے یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا خدا کرے آپ کو اپنی خاندانی دینی وجاہت کو قائم رکھتے ہوئے یہ جرات مندانہ فیصلہ کرنا پڑے کہ قرآن مجید کی تعلیم کو نہ صرف نصابی کتب میں ایک ایسا حصہ دے دیا جائے جس سے مدارس بھی اپنے ضمیر کو بظاہر مطمئن کرنے کا دعوی کرتے نظر آئیں مدارس دینیہ نہ ہی مدارس عصریہ میں قرآنی صفحات ، آیات اور سورتوں کو مختص کرکے کسی نہ کسی ایسے آدمی کے ذمے لگا دیا جائے ،مجھے یہاں معذرت سے یہ بات کہنا پڑتی ہے مدارس دینیہ سے وابستہ میں آدمی ہوں قرآن مجید کی تفسیر کے سبق کو یہاں بیٹھے ہوئے ذمہ داران سے سوال کیجئے گا مذہبی امور کی وزارت کا قلمدان آپ کے ہاتھ میں ہے کہ جتنے مدارس ہیں

اور جتنی عصری علوم کی یونیورسٹیاں ہیں کیا ان میں سب سے ماہر ترین علم کے دعوے دار کے ذمہ قرآن کی تفسیر کا ذمہ لگایا جاتا ہے یا کسی ایسے آدمی کو دے دیا جاتا ہے جس کے متعلق یہ خیال ہو چلو باقی کوئیگل تے لبنہوں اندی نہیں اے گل سوکھی ہے اینوں اے دے دیو ہویہ رہا ہے علم القرآن جس نے میری کائنات قلبی کو روشن کرنا ہے اس کی اہمیت لفظوں میں موجود ہے عملانہ مدارس دینیہ میں موجود ہے میں ذمہ داری سے کہتا ہوں عملامدارس عصریہ تو اس سے بالکل خالی خولی ہیں ہمیں آج یہ تحیہ کرنا ہے کہ من حیث القوم کہ ہم اپنے اللہ سے بھی یہ عہد کرے اور یہ مقتدرہ بھی وعدہ کریں اور ایک لفظ جو منتخب ہوا سالک بھائی وہ ہے تعلیمی نظام نا کہ نصاب۔ نصاب نصب سے ہے نصب کہتے ہیں سنگ میل کو اور مجھے نظام تک اگر جانا ہے تو نظام نظم سے ہے نظم کا معنی ہوتا ہے موتیوں کا ایک دوسرے سے پروے ہونا میں یہاں درخواست کروں گا تعلیمی نظام کو صرف تعلیمیاداروں تک سیرت مصطفی کی روشنی نہیں ملنی چاہیے بلکہ مہد سے لے کر لحد تک سوسائٹی کے تمام طبقات کو ابتدا سے لیکر انتہا تک قرآنی روشنی ملنے کا حکومت پاکستان کو اہتمام کرنا چاہیے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

خطاب جناب فیصل کریم کنڈی
گورنر خیبر پختونخوا

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

جناب یوسف رضا گیلانی صاحب چیئرمین سینٹ جناب میرے بھائی چوھدری سالک صاحب وفاقی وزیر مذہبی امور، پارلیمانی سیکرٹری وزارت مذہبی امور کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور تمام یہاں پر جو میرے علماء کرام، حاضرین محفل اور میرے بھائی چوہدری سالک صاحب کو یہاں پر ایک بہترین پروگرام مرتب کرنے میں مبارکباد پیش کرتا ہوں آج کے بابرکت اور پر مسرت موقع پر میں آج اپنی اور خیبر پختون خواہ کی عوام کی طرف سے تمام کو عید میلاد النبی ﷺ کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ سیرت النبی ﷺ صرف اسلام ہی نہیں بلکہ سب کے لیے ایک عظیم نمونہ حیات ہے۔ اور یہ انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ حضور پاک ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو نرالا اور امت کے لیے مینار ہدایت ہے۔ حاضرین محفل سیرت نبی ﷺ کو محض الفاظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ہمارے عظیم پیغمبر کو انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے آخری نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

آپ کی حیات طیبہ میں اخلاقیات معاشیات گھریلو زندگیوں اور روزمرہ کے معاملات میں مکمل رہنمائی کی گئی ہے، اس لیے یہاں پہ یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ صرف اسلام کی نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کی نجات اور انفرادی اور اجتماعی مسائل کا حل سیرت ﷺ پر عمل درآمد میں ہی ممکن ہے۔

حاظرین محفل عصر حاضر میں عالم اسلام کو مختلف چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس میں سب سے بڑا چیلنج اپنی نوجوان نسل کو اسلام اور اسلامی تعلیم کے مطابق تربیت کی فراہمی یقینی بنانا ہے۔ ہمارے ملک میں دینی اور دنیاوی تعلیم کے الگ الگ تعلیمی ادارے اور مدارس موجود ہیں جن کا مشترکہ مقصد ایک ہی ہے کہ اپنی نوجوان نسل کی بہترین تربیت یقینی بنائی جائے۔

جب میں سیرت نبی ﷺ کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے عملی زندگی گزارنے کا بہترین درس ملتا ہے اور اس وقت ہمارے تعلیمی نظام میں بھی عملی مواقع کی فراہمی ضروری ہے۔ جب تک ہم ہمارے نوجوانوں کو عملی مواقع حاصل نہیں ہوں گے تب تک وہ زندگی گزارنے کے تجربات سے واقف نہیں ہو سکتے۔ ناظرین محفل موجودہ دور حاضر میں سیرت نبوی ﷺ کی تعلیمات کے مطابق تعلیمی نظام کو ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہمارا آج کا نوجوان خداداد صلاحیتوں اور اصولی تعلیم کے بعد بھی معاشرتی آداب واجدار سے غافل کیوں ہو گیا ہے یہ وہ حقائق ہیں جو سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے نہیں بلکہ اپنی زندگی میں عمل درآمد کرنے سے معاشی سطح پر ایک بہترین مسلمان اور بہترین انسان بنا سکتا ہے آج ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت ﷺ پڑھائی، سمجھائی جائے اور علماء کرام کو یہ نقطہ بتائیں کہ سیرت نبی ﷺ پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت کی کامیابی کا حصول ممکن ہے۔

میں آخر میں دوبارہ اپنے بھائی چوہدری سالک صاحب کو ایک بہترین پروگرام کرنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالی انکو اسی طرح مستقبل میں بھی کامیاب کرے۔

خطاب جناب یوسف رضا گیلانی

چیئرمین سینیٹ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وفاقی وزیر وزیر برائے مذہبی امور چوہدری سالک حسین صاحب، فیصل کریم کنڈی صاحب گورنر کے پی کے، سردار شمشیر علی مزاری صاحب پارلیمنٹری سیکرٹری مذہبی امور، قابل قدر علماء کرام، مشائخ عظام، معزز مہمانان، گرامی خواتین و حضرات، السلام علیکم میں آپ سب کو آج کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر مبارکباد پیش کرتا ہوں میں ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے علماء کرام اور معزز مہمانوں کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی شرکت سے اس کانفرنس کو کامیاب بنایا میں صدر مملکت جناب آصف علی زرداری صاحب اور اپنی جانب سے ایک مرتبہ پھر آپ سب کو اس کانفرنس میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ خواتین و حضرات اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہمیں زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں رہنما اصول فراہم کرتا ہے ان رہنما اصولوں سے مدد لیتے ہوئے ہم مختلف شعبوں میں درپیش مسائل پر کامیابی سے قابو پا سکتے ہیں۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کی تعلیمات پر اپنی زندگی پر عمل کرنے کی کوشش کریں اسلام کی دعوت کا بنیادی مقصد انسان کے اخلاقی تربیت تزکیہ نفس اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے ایک مکمل اور بہترین انسان کی تیاری ہے۔ ان مقاصد کا حصول علم کا بغیر ممکن نہیں آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نہ صرف امت کے لیے معلم بنا کر بھیجا بلکہ آپ نے اپنی حیات طیبہ کے ذریعے دین کی تعلیمات کا عملی نمونہ بھی دکھایا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک مثالی اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی آپ ﷺ کی تربیت کے بدولت ہی ممکن ہوا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے دنیا میں ایک ممتاز مقام حاصل کیا مسلمانوں نے یہ کامیاب اپنی علمی اور اخلاقی برتری کے بل بوتے پر حاصل کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے نزول کا آغاز ہی **اقرا** یعنی قلم کے ذریعے سے علم سکھانے سے کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی زندگی میں امت اور اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت کا خصوصی انتظام کیا۔ آپ ﷺ نے ایک طرف مسجد نبوی میں اہل صفہ کی تعلیم کا بندوبست کیا اور دوسری طرف جنگی قیدیوں کے لیے آزادی کے بدلے صحابہ کو تعلیم دینے کی شرط رکھی اسی طرح نبوت کے مختلف ادوار میں مختلف قبائل اور علاقوں کی طرف اساتذہ کی روانگی کا سلسلہ بھی جاری رہا اس بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ تعلیم اسلامی معاشرے کا بنیادی جز ہے علم کے بغیر ایک مثالی اسلامی معاشرے کا خواب شرمندہ تعبیر ہی نہیں ہو سکتا اور اپنے شہریوں کی تعلیم و کا بندوبست کرنا اسلامی ریاست کے فرائض میں شامل ہے۔ خواتین و حضرات کسی بھی تعلیمی نظام کا بنیادی مقصد ایک مکمل انسان کی تشکیل ہونا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا انہیں اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے ہم اس بات پر توجہ دیں کہ طلبہ کو اخلاق اعتبار سے بہترین انسان بنا ہماری تعلیمی نظام تعلیمی نظام ایسے افراد پیدا کرے جو کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد اور اپنی دینی اخلاقی سماجی اور انسانی ذمہ داریوں سے مکمل واقفیت رکھتے ہوں اپنے خالق اور رب کے ساتھ اپنے تعلق اور اس دنیا میں انسان کے مقام کم ہو مکمل ادراک ہو ہمارا نظام ہمارے بچوں کو عبادات اور عذاب معاشرت کے بارے میں تعلیم دیں۔ ان کے اندر اسلامی اقدار اقدار بالخصوص دیانت داری صداقت عہد کی پابندی

والدین سے حسن سلوک سماجی و معاشی انصاف اور رواداری کی اہمیت اجاگر کریں یہ ایسا نظام ہو جو ہمارے تاریخ اجاگر کریں یہ ایسا نظام ہو جو ہمارے لوگوں کو اپنے دینی اور اخلاقی ذمہ داریاں پوری کرنے کے قابل بنائے۔

آپ جانتے ہیں کہ حصول علم کو ہر مسلمان پر فرض کیا گیا ہے اس سے نہ صرف اصول نہیں ہے علم کی ہماری انفرادی ذمہ داری واضح ہوتی ہے بلکہ ہم پر اجتماعی ذمہ داری بھی لاگو ہوتی ہے کہ ہم اپنے لوگوں کے لیے حصول تعلیم آسان بنائے اور علم کی رسائی بڑھانے کے لیے اقدامات کریں میرے لیے امر باعث فخر ہے کہ میری وزارت عظمی کے دور میں ائین بے پاکستان میں ایک ترمیم کے تحت حصول تعلیم کو ایک بنیادی اور ائینی حق قرار دیا گیا اس کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے ائین پاکستان کی مذکورہ شق 25 اے کے مطابق ریاست 5 سے 16 سال تک کی عمر کے بچوں کے لیے مذکورہ طریقہ کار پر ایسا کے قانون کے ذریعے مقرر کیا جائے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی اس ضمن میں یہ امر باعث افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں تقریبا 2 کروڑ اور 60 لاکھ بچے سکول نہیں جا پاتے۔

ہمیں اپنے ملک میں ایک ایسا اپنے ملک میں ایک ایسا جامعہ تعلیمی نظام رائج کرنا ہو گا جہاں لوگوں کی سماجی حیثیت زبان صوبے اور ذات کی تفریق سے بالاتر ہو کر انہوں نے تعلیم تک رسائی دی جا سکے ہمیں ایک ایسے تعلیم نظام کی ضرورت ہے جو افراد کی انفرادی ضروریات کو مد نظر رکھے اور ہر بچے کی انفرادی صلاحیتوں اور خصوصیات کو مزید نکھاریں۔ کوئی بچہ مالی مشکلات یا جسمانی معذوری کی وجہ سے تعلیم کی دولت سے محروم نہ رہے۔ خواتین و حضرات سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم صلی اللہ علی وسلم کی روشنی میں آج ہم ایک ایسے تعلیمی نظام کی ضرورت ہے۔ جو ہماری ائندہ نسلوں کو عملی زندگی کے لیے تیار کرے اور علم نافع اور ان مہارتوں سے لیس کرے جو نہ صرف انفرادی سطح پر سود مند ہو بلکہ مجموعی طور پر معاشرے کے لیے بھی کارآمد ثابت ہو ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو ایک جامع تعلیمی نظام بنانا اور اسے اس قابل بنانا ہے کہ وہ تمام شعبہ ہے زندگی میں ہماری قومی اور معاشرتی ضروریات کو پورا کر سکیں ہم اپنے اوادار کے موثر انتظام سماجی خدمات کی فراہمی صنعتی شعبوں کی ترقی زرعی شعبوں کو جدید خطوط پر استوار کرنے کاروباری اور گورننس اصلاحات لانے اور دیگر شعبوں میں تربیت یافتہ افراد کی اشد ضرورت ہے ہمیں اپنے نوجوانوں کو مارکیٹ کی ضروریات اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تعلیمات ہنر فراہم کرنا ہوں گے ہمیں ایسے تعلیمی نظام کی ضرورت ہے جو لوگوں کو عملی دنیا کے لیے تیار کریں اور ایسے افراد پیدا کرے۔ جو ہمارے معاشرتی مسائل سماجی ضروریات اور پیچیدگیوں کا مکمل ادراک رکھتے ہوں اور ان سب عناصر کو پیش نظر رکھ کر ہمارے ملک کے مسائل کو حل کر سکیں ایک فعال معاشرہ صرف تشکیل پا سکتا ہے جب ہمارے پاس ہر شعبے میں ایسے کارامد افراد موجود ہوں جو کہ نہ صرف جدید دور کے مسائل کا مقابلہ کر سکیں بلکہ اہم میدانوں میں فکری رہنمائی کراتے ہیں۔

خواتین و حضرات اپنی تقریر کے اختتام سے پہلے میں اس بات پر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے تعلیمی نظام کو صرف درس و تدریس ہی نہیں بلکہ طلبہ کی ذہنی اور جسمانی تندرستی اور صحت پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مبارک مثال کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں بھی اپنے بچوں کو صحت مندانہ اور غیر نصابی سرگرمیاں حصہ لینے کے لیے موضوع ماحول فراہم کرنا ہو گا۔ میں اس تقریب کے توسط سے یہاں پر موجود تمام حاضرین سے درخواست کرنا چاہوں گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر طلبہ کو ایک کامل انسان بنانے کے لیے ایک جامع تعلیمی نظام کے قیام کے لیے کام کریں تا کہ ہم دینی سماجی اور اخلاقی اعتبار سے فعال اور ذمہ دار شہری تیار کر سکیں۔

میں آخر میں وزارت مذہبی امور اور آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے آج سیرت النبی ﷺ کانفرنس کو کامیاب کیا ہے اور میں اللہ تعالی سے اس نیک مقصد کے حصول میں ہم سب کا حامی و ناصر ہوں امین

پاکستان پائندہ باد

مقالاتِ سیرت
2024

1

مقالہ نگار

محمد مشتاق احمد

اما بعد! الحمد للہ الذي انزل الفرقان خلق الانسان علمہ البیان والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد سید ولد عدنان وعلی آلہ و اصحابہ أولوا البر والاحسان وبعد

تمہید

پیغمبر آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل دنیا ظلمت کدہ بن چکی تھی۔ علم و معرفت اور حکمت و دانائی کی روشنی ختم ہو چکی تھی۔ یونان، مصر، روم وایران کی ریاستیں تاریکی وجہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں غرق تھیں۔ آپ ﷺ دنیا میں علم کا سورج بن کر ابھرے اور تمام آتش کدے، صنم خانے، باطل ابلیسی تہذیبیں اور رسوم ورواج منہدم ہو گئے۔ ظلم وبربریت کے بادل چھٹ گئے۔ آپ ﷺ نے لفظ اقراء کی وحی سے انسانیت کو زندگی کا اصل مقصد بتایا اور اس کی معرفت کے لئے علم و حکمت کا حصول ہر انسان پر لازم قرمایا، جس سے انسانیت اپنے مقام ومرتبے سے آشنا ہوئی اور مردہ روحوں میں جان آگئی۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا　　　اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

انسانیت کو یہ مقام علم کی بدولت حاصل ہوا چنانچہ عصر حاضر میں اس کھوئی ہوئی میراث اور مرتبے کا دوبارہ حصول بھی علم کی بدولت ممکن ہے۔ اقوام وامم کا موجودہ جغرافیہ علم کی ضرورت اور بنیادی خدوخال پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور موجودہ دور میں علم اور اس کا حصول یکسر ایک الگ شکل میں سامنے آتا ہے۔ روایت وجدت اور دینی وعصری علوم کی تحصیل کا امتزاج ہی آج ایک متاثر کن اور مفید تعلیم شمار ہوتی ہے۔ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تعلیمی پالیسی بھی اگر اسی نہج پر استوار ہو جس پر آپ ﷺ ریاست مدینہ میں کاربند رہے تو ان فوائد اور نتائج کا حصول ناممکن نہیں۔ زیر نظر مقالہ تعلیمی پالیسی کے حوالے سے سیرت طیبہ سے رہنمائی اخذ کرنے کی ایک کوشش ہے تاہم آغاز میں تعلیم اور اس کے مبادیات کا اختصاری بیان مناسب معلوم ہوتا ہے جن کے بعد تعلیمی پالیسی پر گفتگو کی جائے گی۔

تعلیم اور مبادیات تعلیم

تعلیم، علم سے ماخوذ ہے جس کا معنی جاننا اور معرفت حاصل کرنا ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد اللہ جل جلالہ کی معرفت حاصل کرنا اور اپنی تخلیق کے مقاصد کو جاننا ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کو تعلیم کے اصل مقصد سے آگاہ فرمایا کہ وہ اللہ تعالی کی معرفت کا حصول ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ:

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔(1)

"جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔

باری تعالی کی معرفت کے ساتھ ساتھ اخلاق وسیرت کی عمدگی بھی تعلیم وتعلم کا بنیادی مقصد ہے، جس کی تعلیم ازحد ضروری ہے۔ جیسا کہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ

كَانُوا يَتَعَلَّمُونَ الْهَدْيَ كَمَا يَتَعَلَّمُونَ الْعِلْمَ۔(2)

"لوگ جس طرح علم سیکھتے تھے اسی طرح آداب و اخلاق بھی سیکھتے تھے"۔

ایک ریاست اسی وقت ترقی و کامرانی کی منازل طے کر سکتی ہے جب اس کی تعلیم و تعلم کا طریقہ کار اور نصاب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ان اصولوں اور احکامات کے مطابق ہو، جنہیں رسول اکرم ﷺ نے بنی نوع انسان تک پہنچایا۔ یہی وہ حقیقی علم ہے جس کی بدولت انسان دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

تعلیم کا ارتقائی پس منظر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو غور و فکر کرنے کی صلاحیت عطا کی اور اسے بیان سکھایا ہے(3) جس کے ذریعے وہ اپنا مافی الضمیر واضح کرتا ہے اور اپنے مقاصد و مفاہیم دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اسے علم محفوظ کرنے کے لئے قلم کے ذریعے سے لکھنا سکھایا۔(4) یہ علم کی فضیلت پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور پھر اسے لکھنے کا حکم دیا جس نے ہر شے کی تقدیر لکھ دی۔(5) علم ہی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور ان کی ذریت کو زمین پر جانشین و نائب بنایا۔ علم کا شرف عطا کر کے فرشتوں پر فضیلت عطا کی اور مسجود ملائکہ بنایا۔(6)

مصر، یونان، روم و فارس اور ہند کی ریاستوں نے متعدد علوم و فنون میں حد درجہ ترقی کی مگر ان کے علوم و فنون کا اصل مقصد مادیت پرستی تھا جبکہ وہ عقیدہ توحید اور عمدہ اخلاق سے عاری تھے، جو تعلیم و آگہی کا اصل مقصد ہے۔ یونانی، جو حکیم و دانا تصور کیے جاتے کئی دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ یونانی سردار و آزاد اور باقی تمام غلام جانے جاتے۔(7) قانون سب کے لئے یکساں نہ تھا۔(8) یونانی معاشرے میں تعلیم صرف امراء و شرفاء قوم کے لیے ہی خاص تھی جبکہ تعلیم و حکمت کا حصول عام انسان کی دسترس سے باہر تھا۔ جو لوگ توانا ہوتے انہیں عسکری تعلیم دی جاتی، جبکہ معذور افراد کو موت کے منہ میں جھونک دیا جاتا۔ سات سال کی عمر میں بچوں کی تعلیم کا آغاز سخت جسمانی ورزشوں کے ساتھ ہوتا، لڑکیوں کی تربیت کا اہتمام بھی ہوتا، تاکہ وہ محض صحت مند ماں بن سکے۔(9)

روم میں تعلیم سرکاری طور پر رائج نہ تھی۔ تعلیم غیر مساویانہ اور مہنگی تھی کہ عام انسان تعلیم حاصل نہ کر سکتا۔ صرف شرفاء و امراء کے بچے ہی تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ روم میں جسٹینین نامی حاکم نے تمام وہ سکول بند کرا دیے جن میں فلسفہ اور خطابت کی تعلیم دی جاتی تھی یوں روم میں یونانی فلسفہ گیارہ سو سال بعد ختم ہو گیا۔(10)

ایران کا مذہب مجوسیت تھا جو زرتشت کے پیروکار اور آگ کے پجاری تھے، خیر و شر کے نام سے دو خدا مانتے تھے، مذہب بدلنے والوں پر ظلم کرتے، انہیں تاریک کنویں میں دھکیل کر چوہے چھوڑ دیے جاتے، لوہے کی کنگھیوں سے ان کی کھال کو ادھیڑ دیا جاتا، زبانوں کو کھینچ لیا جاتا، کانوں اور آنکھوں میں سیسہ ڈالا جاتا۔(11) شرم و حیا سے ایسے عاری تھے کہ محرمات سے نکاح کرنا ان کے ہاں معیوب نہ تھا۔ یزدگرد ثانی نے اپنی ہی بیٹی سے نکاح کیا اور پھر اس کو قتل کر ڈالا۔ مال اور عورتیں کسی کی خاص ملکیت نہ تھیں بلکہ مشترکہ متاع تھیں، جس نے عزتوں کو پامال کیا اور اموال لوٹے گئے۔ مذہبی پیشواؤں اور بادشاہوں کو خدا کا نائب جان کر انہیں سجدے کیے جاتے۔(12)

ہندوستان میں ان گنت خداؤں کی پرستش کی جاتی، برہمن کو خدا کا درجہ حاصل تھا، مرد وزن کی برہنہ حالت میں پوجا کی جاتی تھی، اچھوت ذات کے لیے تعلیم کا حصول ناممکن تھا جبکہ اونچی ذات کو معاشرے میں تمام تحفظات حاصل تھے۔ مے نوشی و قمار بازی معاشرے میں عام تھی اور عصمتیں محفوظ نہ تھیں۔ لوگ سادھو بن کر جنگلوں میں نکل جاتے۔ بد شگونی، ظنون و اوہام اور فاسد خیالات نے عوام الناس کے دل و دماغ پر بسیرا کیا ہوا تھا۔(13)

مصر میں عمومی طور پر تعلیم موروثی تھی، ایک باپ اپنی اولاد کو اپنا فن سکھا دیتا تھا، اس کے علاوہ اٹھارہویں خاندان کے عہد حکومت میں کئی بڑے شہروں میں سکول بھی کھولے گئے جہاں بچوں کو تعلیم دی جاتی تھی۔ پٹولیمیز خاندان کے عہد حکومت میں مصر دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ تعلیم یافتہ اور دولت مند تھا۔ (14)

یہود علم و معرفت سے آشنا تھے اور علم وحی جانتے تھے مگر ان میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ یہ دنیا کے مال و متاع کے حریص تھے اور عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے، سود کھاتے اور تورات کے احکامات بدل دیتے۔ یہی قوم تھی جس نے آپ ﷺ کو اپنے بیٹوں کی مانند پہچان کر بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فرمان باری تعالی ہے کہ

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (15)

"جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں اور بلاشبہ ان میں سے ایک گروہ جاننے کے باوجود بھی حق کو چھپاتا ہے"۔

یہود اخلاقی طور پر حد درجہ پست تھے، کسی دوسرے مذہب کی محرم خاتون کی عصمت دری سے بھی باز نہ آتے تھے۔ (16) حد درجہ سفاک اور عیار تھے کہ ایک ننھی بچی کے زیور اتار کر اسے قتل کر دیتے (17)

قبل از بعثت اہل عرب کی تعلیمی حالت

اہلیان عرب ایک امی قوم تھی جو تعلیم سے بے بہرہ تھی۔ محض چند لوگ نوشت و خواند کی صلاحیت رکھتے تھے۔ توحید باری تعالی کو اہل عرب بھلا چکے تھے اور اللہ کے علاوہ بتوں کی پرستش کرنے لگے۔ عرب اپنے حافظے پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ وہ علوم سے عاری اور تمدن سے ناواقف تھے۔ (18) رسالت سے کچھ عرصہ قبل اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا شعور بیدار ہوا۔ یہ شعور حرب کے زمانے میں ابھرا یہ ابوسفیان کے والد تھے، غالباً یہ آپ ﷺ کی جوانی کا دور تھا۔ (19) عورتوں میں سے شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا صحابیہ، جن کا تعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے تھا، لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ (20) رسالت سے قبل قریش میں سترہ افراد تھے جو کتابت جانتے تھے۔ (21) کتابت کی کم مائیگی کے باوجود بھی اہل عرب میں شاعری، مرصع نثر اور افسانہ و کہانی میں بہت زیادہ دلچسپی بھی پائی جاتی تھی۔ سبعہ معلقہ اشعار کا ایک مجموعہ تھا جو قبل از نبوت بیت اللہ کے ساتھ لٹکایا گیا تھا۔ (22) جزیرہ عرب میں ایک حد تک لکھنے کا رواج موجود تھا۔ مزید ان کی صلاحیتوں کو اجاگر، اور ان کو صحیح اغراض و مقاصد میں صرف کرنے کا کارنامہ اسلام نے آکر سرانجام دیا۔ (23)

تعلیم و تعلم کا اسلامی فلسفہ

اسلامی فلسفہ کے مطابق علم کا اصل منبع و سرچشمہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہدایت ہے۔ یہی اسلامی تعلیم کا نصاب ہے۔ سب سے پہلی وحی جو اللہ کے آخری پیغمبر معلم و مربی کائنات حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی وہ علم کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے جو "اِقْرَأْ" سے شروع ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی وحی لکھی ہوئی نازل ہوئی، اسی لئے فرمایا گیا کہ اقرا، اور قل نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے بھی جو جواب مرحمت فرمایا کہ "میں پڑھنا نہیں جانتا"، اسی امر کی طرف دلالت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے عدم استعداد کا اقرار فرمایا تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ اپنے رب کے بابرکت نام سے پڑھ۔ وہ آپ ﷺ کو پڑھنے کی مکمل توفیق دے گا۔ رب تعالی نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنی وحی کے ذریعے علم و دانائی سے معمور کر دیا اور آپ ﷺ کو تمام انسانیت کے لئے رہبر و رہنما اور معلم بنا کر مبعوث فرمایا۔ (24) جبکہ آپ ﷺ ایک امی تھے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

"وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا" (25)

"اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت کو نازل کیا اور آپ کو وہ کچھ سکھا دیا جسے آپ جانتے ہی نہ تھے اور اللہ کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی فضیلت و شان قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے۔ ذیل میں بطور نمونہ چند نصوص اور قرائن پیش کیے جاتے ہیں جن سے تعلیم کے اسلامی فلسفہ کو سمجھنا آسان ہو گا:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ "(26)

"اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتے اور علم والے بھی (یہی گواہی دیتے ہیں)، وہ عدل کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔"

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ "(27)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ اور ان سے بہترین طریقے سے بحث کیجئے"۔

منکرین و کفار کو دعوت اور ان سے بحث و مناظرہ ظاہر ہے کہ علم کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

سید ولد آدم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی مربی و معلم جمیع انسانیت ہیں۔ آپ ﷺ سے مروی ہے کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (28) جس طرح کہ قرآن مجید، لاریب کتاب میں پہلی وحی، پڑھنے کے حکم کے ساتھ نازل ہوئی ہے جو تعلیم و تعلم پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح شریعت کے دوسرے بڑے ماخذ، حدیث شریف کی کتب میں سے صحیح ترین کتاب، صحیح بخاری میں بھی وحی اور کتاب العلم سے ابتداء کی گئی ہے، جو واضح طور پر تعلیم و تعلم کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا شواہد ایک معلم و مربی کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، جو محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور تعلیم کا طریقہ کار اور نصاب بھی متعین کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ہی اس تعلیم کا نصاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کرنے والے ہیں جس کا ماخذ قرآن مجید اور آپ ﷺ کی احادیث و تعلیمات مبارکہ ہیں۔ نبی ﷺ نے اس کے نصاب کی طرف خوب راہنمائی فرمائی اور قرآن مجید، جو تاریکیوں و جہالتوں کو دور کرنے والی کتاب ہے، اس کی تعلیم و تعلم کو سب سے افضل عمل قرار دیا۔ فرمایا کہ:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔ (29)

قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ سنت رسول ﷺ و احادیث مبارکہ کی تعلیم بھی ضروری ہے، اس لیے کہ قرآن مجید کے اسرار و رموز کی عقدہ کشائی صرف احادیث رسول ﷺ سے ہی ممکن ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دونوں کی تعلیم حاصل کرنے کی تلقین فرمائی کہ "اے عائشہ علم اور قرآن مجید کو اپنا شعار بناؤ۔" اس روایت میں قرآن مجید کے ساتھ علم کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد حدیث مبارکہ ہے اس لئے کہ یہی وہ علم ہے جو قرآن مجید کی وضاحت کرتا ہے۔ (30)

اللہ کے رسول ﷺ نے تحصیل علم کی ترغیب دلاتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ علم کو لازم پکڑو، اس لئے کہ علم مومن کا گہرا دوست ہے۔ (31)

اللہ تعالیٰ نے علم کے ذریعے سے اہل علم کو جہلاء پر فضیلت عطا فرمائی ہے، جس طرح لیل و نہار، سردی و گرمی، آگ و پانی، بو و خوشبو اور تاریکی و اجالا وغیرہ برابر نہیں ہو سکتے، اسی طرح ایک عالم و جاہل بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ (32) علم ہی کے ذریعے سے خشیت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (33)

"اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔

اسی بناء پر علم کا راستہ جنت کا راستہ بتایا گیا ہے۔(34) علم ایک ایسی لازوال دولت ہے جو مرنے کے بعد بھی انسان کے کام آتی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ "جب انسان مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے، صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرتا رہے۔"(35)

مذکورہ بالا فضائل اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب علم کا حصول خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو اور دنیاوی اغراض ومال ودولت کے لالچ کے لئے یا ناموری وشہرت کے لیے نہ ہو۔ انہی اغراض ومقاصد دنیویہ واخرویہ کے حصول کے لئے نبی ﷺ نے تعلیم وتربیت کا اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ اگرچہ امی تھے لیکن لکھنے پڑھنے کی اہمیت کو اپنی پیغمبرانہ حکمتوں سے خوب جانتے تھے۔ انہی حکمتوں کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو جہانبانی وحکمرانی کے لیے تیار فرمایا، جنہوں نے تھوڑے سے عرصے میں کرۂ ارضی کو علم نبوت سے معمور کر دیا۔ آئندہ سطور میں آپ ﷺ کی تعلیمی حکمت عملی کا عہد وار جائزہ لیا جاتا ہے:

مکی دور میں اشاعت وترویج تعلیم کے اقدامات

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کتاب مبین کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ جہالت کی تاریکیوں کو دور کیا جاسکے۔ آپ ﷺ نے علم کی تعلیم وتعلم مسلمانوں پر فرض قرار دی تاکہ وہ اس نور سے خود بھی منور ہوں اور دنیا کی جہالت کو دور کر سکیں۔ اگرچہ کہ آپ ﷺ امی تھے مگر آپ ﷺ نے طلب علم کا نظریہ دے کر اپنی تعلیمی پالیسی کی بنیاد رکھی۔(36) بعد ازاں آپ ﷺ عملی طور پر تعلیمی اداروں کے قیام کی طرف متوجہ ہوئے۔

دار ارقم بن ابی ارقم۔۔۔ اولین تعلیم گاہ

مکہ مکرمہ میں جب نبی ﷺ نے علم کی شمع کو روشن فرمایا تو عرب کے جہلاء مشرکین آپ ﷺ کے مخالف ہو گئے۔ اس عالم میں آپ ﷺ خفیہ طور پر اپنے اصحاب کی تعلیم وتربیت فرماتے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ ﷺ نے نامساعد حالات میں ایک درس گاہ وتربیت گاہ کا اہتمام کیا جسے تاریخ دار ارقم کے نام سے جانتی ہے۔ یہ ارقم بن ابی الارقم کا گھر تھا جو صفا کی پہاڑی پر تھا اور کفار کی دسترس سے دور تھا آپ ﷺ نے نبوت کے پانچویں سال اسے اپنی دعوت واجتماع اور تعلیم کا مرکز بنایا۔(37) اسی دار ارقم میں ہی خلیفہ دوم امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور اسلام کی شان وشوکت میں اضافے کا باعث بنے۔(38) اس مقہوری ومجبوری کے دور میں بھی آپ ﷺ نے یہ سبق مرحمت فرمایا کہ حالات چاہے کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں، ایک ریاست کے لیے لازمی ہے کہ وہ علم کی روشنی کو عام کرنے کے لیے اقدامات کرے اور ریاست کی عوام کو علم کے زیور سے آراستہ وپیراستہ کرے۔

قراءت وکتابت وحی

نزول قرآن مجید کے ساتھ ہی اس کی کتابت کے آثار بھی ملتے ہیں۔ نبی ﷺ نے بعض حضرات کو قرآن مجید لکھنے پر مقرر کیا جن کا کام یہ تھا کہ جوں جوں وحی نازل ہوتی جائے وہ اسے تحریر کرتے جائیں۔ جیسا کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن کے پاس بھی قرآن مجید کا ایک حصہ لکھا ہوا موجود تھا جسے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے مہیا کیا۔(39) رسول ﷺ نے اپنے چند خواندہ اصحاب کو مدینہ منورہ کی طرف قرآن مجید کی تعلیم کے لئے بھیجا، جو آپ ﷺ کی فروغ تعلیم کے حوالے سے اہم سرگرمیوں میں سے ایک ہے۔ اور یہی اقدام مدینہ منورہ میں اسلام کی تبلیغ کا اہم سبب بنا۔ آپ ﷺ نے جنہیں تعلیم کے لئے بھیجا ان میں مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما شامل ہیں جو لوگوں

کو قرآن مجید پڑھاتے۔ اس کے بعد عمار، بلال اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور پھر مہاجرین کا تانتا بندھ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس مہاجرین و مبلغین کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔ اور بعد میں خود محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور ایک آزاد اسلامی وفلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔ (40)

مدینہ منورہ تشریف آوری اور مسجد قبا کا قیام

نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک آزاد اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔ عمومی طور پر درسگاہ مساجد کو ہی مقرر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے پہلے پہل قبا کی بستی میں قیام فرمایا۔ اس جگہ آپ ﷺ نے ایک مسجد تعمیر فرمائی، جہاں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جاتی۔ (41) عبادت کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد قبا ہجرت کے بعد تعلیم و تعلم کا مرکز بھی تھی۔

مسجد نبوی کی تعمیر اور صفہ کا قیام

نبی ﷺ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ نے بنو نجار کے محلے میں مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ اسی مسجد کے شمال کی طرف ایک چبوترہ بنایا گیا جسے عربی میں صفہ کہا جاتا ہے۔ فقراء مہاجرین اسی میں رہا کرتے تھے۔ (42) یہ اصحاب صفہ تھے، جن کے معلم و مربی آنحضور ﷺ تھے، جو حضور اقدس رسول اللہ ﷺ سے دین کی باتیں سیکھتے، قرآن مجید زبانی حفظ کرتے، تجوید کے قواعد سیکھتے، نبی ﷺ کی احادیث یاد کرتے، کتابت و خطابت کے فن میں مہارت حاصل کرتے اور عسکری تربیت وغیرہ حاصل کرتے۔ یہ ایک اقامتی درسگاہ (Residential University) تھی جس میں تعلیم و تربیت اور رہائش و کھانے کا سادہ سا اہتمام تھا۔ اہل مدینہ ان کی ضیافت کرتے اور کھجور کے خوشے مسجد نبوی میں لٹکا دیا کرتے جنہیں یہ کھا کر گزر بسر کرتے۔ (43) اس جامعہ میں بغیر کسی امتیاز کے ہر خاص و عام شخص تعلیم حاصل کر سکتا تھا۔ (44) یہی حقیقت میں اسلام کا امتیازی حسن ہے جو اسے دیگر مذاہب و ادیان و تہذیبوں اور ثقافتوں سے جدا کرتا ہے۔

ان میں ایک نمایاں نام حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو دنیا جہاں سے بے پرواہ ہو کر بھوک و پیاس کی شدت کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ کی صحبت نہ چھوڑتے تھے اور آپ ﷺ سے قرآن مجید و احادیث یاد کرتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس جامعہ کے درخشندہ ستارے تھے جنہیں سب سے زیادہ نبی ﷺ کی احادیث یاد تھیں۔ صفہ کے طلاب تعداد میں کم و زیادہ ہوتے رہتے تھے۔ بسا اوقات ان کی تعداد ستر ہوتی اور بسا اوقات اس سے کم ہوتی۔ ان کی تعداد ایک مرتبہ چار سو تک جا پہنچی۔ بسا اوقات ان کے ساتھ اور لوگ بھی شامل ہو جاتے تو ان کی تعداد بڑھ جاتی اور ان میں سے کوئی فوت ہو جاتا یا سفر پر چلا جاتا یا شادی کر لیتا تو اس طرح ان کی تعداد کم بھی ہو جایا کرتی۔ (45)

یہ تاریخ اسلام میں پہلی جامعہ یا یونیورسٹی تھی جہاں دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے مختلف علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ صفہ کی یونیورسٹی بعد کے تمام اسلامی ادوار کے لیے ایک عمدہ نمونہ ہے، جس میں نظام تعلیم انسانوں کا مقرر کردہ نہ تھا بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اس کے منتظم تھے اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کا نظم وضبط اس طرح مقرر فرمایا کہ پوری انسانیت کے لیے وہ رول ماڈل بن گیا۔

اصحاب صفہ پر انفاق کی فضیلت اور ترغیب

قرآن مجید میں اصحاب صفہ پر خرچ کرنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اور انہیں صدقات و خیرات کا مستحق قرار دیا گیا ہے تاکہ یہ مساکین و غرباء فکر معاش سے آزاد ہو کر تعلیم حاصل کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ. (46)

"ان فقراء کے لیے صدقات وخیرات ہیں جن کو اللہ کے راستے میں روک دیا گیا ہے، وہ زمین میں کسب معاش کی طاقت نہیں رکھتے، سوال نہ کرنے کی بناء پر جاہل و نادان ان کو غنی تصور کرتے ہیں جبکہ آپ ان کو ان کے چہروں سے جان لیں گے کہ وہ ضرورت مند ہیں لیکن وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور جو کچھ بھی بھلائی کے طور پر تم خرچ کرو گے تو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے"۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ان فقراء سے مراد اصحاب صفہ ہیں جن کا مدینہ میں گھر اور کنبہ وقبیلہ نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ ان پر صدقہ کریں۔(47) اسی طرح حضور اقدس ﷺ بھی اہل صفہ پر گاہے بہ گاہے خرچ کیا کرتے تھے۔ جب کبھی آپ ﷺ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ ﷺ وہ اہل صفہ کے پاس بھیج دیتے اور اگر کوئی ہدیہ آتا تو آپ ﷺ اس میں سے خود بھی تناول فرماتے اور اہل صفہ کو بھی اس میں شریک فرماتے۔(48)

اللہ کے رسول ﷺ نے ریاست کے لیے اسوہ پیش کیا ہے کہ جو لوگ دین کی تعلیم کے لیے وقف ہوں، ان کی حاجات کو پورا کرنا اس پر فرض ہے۔ یہ آپ ﷺ کا فروغ تعلیم کی طرف ایک بڑا اہم قدم اور بلیغ درس ہے۔ رسول اللہ ﷺ نہ صرف آنے والے صدقات سے ان کی خاطر مدارت کرتے تھے، بلکہ جو مال فیئ و مال غنیمت حاصل ہوتا اس میں بھی آپ ﷺ ان فقراء و مساکین کا حصہ مقرر فرماتے جو طلب علم کے لیے وقف ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ انہیں اپنے اہل وعیال کی راحت پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا، جگر گوشہ رسول ﷺ نے عرض کیا کہ انہیں قیدیوں میں سے ایک خادم مہیا کیا جائے جو گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس ان مساکین کو دینے کے لیے کچھ نہیں، اس لیے میں ان جنگی قیدیوں کو بیچ کر اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔(49)

اصحاب صفہ کا مقصد محض سہل پسندی نہ تھی بلکہ وہ دنیا کی آسائشوں و سہولیات سے کنارہ کش ہو کر ایک داعی و مبلغ دین کے طور پر تربیت پا رہے تھے، جنہوں نے آگے جا کر دنیا کے طول و عرض میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے آرام و راحت پر نبی ﷺ کی تعلیمات کو ترجیح دیتے۔ ہر لحظہ طلب علم میں کوشاں رہتے اور اللہ کے رسول ﷺ کی ملازمت اختیار کیے ہوئے تھے تاکہ آپ ﷺ کے نبوت کے چشمہ صافی سے اپنی تشنگی بجھا سکیں۔ اس لیے وہ دنیا کے تھوڑے سے مال پر راضی رہے اور اس کی رونقوں سے بے پرواہی اختیار کی۔

درسگاہوں کے قیام کا اہتمام

حضور اقدس ﷺ نے مدینہ میں آزاد اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو آپ ﷺ نے علم کی روشنی کو عام کرنے کے لئے درسگاہوں کا اہتمام کیا جو مساجد ہی تھیں، جہاں علم و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے اور مختلف فنون کی تعلیم دی جاتی۔ مسجد نبوی اور صفہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں نو مساجد و درسگاہیں اور بھی تھیں جن میں نمازیں ادا کی جاتیں اور صحابہ کرام نبی ﷺ کے ساتھ ان میں جمع ہوتے۔(50) یہی مساجد ہی گرد و نواح میں بسنے والے باشندوں کے لیے درسگاہ تھیں جن میں بچوں اور بڑوں سبھی کو بغیر کسی امتیاز کے تعلیم دی جاتی تھی اور دینی امور کے علاوہ فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں ایک گھر مخرمہ بن نوفل کا تھا جو دار قراء کے نام سے مشہور تھا، یہ بھی صحابہ کرام کی تعلیم کا مرکز تھا۔(51) اس سے درس ملتا ہے کہ ایک ریاست کے لیے ضروری ہے، کہ وہ فروغ علم کے لیے زیادہ سے زیادہ تعلیمی مراکز و درسگاہوں کا اہتمام کرے۔

نصاب تعلیم کے اہم عناصر۔۔۔ سیرت النبی ﷺ کے تناظر میں

نصاب تعلیم کی تشکیل کسی بھی تعلیمی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس صفہ یونیورسٹی میں جس طرز پر تعلیم و تربیت دی جاتی تھی وہی حقیقت میں ایک اسلامی ریاست کا تعلیمی نصاب ہے۔ یہ نصاب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا۔ حضور اقدس ﷺ نے

جن تعلیمات پر خاص توجہ مرحمت فرمائی وہ حقیقت میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، جس سے تعلیم کے مزید دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ذیل میں ان امور کا تذکرہ کیا جائے گا جن کی تعلیم آپ ﷺ نے لازم فرمائی اور اہل صفہ کو علم و آگہی سے نوازا۔

پہلا عنصر: تحصیل علم کے لئے اخلاص

کوئی اچھا کام اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کیا جائے تو اسے اخلاص کہا جاتا ہے۔ تحصیل علم بھی اسی وقت سودمند ہے جبکہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔(52) آپ ﷺ نے طلاب علم کی تربیت فرمائی اور انہیں وصیت کی کہ اپنی نیتوں کو خالص کر لیں، اس لیے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس شخص کو جہنم میں ڈالا جائے گا ان میں ایک ایسا قاری و عالم بھی ہو گا جو لوگوں سے داد و بخش و تحسین حاصل کرنے کے لیے تلاوت و خطاب کرتا تھا۔(53)

دوسرا عنصر: علم کے مطابق عمل کرنا

علم کے مطابق عمل کرنا بھی نصاب نبوی ﷺ میں شامل تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ علم کے مطابق عمل کی ترغیب دلاتے اور یہود کی روش اختیار کرنے سے منع فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اس شخص کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو لوگوں کو نیکی کی دعوت دیتا تھا اور برائی سے منع کرتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہ کرتا تھا۔(54)

تیسرا عنصر: تزکیہ نفس و احساس ذمہ داری

تحصیل علوم کے لیے لازم ہے کہ انسان اخلاق رذیلہ و اعمال شنیعہ سے دور رہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی طلاب علم کا تزکیہ نفس کرتے رہتے اور ان کے اندر مسئولیت کی فکر پیدا فرماتے تاکہ ان میں اخلاص جاگزیں ہو جائے اور علم کے ساتھ عمل کے زیور سے مزین ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ فکر پیدا فرمائی کہ ہر انسان سے نعمت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اسی طرح علم بھی ایک نعمت ہے جس کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ اس کے مطابق کتنا عمل کیا۔(55)

چوتھا عنصر: طلاب کو تنبیہ و تذکیر

ایک استاد معلم و مربی ہوتا ہے جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلاب علم کو ان باتوں سے ڈراتا رہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس بارے میں بھی موجود ہے۔ آپ ﷺ صفہ یونیورسٹی میں گاہے بگاہے تشریف لے جاتے، طلاب علم کی تربیت فرماتے، انہیں عیب زدہ اعمال سے بچنے کی تلقین فرماتے اور اعمال شنیعہ سے خبردار فرماتے۔ آپ ﷺ ایک مرتبہ صفہ میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک صحابی طخفہ بن قیس غفاری کو چت لیٹے ہوئے پایا۔ آپ ﷺ نے انہیں پاؤں سے ہلا کر خبردار کرتے ہوئے اس فعل کی شناعت و قباحت سے آگاہ فرمایا کہ اس طرح کی حالت میں سونے سے خود کو بچاؤ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح سونے کو ناپسند فرماتا ہے، اور سخت غصے ہوتا ہے کہ یہ اہل جہنم کا سونا ہے۔(56) ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ صفہ تشریف لائے تو ایک شخص جس کا نام جرہد تھا، اس کی ران سے کپڑا ہٹا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ ران ستر ہے جس کو چھپانا چاہیے۔(57)

آپ ﷺ نے ان کے قلوب و اذہان میں راسخ فرمایا کہ تعلیم و تعلم دنیاوی آسائشوں کے حصول کے لیے نہیں بلکہ، اخروی سعادتوں کے حصول کے لئے ہے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن آئے، کہ تمہیں مختلف انواع و الوان کے کھانے اور لباس ملیں گے اور تم عمدہ سواریاں حاصل کر لو گے۔ تو بتاؤ اس دن تمہاری حالت بہتر ہو گی یا اب بہتر ہے؟ صفہ کے طلاب علم نے عرض کی کہ اس وقت بہتر ہو گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اب جو تمہاری حالت ہے وہ بہتر ہے۔ صفہ کے ان فقیر طلاب میں سے ایک واثلہ بن اسقع رضی اللہ

عنہ فرماتے ہیں کہ ابھی زیادہ ایام نہ گزرے تھے کہ ہم نے گندم کی روٹی بھی روغن کے ساتھ کھائی، نئے ملبوسات بھی پہنے اور سواریوں پر بھی سوار ہوئے۔(58) ایک ریاست کو چاہیے کہ وہ طلاب علم کے اندر حصول علم کے لیے اخلاص کو پیدا کریں، اس کے ذریعے مشقتوں کے بعد آسانیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

علوم وفنون کا تنوع۔۔۔ سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا کہ اسلام انسانیت کی دینی و دنیاوی فلاح وبہبود کا ضامن ہے، اس لیے تعلیم کا اسلامی فلسفہ اپنے اندر وسعت اور تنوع رکھتا ہے۔ اسلام نہ صرف دینی علوم کی تحصیل کی ترغیب دیتا ہے بلکہ مختلف دیگر علوم وفنون کی تحصیل اور ان میں کمال پیدا کرنے کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ذیل میں تعلیمی فلسفہ کی متنوع جہات کو بیان کیا جاتا ہے:

قرآن مجید کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب وشاگردوں کو قرآن مجید کی مکمل تعلیم دیتے تاکہ اسے پڑھنا، یاد کرنا، معانی ازبر کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ اہل صفہ کے پاس تشریف لاتے اور ان کو قرآن مجید و حکمت کی تعلیم دیتے، ان کا تزکیہ نفس فرماتے اور ان کے سوالات کے جوابات بڑے مشفقانہ اور سبق آموز انداز میں مرحمت فرماتے۔ حضرت ابوطلحہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ ﷺ اصحاب صفہ کو سورہ نساء کی تعلیم مرحمت فرمارہے تھے اس حال میں کہ آپ ﷺ نے اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھا ہوا تھا۔(59) ایک مرتبہ آپ ﷺ صفہ کے پاس تشریف لائے تو اہل صفہ میں سے ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ** یعنی کہ آیۃ الکرسی ہے۔(60) اس سے ثابت ہوا کہ ایک ریاست میں قائم تعلیمی ادارے کے معلمین و مربین کو چاہیے کہ وہ طلاب علم کے سوالات کے جوابات بڑے ہی احسن انداز میں مکمل اہتمام کے ساتھ دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بعض خواندہ اصحاب کو ذمہ داری سونپی کہ وہ آنے والے نو وارد نو مسلم افراد کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور انہیں یاد کروائیں۔ حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی حضور اقدس نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انہیں ایک انصاری صحابی کے سپرد کر دیا اور فرمایا کہ اسے دین سمجھاؤ اور قرآن مجید پڑھاؤ۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں صبح سویرے اس صحابی کے در پر پہنچ جاتا اور ان کے دروازے کے پاس بیٹھ جاتا۔ جب وہ انصاری صحابی خود باہر نکلتے تو میں ان کی حاجات وضروریات کو پورا کرنے کے لیے ساتھ ہو لیتا اور ان سے عرض کرتا کہ قرآن مجید کی تلاوت سنائیں۔ میں ان سے دین کے مسائل بھی پوچھتا رہتا حتی کہ وہ اپنے گھر لوٹ آتے تو میں ان کے ساتھ واپس لوٹتا۔ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو جاتے تو میں بھی اپنی منزل کی طرف چل دیتا۔(61)

اللہ کے رسول ﷺ نے اسوہ حسنہ سے ریاست کے سربراہان، معلمین و مربین کے لئے ایک عمدہ مثال پیش فرمائی کہ کس طرح سے ریاست میں تعلیم عام کی جا سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ سے درس دیا کہ ایک معلم و مربی کو چاہیے کہ وہ خود بھی تعلیم یافتہ ہو اور دوسروں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔

املاء کی مشق

حضور اقدس نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں دور جاہلیت سے بہت کم لوگ ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔(62) ان میں بعض

وہ تھے جو آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ آپ ﷺ نے ریاست میں تشریف لاتے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر فرمائی اور اسی میں علم کی شمع کو روشن فرمایا۔ اسی میں اصحاب صفہ حضور اقدس نبی ﷺ کی زیر نگرانی، آپ ﷺ کے مقرر کردہ نصاب کے مطابق پرورش و تربیت پاتے رہے۔ اہم نصابی سرگرمیوں میں سے ایک لکھنے کی تعلیم دینا بھی تھا۔ آپ ﷺ نے کاتب مقرر فرمائے، جو اصحاب صفہ اور نووارد مسلمانوں کو قرآن مجید کے ساتھ ساتھ کتابت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ یہ تعلیم دنیاوی اغراض و مقاصد کے لیے نہ تھی بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس سے ثواب کے حصول کے لیے ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو ہی تعلیم مرحمت فرمائی کہ وہ محض اللہ کی رضا کے لیے فروغِ تعلیم کے لیے کوشاں رہیں اس لئے کہ دنیا کا مال و متاع عارضی ہے اور اصل سرمایہ آخرت کی تیاری ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ انہی اصحاب میں سے ہیں جو قرآن مجید کی کتابت سکھاتے تھے۔ (63) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کتابت کے ماہر تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق قرآن مجید نازل ہونے پر لکھ لیا کرتے تھے۔ (64)

فن تحریر کی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جس چیز پر اور جس سے لکھا جاتا ہے اس کے کئی اسماء ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف انداز سے بیان کر کے لکھنے پڑھنے کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ قلم، نون جس کا معنی دوات ہے، (65) اسی طرح سجل کا لفظ بھی مستعمل ہے جس کا معنی مہر بند خط یا صحیفہ ہے۔ (66) ایک لفظ قط کا ہے جس کا معنی کاغذ، کتاب ہے۔ (67) ایک لفظ رق بھی استعمال کیا گیا ہے مراد ایسی چمڑے کی جھلی ہے جس پر لکھا جاتا تھا۔ (68) اسی طرح ایک لفظ قرطاس بھی آیا ہے جو غالباً کاغذ کے معنی میں ہے۔ (69)

اسی طرح **مرقوم، نستنسخ، مستطر، مسطور، کاتب، مکتوب، تملی، یمل، یملل، تخطه، سفرہ، مداد، کتب، صحف، اسفار، زبر** وغیرہ یہ تمام الفاظ قرآن مجید میں لکھنے کے معنی میں ہی مستعمل ہیں۔

حضور اقدس نبی ﷺ کو اس امر کا شدت سے احساس تھا کہ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے اور دین اسلام کو چہار دانگ پھیلانے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کو لکھنے کا فن آجائے، جسے فن خطاطی کہتے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بدر میں جو مشرکین و کفار قید کیے گئے تھے، ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور فدیہ نہ دے سکتے تھے تو ان کے لیے آزادی کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ان میں سے ہر شخص مسلمانوں کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں۔ (70) اسی طرح آپ ﷺ نے عبد اللہ بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو کتابت سکھانے پر مقرر کیا۔ جو عمدہ لکھائی کرتے تھے اور انہیں معلم حکمت بنایا۔ (71)

حضور اقدس نبی ﷺ نے لکھنے کی تعلیم کو عام کرنے کے حوالے سے جو کوششیں فرمائیں، وہ بارآور ہوئیں اور مدینہ منورہ میں خواندگی کی شرح تیزی سے بڑھنے لگی، حتیٰ کہ خود قرآن مجید میں ہی اسے معاشرے میں مکمل طور پر رائج کرنے کا حکم نازل ہو گیا اور فرمایا کہ ہر ادھار والے معاملے کو ضبط تحریر میں لایا جائے تاکہ بعد میں ہر طرح کے شک و شبہ سے بچا جا سکے اور یہ تحریری ضبط اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی زیادہ پسندیدہ اور مبنی بر انصاف قرار پایا۔ (72) شریعت مطہرہ نے لکھنے کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا کہ والدین پر حق ہے کہ وہ اپنے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ (73)

احادیث کی تعلیم و تلقین

صحابہ کرام کو لکھنے کی تربیت دینے کا مقصد دین کو محفوظ کرنا تھا۔ کئی صحابہ کرام ایسے تھے جو نبی ﷺ کی احادیث کو بھی لکھا کرتے تھے جس طرح کہ قرآن مجید کی آیات لکھی جاتی تھیں، جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری زبان سے جو بھی نکلتا ہے، حق نکلتا ہے لہٰذا اس کے لکھنے میں کوئی تردد اختیار نہ کرو۔ (74) حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ زبانی احادیث یاد کیا کرتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی

اللہ عنہ ان کو لکھ لیا کرتے تھے۔ اس بنا پر ان کے پاس احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ (75)

ریاست کے تعلیمی اداروں کے لیے اس میں سبق ہے کہ حضور اقدس نبی ﷺ کی تعلیمات و احادیث کو قلمبند کرنے کی تعلیم دی جائے اور ان کو تحریر کے ذریعے محفوظ کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے کہ علم کو لکھ کر قید کر لیا کرو۔ (76)

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنے فرامین کو لکھنے کی تعلیم دی اور احکامات کو لکھوا کر کئی قبائل کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ یہ ابو شاہ آئے ہیں، ان کو دین کے احکام لکھ کر دیدو تاکہ وہ اپنے علاقے میں لے جائیں اور اس کے مطابق خود بھی عمل کریں اور لوگوں کو بھی دعوت دیں۔ (77) ریاست کے تعلیمی اداروں کو چاہیے کہ سیرت طیبہ کے اس اسوہ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے وثیقے و دستاویزات لکھوائے اور انہیں اشاعت تعلیم کی غرض سے مختلف علاقوں کی طرف ارسال کرے۔

علم الفرائض کی تعلیم

صفہ یونیورسٹی کے نصاب میں وراثت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ قانونِ وراثت دین اسلام کا امتیاز ہے جسے قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور نبی ﷺ نے اس کی بڑی اہمیت بیان کی ہے۔ وراثت کی تقسیم عدل و انصاف کے ساتھ کرنا اخروی کامیابی کی ضامن ہے۔ اس لیے آپ ﷺ اس کی بڑی شرح و بسط کے ساتھ تفصیل بیان فرماتے تھے اور اپنے اصحاب کو اس علم کے لیے تیار فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس علم کو سیکھنے کی ترغیب دلائی اور فرمایا کہ "وراثت کا علم سیکھو اور سکھاؤ اس لیے کہ یہ نصف علم ہے"۔ (78)

انساب کا علم

بعض علوم بعض کے ساتھ ملے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے محتاج و معاون ہوتے ہیں، اس سے علوم کو سیکھنے کا دائرہ مزید وسیع ہو جاتا ہے، جیسا کہ علم وراثت، دیگر تین علوم، علم فتویٰ، علم انساب اور علم حساب کا محتاج ہے۔ اسی بنا پر ان علوم پر بھی توجہ دی جاتی ہے جن سے دیگر علوم پایہ تکمیل تک پہنچتے ہوں۔ جیسا کہ علم انساب کا سیکھنا، جو کئی علوم کے لیے ضروری ہے، اس کی تعلیم بھی دور رسالت مآب ﷺ میں نصاب کا حصہ تھی، (79) صلہ رحمی کرنا بھی، جو اخروی کامیابی کے لیے ضروری ہے اور وراثت کی تقسیم بھی صلہ رحمی میں شامل ہے۔

علم طب کی تعلیم

ریاست کی عوام کی صحت و تندرستی کا خیال رکھنا بھی ریاست کے ذمہ داران پر لازم ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ طب کے علم کو فروغ دیا جائے۔ علم طب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود نبی ﷺ نے طب کی تعلیم مرحمت فرمائی ہے، اگرچہ آپ ﷺ کوئی پیشہ ور طبیب یا ڈاکٹر نہ تھے بلکہ محسن انسانیت ﷺ ہونے کے ناطے آپ ﷺ نے صحت کے زریں اصول وحی الٰہی کی روشنی میں مرحمت فرمائے ہیں۔

جدید سائنسی دور کے محققین نے بھی ان کی صداقت کی گواہی دی ہے۔ علم طب کی تعلیم نبی ﷺ کے دور میں آپ ﷺ خود بھی مرحمت فرماتے اور اطباء سے بھی مدد لیتے۔ اس کی افادیت آپ ﷺ نے اس فرمان سے واضح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی بیماری نازل کی ہے تو اس کی دوا بھی اتاری ہے، سوائے بڑھاپے کے، اس لئے تم دعا کیا کرو۔ (80) آپ ﷺ نے کئی ایسی دواؤں کا علم عطا فرمایا جو مہلک بیماریوں کے لیے تریاق کا کام کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سیاہ دانے میں موت کے علاوہ ہر شے کا علاج ہے۔ (81) اسی طرح آپ ﷺ نے عجوہ کھجور سے جادو و زہر کا علاج بتایا۔ (82) طب نبوی ﷺ ایک ایسا جامع مضمون ہے کہ اس پر امام ابن قیمؒ نے ایک جامع و ضخیم کتاب لکھی ہے جس میں نبی ﷺ کے طبی احکام درج فرمائے ہیں۔

علم نجوم کی تعلیم

حضور اقدس نبی ﷺ نے دیگر امور کی تعلیمات کی ترغیب دلانے کے ساتھ ساتھ علم نجوم سیکھنے کی تعلیم دی ہے تاکہ مہینے کے ایام و تاریخ معلوم ہو سکیں، نمازوں کے اوقات معلوم کیے جائیں اور راستوں کا تعین کیا جائے۔ آپ ﷺ نے اس علم کے سیکھنے والے کو بہت ہی اچھا انسان قرار دیا ہے جو سورج، چاند اور ستاروں کے ذریعے سے شریعت کے ثابت شدہ احکام معلوم کرتا ہے۔ (83)

اشعار عرب کی تعلیم

اللہ کے رسول ﷺ خود تو شاعر نہ تھے، اور نہ ہی یہ آپ ﷺ کے لائق تھا۔ (84) کیونکہ اکثر شعراء ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر ان کا عمل نہیں ہوتا۔ البتہ اچھی شاعری جو دین اسلام کی حمایت میں ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعریف میں اور کفار و مشرکین کے جواب میں ہو، وہ جائز ہے۔ جیسا کہ خود نبی مکرم و رسول معظم ﷺ کا فرمان ہے کہ بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ (85) اور حضور اقدس نبی ﷺ کی موجودگی میں ہی شعراء صحابہ اشعار کہا کرتے تھے اور آپ ﷺ بسا اوقات اپنے شاعر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ مشرکین جو ہجو کرتے ہیں ان کو جواب دو۔ اللہ تمہاری روح قدس سے مدد فرمائے گا۔ اس پر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اشعار پیش کرتے اور مشرکین کی ہجو فرماتے۔ (86)

قرآن مجید فصیح عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ صحابہ کرام قرآن مجید کے غریب الفاظ کی تفسیر، قدیم فصیح بدوی عربی اشعار سے کیا کرتے تھے تاکہ الفاظ کے بنیادی معانی سمجھ آ سکیں۔ اس حوالے سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اشعار اہل عرب کا دیوان ہیں، پس جب قرآن مجید کا کوئی حرف سمجھنا مشکل ہو جائے تو عرب کے دیوان کی طرف رجوع کرو اور اس لفظ کی معرفت اس سے حاصل کرو۔ (87)

معاصر زبانوں کا سیکھنا

سیرت النبی ﷺ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے کئی صحابہ کرام کو عربی زبان کے علاوہ دیگر زبانیں سیکھنے کی بھی تلقین فرمائی۔ اس وقت عبرانی اور سریانی دو ایسی زبانیں تھیں جن میں تورات و انجیل لکھے گئے۔ آپ ﷺ نے ان زبانوں کو سیکھنے کی ترغیب دلائی تاکہ دیگر مذاہب کی تعلیمات سے آگاہی حاصل ہو سکے اور مختلف زبانوں میں دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی جا سکے نیز غیر قومی زبان پر مشتمل جو خطوط و تحاریر آئیں ان کو سمجھا جا سکے اور ان زبانوں میں خطوط و دستاویزات لکھ کر دیگر اقوام کی طرف ارسال کیے جا سکیں۔ نبی ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم مرحمت فرمایا کہ وہ یہود کی زبان سیکھیں۔ جب انہوں نے زبان سیکھ لی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہود کی تحاریر کا ترجمہ کیا کرتے تھے اور ان کی زبان میں ان کی طرف تحاریر لکھا کرتے تھے۔ (88) حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ایک سو غلام تھے اور ہر غلام کی الگ زبان تھی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ ہر ایک سے اس کی زبان میں بات کرتے تھے۔ (89) سیرت النبی ﷺ سے ہمیں درس ملتا ہے کہ ایک ریاست کے تعلیمی نظام میں یہ بات شامل ہونی چاہیے کہ وہ طلاب کو مختلف زبانوں میں تخصص کروائے، تاکہ دیگر اقوام کے علوم و فنون سے واقفیت حاصل ہو سکے اور دین اسلام کے محاسن کو ان کی زبانوں میں اجاگر کیا جا سکے۔ جیسا کہ آج کے دور میں انگریزی زبان کو پوری دنیا میں تسلط حاصل ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسلامی درسگاہوں میں اس کی تعلیم لازمی کی جائے تاکہ مستشرقین اور معترضین کا جواب دیا جا سکے اور جہانبانی کی صلاحیت مکمل طور پر پیدا ہو سکے، جو حقیقت میں ایک مسلمان کا منصب و عہدہ ہے۔ دیگر زبانوں کو سیکھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ دیگر اقوام کے فائدہ مند علوم و فنون کو سیکھنے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ علم فلکیات، کیمیا، طبعیات، بیالوجی اور ریاضیات وغیرہ میں مسلمانوں نے اسی طور پر ترقی و عروج حاصل کیا۔

مہلک علوم سے آگاہ کرنا

سیرت النبی ﷺ سے یہ بھی راہنمائی ملتی ہے کہ جہاں سود مند علوم و فنون حاصل کرتے ہیں، وہاں ان علوم سے بھی بچنا ہے جن میں انسانیت کے لیے دنیا و آخرت میں ضرر و نقصان پوشیدہ ہو۔ آپ ﷺ نے ان علوم کی بھی نشاندہی بھی فرمائی تاکہ ان سے بچا جائے۔ جیسا کہ جادو ہے۔ آپ ﷺ نے اسے مہلک ترین علم قرار دیا اور اس سے بچنے کی تلقین فرمائی۔(90)

تعلیم و تعلم سے وابستہ رجال کار کی تیاری

ایک ریاست کی تعلیمی نظام میں ایک اہم چیز مبلغین و دعاۃ کی تیاری ہے۔ اس میں سکالرز بھی شامل ہیں جو مختلف علاقوں میں جاکر علوم و فنون سکھاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ سے اس امر کی مثال ملتی ہے کہ آپ ﷺ صفہ یونیورسٹی میں ہی مبلغین تیار فرماتے تھے، ان کی تعلیم و تربیت کی نگہداشت فرماتے تاکہ انہیں دوسرے علاقوں میں قبائل کی طرف تعلیم دین و علوم و فنون کے لیے بھیجا جائے تاکہ دین فطرت اسلام کو فروغ حاصل ہو۔ اسی غرض سے آپ ﷺ نے ستر قاری ایک قبیلے کی طرف بھیجے تاکہ انہیں قرآن مجید کی تعلیم سے ہمکنار کریں۔ انہیں قراء کہا جاتا تھا۔ راستے میں ان کے ساتھ عہد شکنی کی گئی اور انہیں شہید کر دیا گیا۔(91)

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے حکم فرمایا کہ جن لوگوں کے ہمسائے پڑھنا لکھنا جانتے ہوں، ان سے تعلیم حاصل کی جائے۔(92) اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے بعض اصحاب کو فتویٰ دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، جو لوگوں کے مسائل کا حل بیان کرتے اور دینی نقطہ نگاہ سے ان کی راہنمائی کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے دور میں جو صحابہ کرام فتویٰ دیتے تھے، ان میں ابو بکر، عمر، علی، عثمان، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے نام سر فہرست ہیں۔(93) ان کے علاوہ بھی بعض اصحاب ایسے تھے جو فتویٰ دیتے تھے، ان کی تعداد چودہ تک بتائی جاتی ہے۔ البتہ نبی ﷺ کی موجودگی میں سوائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی بھی فتویٰ نہ دیتا تھا۔(94) اسلامی ریاست کی سرحدوں میں وسعت آئی اور طلاب علم کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو تعلیم و تعلم کا دائرہ کار وسیع کر دیا گیا۔ آپ ﷺ کے پاس جو تربیت پاتے آپ ﷺ انہیں ان کے علاقوں میں بھیج دیتے اور فرماتے کہ اپنے کنبہ و قبیلہ اور اپنی قوم کے لوگوں کے پاس جاؤ اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم سے آراستہ کرو، دین کے فرائض و احکامات سے انہیں آگاہ کرو۔(95) اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنی حارث بن کعب کی طرف بھیجا(96) اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو قیس کے قبیلے کی طرف بھیجا تاکہ وہ دین کے فرائض و احکامات کی تعلیم دیں۔(97) اسی طرح ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کو تعلیم کے لیے مقرر فرمایا۔(98) اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اس اسوہ حسنہ کی پیروی کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود و عمار رضی اللہ عنہما کو کوفہ کی طرف لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیجا۔(99)

ان دعاۃ و مبلغین کے علاوہ ایک طویل فہرست ہے، جنہیں مختلف اقطار و بلاد اسلام میں بھیجا گیا۔ اس میں تعلیمی اداروں کے سربراہان کے لیے ہدایت ہے کہ وہ خاص مبلغین و اساتذہ تیار کرے اور مختلف علاقوں میں لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے انہیں مقرر کرے۔

ریاستی اداروں، انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کا تعلیمی پالیسی کے ارتقاء و نفاذ میں کردار

کسی بھی ریاست کے استحکام و ترقی کے لیے تین اداروں کا ہونا ضروری ہے۔ وہ تین ادارے مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ ہیں۔ مقننہ کا کام قانون سازی کرنا ہے، سابقہ قوانین میں ترامیم کرنا ہے، انتظامیہ کا کام اس قانون کو ریاست میں نافذ کرنا جبکہ عدلیہ کا کام اس قانون کے مطابق غیر جانبدار ہو کر مبنی بر انصاف فیصلہ کرنا ہے۔ تعلیمی اداروں سے قانون دان، منتظمین اور منصفین و جج تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور ملک کے ان تین بنیادی اداروں میں اپنی خدمات سر انجام دیتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ تعلیمی اداروں میں ان کی تعلیم و تربیت اس نہج پر کی جائے جس پر حضور

اقدس ﷺ نے اپنے اصحاب کو ان امور کے لیے تیار فرمایا تھا۔ تاکہ ریاست میں قانون و انصاف کو بالادستی حاصل ہو اور امن و سکون کی فضاء قائم رہے۔

اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی مخلوق کا خالق ہے تو حکم بھی اسی کا چلے گا۔([100]) یہ حکم قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ پر مشتمل ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے شریعت و قانون بنادیا ہے۔([101]) جس کی تشریح و توضیح بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ جل شانہ کے حکم سے خود فرمائی ہے اور حقیقت میں یہی دونوں چیزیں قانون اسلامی کا ماخذ ہیں جنھیں تھامے رہنے کا حکم ہے۔([102]) بحیثیت رسول محمد رسول اللہ ﷺ ہی شارع، قانون ساز، منتظم و منصف اور جج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔ ([103])

"تیرے رب کی قسم! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والے نہ مان لیں"۔

آپ ﷺ کا منصب قانون سازی اور عدل کرنا ہے۔ جب آپ ﷺ فیصلہ فرمادیں تو کسی کے اختیار میں نہیں کہ اس کے خلاف کسی جگہ اپیل کر سکے۔ اور اس کے مطابق فیصلہ نہ کرنا کفر و فسق ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ([104])

"اور جو فیصلہ نہیں کرتا اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے یقیناً وہی لوگ کافر ہیں"۔

سیرت مطہرہ میں قانون سازی، اس پر عمل کروانے اور اس کے مطابق عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے حوالے سے تعلیمات اور مکمل راہنمائی ملتی ہے۔ جن میں قتل، قصاص، دیت، چوری، زنا، شراب نوشی، ارتداد، نکاح، طلاق، تجارت، زراعت، وراثت، وصیت، ہبہ، وقف اور گواہوں وغیرہ کے قانون تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

فرمان عالیشان ہے کہ:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ([105])

"اور ہم نے اس میں ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، دانت کے بدلے دانت اور زخموں پر قصاص ہے۔ پس جو کوئی صدقہ کردے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے"۔

قصاص کے قانون کو یوں بیان فرمایا کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ([106])

"اے ایمان والو تم پر قتل کا قصاص لینا فرض کردیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت، پھر جسے اس کا بھائی کچھ بھی معاف کردے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا اچھائی سے اس کے پہنچادینا ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے ایک قسم کی آسانی اور مہربانی ہے، پھر جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

زنا کا قانون بیان کیا کہ اگر لڑکی لڑکا غیر شادی شدہ ہوں تو انہیں سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ اور اگر وہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کر دیا جائے۔(107) مرتد کے لیے قتل کا قانون لاگو فرمایا کہ جو اپنا دین بدلے اسے قتل کر دیا جائے۔(108) چور مرد و عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوا۔(109) جو کوئی تین درہم سے کم کی چوری کرے اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔(110) تہمت لگانے کا قانون نازل ہوا کہ جو کسی پر تہمت لگائے تو اسے اسی کوڑے لگائے جائیں۔(111) جو شراب پیے اس کے لئے چالیس کوڑے یا اسی کوڑے مقرر فرمائے۔(112) ایک اندازے کے مطابق قرآن کریم میں گیارہ قانونی معاملات بیان کیے گئے ہیں جو دو سو ستائیس (227) آیات پر مشتمل ہیں۔

انتظامیہ، جسے بیورو کریسی کہا جاتا ہے، اس کے خدوخال و بنیادیں بھی واضح فرما دیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اولی الامر کی اطاعت واجب ہے۔ البتہ جہاں کہیں آپس میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف معاملہ لوٹایا جائے۔(113) تعلیم مرحمت فرمائی کہ ایسے عہدیداران کا تقرر کیا جائے جو اس کے اہل ہوں۔ اور لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہوں۔(114) اس لیے آپ ﷺ کسی بھی حوالے سے کمزور شخصیت کے مالک کو عہدہ مرحمت نہ فرماتے تھے۔(115) آپ ﷺ نے ان میں مسئولیت اور احتساب کا احساس پیدا فرمایا اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا طریقہ سکھایا۔

آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں اپنے گورنر بھیجے تاکہ وہ مملکت کا انتظام وانصرام عدل وانصاف کے ساتھ سرانجام دیں، قوانین عدل کے متعلق لوگوں کو آگاہ کریں اور ان کے مطابق ریاست کا نظم ونسق چلائیں نیز ایسے جج و قضاۃ مقرر کیے جائیں جو شریعت کے مطابق فیصلے کر کے بغیر امتیاز کے عدل گستری کی ذمہ داری انجام دیں۔ سیرت کی کتب میں ان عمال و گورنر اور قضاۃ حضرات کے نام درج ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علی کو یمن کے خمس پر امارت عطا کی اور قاضی بنایا۔ باذان بن ساسان کو اسلام لانے پر اس کے علاقے کا حاکم برقرار رکھا اور اس کی طرف اسلامی تعلیمات ارسال فرمائیں تاکہ ان کے مطابق فیصلے کرے۔(116) خالد بن سعید کو صنعاء، مہاجر بن امیہ کو کندہ اور صوف، ابو موسیٰ اشعری کو زبید، عدن، زمع اور ساحل، معاذ بن جبل کو جند، ابو سفیان بن حرب کو نجران، یزید بن ابی سفیان کو تیماء، عمرو بن عاص کو عمان پر والی و گورنر مقرر فرمایا اور آپ ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تو مدینہ منورہ میں ابن ام مکتوم کو مقرر فرماتے۔(117)

آپ ﷺ نے معاذ بن جبل کو یمن روانہ فرمایا تو ان سے پوچھا کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو کس طرح پورا کرو گے اور کس طرح سے فیصلہ کرو گے؟ معاذؓ نے عرض کیا، اللہ کی کتاب سے یا پھر سنت رسول ﷺ سے، اگر ان سے نہ ملا تو میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا الحمد للہ، جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے قاصد کو درست امر کی توفیق دی جو اس کے ہاں پسندیدہ ہے۔(118)

نبی ﷺ اپنے عمال اور قضاۃ کو تنبیہ فرماتے کہ وہ حق کے ساتھ فیصلے کریں تو ان کے لیے اجر ہے اور اگر ناحق کریں تو اس کا وبال انہی پر ہو گا۔(119) نیز انہیں اس بات پر ابھارا کہ عدل کرنا ایک صدقہ و نیکی ہے۔(120)

اللہ کے رسول ﷺ نے قاضی کے متعلق بھی مکمل تعلیم مرحمت فرمائی کہ اسے چاہیے کہ وہ فریقین میں سے ہر ایک کی بات کو غور سے سنے اور پھر فیصلہ کرے۔ اگر کوئی زبان کی تیزی دکھا کر ناحق کسی کی شے لے گا تو اس کا وبال اسی پر ہو گا۔(121) آپ ﷺ جب کوئی قاضی مقرر فرماتے تو اس کی مکمل تعلیم و تربیت فرماتے۔ انہی گورنروں، عمال اور قضاۃ نے اسلامی ریاست کو اسلامی تعلیمات کے نفاذ کے ساتھ مضبوط کیا۔ گورنر کے ذمہ عدلیہ کے فیصلوں پر عملدرآمد کرانا تھا، وہ فیصلہ اگرچہ خود عمال کے خلاف ہوتا تو بھی واجب التنفیذ ہوتا۔ آپ ﷺ نے اس امر کی سختی کے ساتھ تلقین فرمائی کہ کسی کی سفارش کو قبول نہ کیا جائے اور کسی کا مقام و عہدہ نہ دیکھا جائے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ بھی

چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔(122)

ریاست کے نظم کو چلانے اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے لازم ہے کہ تعلیمی اداروں میں ایسے منتظمین، قانون ساز اور ججز وقضاۃ تیار کیے جائیں جو اسلامی روح سے واقف ہوں، جن میں ذمہ داری کا احساس اور اپنے احتساب کا خوف ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ریاست کے تعلیمی ادارے اس احساس کے ساتھ افراد کو تیار کریں جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو تیار فرمایا اور جس کی مثال خلافت راشدہ کے عہد میں ملتی ہے۔

مشورہ لینا

ریاست کے اداروں کو چلانے کے لیے ایک مجلس شوریٰ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس کا تصور قرآن مجید اور سیرت طیبہ سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ ضروری کاموں میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کریں۔(123) اللہ تعالیٰ نے نیک وصالح لوگوں کا وطیرہ بتایا ہے کہ ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔(124)

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ بھی ہر اہم معاملے میں مشورہ لیتے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے جنگ بدر کے آغاز میں مشورہ لیا اور پھر جنگ کے قیدیوں کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ لیا۔(125) اسی طرح غزوہ احد میں مشورہ طلب کیا۔(126) غزوہ احزاب کے موقعہ پر مشورہ طلب فرمایا تو سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔(127)

ماہرین فن کی تیاری

آج کے ترقی یافتہ دور میں بعض علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنے والے کو متخصص یا اسپیشلسٹ کہا جاتا ہے اور جدید دور کے تعلیمی ادارے پورے عالم میں کئی علوم وفنون میں اسپیشلائزیشن کرواتے ہیں۔ حقیقت میں یہ آج کے دور کی نئی ایجاد یا فخر نہیں ہے بلکہ چودہ سو سال پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے صفہ کی یونیورسٹی میں اور اپنے نظام تعلیم میں اس کا تصور پیش کیا تھا اور اسے عملی جامہ پہناتے ہوئے اپنے بعض اصحاب کو بعض علوم وفنون میں خاص مہارت عطا فرمائی۔ جیسا کہ قرآن مجید کی تلاوت وقراءت کے ماہرین، علم قضاء، علم تفسیر وتاویل اور حلال وحرام میں تخصص وغیرہ۔ آپ ﷺ نے قرآن مجید کی تجوید کے ساتھ قراءت کے ماہرین تیار فرمائے اور فرمایا کہ قرآن مجید ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ حذیفہ رضی اللہ عنہم سے سیکھو۔(128) اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب کی مزید مہارت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام صحابہ میں ابی بن کعب بڑے قاری ہیں۔ نیز فرمایا کہ حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں اور وراثت کا علم سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں۔(129) قرآن مجید کی تفسیر وتاویل میں حضرت عبد اللہ بن عباس ید طولیٰ رکھتے تھے اور حبر امت کہلائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا کر اور اسے کتاب کی تاویل سکھا دے۔(130) اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حفظ حدیث شریف میں تخصص حاصل تھا۔ انہیں آپ ﷺ کی قربت بھی زیادہ حاصل تھی اور آپ ﷺ کی احادیث بھی سب سے زیادہ یاد تھیں۔(131) یہ رسول اللہ ﷺ سے لمحہ بھر کے لیے بھی جدا نہ ہونے کے لیے مسجد نبوی کے صفہ میں بیٹھے رہتے اور جونہی آپ ﷺ تشریف لاتے، یہ ہمہ تن گوش ہو کر آپ ﷺ کی تعلیمات کو سنتے اور آپ ﷺ کی خدمت بجالاتے۔ انہیں پہلے پہل آپ ﷺ کی احادیث بھول جاتیں چنانچہ آپ ﷺ سے انہوں نے دعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان کے حافظے کی مضبوطی کے لئے دعا فرمائی۔ فرماتے ہیں کہ اس وقت سے میں نے جو بھی نبی ﷺ سے سنا وہ مجھے ازبر ہو گیا اور بعد میں کبھی اسے بھولا نہیں۔(132)

ریاست کے تعلیمی اداروں کے معلمین ومربین اور طلاب علم کے لیے ان تعلیمات میں ایک نمونہ ہے کہ ایک مخلص ومشفق استاد کو

\ چاہیے کہ وہ اپنے طلباء کی تعلیم میں بڑھوتری کے لیے جہاں مکمل محنت کرے تو وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرے اور اسی طرح طلباء علم کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے اساتذہ سے دعا کروائیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے کئی علوم و فنون میں متخصصین تیار فرمائے جو خاص علم کی کماحقہ اشاعت کا سبب بنے۔ ایک ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ تخصص کے شعبہ جات قائم کرے اور جدید علوم و فنون سے آراستہ ہو کر ان میں طلباء کو اسپیشلائزیشن کروائے تاکہ وہ آگے چل کر چیلنجز کا مقابلہ کرتے ہوئے ملک، قوم و ملت کی فلاح و بہبود کا سبب بن سکیں۔

ہم نصابی سرگرمیوں کے شواہد۔۔۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

حضور اقدس نبی ﷺ زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں اپنی پاکیزہ سیرت سے راہنمائی فرما گئے ہیں تاکہ آپ ﷺ کی امت کو کسی دوسرے راہبر کی ضرورت نہ ہو۔ آپ ﷺ اخلاقی تعلیمات کے ساتھ عسکری تعلیم بھی مرحمت فرماتے تھے تاکہ دین اسلام کو غالب کیا جائے۔ مسجد نبوی میں بھی صحابہ کرام عسکری تربیت حاصل کرتے تھے اور جنگی مشقیں سر انجام دیتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے درمیان تیر اندازی، نیزہ بازی، گھڑ سواری، دوڑ اور تیراکی کے مقابلے کراتے تھے جس سے ان کی تمرین ہو جاتی۔ آپ ﷺ اس کا حکم بھی دیتے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے بنی اسماعیل! تیر چلاؤ، بلاشبہ تمہارے باپ اسماعیل بھی تیر انداز تھے۔ (133)

اسی طرح مسجد نبوی میں ہی بعض حبشی اپنے بھالوں اور جنگی ہتھیاروں کے ساتھ جنگی مشقیں کرتے اور نبی ﷺ اپنی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کو دیکھتے تھے۔ (134) نبی ﷺ دوڑ کا بھی مقابلہ کرواتے آپ ﷺ نوجوان لڑکوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے اور ان سے فرماتے کہ دوڑ کا مقابلہ کرو اور جو مجھ سے پہلے آکر ملے گا اس کو یہ انعام دیا جائے گا۔ (135) حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ خود بھی دوڑ میں حصہ لیتے۔ (136) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی مردم شماری کروائی جس سے معلوم ہوا کہ کتنے مسلمان جنگ میں حصہ لینے کے قابل ہیں اور کتنے نہیں ہیں۔ (137) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے پڑھنے اور اخلاق کی عمدگی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ صحابہ کرام کی جنگی تعلیم بھی فرماتے تھے۔ ریاست کے تعلیمی ادارے کو چاہیے کہ وہ بھی اس طرح کی سرگرمیوں میں حصہ لے تاکہ مشکل وقت آنے پر طلاب علم اپنا دفاع و بچاؤ کر سکیں اور قوم و ملک کی خدمت کر سکیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ان عسکری امور کا اہتمام کیا اور رعایا کو حکم دیا کہ وہ اپنے بچوں کو تیراکی، تیر اندازی اور گھڑ سواری سکھائیں۔ (138) اسی طرح ریاست کے تعلیمی اداروں کو چاہیے کہ وہ طلاب علم کے درمیان کھیل کود اور عسکری تربیت کی سرگرمیوں کا خصوصی اہتمام کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ٹائم ٹیبل مقرر کریں جس میں ایک مناسب وقت کسی اچھے کھیل کے لیے ہو، اور زیادہ وقت تعلیم و تعلم کا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کھیل کود میں اپنی توانائیوں کو صرف کر دیں اور تعلیم و تعلم کے لیے قوت باقی نہ بچے۔ (139)

استاد و شاگرد کے مابین تعلق کی مضبوطی کے لیے نبوی اقدامات

کسی بھی تعلیمی نظام کی خوبصورتی اور افادیت میں استاد و شاگرد کے مابین مضبوط، ناصحانہ اور پائیدار تعلق کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ استاد اور شاگرد ہی تعلیمی نظام کے بنیادی عنصر جبکہ باقی انہی دو کی تائید و تقویت کے لیے کام کرتے ہیں۔ ان دو عناصر کے مابین تعلق کی مضبوطی کے لیے سیرت طیبہ سے جو بنیادی پہلو سامنے آتے ہیں وہ ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

اول: تحصیل علم کی تشویق و ترغیب

اللہ رب العزت نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے پیارے حبیب ﷺ سے فرمایا کہ **وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا**

"اور علم کی بڑھوتری و زیادتی کے لیے اپنے رب سے سوال کرتے رہا کریں"۔

حضور اقدس نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو بھی حصول علم کا شوق دلایا اور انہیں دعا سکھائی کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کریں

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا

"اے اللہ میں تجھ سے نفع مند علم کا اور پاکیزہ رزق اور مقبول عمل کا سوال کرتا ہوں"۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے علم سے اللہ کی پناہ مانگو جو فائدہ نہ دے۔ ان دو احادیث مبارکہ سے تعلیم ملتی ہے کہ ایک ریاست کے ذمہ داران کو چاہیے کہ وہ تعلیم کے پرچار و حصول کے لیے رفتہ رفتہ عوام کو ترغیب دلائیں، ان کے لیے دعا کریں، ان کے اندر شوق و جذبہ پیدا کرنے کے لئے مسابقات و پروگرامز کا اہتمام کریں جس میں طلباء کو تعلیم کے دنیاوی و اخروی فوائد سے روشناس کروایا جائے۔ معلم کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اس حوالے سے انتظامیہ، اساتذہ اور طلباء کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اصحاب صفہ سے فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند نہیں کہ وہ صبح سویرے بطحان یا عقیق کی وادی میں جائے اور وہاں سے دو لمبی کوہان والی اونٹنیاں بغیر کسی ظلم و گناہ کے حاصل کرلے۔ ہم نے عرض کی کہ بلاشبہ ہمیں یہ پسند ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تم میں سے کوئی صبح مسجد میں جاکر قرآن مجید کی آیات کو کیوں نہیں سیکھ لیتا، اس لیے کہ ایک آیت کو سیکھنا ایک لمبی کوہان والی اونٹنی سے بہتر ہے اور دو آیات سیکھنا دو سے اور تین آیات سیکھنا تین سے بہتر ہے، اسی طرح جتنی آیات کی تعداد بڑھتی جائے گی وہ اتنی اونٹنیوں سے بہتر ہوں گی۔(140)
اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی احادیث یاد کرنے کی فضیلت بیان فرمائی کہ جس شخص نے میری کسی بات کو سنا، اس کو یاد کیا، اس کا حق ادا کیا اور اس کو آگے پہنچایا، اللہ ایسے شخص کے چہرے کو تروتازہ کردے۔(141)

اس طرح کی کئی روایات ہیں جن میں حصول تعلیم کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ حقیقت میں نبی ﷺ کی تمام سرگرمیاں، جو بھی اس حوالے سے آپ ﷺ نے اختیار فرمائیں وہ ترغیب و تحریص کے ساتھ تھیں تاکہ صحابہ کرام میں حصول تعلیم کا شوق پیدا ہو اور وہ اس کی تحصیل کے لیے حریص رہیں۔ یہی طرز عمل ایک ریاستی ادارے اور اساتذہ کرام کا ہونا چاہیے۔

دوم: غیر حاضر طلباء کے متعلق پوچھنا اور نصیحت کرنا

ریاست کے تعلیمی نظام میں یہ شامل ہونا چاہیے کہ ادارے کا ذمہ دار اپنے طلاب کے بارے میں مکمل آگاہی رکھے اور ان کی صحت و بیماری کا خیال رکھے۔ ان کی حاضری و غیر حاضری کو نوٹ کرے۔ جماعت میں جو حاضری لگانے کا تصور ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے اسوہ سے ہی ملتا ہے جیسا کہ ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صفہ میں تشریف لائے، اور مجھے نہ پایا تو فرمایا کہ دوسی کہاں ہے؟ ان میں سے ایک نے عرض کی کہ وہ مسجد کے ایک کونے میں بخار سے کراہ رہا ہے۔ آپ ﷺ تشریف لائے خیر کی بات فرمائی تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق احکامات ارشاد فرمائے۔(142) یہ اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ طالب علم کی تیمارداری کرنی چاہیے اور اگر کوئی اہم سبق ہو تو طالب علم کو اس میں اپنی حاضری یقینی بنانے کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔

سوم: علم کی بات دہرانا

حضور اقدس نبی ﷺ علم کی باتوں کو بار بار دہراتے تھے تاکہ وہ طالب علم کے دل و دماغ میں پختہ ہو جائیں۔(143) اسی طرح طالب علم کو بھی جب کوئی بات سمجھ نہ آتی تو وہ بھی پوچھنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب کوئی بات سمجھ نہ پاتیں تو دوبارہ پوچھ لیتیں تاکہ وہ سمجھ آجائے۔(144)

تعلیم نسواں وتربیت کا اہتمام کرنا

مردوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ دین اسلام نے عورتوں کی تعلیم وتربیت پر بھی زور دیا ہے۔ نبی مکرم رسول معظم ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنی لونڈی کو عمدہ ادب سکھائی اور تعلیم دے کر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرلے تو اسکے لیے دوہرا اجر ہے۔(145) اللہ کے رسول ﷺ عیدین، جمعات ودیگر مذہبی اجتماعات میں خطاب فرماتے تو آپ ﷺ کے اس خطاب سے خواتین بھی مستفید ہوتیں۔ جس میں آپ ﷺ انہیں دین پر کاربند رہنے اور صدقہ وخیرات کرنے کی تلقین فرماتے۔(146) وہ آپ ﷺ سے پردہ میں رہ کر مسائل پوچھتیں۔ اور آپ ﷺ گاہے بگاہے ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام فرماتے۔ آپ ﷺ نے خواتین کو ترغیب دلائی کہ وہ عیدین کی نماز مخصوص ایام کی بناء پر نہ بھی پڑھ سکیں تو بھی تعلیم وتربیت کے خطبہ اور مسلمانوں کی دعا میں ضرور شامل ہوں۔(147) صحابیات طیبات خود بھی علم کے حصول کے لیے حریص تھیں، انہوں نے خود اللہ کے رسول ﷺ سے فرمائش کی کہ ان کے لیے ہفتے میں ایک دن مقرر کیا جائے جس میں وہ آپ ﷺ سے قرآن مجید و حکمت کی تعلیم حاصل کریں۔ اس پر آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لاتے اور انہیں دین وحکمت اور فکر آخرت کی وہ باتیں ارشاد فرماتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہوتی۔(148)

اسلام نے عورت کو عزت واحترام والا مقام عطا فرمایا ہے ورنہ پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کے ظہور سے قبل عورت مجبور وبے بس ہوتی تھی جس کے معاشرے میں کوئی حقوق نہ تھے۔ اسلام نے آکر عورتوں کو عفت وعصمت کے ساتھ مزین کردیا اور مال وجائداد میں سے حصہ دیا، جس سے حساب وریاضی کا علم سیکھا گیا۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی کتاب وحکمت کی تعلیم دی جاتی، خاص طور پر سورہ نور سکھائی جاتی اور ساتھ ہی دستکاری وصنعتکاری کی تعلیم بھی عورتیں حاصل کرتی تھیں جس میں چرخہ کاتنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔(149) اسی طرح عورتیں کشیدہ کاری بھی کرتی تھیں۔(150) عورتیں زخمی مجاہدین کی نرسنگ بھی کرتیں، ان کو پٹی کرتیں اور ان کی دوائی کرتیں۔(151) ریاست کے تعلیمی اداروں کے لیے سیرت النبی ﷺ میں ہر طرح کی راہنمائی موجود ہے۔ خواتین کے لیے بھی دینی تعلیم اور صنعتکاری وقوم وملت کی خدمت کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا تھا لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ان احکامات وقیود کی پابندی کی جائے جن کی شریعت نے تعلیم دی ہے کہ خواتین حجاب میں رہ کر اپنے تعلیمی مراحل پورا کریں، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس صحابہ کرام حاضر ہوتے اور پردے کے پیچھے سے مسئلہ دریافت کرتے۔(152)

بعض صحابیات خود بھی معلمہ اور فقیہہ تھیں، جن میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن شامل ہیں، جو دیگر خواتین کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا کرتی تھیں۔ اور ان کا گھر باقاعدہ طور پر ان خواتین کے لیے درسگاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ سیدہ فاطمہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما خود بھی معلمہ تھیں اور خواتین کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔(153) عورتیں عبادات واحکامات ومعاملات ہر طرح کے سوالات نبی ﷺ سے اور ازواج مطہرات سے پوچھا کرتی تھیں تاکہ علم وآگہی کے ساتھ اسلام کے مطابق اپنی زندگیوں کو سنوار سکیں۔ صحابہ کرام کو جب بھی کسی حدیث کے سمجھنے میں اشکال لاحق ہوتا تو وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کے اشکالات دور فرمادیتیں۔(154)

غیر مسلموں سے تعلیم حاصل کرنا

شریعت مطہرہ میں حد درجہ وسعت پائی جاتی ہے۔ ایسی وسعت کہ جس سے دین اسلام کا حسن زائل نہ ہو۔ تعلیم وتعلم کے حوالے سے بھی دین اسلام نے یہ اجازت دی ہے کہ کسی کافر وغیر مسلم سے بھی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے اور اس پر پابندی نہیں عائد کی گئی جیسا کہ دیگر کئی مذاہب میں اس حوالہ سے شدید سختی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ حکمت وعلم کی بات ایک مومن کا گمشدہ ورثہ ہے وہ اسے جہاں پاتا ہے

، اسے حاصل کر لیتا ہے۔ سطور بالا میں مذکور ہے کہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ مسلمان بچوں کو لکھانے کی تعلیم دینا مقرر کیا گیا تھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی غیر مسلم سے بھی علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ غیر مسلم کی وہ بات قبول نہ کی جائے جو دین اسلام کے عقائد و مزاج کے خلاف ہو۔

طالب علم کے ساتھ اچھا سلوک

علم کا حصول بہت ہی مقدس عمل ہے۔ اس لیے جو علم سے وابستہ ہو جائیں وہ بھی حد درجہ قابل احترام و معزز ہوتے ہیں، چاہے وہ اساتذہ ہوں یا طلباء۔ حصول علم کی راہ پر گامزن ہونے والوں کے بلند مقام و مرتبے کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کرام کو وصیت فرمائی کہ آنے والے وقتوں میں جب دور دور سے ان کے پاس طلاب علم تشریف لائیں تو ان کے لیے اپنی مجالس کو وسیع کریں اور ان کے لیے نرمی و شفقت کے پر بچھاتے ہوئے ان کو قرآن و حدیث اور علم و حکمت و فنون کی تعلیم دیں۔(155)

علم کی نشر و اشاعت کی تلقین اور کتمان علم پر وعید

تعلیم و تعلم عام کرنا اسلامی شعار ہے، حتیٰ کہ اسلام نے علم کی بات چھپانے پر سخت اخروی وعید سنائی ہے، جو اہمیت علم کو واضح کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت بھی اسی انداز سے فرمائی کہ علم کو چھپایا نہ جائے بلکہ اسے فروغ دیا جائے اور جو علم کی کسی بات کو چھپائے تو اسے قیامت کے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔(156) صحابہ کرام اور ان کے تلامیذ کے پیش نظر یہ وعید ہمیشہ رہی جس کی بنا پر وہ کبھی علم کی بات بتانے میں بخل سے کام نہ لیتے تھے اور نہ ہی اسے بغیر کسی مصلحت کے، پوشیدہ رکھتے، بلکہ کشادہ روئی و وسعت قلبی سے سائل کو جواب دیتے۔

ریاست کے اداروں کا فروغ تعلیم کے لیے قانون سازی کرنا

ایک ریاست میں تین ادارے اسے مضبوط و مستحکم کرنے میں فعال ہوتے ہیں۔ جو مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ ہیں۔ مقننہ کا کام قانون سازی ہے، جسے سینیٹ، پارلیمنٹ اور اسمبلی کہا جاتا ہے۔ عدلیہ سے مراد عدالت ہے جس میں ججز صاحبان ریاستی قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں اور انتظامیہ سے مراد وہ بیورو کریٹس و گورنرز ہیں جو ان قوانین پر عملدرآمد کرواتے ہیں۔ یہ تینوں ادارے، تعلیم کی بہتری کے لئے بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ قانون ساز اداروں کو چاہیے کہ فروغ تعلیم کے لئے ایسے قوانین وضع کریں جن کی تعلیم نبی ﷺ نے مرحمت فرمائی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم کے لیے قانون سازی

ایک مسلمان مرد و عورت پر آپ ﷺ نے قرآن مجید کی تعلیم کو فرض قرار دیا۔ یہ تعلیم تلاوت، کتابت، فہم اور تزکیہ نفس پر مشتمل ہے۔ مملکت پاکستان میں بھی قرآن مجید کی تعلیم لازم قرار دی جانی چاہیے اور انتظامیہ سختی کے ساتھ اس کا نوٹس لے تاکہ سکولوں اور کالجوں میں قرآن مجید کی پاکیزہ تعلیم یقینی بنائی جائے اور طلاب علم کا تزکیہ ہو سکے جو تعلیم انسانی کا اصل مقصود و مطلوب ہے۔

بچوں کی تعلیم کا قانون

بچوں کی بنیادی تعلیم کے لیے قانون سازی کی جائے۔ اس میں کلمہ توحید کی معرفت، فرض عبادات اور اچھے اخلاق اپنانے کی تعلیم ہو۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ بچہ جب سات سال کا ہو تو اس کو نماز کا حکم کیا جائے اور دس سال کو پہنچ کر نماز میں سستی کرے تو اس کو سزا دی جائے۔(157) ریاست یہ قانون بنائے کہ بچے جب چھ سات برس کے ہوں تو ان کی تعلیم کا یکساں طور پر مفت اہتمام کیا جائے تاکہ ہر بچہ بنیادی تعلیم حاصل کر سکے۔ بچوں سے مزدوری کے کام پر پابندی عائد کی جائے تاکہ وہ تعلیم سے محروم نہ ہو سکیں اور اپنے مستقبل کو تاریک ہونے سے بچا سکیں۔

اساتذہ کی دستیابی و تربیت کا قانون

قانون سازی کے تحت اساتذہ کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور ساتھ ہی ان کی تربیت کے لیے ورکشاپس کا اہتمام کیا جائے تاکہ تعلیمی معیار بہتر ہو سکے۔ اسلام جہاں غفلت و سستی کی بنا پر ہلکی پھلکی سرزنش کی اجازت دیتا ہے، وہاں وہ تشدد کے بھی سخت خلاف ہے۔ طلباء کو تشدد سے دوچار کرنے، ہراساں کرنے یا ذہنی اذیت دینے پر پابندی عائد کی جائے اور اس کے لیے خاطر خواہ قانون وضع کیا جائے۔ مار نہیں، پیار کا جو قانون جاری کیا گیا ہے، وہ کفار و اغیار سے مستعار ہے، جس نے طلباء کو بے خوف کر دیا ہے۔ وہ تعلیم کے میدان میں سستی کا شکار ہوئے ہیں۔ قانون ساز اداروں کو چاہیے کہ وہ اس افراط و تفریط سے باہر نکل کر میانہ روی اور اعتدال پر مبنی قانون سازی کریں۔

تعلیم نسواں کے لیے قانون سازی

ریاست کے اداروں کو چاہیے کہ وہ عورتوں کی تعلیم کے لئے بھی آسان پالیسیاں بنائیں تاکہ وہ جہالت سے نکل کر اجالوں کی راہ پر آ سکیں اور اپنے حقوق کا تحفظ کر سکیں۔ مملکت پاکستان میں عورتوں کی تعلیم کے لیے خاطر خواہ اقدامات نظر آئے ہیں لیکن اس کے باوجود کئی پسماندہ علاقوں میں عورتوں کی تعلیم معیوب سمجھی جاتی ہے۔ اس تصور کے خاتمے کے لیے بھی قانون سازی کی جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے بھی صحابیات کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمایا۔

جدید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے قانون سازی

ایسی قانون سازی کی جائے جس سے جدید اعلیٰ تعلیم کا حصول ہر شخص کے لیے ممکن ہو۔ عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی کی تعلیم کا بھی مساوی طور پر اہتمام کیا جائے۔ اس کے بغیر دیگر اقوام و ممالک سے رابطہ محال ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی غیر مسلموں کی زبان سیکھنے کی تعلیم دی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس سے انگریزی زبان اور مغربی کلچر دینی علوم پر غالب نہ آ سکیں اور حقیقی مطمع نظر دینی تعلیم کی ترویج ہی ہو۔

تعلیمی اداروں میں بے راہ روی اور بد عنوانی ختم کرنے کا قانون

تعلیمی اداروں میں طلاب علم کو بے راہ روی سے بچانے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں اور تعلیم گاہوں میں بد عنوان عناصر کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے تاکہ طلاب علم کو گمراہی اور بے راہ روی سے بچایا جا سکے۔ آج کے اس مغرب زدہ پر فتن دور میں تعلیمی اداروں میں طلاب علم کو مقصد حقیقی سے دور کرنے کے لیے انہیں لبرلزم سکھایا جا رہا ہے اور فحاشی و عریانی اور منشیات کے استعمال کو فروغ دیا جا رہا ہے جو تعلیمی اداروں کی روح کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر رہا ہے۔ تعلیمی اداروں کو ان غلاظتوں سے پاک کرنے کے لیے مؤثر قانون سازی کی جائے۔ ریاست کو چاہیے کہ اپنے ذیلی اداروں کو مضبوط کرے اور غیر ملکی اداروں کو اسلامی اصولوں کی پاسداری و محافظت کرنے پر سرٹیفکیٹ جاری کرے۔

یکساں نصاب کا قانون

نبی ﷺ نے تمام مسلمانوں کے لیے یکساں نصاب تعلیم مقرر فرمایا ہے۔ قانون ساز اداروں کو چاہیے کہ وہ اسی نصاب کو آئینی طور پر متعین کریں اور انتظامیہ اس پر عمل درآمد کو یقینی بنائے تاکہ تعلیم کے وہ مقاصد حاصل ہو سکیں جن کی تکمیل نبی کریم ﷺ کو مطلوب تھی۔ ریاست ایسے اسباب پیدا کرے کہ تعلیم کا حصول ہر امیر و غریب کے واسطے یکساں ممکن ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بغیر کسی امتیاز و تفریق کے تعلیم کو عام کیا اور فرمایا کہ "کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔ پس چاہیے کہ حاضر شخص، غائب شخص تک پہنچا دے۔" (۱۵۴)

انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے آرٹیکل 26 میں درج ہے کہ ہر شخص تعلیم کا حق رکھتا ہے۔ کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں کی تعلیم مفت ہو گی۔

ابتدائی تعلیم بالجبر ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے حصول کا عام انتظام کیا جائے گا۔ اور لیاقت و قابلیت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم کا حصول سب کے لئے مساوی طور پر ممکن ہو گا۔(159)

نتائج بحث

اسلامی ادوار کا یہ صدرِ اول ہے جس نے آنے والے ادوار کے لیے تعلیمی بنیادیں پیش کیں۔ یہ آپ ﷺ کی تعلیمی جدو جہد و سرگرمیوں کا نتیجہ ہی تھا کہ جو لوگ محکوم و غلام تھے وہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے امام بن گئے۔ ان کی علمیت و آگہی کا چرچہ چہار دانگ پھیل گیا۔ علم و حکمت کا پھریرا ہر طرف لہرانے لگا۔ قومیں جوق در جوق اس تعلیم و تربیت سے مسحور ہو کر دین اسلام میں داخل ہونے لگیں اور عقائد و اعمال اور اخلاق و کردار کو وحی الٰہی کی روشنی سے منور کرنے لگیں۔ ایک فلاحی و ترقی یافتہ مہذب ریاست کے قیام و تشکیل کے لیے لازم ہے کہ اس نظم و ضبط اور تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے جو حضور اقدس نبی ﷺ نے بنی نوع انسان کو سکھائے ہیں تاکہ معاشرہ عدل و انصاف اور مساوات کے ساتھ پروان چڑھے اور ہر شخص کو اس کے بنیادی حقوق بغیر کسی تکلیف کے حاصل ہو جائیں۔

سفارشات و تجاویز

سربراہان ممالک اسلامیہ کو چاہیے کہ وہ ان الہامی تعلیمات کو تعلیم و تربیت کا معیار مقرر کریں اور اغیار کے باطل نظاموں کی تقلید کی بجائے اس نبوی ﷺ نظام تعلیم کو اختیار کریں جس نے مردہ دلوں میں روح پھونک دی اور جسے اختیار کر کے مسلمانوں نے کئی صدیوں تک تزک و احتشام کے ساتھ قوموں کی راہنمائی اور ان پر حکمرانی کی ہے۔ استاد اور شاگرد کے روحانی رشتے میں دوریاں ختم کی جائیں اور ہر ایک میں احساس ذمہ داری پیدا کی جائے۔ دورِ جدید کی تعلیم کو مذہبی تعلیم کے ساتھ جوڑا جائے تاکہ دونوں میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے اور عصری تقاضوں کو دین کی تعلیم کے مطابق پورا کیا جائے۔ مرد و زن کی تعلیم میں مخلوط نظام کو ختم کیا جائے تاکہ طلبا کا تزکیہ نفس ہو سکے اور وہ قوم و ملت کی رہبری و قیادت کے لائق ہو سکیں۔ ٹیکنالوجی پر مشتمل جدید تعلیم کے تمام شعبوں کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے، نیز بغیر کسی امتیاز کے ریاست کا ہر فرد تعلیم حاصل کر سکے۔ تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات کو کم سے کم کیا جائے اور طلابِ علم کے لیے وظائف کا اہتمام کیا جائے تاکہ وہ فکر معاش سے آزاد ہو کر تعلیم حاصل کر سکیں۔ طلباء میں جسمانی نشو نما کے لیے کھیلوں اور عسکری تربیت کا اہتمام کیا جائے، تاکہ وہ جسمانی و روحانی طور پر مضبوط ہوں اور وہ ہنگامی صورت میں اپنا اور قوم کا تحفظ کر سکیں۔ عورتوں کو دینی و دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت کاری و دستکاری کی تعلیم بھی دی جائے تاکہ وہ معیشت کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

حوالہ جات و حواشی

1 محمد:47/19

2 خطیب بغدادی، ابو بکر احمد بن علی بغدادی، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع (ناشر: مکتبۃ المعارف، الریاض، س ن)، 1/79

3 الرحمان:55/4

4 العلق:96/5-4

5 سنن ابی داود، رقم الحدیث:4700

6 البقرۃ: 2/34-30

7 فارابی، ابو نصر، الجمع بین رأیی الحکیمین (ناشر: مطبعہ کیتھولک)، ص39

8 سید احمد لطفی، السیاسۃ ارسطوطالیس (ناشر: الدار القومیۃ للطباعۃ والنشر، مصر)، ص217

9 پیر محمد کرم شاہ ازہری، ضیاء النبی ﷺ (ناشر: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور)، 1/109

10 کرم شاہ ازہری، ضیاء النبی ﷺ، 1/133

11 کرم شاہ ازہری، ضیاء النبی ﷺ، 1/93

12 ندوی، سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ (ناشر: محمد سرور عاصم، مکتبہ اسلامیہ، تخریج شدہ جدید ایڈیشن، اکتوبر، 2012)، 4/156-155

13 ندوی، سیرت النبی ﷺ، 4/165

14 کرم شاہ ازہری، ضیاء النبی ﷺ، 1/157

15 البقرۃ:2/146

16 ابن ہشام، عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری (متوفی 213ھ)، سیرت ابن ہشام (ناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ بمصر، طبعۃ ثانیہ، 1375ھ/1955ء)، 2/48، مبارکپوری، صفی الرحمان، الرحیق المختوم (ناشر: مکتبہ سلفیہ، لاہور، 1421ھ/2000ء)، ص328-327

17 صحیح البخاری، رقم الحدیث:6879

18 قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین (ناشر: مرکز الحرمین الاسلامی، فیصل آباد، 2007ء)، 1/63

19 ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلامی ریاست (ناشر: الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار لاہور، 2004م)، ص113

20 ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ اصفہانی (متوفی 430ھ) معرفۃ الصحابۃ، ناشر: دار الوطن للنشر، الریاض، طبعہ اولی:1419ھ/1998م، 6/3371

21 بلاذری، احمد بن یحیٰ بن جابر (متوفی 249ھ)، فتح البلدان، ناشر: دار و مکتبۃ الہلال، بیروت، س ن، ص453

22 ڈاکٹر حمید اللہ، اسلامی ریاست، ص113

23 ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی (مطبوعہ: باب الاسلام پرنٹنگ پریس، کراچی، 1981)، ص184

24 الاعراف:7/158

25 النساء:4/113

26 آل عمران:3/18
27 النحل:16/125
28 سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:229
29 صحیح بخاری، رقم الحدیث:5027
30 ملا علی قاری، شرح مسند ابی حنیفہ (ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبعہ اولی:1405ھ/1985ء)، 1/473
31 حکیم ترمذی، محمد بن علی بن حسن، نوادر الاصول فی احادیث الرسول (ناشر: دار الجیل، بیروت، س ن)، 1/210
32 الزمر:39/11
33 فاطر:35/28
34 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3641
35 صحیح مسلم، رقم الحدیث:1631
36 سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:224
37 مبارکپوری، صفی الرحمان، الرحیق المختوم، ص131
38 حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیساپوری، المستدرک علی الصحیحین (ناشر: دار الرسالۃ العالمیہ، طبعہ اول،1439ھ/2018ء)، 7/117، رقم الحدیث:6250
39 ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، 1/344
40 صحیح بخاری، رقم الحدیث:4941
41 ڈاکٹر حمید اللہ، اسلامی ریاست، ص117
42 زبیدی، ابو فضل محمد بن مکرم، لسان العرب (ناشر: دار صادر، بیروت، طبعہ ثالث:1414ھ)، 9/195
43 ڈاکٹر حمید اللہ، اسلامی ریاست، ص118
44 ڈاکٹر نصیر الدین ناصر، پیغمبر اعظم و آخر (ناشر: فیروز سنز لمیٹڈ، س ن)، ص417
45 نووی، ابو زکریا یحیٰ بن شرف محی الدین، تہذیب الاسماء واللغات (ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، س ن)، 3/178-177
46 البقرۃ:2/273
47 سیوطی، جلال الدین عبد الرحمان بن ابو بکر، الدر المنثور فی التفسیر الماثور (ناشر: دار الفکر، بیروت، س ن)، 2/89
48 صحیح بخاری، رقم الحدیث:6452

49 احمد، مسند احمد، 2/202، رقم الحدیث:838
50 بلاذری، انساب الاشراف، ص1/323
51 ابن سعد، محمد بن سعد، طبقات الکبریٰ (ناشر: دار صادر، بیروت، طبعہ اولی:1968ء)، 4/205

52 صحیح بخاری، رقم الحدیث:1
53 سنن ترمذی، رقم الحدیث:2382
54 صحیح بخاری، رقم الحدیث:3267
55 سنن ترمذی، رقم الحدیث:2493
56 سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:3723،3724
57 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:4014
58 بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، شعب الایمان (ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبعہ اولیٰ: 1421ھ/2000ء)، 7/283، رقم الحدیث:10322
59 طبرانی، ابو قاسم سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (ناشر: دار الحرمین، قاہرہ، سن اشاعت: 1415ھ/1998ء)، 8/326، رقم الحدیث:8765
60 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:4003
61 ابن شبہ، عمر بن شبہ زید بن عبیدہ نمیری بصری، تاریخ مدینہ (طبعہ: سید حبیب محمود احمد، جدۃ، سن نشر: 1399ھ)، 2/487
62 ابن سعد، طبقات کبریٰ، 3/622
63 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3416
64 صحیح بخاری، رقم الحدیث:4986
65 سیوطی، در منثور، 8/241
66 سیوطی، در منثور، 5/684
67 سیوطی، در منثور، 7/148
68 نسفی، ابو برکات عبد اللہ بن احمد، مدارک التنزیل معروف بتفسیر نسفی (ناشر: دار القلم، بیروت، طبعہ اولیٰ: 1419ھ/1998ء)، 3/382
69 سیوطی، در منثور، 3/250
70 ابن سعد، طبقات کبریٰ، 2/22
71 ابن حبیب، ابو جعفر محمد بن حبیب، المحبر (ناشر: دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد دکن، ہند، سن نشر: 1361ھ/1942م)، ص460
72 البقرۃ:2/282
73 متقی ہندی، علاء الدین علی بن حسام، کنز العمال (ناشر: مؤسسۃ الرسالہ، طبعہ خامسہ: 1401ھ/1981ء)، 16/443، رقم الحدیث:45340
74 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3646
75 ابن حجر، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری (ناشر: المکتبۃ السلفیہ، مصر، طبعہ اولیٰ: 1380ھ-1390ھ)، 1/207
76 ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد البر، جامع بیان العلم وفضلہ (ناشر: دار ابن الجوزی، السعودیہ، طبعہ اولیٰ: 1414ھ/1994ء)، 1/319، رقم الحدیث:413
77 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3649
78 ابن عبد البر، جامع بیان العلم، 1/599، رقم الحدیث:1029

79 سنن ترمذی، رقم الحدیث:1979

80 سنن ابی داود، رقم الحدیث:3855

81 صحیح بخاری، رقم الحدیث:5688

82 صحیح بخاری، رقم الحدیث:5669

83 بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین، سنن کبریٰ (ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)، 1/558، رقم الحدیث:1782

84 یس:36/69

85 صحیح بخاری، رقم الحدیث:6145

86 صحیح بخاری، رقم الحدیث:453

87 سیوطی، جلال الدین عبد الرحمان بن ابو بکر، الاتقان فی علوم القرآن (ناشر: الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، طبعہ:1394ھ/1974ء)، 2/67

88 سنن ابی داود، رقم الحدیث:3645

89 حاکم، مستدرک حاکم، 7/224، رقم الحدیث:6471

90 صحیح بخاری، 2766

91 صحیح بخاری، رقم الحدیث:4088

92 ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی، اصابہ فی تمییز الصحابہ (ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبعہ اولیٰ:1415ھ)، 1/175

93 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، 2/350

94 کتانی، محمد عبد الحیی بن عبد الکبیر، نظام الحکومۃ النبویۃ (ناشر: دار الارقم، بیروت، طبعہ دوم، س ن)، 1/114

95 بیہقی، سنن کبریٰ، 9/327، رقم الحدیث:18674

96 ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، 2/592

97 بزار، ابو بکر احمد بن عمرو بزار، مسند بزار (ناشر: مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، طبعہ اولیٰ:1988ء–2009ء)، 4/258، رقم الحدیث:1431

98 متقی ہندی، کنز العمال، 13/611، رقم الحدیث:37566

99 بلاذری، انساب الاشراف، 1/185

100 الاعراف:7/54

101 المائدہ:5/48

102 ابن عبد البر، جامع بیان العلم، 1/755

103 النساء:4/65

104 المائدہ:5/44

105 المائدۃ:5/45-44

106 البقرہ:2/178

107 النور:24/2، صحیح بخاری، رقم الحدیث:6817

108 صحیح بخاری،3017

109 المائدہ:5/38

110 صحیح بخاری، رقم الحدیث:6795

111 النور:24/4

112 صحیح مسلم، رقم الحدیث:1706

113 النساء:4/59

114 النساء:4/58

115 صحیح مسلم، رقم الحدیث:1819

116 شامی، محمد بن یوسف الصالحی، سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، طبعہ اولی:1414ھ/1993م)، 338/11

117 شامی صالحی، سبل الہدی،11/ 339-340

118 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3592

119 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:1588

120 صحیح بخاری، رقم الحدیث:2707

121 صحیح البخاری، رقم الحدیث:2458

122 صحیح بخاری، رقم الحدیث:3475

123 آل عمران:3/159

124 الشوریٰ:42/38

125 سنن ترمذی، رقم الحدیث:1714

126 مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص341

127 مبارکپوری، الرحیق المختوم، ص410

128 صحیح بخاری، رقم الحدیث:3806

129 سنن ترمذی، رقم الحدیث:3791

130 احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل،5/159، رقم الحدیث:3032

131 سنن ترمذی، رقم الحدیث:3836

132 صحیح بخاری، رقم الحدیث:119

133 صحیح بخاری، رقم الحدیث:2899

134 صحیح بخاری، رقم الحدیث:2907

135 مسند احمد بن حنبل، 3/335، رقم الحدیث:1836

136 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:2578

137 صحیح بخاری، رقم الحدیث:3060-3061

138 منتخب ہندی، 16/443، رقم الحدیث:45342

139 غزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین (ناشر: دار المعرفۃ، بیروت، س ن)، 3/73

140 صحیح مسلم، رقم الحدیث:803

141 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3660

142 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:2174

143 صحیح بخاری، رقم الحدیث:95

144 صحیح بخاری، رقم الحدیث:103

145 صحیح بخاری، رقم الحدیث:97

146 صحیح البخاری، رقم الحدیث:979

147 صحیح مسلم، رقم الحدیث:890

148 صحیح البخاری، رقم الحدیث:101

149 بیہقی، شعب الایمان، 2/477، رقم الحدیث:2453

150 صحیح بخاری، رقم الحدیث:2093

151 صحیح مسلم، رقم الحدیث:1812

152 الاحزاب:33/53

153 صحیح مسلم، رقم الحدیث:332

154 سنن ترمذی، رقم الحدیث:3883

155 رامہرمزی، ابو محمد حسن بن عبد الرحمان فارسی، المحدث الفاصل (ناشر: دار الفکر، بیروت، طبعہ ثالثہ: 1404ھ)، ص175

156 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3658

157 سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:494، سنن ترمذی، رقم الحدیث:407

158 شیبانی، احمد بن حنبل، مسند احمد (ناشر: موسسۃ الرسالۃ، طبعہ اولی: 1421ھ/2001ء)، 38/474، رقم الحدیث:23489

159 انسانی حقوق کا عالمی منشور، محکمہ اطلاعات عامہ، اقوام متحدہ، نیو یارک، آرٹیکل نمبر 26، ص10

2

مقالہ نگار

(مفتی) زبیر عثمانی

ایم اے عربی / اسلامک اسٹڈیز

ریسرچ اسکالر: شعبہ اصول الدین فیکلٹی اسلامک اسٹڈیز جامعہ کراچی

استاذ جامعۃ الرشید (الغزالی یونیورسٹی) کراچی

علم انسانیت کی معراج، معرفت حق کا زینہ، روحانی اور مادی ترقی کا سرچشمہ، دینی و دنیوی کمال کو اوج ثریا تک پہنچانے کا ذریعہ، دنیا فانی کی ظفریابی و کامرانی کا موجب، انسانی دل و دماغ کی تعمیر اور ذہنی قوتوں کی نشو و نما کا واحد ذریعہ ہے۔ علم انسان کی شرافت و تہذیب، عقائد و نظریات اور عبادات و معاملات کا جزو لازم ہے، انسان کی تشکیل و تعمیر انسانی افکار و نظریات، روحانی اور ثقافتی قدروں کا تحفظ اور ترقی علم کی مرہون منت ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، وہ ذات تعالیٰ علیم، عالم اور علام ہے[1] اللہ تعالیٰ کی یہ صفات قرآن حکیم میں کچھ یوں بیان ہوئی، ھو الخلاق العلیم[2]، عالم الغیب[3] یعنی وہ ہما کان و یکون کو اس کے ہونے سے پہلے جاننے والا ہے اور اس سے زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں، وہ تمام اشیا کے چھوٹے بڑے، ظاہری و باطنی ہر طرح کے حقائق جاننے والا ہے[4]۔ تعلیم و تعلم کی اہمیت و ضرورت تخلیق و تعلیم آدم علیہ السلام سے آشکارا ہے، جن کی پیدائش کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کی لازوال نعمت سے سرفراز فرمادیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: **وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا**[5] اور آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھادیے۔ پھر جب زمین انسانی حلقوں سے معمور ہوگئی، تو بتدریج ایک لاکھ چوبیس ہزار معلمین کے ذریعہ تعلیم و تربیت کا قابل قدر انتظام کر دیا گیا۔ جنہوں نے اپنے کام کے نقطہ آغاز سے لے کر نقطہ انتہا و تکمیل میں علم و دانش کی ترویج و ترقی پر اپنی تمام تر صلاحیتوں کو صرف کیا۔ اس جماعت کے آخری فرید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[6]

یعنی علم و حکمت کی تعلیم اور فروغ کے لئے ہی آپ کو بھیجا گیا ہے۔

ریاست کا لغوی، اصطلاحی و شرعی مفہوم

سرداری، افسری، عملداری، حکومت، امارت، راج وغیرہ[7]

اس کی تعریف کی گئی:

"دار السلام ھی التی لھا المسلمون و جرت علیھا احکام الاسلام[8]"

دار السلام وہ ہے جہاں مسلمان آباد ہوں اور ان پر احکام جاری ہوں

ریاست کی مختصر تعریف انسائیکلوپیڈیا میں کچھ یوں بیان کی گئی ہے کہ "یہ انسانوں کا ایک گروہ یا تنظیم ہے جو مشترکہ مقاصد کے لئے مل جل کر کام کرے"[9]

شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں ریاست کے بارے میں فرماتے ہیں: "اہل مدینہ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک ہی نظام تمدن کے تابع اور پابند ہوں، اور باہم مل جل کر اجتماعی زندگی بسر کریں، اس جماعت کو اگرچہ وہ مختلف شہروں میں رہتے ہوں شخص واحد سمجھا جاتا ہے"[10]

ایم بے لاسکی کے نزدیک:"ریاست کسی سیاسی معاشرے کی وہ اعلیٰ منظم قوت ہے جو افراد معاشرہ کے مقاصد کا تحفظ بھی کرتی ہے اور انہیں ترقی بھی دیتی ہے"[11]

"اسلامی ریاست" کی بنیاد "عہد الست" پر قائم ہے کہ انسان نے خدائے واحد کے ساتھ معاہدہ اطاعت کیا تھا، اسلامی ریاست میں حکومت کی بجائے خلافت کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے، منتظمین ریاست کو عظیم الشان نمائندگی کرنا ہوتی ہے، وہ خود مختار نہیں ہوتے ان کا کام یہ ہے کہ احکام خداوندی کو نافذ کریں۔[12]

وہ ملک جہاں اسلامی احکامات نافذ ہوں، مسلمانوں کو شرعی احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہو اور اسی حکم کے مطابق فیصلے ہوتے ہوں۔[13]

ریاست کے قیام کا مقصد:

ریاست کا وجود انسان کی معاشرت پسندی کا فطری نتیجہ ہے، امن و امان، دفاع اور خوشحالی، ہر معاشرے کی بنیادی ضروریات ہیں اور یہ بنیادی ضروریات ایک اجتماعی نظام اپنائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی:

"اسلامی نظام میں ریاست اور دین مذہب اور سلطنت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں دونوں کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں"[14]

اسلامی ریاست کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی ہدایت اور اللہ کی نازل کردہ میزان عدل کے مطابق اجتماعی عدل قائم کیا جائے۔[15]

اسلامی ریاست متعدد شعبہ جات کا احاطہ کرتی ہے جن کے ذریعہ سے سماج و معاشرہ میں نظم و ضبط اور قانون کی بالادستی کو بہتر انداز میں رائج کیا جاتا ہے، اسلام کے اہم عناصر درج ذیل ہیں۔

۱۔ امت (انسانوں کا ایک منظم گروہ)

۲۔ وطن (زمین کا وہ حصہ جہاں امت کا قبضہ ہو)

۳۔ دستور (قوانین کا مجموعہ جس کے مطابق ریاست کا نظام چلتا ہے)

۴۔ قیادت (حکمران ریاست)

امت: امت کے معانی پر ابن منظور کا قول ہے،

"الامة :الجبل و الجنس من كل حي "[16]

(امت کے معنی ہر جاندار کے گروہ یا جنس کے ہیں)

"كل جبل من الناس هم امة على حدة و قائل غيره . كل جنس من الحيوان غير بني آدم على حدة "[17]

(لوگوں کا ہر گروہ علیحدہ امت ہے بعض اور لوگوں نے کہا کہ بنی آدم کے علاوہ حیوانات کی ہر جنس علیحدہ)

نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں موجود صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۗ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ"[18]

"(اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب (بھی) ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا ان میں ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں"

وطن: وطن کی اہمیت اور محبت مسلم ہے یہی وجہ ہے کہ کفار کے ظلم و ستم کے بعد ہجرت کا موقع آیا تو نبی اکرم ﷺ بار بار اپنے وطن اصلی کو دیکھتے اور حسرت سے کلمات ارشاد فرماتے

"اے وطن، کتنا پاکیزہ شہر ہے تو اور کتنا مجھے محبوب ہے، میری قوم نے مجھے تجھ سے نہ نکالا ہوتا تو میں تیرے علاوہ کہیں اور نہ رہتا"[19]

مگر اللہ کا حکم تھا آپ نے مدینہ پہنچ کر پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اسلامی ریاست۔[20]

دستور: ہر ریاست کا دستور لازم ہے جس کے مطابق اس سلطنت کا نظم و ضبط بہتر انداز میں چلایا جاسکے اور دستور وہ قوانین ہیں جس پر ریاست کا نظام استوار کیا جاتا ہے، اسلامی دستور قرآن و سنت پر مشتمل ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کے سبب باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات متعین ہوگیا، اس معاہدہ کے ذریعے مدینہ میں مقیم سبھی باہمی متحد و متفق ہوگئے۔[21]

قیادت: ریاست کو چلانے کے لئے ایک قائد اور خلیفہ کا ہونا ضروری ہے، ریاست مدینہ میں تو نبی اکرم ﷺ بذات خود موجود تھے، آپ کے بعد خلفاء راشدین اس منصب پر فائز ہوئے۔

اسلامی حکومت:۔

حکومت اور دولت تھوڑی اختلاف کے ساتھ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ جو وضاحت حکومت کی ہے وہی دولت کی ہے۔

علامہ وحید الزمان کیرانوی (متوفی ۱۹۹۵م) نے حکومت کی لغوی تشریح اس طرح کی ہے۔

الحکومۃ: حکومت، گورنمنٹ، نظم و نسق، فرماں روائی، اقتدار جمع حکومات۔[22]

اسلامی حکومت وریاست کی اصطلاحی تعریف:

اسلامی حکومت کی تعریف ہم ان الفاظ میں کرسکتے ہیں کہ "اسلامی حکومت مسلمانوں کی اس جماعت کا نام ہے جو شرعی استحقاق کی بناء پر اسلامی احکام کو زور و قوت کے ساتھ نافذ کرسکے"۔[23]

ابو بکر الجزائری نے لکھا ہے:

''الحکومۃ : ھی آخر الاسس التی تقوم علیھا الدولۃ الاسلامیۃ '' الجزائر .[24]

(حکومت وہ آخری اساس اور بنیاد ہے جس پر اسلامی حکومت قائم ہے)

حکومت وہ آلہ ہے جس کے توسط سے فرمانروا کے احکام رعایا تک پہنچتے ہیں اور عمل میں لائے جاتے ہیں گویا حکومت فرمانروا اور رعایا کے درمیان ایک واسطہ ہے۔

اسلامی ریاست کی خصوصیات:

○ اسلامی حکومت ایک نظریاتی اور عقیدوی دولت ہے۔ علامہ محمد مبارک لکھتے ہیں۔ "اسلامی ریاست عقیدہ، شریعت اور نظام اسلام والی حکومت ہے، یہ ایسی حکومت ہے کہ جو کوئی اس کی طرف انتساب کرنا چاہے، اس کی گنجائش رکھتی ہے، یہ کسی خاص ملی والی حکومت نہیں

اور نہ ہی کسی خاص جنس یا قوم کی حکومت ہے بلکہ یہ ایسی حکومت ہے جو خواص کی طرف سے اس لئے بنتی ہے کہ انسانوں کے معاشرے میں نظام الٰہی نافذ ہو"[25]

- اسلامی حکومت کی روح ایک امتیازی شان رکھتی ہے اور یہ اس روح کے علاوہ ہے جس پر وضعی نظاموں اور حکومتوں کی بنیاد ہے،

علامہ مبارکؒ لکھتے ہیں: "اس حکومت کی طرف نسبت اور اس تک پہنچنے کا طریقہ بھی اسی اساس پر مبنی ہے جو اساس اسلام سے عبارت ہے، تمام مسلمانوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے عام ہے کہ وہ مسلمان کسی بھی جنس اور کسی بھی قوم سے ہو اور یہی اساس ہے اس کی کہ وہ اہل کتاب جنہوں نے اسلامی حکومت کے ساتھ عہد کیا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور اسلامی حکومت کے سائے میں اپنی زندگی گزاریں گے اور اسلامی حکومت کے احکامات اور انتظامی امور قبول کریں گے"[26]

- اسلامی حکومت ایک اخلاقی اور انسانی حکومت ہے، علامہ مبارکؒ لکھتے ہیں:

"اسلامی حکومت مغربی اصطلاح کے موافق دینی یا مدنی ہونے کے ساتھ متصف نہیں ہوتی اس لئے کہ یورپ کی تاریخ اور مغربی مفہوم میں دینی حکومت وہ ہے جس میں اہل دین بالذات یا بالواسطہ حاکم ہوں اور یہ اہل دین وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں حکومت پادریں یا پادشاہ خاص دینی مراسم اور طریقوں کے ساتھ مقرر کرتا ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو لوگوں کے درمیان فیصلے کرتے ہیں اور بعض شرعی نصوص سے استفادہ کرتے ہیں، ان کے لئے خاص امتیازات ہوتے ہیں اور ان میں جو کوئی اس منصب تک پہنچتا ہے اور ان خاص مراسم اور مراحل کے ذریعے پہنچتا ہے"[27]

- اسلامی حکومت میں ترقی کی پوری توجہ دی جاتی ہے، علامہ محمد مبارکؒ لکھتے ہیں:

"اور یہ اس لئے کہ اسلامی حکومت اپنے وظائف میں صرف امن رکھنے اور دفاع کرنے پر اکتفاء نہیں کرتی بلکہ اسلامی حکومت اقتصادی میدان، علم اور دوسرے عام المنفعت امور میں بطریقہ عمومی ایجابی اہداف رکھتی ہے اور لوگوں کے لئے خوشحالی کے اسباب مہیا کرتی ہے جو اسلام کے اہداف انسانیہ اور اخلاقیہ کی حدود کے اندر رہوں"[28]

- اسلامی حکومت مضبوط بنیادوں پر مشتمل ہے البتہ اس کی تفصیلات اور جزئیات مجتہد کے اجتہاد اور حالات سے متعلق ہیں علامہ مبارکؒ لکھتے ہیں: "اسلام نے اسلامی حکومت کے لئے بنیادی اساس اور مبادی ذکر کئے ہیں اور اس کی باقی تفصیلات اور تنظیمات کو مجتہد کے اجتہاد اور ذی رائے کی رائے اور حالات و شرائط کے بمقتضی تغیر و تبدل کے لئے چھوڑا ہے، اسی لئے حکومت بہت سی شکلوں کو قبول کرتی ہے اور احوال کے اختلاف اور اجتماعی ہیأت اور انواع کے پے درپے بدلنے کے نتیجے میں"[29]

علم و تعلیم کا مفہوم: علم باب سمع سے ہے جس کے معنی حقیقت علم کو پالینا، یقین کرنا، ادراک کرنا، جاننا، اور پہچاننا وغیرہ کے ہیں، (المنجد) اور باب تفعیل سے ہو تو معنی سکھانا، بتانا، تلقین کرنا، ہدایت و تربیت وغیرہ کے ہیں[30]۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے، **رجل عالم و علیم**[31] اس کی جمع علوم اور اس کو حاصل کرنے والے یعنی عالم کی جمع علماء و علام آتی ہے[32]، لفظ علم کی نسبت جب انسان کی طرف کی جائے اور یوں کہا جائے "علم الرجل" تو معنی ہوں گے حصلت لہ حقیقۃ العلم (اسے علم کی حقیقت حاصل ہوگئی) اور اگر کسی شئ یا امر کی طرف منسوب کرکے یوں کہا جائے علم الشئ یا علم الامر تو معنی ہوں گے کہ عرفہ و تقینہ (اسے اس چیز کی معرفت اور کامل یقین حاصل ہوگیا)[33]۔

امام راغب اصفہانی علم کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' العلم ادراک الشئی بحقیقته و ذالک ضربان ، احدهما ادراک ذات الشئی و الثانی الحکم علی الشئی بوجود الشئی هو موجود لاه او نفی شی ، هو منفی عنه ''[34]

''علم کسی شی کی حقیقت کے ادراک کا نام ہے اور یہ دو طرح ہے ایک ذات شی کا ادراک اور دوسرا کسی چیز پر کسی دوسری چیز کی موجودگی کے باعث حکم لگانا، جو اس کے لئے موجود ہے یا اس کی نفی کرنا، جو اس سے منفی ہے''

ارسطو کہتا ہے کہ علم ادراک کلی کا نام ہے:

''علم ادراک کلی کا نام ہے یعنی اس ادراک ماہیت کا نام ہے جو کلیتاً بالقوہ موجود ہے اور جسے اس وقت بالفعل بنایا جا سکتا ہے جب کہ عقل انسانی اس کی حقیقی و امکانی جزئیات کی جانب ملتفت ہو جائے''[35]

ملا علی قاری اس کی تعریف کرتے ہیں:

'' العلم نور فی قلب المومن مقتبس من مصابیح مشکوة النبوة من الاقوام المحمدیة و الافعال الاحمدیة و الاحوال المحمودیة یهتدی به الی الله و صفاته و افعاله و احکامه ''[36]

''علم وہ نور ہے جو قلب مومن میں موجزن ہوتا ہے اور مشکوۃ نبوت کے چراغوں سے آپ ﷺ کے اقوال و افعال اور احوال کی صورت میں ماخوذ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی صفات افعال و احکام کی جانب رہنمائی کرتا ہے''

لفظ تعلیم اسی مادے علم سے باب تفعیل سے ہے جس کا معنی علم دینا اور دوسروں کو سکھانا اس کے معنوی مفہوم میں بار بار اور کثرت سے خبر دینا شامل ہے جس سے اس کا مفہوم متعلم کے ذہن میں محفوظ ہو جائے۔[37]

پروفیسر سید محمد سلیم کہتے ہیں:

''تعلیم لکھنے اور پڑھنے کا نام نہیں، اس کو تو خواندگی (Literacy) کہتے ہیں یہ تو ایک قسم کی ہنر مندی اور کاریگری ہے، یہ تو دنیا کی تمام قوموں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے تعلیم صنعت و حرفت کا نام بھی نہیں ہے اس کو کاروائی اور کار آموزی (Instruction) کہتے ہیں تعلیم محض سائنس اور آرٹس کی معلومات حاصل کرنے کا بھی نام نہیں ہے، یہ معلومات کی ذخیرہ اندوزی ہے تعلیم خواندگی، ہنر مندی، معلومات اندوزی سے بہت ارفع و عالی شی ہے تعلیم ایک خاص نظریہ حیات کو فروغ دینے کا نام ہے، مخصوص انداز فکر و نظر اختیار کر لینے کا نام ہے، انسانی زندگی کے مختلف مظاہرات کو ایک خاص انداز سے برتنے کا نام ہے، مظاہر کائنات کو ایک خاص رخ سے دیکھنے کا نام ہے تعلیم قومی نظریہ حیات سے طالب علموں کے ذہنوں کو مزین کر دینے کا نام ہے۔[38]

دنیا میں جب سے علم کی روشناسی ہوئی ہے۔ بہت سے نظام ہائے تعلیم رائج رہے ہیں اور بہت سے معلم بھی پیدا ہوئے ہیں۔ مثلاً ارسطو اور افلاطون سے لیکر جان ڈیوی اور اسکن سب نے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے متعلق علم کی تعریف کی ہے۔ جو "علم التعلیم" کے موضوع پر کتب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ چونکہ ہمارا مطمع نظر "پاکستان کے لیے مثالی نظام تعلیم کی تشکیل تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں" اور وہ یقیناً اسلامی نظام تعلیم ہے اور اسلام تعلیم کی اساس قرآن مجید ہے لہذا قرآن علم کے بارے میں کہتا ہے کہ علم کسی شے کے ادراک کو کہتے ہے۔ قرآن نے اسے اسماء و تصورات کی خبر و آگہی قرار دیا ہے: **وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا**[39]۔ قرآن نے علم کو یقینی، حق اور دلیل کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ قرآن پاک کی رو سے علم انسانی سے مراد محض تصور ہی نہیں بلکہ اس کی تصدیق بھی اس میں شامل ہے۔ حاصل شدہ علم کا تجزیہ کرنا اس کو پرکھنا اور اس پر عمل کرنا یہ سب چیزیں علم میں شمار ہوتی ہیں۔[40] گویا علم حقیقت اور یقین کے احاطہ و ادراک کو کہتے ہیں۔ علم کی تعریف میں بقول محمد قطب:[41]

ہر علم داخل ہے سب دینی و دنیاوی علوم علمی اعتبار سے حق ہیں۔ البتہ ان میں فرق مراتب ضرور ہے اور ان کے نفع و ضرر میں کلام ہو سکتا ہے۔ پاکستانی قوم کا ایک نصب العین اور مخصوص نقطہ نظر ہے، جس کی بنیاد دو قومی نظریہ ہے، جس کو پیش نظر رکھ کر نئی نسل کی تعلیم و تربیت کے لئے لائحہ عمل مرتب ہونا چاہئے۔ تعلیم میں اس مقصد کے حصول کے لئے جو کوششیں کی جاتی ہیں وہی قوم کا فلسفہ کہلاتا ہے۔ اور جب تک ہم اپنے تعلیمی نظام کو اپنے فلسفہ تعلیم کے سانچے میں نہیں ڈھالیں گے تب تک ہمارا نظام تعلیم اور ہماری تعلیمی سرگرمیاں مفید اور موثر ثابت نہیں ہو سکتیں۔

پاکستان کی آزادی کے بعد بڑی حد تک حاکموں کے فلسفہ تعلیم ہی کو اپنی تعمیر کی اساس اور بنیاد بنائے رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں میں وہ دینی و ملی جذبات پیدا کرنے میں ناکام رہے جو ہونے چاہئے تھے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم کی تشکیل سیرت طیبہ کی روشنی میں کریں اور ہم اپنی مخصوص ضروریات اور مخصوص نظریات کو پیش نظر رکھیں۔ جب نبی ہی ہماری متاع ہے، اتباع رسول ہی ہماری مشعل راہ ہے عرب شاعر کہتا ہے:

يَكْفِي بِنَاقَةِ لَا عَلَى مِنْ غَيْرِنَا	حُبُّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٌ إِيَّانَا
ہمیں غیروں پر یہی فضیلت کافی ہے کہ	ہمارے دل حب نبی ﷺ سے پر ہیں۔

اسلامی ریاست کا نظام تعلیم تاریخ کے تناظر میں: اسلام کے تمدن کی پہلی اینٹ مکہ میں رکھی گئی سب سے پہلا مدرسہ مکہ میں کوہ صفا پر دار ارقم میں بنا، اس میں قرآن کی آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا۔ اس درسگاہ میں رسالت مآب ﷺ نے صحابہ کو اسلام کی دعوت و قرآن کی تعلیم دی۔[42] افراد کی سیرت و کردار کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے قرآن کی تفہیم کو ذہنوں میں اتارا جس نے شعور کو بیدار کیا۔ مکہ کے بعد اسلام کے تمدن کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا یہ شہر سب سے پہلے اسلام میں عوامی تعلیم کا مرکز بنا مسجد نبوی کو اسلام کی پہلی درسگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، پھر مدینے کی نو مسجدوں میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوا۔[43] مدینے سے علوم کی سوتیں پھوٹیں، یہی شہر مرکز علم بنا اور "دار السنۃ" کے لقب سے ممتاز ہوا۔[44] مذکورہ بالا اصول کے مطابق اسلامی عہد میں جو شہر تمدنی حیثیت سے ممتاز و فائق رہے، وہ تعلیم کے مرکز بھی رہے، چنانچہ عہد صحابہ میں مدینہ منورہ کو سب سے پہلے "**مدینۃ العلم**" کا لقب، پھر حجاز مرکز علم قرار پایا۔ دور مرتضوی میں مرکز خلافت جب عراق منتقل ہوا تو یہ شرف کوفہ و بصرہ کو حاصل ہوا، اس کے بعد دور اموی میں دار الخلافہ جب سرزمین شام میں لے جایا گیا تو مرکز علم دمشق بن گیا، زوال بنی امیہ کے بعد مشرق میں دور عباسی میں بغداد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تو بغداد معدن علم بنا۔ پھر یہ فضیلت و امتیاز مصر و نیشاپور و غیرہ کو اور مغرب میں قیروان و قرطبہ کو حاصل ہوا۔ ابن خلدون لکھتا ہے:

بغداد، قرطبہ، قیروان، بصرہ، کوفہ کو دیکھو جب یہاں اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تمدن پھیلا اور عمرانی ترقی درجہ کمال و پہنچی تو ان شہروں میں علم کے سمندر جوش مارنے لگے، یہاں کے باشندے تعلیمی اصطلاحات و مسائل کے استنباط میں تفنن طبع دکھانے لگے اور متقدمین سے بھی گوئے سبقت لے گئے، جب یہاں تمدن کو زوال ہوا اور حالت ابتر ہوئی تو بساط علم الٹ گئی اور علم و تعلیم یہاں سے مفقود ہو کر دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے۔"[45]

جب بغداد، بصرہ اور کوفہ جیسی علم کی کانیں مٹ گئیں تو ان سے بڑے بڑے شہر آباد ہوئے اور علم کا مرکز عراق عجم میں منتقل ہو کر خراسان و ماوراء النہر میں قائم ہوا، پھر قاہرہ میں منتقل ہوا تاہر کی تمدنی حیثیت چوں کہ مسلسل قائم رہی، اس بنا پر یہ ہر زمانے میں علم کا مرکز رہا۔"[46]

عہد رسالت سے تعلیم کا آغاز ہوا لیکن سو سال کی مختصر سی مدت میں تعلیم کو ایسی ترقی ہوئی کہ فتوحات اسلامی کا دائرہ جتنا وسیع ہوتا گیا تعلیم کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع تر ہوتا گیا، چنانچہ علامہ ابن حزم لکھتے ہیں: "جسے تاریخ کا تھوڑا سا علم ہے وہ یقیناً یہ بات جانتا ہے کہ تابعین نے سندھ،

خراسان، آرمینیہ، آذربائیجان، موصل، دیار ربیعہ، دیار مصر، شام، افریقہ، اندلس، حجاز، یمن، پورا جزیرہ عرب، عراق، فارس، کرمان، بجستان کابل، طبرستان، جرجان، جبال میں اسلام کچھ پھیلا اور نور علم سے گوشے گوشے کو منور کر دیا تھا۔[47]

یہی وہ تاریخی اور ابدی حقیقت ہے، جس کا اعتراف مسلم مفکرین اور مورخین کی طرح مغرب کے نامور مصنفین اور مستشرقین کو بھی ہے، مغرب کا معروف مستشرق اے۔ جے۔ آربری معروف عرب مصنف ڈاکٹر احمد شلبی کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے "تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ" کے پیش لفظ میں اعتراف حقیقت کے طور پر لکھتا ہے "بنی نوع انسان پر اسلام کی تحسین و توصیف اور شکر گزاری واجب ہے، مسلمانوں نے علم وادب اور فنون و سیاست میں جو اضافے کیے ہیں، ان کے متعلق بہت لکھا جا چکا ہے، یہ کامیابیاں اور کامرانیاں ہرگز حاصل نہ ہوتیں، اگر مسلمانوں کو علم سے پرجوش عقیدت نہ ہوتی، جو ہمیشہ ان کا طرہ امتیاز رہا ہے، مسلمان مردوں اور عورتوں نے یکساں طور پر پوری عقیدت کے ساتھ پیغمبر ﷺ کے حکم پر عمل کیا کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"[48]

علم کی فضیلت واہمیت قرآن وتعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں:

اسلام پہلا مذہب اور تمدن ہے، جس نے تعلیم کو ہر انسان کی اساسی ضرورت قرار دیا جب کہ اس سے قبل یہ تصور موجود نہ تھا بلکہ ہر معاشرہ اور قبیلہ صرف اپنے اعلیٰ طبقے کی تعلیم پر قانع تھا اور وہ قبیلے کے سردار اور امراء وغیرہ اور مذہبی پیشواؤں کی تعلیم و تربیت کو ضروری قرار دیتا اور اس کا اہتمام کرتا تھا، عام افراد اس تعلیم نظام سے خارج سمجھے جاتے تھے، انہیں طبقہ اشرافیہ کی طرح تعلیم حاصل کرنے کا حق نہ تھا۔[49] یہاں تک کہ یونان اور چین کے ہاں بھی جنہوں نے علم وتمدن کے میدان میں نمایاں، بلکہ غیر معمولی ترقی کی، تمام انسانوں کی تعلیم کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا، بلکہ وہ اہل علم کے ایک خاص طبقے کی تعلیم کے محرک اور داعی تھے۔

افلاطون بھی فلاسفہ اور اہل نظر کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازتا ہے۔[50] اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے سب سے پہلے بلا تفریق طبقات وقبائل و بلا تخصیص مرد وزن سب کے لئے بلا امتیاز و بلا اختصاص عام تعلیم کے لئے آواز بلند کی اور نبی امی ﷺ نے فرمایا: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ** [51] علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے، یعنی تعلیم ہر چھوٹے، بڑے، امیر، غریب، مرد وعورت اور کالے، گورے ہر ایک پر فرض ہے اس باب میں کسی طبقہ فکر کی نہ تخصیص ہے، نہ امتیاز ہے۔

معلم اول اللہ کی ذات ہے۔[52] جس نے علم کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام کو دیگر مخلوقات پر فضیلت دی۔[53] اسی فضیلت کی بدولت حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب نے بلقیس کے تخت کو پلک جھپکنے میں حاضر کر دیا۔[54] نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں بھیجے جانے کا مقصد تعلیم کتاب وحکمت کو قرار دیا گیا۔[55] اور واضح اعلان فرمادیا: **يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط** [56] جنہیں ایمان کی دولت کے ساتھ علم کی دولت بھی مل گئی ان کے درجات تو بہت ہی زیادہ بلند ہیں۔ حقیقت میں علم ایک نور اور روشنی ہے اور جہل ظلمت وتاریکی ہے۔ جس طرح نور اور ظلمت یا روشنی اور تاریکی برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے **هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** [57] کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ دوسری جگہ ارشاد ہے: **هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ط اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ** [58] کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ تم غور وفکر نہیں کرتے؟۔

اسلام چونکہ دنیا کا آخری مذہب ہے اور قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے اس لئے لازم ہے کہ اسلام کی تعلیمات بغیر کسی ملاوٹ اور آمیزش کے قیامت تک اپنی اصلی حالت پر باقی رہیں ورنہ یہودیت ونصرانیت کی طرح یہ بھی خلط ملط ہو کر اپنی افادیت کھو دیں گی۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے علماء کرام کو سونپا کہ وہ ہر زمانے اور ہر دور میں دین کے خالص اور اصلی حالت میں برقرار رکھنے اور ہر قسم کی ملاوٹ و آمیزش سے پاک کرنے کا فریضہ انجام

دیتے رہیں۔ اس اعتبار سے علم کی تحصیل، اس کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت سب سے اعلیٰ اور افضل ترین عمل ہے۔[59] آپ ﷺ پر وحی کا آغاز ہی علم اور ذریعہ علم یعنی قلم کے ذریعہ کیا گیا۔[60] یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے معلم کے منصب کو نمایاں کرنے کے لئے فرمایا: انما بعثت معلما۔[61] میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور علماء کو اپنا وارث قرار دیتے ہوئے اعلان کیا: **إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأنبياء**[62] نہ عابد وارث ہیں نہ مالدار صرف علماء وارثین نبوت ہیں، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (دنیا میں) صرف دو اشخاص ہی ایسے ہیں جن پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ نے کچھ مال دیا ہے اور پھر اسے اچھے کاموں میں خرچ کرے اور دوسرا شخص وہ ہے جسے اللہ نے حکمت و دانائی کی عطا کی ہے۔ جس کے مطابق وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔[63] معلم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت ابوذرؓ کو نصیحت کی: یا **أَبَاذَرٍّ لَا تَغْدُو فَتَتَعَلَّمَ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللهِ خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رَكْعَةٍ**[64] اے ابوذرؓ تمہارا کسی کو ایک قرآنی آیت کی تعلیم دینا ایک سو نفل نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے، ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طلب علم کیلئے گھر سے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے جب تک وہ لوٹ کر نہ آئے۔[65] ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طلب علم کی خاطر ایک صبح یا شام کا نکلنا اللہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ افضل ہے۔[66] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے حصول علم کی تلاش میں کوئی راستہ اختیار کیا تو اللہ اس کے لئے جنت کی راہوں میں سے کوئی راہ آسان کر دے گا۔ ابوذرؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: **فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ** ۔[67] عالم کو عبادت کرنے والے پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ علم کو مال پر افضل قرار دیا گیا، بخاری کی روایت ہے: آپ ﷺ نے ایک نکاح میں مال کی جگہ قرآنی سورتوں کو مہر قرار دے کر نکاح کروایا۔[68] فرشتے علم طلب کرنے والے کے لئے اپنے بازو بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے زمین اور آسمانوں کی تمام مخلوق اور پانی کے اندر کی مچھلیاں تک اس کی بخشش کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت دیگر ستاروں پر اور اہل علم انبیا کے وارث ہیں، انبیا (کا حال یہ ہے کہ) انہوں نے اپنی وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ علم کو بطور وراثت چھوڑ گئے ہیں لہذا جس نے علم کو لے لیا تو اس نے (گویا کہ) بہت بڑا حصہ پا لیا۔[69] جنگ بدر میں اسیران بدر سے مال کے بدلے تدریس کا فریضہ ادا کر کے اسے مال کے قائم مقام کر دیا حالانکہ اس وقت مسلمانوں کو علم کے مقابلہ میں مال کی زیادہ ضرورت تھی، حضرت علی کا قول ہے: **الْعِلْمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَالِ الْعِلْمُ يَحْرُسُكَ وَأَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ**[70] علم مال سے بہتر ہے علم تمہاری حفاظت کرتا ہے اور مال کی تمہیں حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی کا قول ہے علم اس خزانہ کی طرح ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔[71] حضرت ابو الاسود ارشاد فرماتے ہیں: **ليس شيئ أعز من العلم الملوك حُكَّامٌ عَلَى النَّاسِ وَالْعُلَمَاءُ حُكَّامٌ عَلَى الْمُلُوكِ** ۔ علم سے زیادہ عزت والی کوئی چیز نہیں۔ حکمران لوگوں پر حکومت کرتے ہیں اور اہل علم حکمرانوں پر حکومت کرتے ہیں۔

آپ ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد:

آں حضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد، آپ ﷺ کی نبوی و رسالت کے فرائض منصبی اور امت کی تعلیم و تربیت کے لئے ارشاد خداوندی ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"[72]

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے ان لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و

حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ پیغمبر کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں (پڑے ہوئے) تھے"

منہاج النبوت اور تعلیم و تربیت میں یہ چار بنیادی اصول ذکر فرمائے تھے اور آج کے دور کا مثالی نظام تعلیم میں بھی یہی اساسیات تعلیم ناگزیر ہیں، یہ اساسیات تعلیم یہ ہیں۔ ۱۔ **یتلوا علیھم ایتہ** (تلاوت آیات) ۲۔ **ویعلمھم الکتب** (تعلیم کتاب)

۳۔ **والحکمۃ** (تعلیم حکمت) ۴۔ **ویزکیھم** (تزکیہ نفس)

۱۔ تلاوت آیات: تلاوت آیات میں قرآن کے الفاظ کی حفاظت اور ان کا تقدس ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے ابتدائی مرحلے میں تلاوت آیات کو عام کیا اور جب یہ آیات قلب و روح پر نقش ہو گئیں تو ملک و معاشرے میں موجود ہر فکر و فلسفہ پر ان آیات کا غلبہ ہو گیا ۔ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام سورۃ طہ کی قرأت کا مظہر تھا۔ تلاوت آیات میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیعت عقبہ میں مسلمان ہونے والے اہل مدینہ کو اس وقت تک نازل شدہ قرآن شریف کا ایک تحریری نسخہ بھی دیا تھا۔ جسے وہ اپنے محلے کی مسجد میں باآواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے مورخین اس میں یہ اضافہ بھی کرتے ہیں کہ مسجد میں باآواز قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا آغاز پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں بنی زریق کے ان انصار سے ہی ہوا تھا۔[73]

آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ جو قرآن کریم کے معانی کو سب سے زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے، انہوں نے محض سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو کافی نہیں جانا کیونکہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے تو ایک دفعہ پڑھ لینا کافی ہو تا بلکہ انہوں نے تمام عمر قرآن کریم کی تلاوت کو جاری رکھا، بعض صحابہ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے، بعض دو دن میں اور بعض تین دن میں ختم کرتے تھے۔[74]

۲۔ تعلیم کتاب: تلاوت آیات کے بعد تعلیم کتاب کا مرحلہ آتا ہے۔ تعلیم کتاب سے مراد ان آیات میں دی گئی تعلیمات کو سیکھنا، انہیں جاننا اور ان پر عمل کرنا ہے۔ تعلیم کتاب میں احکام تعلیمات، ارشادات، ہدایات اور اوامر و نواہی کی تعلیم ہے۔ قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے۔ جس میں صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات کو جمع کر کے تمام کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ بلاشبہ اس میں تاریخ بھی ہے، سیاست بھی، تمدن بھی ہے، معاشرت بھی، ثقافت بھی ہے معیشت بھی، سائنس بھی ہے علم نباتات بھی علم ہیئت بھی ہے اور ٹیکنالوجی بھی۔ لہٰذا جو تعلیم کتاب کرے گا وہ ان علوم کی راہیں بھی دریافت کرے گا۔

ایک اور مقام پر تعلیم کتاب کو منصب نبوی قرار دیتے ہوئے ارشاد ربانی ہے: " **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ**"[75] "اور (اے رسول ﷺ) ہم نے آپ پر بھی قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ ان کے لئے نازل کیا گیا ہے، آپ اس کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ صحابہ کے دو حلقے قائم تھے۔ ایک حلقہ قرآن خوانی یعنی تلاوت آیات اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقے میں تعلیم کتاب ہو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا دونوں عمل خیر کر رہے ہیں۔ لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔ یہ کہہ کر علمی حلقہ میں بیٹھ گئے۔"[76]

تعلیم حکمت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے بھی انبیا آئے وہ سب مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں کے لئے تھے، ان کی تعلیمات کو دوام نہیں تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعلیمات کی حفاظت کا انتظام نہیں فرمایا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اس لئے آپ کی تعلیمات رہتی دنیا تک کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کتاب (قرآن مجید) نازل فرمائی اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود اس نے لیا ہے۔[77] عربی زبان کے اعتبار سے حکمت کے کئی معنی ہو سکتے ہیں مگر ان آیات کی تفسیر میں صحابہ کرام اور تابعین نے حکمت کے معنی سنت

رسول بیان کئے ہیں۔ لہذا جس طرح آپ ﷺ کے ذمے قرآن کا سمجھانا اور اس کا تعلیم دینا فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب، جس کا نام سنت ہے، ان کی تعلیم بھی آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا۔ **انما بعثت معلما**[78] میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس معلم کی حیثیت سے رسول کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تعلیم دے اور اس کے قوانین کی تشریح و تفسیر بیان کرے۔[79] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کی تشریح میں جو کچھ کر کے دکھایا اور اس کے بارے میں جو کچھ زبانی بتایا وہ سب لفظ بلفظ محفوظ ہے۔

۳۔ تزکیہ نفس: اسلامی تعلیمات میں تعلیم اگر جسم ہے تو تربیت اس کی روح ہے، اس لحاظ سے تربیت کے بغیر مثالی تعلیم کا تصور اور حصول مقصد ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ نے مقاصد بعثت نبوی ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم[80] کہہ کر نبوت کا فریضہ قرار دیا کہ تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت بھی کر دیں، آپ ﷺ معلم کے ساتھ مربی بھی تھے، تربیت کا لفظ اضافہ، اصلاح اور اہل بنانے کے معنی میں آتا ہے۔[81] بقول بیضاوی تدریج کے معنی ہیں۔ لہذا Training رفتہ رفتہ کمال تک پہنچانا۔[82] یہی امام راغب کی رائے ہے۔[83] انگلش میں تربیت کے لئے تربیت کی تعریف یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو فطرت سلیمہ اور متنوع استعداد ودیعت کی ہے اس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق حفاظت کرنا اور اس میں رفتہ رفتہ اضافہ کرنا یہاں تک کہ وہ درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ تربیت کا موضوع انسان ہے، اس سے غرض یہ ہے کہ انسان کائنات کی ذمہ داریوں کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں ادا کرے۔[84] مغرب میں تربیت، ثانوی درجہ کی چیز ہے اس لئے وہ اسے ہم نصابی سرگرمیاں کہتے ہیں۔ تعلیم میں تربیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ آپ ﷺ کے مقاصد بعثت میں سب سے اہم مقصد قرار دیا گیا ہے۔[85] قرآن کریم کی متعدد آیات میں تربیت کے ماخذ تعلیمات نبوی ﷺ ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں تربیت و شریعت پر عمل کر کے، اللہ کی عبادت کر کے تعلیمات نبوی ﷺ کا مطالعہ کر کے حاصل ہو سکتی ہے۔[86] تربیت کی اساتذہ، معاشرہ اور طلبہ تینوں کو ضرورت ہے، اس موضوع پر امام غزالیؒ، ابن خلدونؒ، قاضی جماعہ تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ ضرورت عملاً نصاب کا حصہ بنانے کا ہے، ماہر تعلیم مولانا فضل اللہؒ نے ماوراء النہر کے حاکم کو جو ہدایات لکھ کر دیں تھیں، اس میں ایک یہ بھی تھی کہ شیخ الاسلام بچوں کی نگرانی کے لئے جاسوس مقرر کرے جو غلط کام کرے، اسکو پکڑ کر خوب رسوا کرے، بلکہ شہر بدر کرے۔[87] طلبہ کو نماز پابندی سے پڑھوائے۔[88] اگر طالب علم تعلیم میں دلچسپی نہ لے تو مرحلہ وار اس کے ساتھ سختی کرے لیکن پٹائی نہ کرے۔[89] یہی افلاطون[90] ابن خلدون[91] اور ابن ماجہ کی رائے ہے۔[92]

ریاست نبوی ﷺ کی تعلیمی درسگاہیں

نبوی ﷺ میں مدارس تھے، یہ ادارے اسلام کے آغاز ہی سے وجود میں آگئے تھے، کچھ کا تعلق مکہ سے تھا کچھ کا مدینہ سے اور کچھ ادارے بیرون ممالک میں تھے جیسے آج کل بہت سے اداروں کا بیرونی یونیورسٹیوں سے الحاق ہوتا ہے، ان میں سے کچھ درسگاہیں فل ٹائم کے لئے تھیں کچھ پارٹ ٹائم کے لئے جیسے آج کل صبح وشام کے اسکول و کالجز موجود ہیں۔

ریاست مکہ کی درس گاہیں: ۱۔ پہلی درسگاہ ابو بکرؓ نے اپنے گھر کے صحن میں بنائی جس میں نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔[93]

۲۔ دوسری فاطمہؓ بنت خطاب کی درسگاہ جہاں میاں بیوی کو حضرت خبابؓ قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے۔[94]

۳۔ تیسری درس گاہ "دار ارقم" تھی جسے ارقم نے کوہ صفا پر قائم کیا تھا جہاں نومسلموں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔[95]

معلم انسانیت نے اپنے صحابہ و صحابیات کی تعلیم کے لیے مکہ معظمہ میں "دار ارقم" میں ایک خفیہ مدرسہ قائم فرمایا، جہاں نومسلموں کے لیے تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔[96] دار ارقم کو اسلامی تعلیمات کا سب سے پہلا باقاعدہ مرکز ہونے کا اعزاز حاصل ہے، درس و تدریس، اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ اس مکان

میں تین سال تک جاری رہا۔ بہت سے محققین اس درس گاہ کو مسلمانوں کی سب سے پہلی درس گاہ بھی قرار دیتے ہیں۔[97] چنانچہ مکہ مکرمہ میں کفار ومشرکین کی ایذا رسانی اور حالات کی ناسازگاری کے باوجود کسی نہ کسی طرح قرآن اور اسلام کی بنیادی تعلیم جاری تھی۔ معلم انسانیت اصحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے۔ موسم حج اور دیگر مواقع پر لوگوں کو قرآن سناتے تھے، اس دور میں فیضان نبوی ﷺ کی بدولت متعدد قراء و معلمین پیدا ہوئے جنہوں نے دوسروں کو قرآن اور تفقہ فی الدین کی تعلیم دی[98] ان درس گاہوں کے علاوہ اس زمانے میں مدینہ منورہ کے میں مختلف علاقوں اور قبیلوں میں تعلیمی مجالس اور حلقے جاری تھے۔ جن میں بطور خاص بنو نجار، بنو عبد الاشہل۔ بنو ظفر، بنو عمرو بن عوف، سالم وغیرہ، اور حضرت عبادہ بن صامتؓ، عتبہ بن مالکؓ، معاذ بن جبلؓ، عمر بن سلمہؓ، اسید بن حضیرؓ، مالک بن حویرث کے ائمہ اور معلمین تھے۔[99] ان درس گاہوں میں قرآن اور بنیادی ضروریات دین کے بارے میں آگاہی اور تعلیم وتربیت دی جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو روانہ کرتے وقت مندرجہ ذیل تین باتوں کی ہدایت کی تھی! "**أمره أن يقرأهم القرآن ويعلمهم الإسلام ويفقههم في الدين، فكان يسمى المقري بالمدينة**"[100] آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور اسلام کی تعلیم دیں اور ان میں دین کے متعلق بصیرت پیدا کریں، چنانچہ وہ مدینے میں مقری کے نام سے یاد کئے جانے لگے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ہجرت سے قبل مکہ میں جیسے ہی کوئی وحی نازل ہوتی رسالت مآب ﷺ اسے فوراً مردوں کے اجتماع میں، پھر عورتوں کی مجلس میں تلاوت اور تبلیغ فرماتے۔

۴۔ "دار ارقم" سے قبل حضرت خدیجہ الکبریٰ کا مکان جو "داب الحجر" میں واقع تھا، اس میں بھی تعلیم وتربیت کی مجالس کا تذکرہ تاریخ سے ملتا ہے۔

۵۔ شعب ابی طالب کو بھی تربیت گاہ کہا جا سکتا ہے، جہاں محرم ۷ نبوی سے ۱۰ نبوی تک رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل بیت محصور رہے۔ صبح وشام کی تعلیم وتذکیر یہیں ہوتی تھی۔

ریاست مدینہ کی درس گاہیں: 1۔ پہلی مسجد بنی زریق میں تھی، یہاں حضرت رافع تعلیم دیتے تھے۔[101]

۲۔ دوسری مسجد قباء میں تھی جس میں سالمؓ امامت وتدریس فرماتے تھے۔[102]

۳۔ تیسری نقیع الخضمات میں تھی جہاں حضرت مصعبؓ استاذ تھے۔[103]

مسجد نبوی اور درسگاہ اصحاب صفہ: مسجد نبوی میں حضور اکرم نے صفہ کو بطور اقامتی جامعہ (Residential University) قائم فرمایا۔ یثرب کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم قرآن کے لئے بھیجا۔ حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ نے اپنا مکان دیا۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ دس ماہ حضرت ابو ایوب انصاری کی رہائش گاہ پر قیام فرمایا۔

ان درسگاہوں کا تعلق آغاز اسلام سے ہے بعد میں اور بے شمار درسگاہیں قائم ہوئیں ہجرت کے بعد سب سے عظیم درس گاہ مسجد نبوی ہی تھی گویا یہ پہلی باقاعدہ یونیورسٹی تھی، جہاں اصحاب صفہ مستقل حصول علم کے لئے قیام کرتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد ہمارے درمیان بیٹھ جاتے تھے اور ہم آپ سے اسلامی علوم پر سوالات کرتے تھے۔[104]

مسجد نبوی میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے دو سال قبل بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مدینہ کے بارہ افراد نے اسلام قبول کیا تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ایک تربیت یافتہ معلم بھیجا تاکہ وہ انہیں قرآن اور دین اسلام کی تعلیم دے سکے۔[105]

اصحاب صفہ کی تعداد عام طور سے ساٹھ یا ستر ہوتی تھی، تقریباً چار سو افراد کے نام شمار کرائے گئے ہیں، قاضی اطہر صاحب نے ۱۰۰ افراد کی فہرست

پیش کی ہے۔[106] جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے یہاں تعلیم کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں تھی۔ اسی طرح یہاں تعلیم حاصل کرنے والے فارسی، رومی، حبشی، ہندی، یمنی غرض ہر قوم و نسل کے افراد تھے۔[107] اس درسگاہ کے طالب علم مرد بھی تھے خواتین بھی، صحیح الجسم بھی تھے اور معذور و نابینا افراد بھی۔[108]

ایک خوش نویس معلم حضرت سعید بن العاص ؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کے لیے مقرر فرمایا تھا[109]۔ آپ نے جنگ بدر میں گرفتار ہونے والے ساٹھ یا ستر قیدیوں کو جو فدیہ ادانہ کر سکتے تھے اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔

بہت سے افراد وفود کی شکل میں علم حاصل کرنے آتے اور پھر علم حاصل کر کے اپنے علاقوں میں واپس جا کر علمی خدمات بجالاتے ان وفود میں وفد عبد القیس، وفد ثقیف، وفد خولا، وفد تجیب، وفد سلامان، وفد تمیم، وفد بجیلہ، وفد نخع، وفد مزینہ کے تذکرے ملتے ہیں، ان وفود میں چند افراد سے لے کر چار سو افراد تک کی تعداد بیان کی گئی،[110] خود آپ ﷺ بھی مختلف قبائل و علاقوں میں علماء کو تدریس کے لئے بھیجا کرتے تھے جیسے جدیلہ کے دو قبائل عضل اور قارہ کے مطالبہ پر چھے علماء مرثد بن ابی مرثد ؓ کی سربراہی میں بھیجے۔[111] اہل یمن کے مطالبہ پر حضرت علی ؓ کو معلم بنا کر بھیجا۔[112] پھر ابو عبیدہ ؓ کو بھیجا۔[113] ان کے بعد معاذ بن جبل ؓ وغیرہ کو بھیجا۔[114]

اسلامی ریاست میں نظام تعلیم "سیرت النبی ﷺ" کی روشنی میں:

آپ ﷺ نے معاشرے کے جملہ افراد کے لئے قابل تقلید نمونہ چھوڑا ہے، جنہیں بنیاد بنا کر چاروں طبقوں بچوں، جوانوں، خواتین اور معذوروں کے لئے مثالی تعلیمی طریقہ کار وضع کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی ریاست میں بچوں کے لئے تعلیم: بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا انتظام کرنا در حقیقت خود اپنے مستقبل کو سنوارنا ہے حضرت عروہ بن زبیر ؓ کا قول ہے آپ ﷺ نے فرمایا "**تعلمو العلم فان تکونوا صغار قوم فعسی ان تکونوا کبار قوم آخرین**" "تم علم حاصل کرو اگر تم قوم میں سب سے چھوٹے ہو تو، کل ان دوسرے لوگوں میں (علم کی وجہ سے) تم بزرگ بن جاؤ گے[115] اس لئے حضور ﷺ نے اس کی بڑی تلقین فرمائی ہے، نیز بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے،، اس لئے حضرت حسن بصری کا قول ہے " **طلب العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر**"[116] " بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش۔ آپ ﷺ نے والدین کو بچوں کی تعلیم کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے[117] اور فرمایا آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے[118] آپ ﷺ نے والدین کو حکم دیا: اکرمو ولدک واحسن ادبہ۔"[119] اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرو اور ان کی عزت کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا والد کی طرف سے اولاد کے لئے بہتر تحفہ علم و ادب ہے۔[120]

آپ ﷺ نے فرمایا۔ **کل مولودٍ إلا یُولد علی الفِطرة، فأبواه یُهَوِّدانه، أو یُنَصِّرانه، أو یُمَجِّسانه.**[121] ہر بچہ فطرتاً مسلمان پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین (ماحول) اس کو نصرانی، یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کو بچوں سے بالخصوص یتیم بچوں سے بہت محبت تھی، آپ ﷺ خود بچوں کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے۔ عمر بن ابو سلمہ ؓ کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: **یا غلام بسم اللہ وکل بیمینك وکل مما یلیك** ۔[122] بسم اللہ پڑھ کر کھانا دائیں ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھاؤ۔ اسلام میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور تادیب کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے بچوں کو سب سے پہلے لا الہ الا اللہ سکھاؤ اور موت کے وقت بھی لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو، حضرات صحابہ و تابعین کا پسندیدہ معمول تھا کہ جب بچہ بولنے لگتا تھا تو اس کو سات بار لا الہ الا اللہ پڑھاتے تھے۔[123] اور سات سے دس سال کی

عمر تک بچوں کو قرآن اور دعاء وغیرہ کی اتنی تعلیم دے دیا کرتے تھے کہ وہ اس عمر میں باقاعدہ نماز ادا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ تم سات سال کے بچوں کو نماز کا حکم دو، اور دس سال کے بچوں کو نماز نہ پڑھنے پر تنبیہاً مارو۔[124] اس کام سے پہلے بھی مدینہ میں یہودیوں کے بچوں کے تعین کے لئے مکتب قائم تھے، جہاں ابوسفیان بشر اور آبی قیس المعروف الکاتب تعلیم پر مامور تھے۔[125] مدینہ میں واقع نو مساجد کے قرب وجوار میں بچوں کے لئے تو تعلیمی درسگاہیں تعلیم قرآن کی موجود تھیں، جہاں لکھنا بھی سکھاتے تھے۔[126] اور لکھنے کے لئے تختی استعمال ہوتی تھی۔[127]

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں سب سے پہلے بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب جاری کر کے ان میں معلم مقرر کیا۔ بعض لوگوں نے اس کو حضرت عمرؓ کی اولیات میں شمار کیا ہے۔ **ان اول من جمع الأولاد في المكتب التعليم القرآن عمر بن الخطاب رضي الله عنه**۔[128] عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے قرآن کریم کی تعلیم کے لئے بچوں کو مکتب میں جمع کیا ہے۔ المحلی لا بن حزم کی روایت میں ہے۔ **كان بالمدينة ثلاثة معلمين يُعلمون الصبيان فكان عمر يرزق كل واحدٍ منهم خَمْسَة عَشَرَ كل شهر**۔[129] مدینہ میں تین معلم بچوں کو تعلیم دیتے تھے اور حضرت عمر ان میں سے ہر ایک کو ماہوار پندرہ درہم برائے خورد و نوش دیا کرتے تھے۔

اسلامی ریاست میں تعلیم بالغاں: اسلام نے سب سے پہلے تعلیم بالغاں کا تصور پیش کیا، تعلیم بالغاں کی اہمیت مسلم ہے۔ بڑی عمر کے بہت سے افراد محض اس سبب سے حصول علوم سے رہ جاتے ہیں کہ بچپن میں کسی مجبوری، عدم توجہی یا عدم وسائل کے سبب وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے، اسلام تعلیم کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام میں ایسے صحابہ بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں جنہوں نے نہ صرف بڑی عمر میں تحصیل علم کی، بلکہ مرتبہ کمال کو پہنچے۔ ان میں انتہائی عمر دراز بھی ہوتے تھے جن کے قوی جواب دے چکے ہوتے تھے، ایسے سن رسیدہ اور بوڑھے حضرات مجلس نبوی ﷺ میں اپنی معذوری و مجبوری بیان کر کے دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شیخوخت کا لحاظ فرماتے ہوئے ان کے مناسب حال تعلیم دیتے تھے۔

درسگاہ نبوی ﷺ کے عام طلبہ سن رسیدہ ہوتے تھے اور انہوں نے بڑی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم پائی امام بخاری نے تصریح کی ہے: **اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم في كبر سنهم**۔[130] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں ایک سال بڑے تھے، بلا تکلف آپ ﷺ سے اسلامی علوم کی تعلیم حاصل کرتے تھے، یہی مثال سلمان فارسی و دیگر صحابہ نے قائم کی۔[131] حضرت معاویہؓ بن ثور سو سال کے تھے، اور اپنے بیٹے بشر کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور خیر و برکت لے کر واپس ہوئے، قبیصہؓ بن مخارق کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے آنے کا سبب دریافت فرمایا تو میں نے کہا: **كبر سني ورق عظمي، فأتيتك لتعلمني ما ينفعني الله به** -میری عمر زیادہ ہو چکی ہے، ہڈی کمزور ہو چکی ہیں، میں اس حال میں آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ مجھے ایسی بات بتا دیں جس سے اللہ تعالیٰ مجھ کو نفع دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے قبیصہ! اگر تم صبح کو تین بار **سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ** کہو گے تو تم جس حجر، شجر اور مدر کے پاس سے گزرو گے سب تمہارے لئے استغفار کریں گے اور تم اندھے پن، جذام اور فالج سے محفوظ رہو گے، نیز تم یہ دعا پڑھتے رہو۔ **اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ وَافِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ، وَانْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَّحْمَتِكَ، وَأَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ**۔[132]

اسلامی ریاست میں خواتین کے لئے تعلیم: اسلام نے بلا تخصیص جنس و صنف سب کو مساوی حیثیت میں تعلیم کا حق دیا ہے ارشاد ربانی ہے" اوتوا العلم درجات [133] جو صاحب علم ہیں خواہ مرد ہوں یا عورت اللہ نے سب کے درجات بلند کئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا" **طلب العلم فریضة علی کل مسلم**" [134] ہر مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت اس پر علم حاصل کرنا فرض ہے، اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو حصول علم کو فرض قرار دیتا ہے۔

ابو سعید الخدری کی روایت ہے خواتین نے الگ تعلیمی نشست کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کا مطالبہ قبول کر کے فرمایا: **اجتمعن کذا و کذا في مکان کذا و کذا**۔([135] یعنی فلاں فلاں سادن فلاں فلاں جگہ جمع ہو جایا کرو جب جمع ہو جاتیں تو آپ ﷺ انہیں لیکچر دیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہفتے میں ایک دن خواتین کے لئے خصوصی طور پر مقرر فرمایا [136]۔

صحابہ کرامؓ، آپ ﷺ سے تعلیم حاصل کر کے اپنے گھر جا کر گھر کی خواتین کو وہی تعلیم سکھایا کرتے تھے۔ [137] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: انصار کی خواتین بہت اچھی ہیں کہ انہیں دینی بصیرت حاصل کرنے میں حیا مانع نہیں ہوتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت سے خواہش ظاہر کی کہ وہ آپ ﷺ کی ایک بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔ [138] ۔خود آپ ﷺ نے اپنی بیوی حفصہ کو حکم دیا کہ شفاء العدویہؓ سے لکھنا پڑھنا سیکھ لو۔ [139] حضرت اسماء بنت یزید کو خواتین نے نمائندہ بنا کر بھیجا، انہوں نے جتنے سوالات پوچھے آپ ﷺ نے سب کے جوابات دیئے وہ خوش ہو کر واپس ہوئیں، آپ ﷺ نے صحابہؓ کے سامنے خاتون کی تعریف بھی فرمائی۔ [140] حضرت عائشہ کو فقہ، ادب، شاعری، طب اور دیگر اسلامی علوم میں بڑا عبور تھا۔ اسی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ بڑی بڑی صاحب علم خواتین پیدا ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خذوا نصف دینکم عن ھذہ الحمیرا: [141] عائشہؓ سے نصف دین سیکھو۔ سورت الاحزاب کی آیت نمبر ۳۴ میں ارشاد ہے: اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جو آیات اور رسول کی جو احادیث پڑھی جاتی ہیں اُن کا ذکر کرتی رہو۔ یقیناً اللہ تعالی لطیف اور خبردار ہے۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو اپنی ازواج مطہرات کے ذریعے مخصوص مسائل کی تعلیم دی، عورتیں مخصوص مسائل کے لئے حاضر ہوتی تھیں تو ازواج مطہرات ان کو جواب دیتی تھیں (آپ ﷺ سے پوچھ کر) [142]

ابو رافع نے زینب بنت ابو سلمہ کو سب سے زیادہ فقیہ عورت قرار دیا۔ [143] خواتین علم کے حصول کے ساتھ دستی فنون پر بھی عبور حاصل کرتی تھیں، کتانی نے خواتین کی تعلیم پر تفصیل سے لکھا ہے۔ [144] اور ۲۳ سے زائد کاموں کی نشاندہی کی ہے۔ جو خواتین عہد نبوی ﷺ میں کیا کرتی تھیں۔ [145] امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ مرد اور خواتین کا ایک دوسرے سے پردے کے ساتھ علم حاصل کرنا جائز ہے۔ [146] سورہ احزاب میں بھی حجاب کے ساتھ رابطہ کی اجازت دی گئی ہے۔ [147] اسی تعلیمات نبوی ﷺ کا نتیجہ ہے عالمات، محدثات، فقیہات، مفتیات، قاریات، واعظات خواتین پیدا ہوئیں، تفصیلات کے لئے دیئے [148] اندلس اور برصغیر میں بھی بے شمار اہل علم خواتین پیدا ہوئیں دیکھئے۔ [149]

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو تو وہ اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے اور اس کی تربیت کرے اور اچھی تربیت کرے، پھر اس کو آزاد کر کے نکاح کرے تو اسے دگنا ثواب ملے گا [150] حضور کے اس طرز عمل سے دو نتیجے نکلتے ہیں:

(۱): اسلامی نظام تعلیم میں عورتوں کی تعلیم کا انتظام علیحدہ ہونا چاہیے۔

(۲): عورتوں کا نصاب بھی مختلف ہونا چاہئے کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہے۔ دور حاضر کی عالمی تہذیب نے جو بُرے اثرات ڈالے ہیں ان میں ایک مخلوط نظام تعلیم اور نصاب کی یکسانیت ہے۔

ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمٰی پڑھ سکتی تھیں لیکن انہیں لکھنا نہیں آتا تھا [151] ابن حجر نے اپنی تصنیف "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" میں اسلام کے قرون اولی کی پندرہ سو تینتالیس محدث خواتین کے سوانح حیات جمع کیے ہیں۔ النووی نے اپنی کتاب "تہذیب الاسماء" میں الخطیب البغدادی نے "تاریخ بغداد" میں اور السخاوی نے "الضوء اللامع" میں بہت سا حصہ ان خواتین کے حالات کے لیے وقف کیا ہے جنہوں نے علم و فضل میں کمال حاصل کیا[152]۔

اسلامی ریاست میں اعلیٰ علمی وفنی تعلیم:

عمومی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں سے مختلف علوم کے ماہرین (متخصصین) بھی تیار فرمائے تاکہ یہ ماہرین قرآن وسنت کے مختلف شعبوں میں آپ کی تعلیمات کی تشریح وتوضیح کر سکیں۔ تجوید وقرآت کے شعبہ میں جن لوگوں کو آپ نے تیار فرمایا، ان میں حضرت ابی بن کعبؓ ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

حضرت ابی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اے ابالمنذر (ابی بن کعب) تمہیں علم مبارک ہو۔[153]

حضرت ابیؓ کے علم کی شان یہ تھی کہ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں۔ [154]حضرت علی قرآت تفسیر اور علم القضا میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عبد الرحمٰنؓ السلمی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے زیادہ بہتر کوئی قاری نہیں دیکھا۔ [155]حضرت علقمہؓ حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو اہل مدینہ کا سب سے بڑا قاضی شمار کرتے تھے۔[156]حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ ہمارے سب سے بڑے قاضی حضرت علیؓ ہیں اور سب سے بڑے قاری (حضرت) ابی ہیں [157]۔ حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں کہ (حضرت) ابن عباسؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھنے والے تھے۔ [158]حضرت عمرؓ نے حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں فرمایا کہ وہ علم سے بھرا ہوا ایک برتن ہے۔ میں نے اس کو اپنے مقابلے میں اہل قادسیہ کے لئے ترجیح دی ہے۔ [159]حضرت ابوموسیٰ اشعری خود بہت بڑے عالم، فقیہ اور مفتی و قاضی تھے مگر جب لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے تو وہ فرماتے تھے کہ جب تک تمہارے اندر اسکالر (ابن مسعود) موجود ہے مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔ [160]حضرت زید بن ثابتؓ کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں علم الفرائض کا سب سے زیادہ جاننے والا زید بن ثابتؓ ہے۔ [161]حضرت معاذ بن جبلؓ کے بارے میں فرمایا کہ میری امت میں حلال وحرام کا سب سے زیادہ جاننے والا معاذ بن جبلؓ ہے۔ [162]**یہ متخصصین** میں سے چند لوگ تھے جن کا بیان نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ان لوگوں نے تھوڑے ہی عرصے میں نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ قیصر و کسریٰ کی مملکتوں میں بھی اسلامی علوم وفنون کی دھاک بٹھادی تھی اسلامی علوم وفنون کا یہ سورج ایک ہزار سال تک پوری آب وتاب کے ساتھ دنیا کو روشن کرتا رہا۔

مقاصدِ تعلیم قرآن وسیرت طیبہ کی روشنی میں:

اسلام کی نظر میں مقاصد نہایت واضح ہیں، وہ انسان کو فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ انسان کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ اس کائنات کے لئے ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو اور اس کی دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیاں حاصل کرنے کے مواقع مل سکیں۔

اسلام کی نظر میں تعلیم خود مقصود ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو تعلیم کو وسیلہ اور سبب نہیں، خود مقصد و مقصود قرار دیتا ہے اور اس کے حصول کو ایک دینی فرض قرار دیتا ہے [163]مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں: دنیا نے علم کو ہمیشہ وسیلہ سمجھا مگر مسلمانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے علم کو

کبھی وسیلہ نہیں سمجھا بلکہ مقصد سمجھا، علم دین وسیلہ نہیں مقصد ہے، اس کو کسی وسیلے کے لئے حاصل نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اس کا حصول فرض ہے مسلمانوں نے کبھی علم کو اس لئے حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعے سے معیشت حاصل کریں گے یا کسی سرکاری منصب پر فائز ہوں گے، بلکہ علم کو صرف علم کے لئے سیکھا اور اسی کو مقصد بنایا۔[164]

کسی تحریک کے پیچھے جب تک ایک بلند نصب العین کار فرمانہ ہو تو اس کے اندر کچی تڑپ، حقیقی ذوق و شوق اور والہانہ جذبات پیدا نہیں ہو سکتے، انسان کا قلب و ذہن اسی وقت کسی کام میں اس کا رفیق کار ہوتا ہے جب ایک مضبوط نصب العین واضح ہو، درج ذیل مقاصد تعلیمی عمل کو کامیابی سے ہمکنار کرتے ہیں۔

ا۔ معرفتِ الٰہی:

اسلام نے جو تصور علم دیا ہے، اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ معرفت الٰہی ہی وہ تصور ہے جس سے اسلام کے نظام تعلیم کا مزاج بنتا ہے۔ خدا کی پہچان اور خوف خدا رکھنے والے اہل علم ہی ہوتے ہیں، سورۃ فاطر میں آتا ہے: **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ**[165] یعنی خدا تعالیٰ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو اہل علم ہیں **شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ**"[166] اللہ تعالیٰ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہی گواہی فرشتے، اہل علم اور انصاف پر قائم رہنے والے بھی دیتے ہیں" **وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا" وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ**"[167] (اور جو لوگ جو علم میں دست گاہ کامل رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں)۔ لہٰذا اسلام میں تعلیم کا اولین مقصد انسان کا ربط معبود حقیقی سے جوڑتا ہے۔

۲۔ اطاعت رسول:

عقائد ایمانیات میں توحید ورسالت ایک وحدت کا نام ہے۔ اسلام میں تعلیم کا مقصد اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ رسول اللہ کی محبت کے تقاضے جاننا اور اپنی زندگی کو **لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ**[168] کے سانچے میں ڈھالنا ہی تعلیم کی روح ہے۔

۳۔ نظریہ حیات کی آبیاری:

اسلام میں تعلیم خود ایک منزل نہیں، بلکہ حصول منزل کے لئے ایک ذریعہ ہے۔ حقیقی مقصد نظریہ حیات کی آبیاری ہے جو کہ تمدن اور ثقافت ہے۔ اسلام میں اہل علم کو اپنے نظریہ حیات ہی کی خدمت کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نظام تعلیم ایسا ہو کہ اپنے متعلمین کے اندر نظریہ حیات کی سوجھ بوجھ پیدا کرے۔ ارشاد ربانی ہے **بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ**"[169] (یہ روشن آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جنہیں علم دیا گیا) اسلام میں نظام تعلیم معاشرے کی اس اجتماعی کوشش کا نام ہے، جو نظریہ حیات کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے، شعور انسانی کو اوج کمال تک لے جاتی ہے۔

۴۔ انفرادیت اور اجتماعیت میں ربط:

دین اسلام میں تعلیم کا مقصد فرد کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ربط و توازن پیدا کرنا ہے۔ دین فطرت نے انسان کی انفرادیت کے ارتقاء کو خاص اہمیت دی ہے۔ ذاتی طور پر ہر فرد ذمہ دار ہے اور خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اسلام فرد کے انفرادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے اور دوسرے افراد معاشرہ کو ان میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتا، اسلام جہاں طالب علم کی انفرادی شخصیت کی نشو و نما کرتا ہے اور اس کی خوابیدہ

صلاحیتوں کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ وہاں اسے اجتماعی ماحول میں معاشرے کا ایک ذمہ دار فرد بھی بنانا چاہتا ہے۔ اس طرح اسلام کا نظام تعلیم انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن واعتدال پیدا کرتا ہے۔

۵۔وحدت دین ودنیا:

دین اسلام دین ودنیا کا ایک حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتا ہے۔ اسلام زندگی اور اس کی مسرتوں کو ترک کرنے کا نام نہیں ہے۔ اسلام کا نظام تعلیم دین ودنیا کا امتیاز مٹا کر ایک وحدت بناتا ہے۔ لہٰذا نظام تعلیم کا تقاضا ہے کہ اسے دینی قالب میں ڈھالا جائے جو باتیں دینی احکام سے متصادم ہوں، ان کو نکال دیا جائے۔ اسلام لا رھبانیۃ فی الاسلام کا اعلان کرتا ہے اور چاہتا ہے انسان زمانے کی کشاکش کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ زندگی گزار دے۔

مقاصد تعلیم مغربی مفکرین کی نظر میں: چونکہ ہمارے ہاں جو نظام تعلیم رائج ہے وہ معمولی تراش خراش کے ساتھ بنیادی طور پر مغرب ہی کا عطیہ ہے جن کی نہ رسوم وروایات ہم سے مطابقت رکھتی ہیں نہ ان کے اور ہمارے مذہبی واخلاقی اور تہذیبی وثقافتی اعتقادات، خیالات ومعاملات یکساں ہیں، بلکہ ان میں اس قدر تنافر، بعد اور مغائرت ہے کہ ان میں یکسانیت اور اتفاق کی بنیاد تلاش کرنا بھی ناممکن ہے۔ ذیل میں چند مرکزی ونمایاں حیثیت کے حامل مغربی ماہرین تعلیم کے خیالات دیئے جارہے ہیں جن کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے نظریہ حیات وتصور تعلیم اور مغرب کے نظریہ حیات وتصور تعلیم میں کس قدر فرق ہے۔

جان ملٹن John Milton: میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو بحالت جنگ وامن اپنی اجتماعی اور نجی زندگی کے فرائض دیانت و مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے[170]

جان ڈیوی John Dewey: تعلیم افراد فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے[171]

ڈاکٹر جوپارک Dr. Joe Park: تعلیم رہنمائی یا مطالعے سے علم حاصل کرنے اور عادت اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے۔[172]

فکٹے Fichte: تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ شہریوں کو تعلیم کے ذریعے ایسے طریقے پر ڈھال دیا جائے کہ وہ ریاست کی بلاچوں وچرا اطاعت کریں۔[173]

فریڈرک ہربارٹ Fredric Herbart: علم صرف دو ہیں علم فطرت یعنی سائنس اور علم انسان یعنی معاشرتی علوم[174]

پستالوزی Pestalozzi: تعلیم جملہ انسانی صلاحیتوں کے فطری مرحلہ وار اور ہم آہنگ ومتناسب ارتقاء کا نام ہے۔[175]

روسو Rousseau: فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ بچے بچے ہی رہیں، قبل اس کے کہ وہ پوری پختہ فکر انسان بنیں[176]

ان چند اقوال کی روشنی میں یہ بات دیکھی اور پرکھی جاسکتی ہے کہ اگر انسان رشتہ وحی الٰہی سے کاٹ کر، اسے فکری طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے تو ان سے کس کس نوعیت کی علمی وفکر لغزشیں ہوتی ہیں۔

پاکستان میں رائج نظام تعلیم برصغیر کے تاریخی تناظر میں:

بغداد، قاہرہ، دمشق اور نیشاپور میں اسلامی اور سائنسی علوم کی عظیم الشان درسگاہیں قائم ہوچکی تھیں۔ اس تعلیمی ترقی کا ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد گہرا اثر پڑا۔ محمد بن قاسم کے ۷۱۲ء میں سندھ اور ۷۱۳ء میں ملتان پر قبضہ کے بعد عربوں اور برصغیر کے باشندوں کے درمیان گہری راہ کا دروازہ کھل گیا اور پھر جب عباسیوں نے دمشق کی جگہ بغداد کو اپنا دارالحکومت بنایا تو سندھ عربوں کے علمی، سیاسی اور مذہبی مرکز سے اور بھی قریب ہوگیا۔ ابتداء میں دینی علوم کی اشاعت ہوئی بعد میں اور علوم بھی داخل ہوتے گئے کچھ عرصہ بعد یہاں کئی علمی مرکز قائم ہو گئے۔ منصورہ، ملتان، اوچ اور ٹھٹھہ نے علمی میدان میں قابل قدر ترقی کی۔

اسلامی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم زیادہ تر، تین طریقوں سے دی جاتی تھی۔

۱۔ مکتب یا مدرسے　　　۲۔ مساجد و معابد　　　۳۔ گھروں میں

ثانوی تعلیم اور ابتدائی تعلیم جس میں بنیادی تعلیم کا انتظام ہوتا تھا۔ یہ تعلیم تین مراحل پر مشتمل تھی۔ اعلیٰ تعلیم جس میں موجودہ بی۔ اے اور ایم۔ اے کی سطح تک کا نصاب پڑھایا جاتا تھا۔

اس دور میں مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کی بابت امپیریل میں لکھا گیا ہے [177] کہ مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم ماہرین تعلیم کے ہاتھوں میں ہوتی تھی جو بچوں کی تعلیم کے لیے خود کو وقف کر دیتے تھے۔ مسجدوں اور خانقاہوں کے ساتھ منسلک مدارس حکومت کی طرف سے نقد یا جاگیر کی شکل میں یا نجی اوقاف سے مالی مدد حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ علماء اور اساتذہ کو انفرادی طور پر حکومت کی طرف سے مدد معاش کا انتظام ہوتا تھا۔ ہندستان کے بیشتر شہر مثلاً گوپامو اور خیر آباد، صوبہ اودھ میں اور جون پور صوبہ آگرہ میں وقتاً فوقتاً تعلیمی مراکز رہے جہاں نہ صرف ہندوستان بلکہ دور دراز علاقوں افغانستان اور بخارا سے بھی طالب علموں کی کثیر تعداد تعلیم پاتی تھی۔"

عربی تاریخ و ادب کی معروف کتاب صبح الاعشیٰ کے مطابق خاندان تغلق کے دور میں صرف دہلی میں ایک ہزار تعلیمی ادارے موجود تھے۔ [178] پروفیسر میکس مولر (Max Muller) نے سرکاری ریکارڈ اور مسیحی مشنریوں کی رپورٹ سامنے رکھ کر تخمینہ پیش کیا ہے کہ برطانیہ کی آمد سے پہلے بنگال میں اسی ہزار مدارس قائم تھے گویا ہر چار سو کی آبادی پر ایک مدرسہ موجود تھا۔ [179] سندھ کے شہر ٹھٹھہ کے متعلق کپتان ہملٹن کا قول ہے اور نگزیب کے زمانے میں چار سو مختلف علوم و فنون کے کالجز اس شہر میں موجود تھے۔ [180] مہاتما گاندھی نے ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۲۰ء میں بنارس میں تقریر کرتے ہوئے کہا برٹش گورنمنٹ سے پہلے ملک میں تیس ہزار مدرسے تھے، آج بمشکل چھے ہزار مدرسے ہیں۔ [181]

انگریز نے اپنی آمد کے بعد تمام اوقاف ضبط کر لئے جن کے ذریعہ ان تعلیمی اداروں کی کفالت ہو رہی تھی اس کے نتیجہ میں یہ نظام تعلیم معاشی موت کا شکار ہونے لگا، دوسری طرف مسلمانوں اور ان کے علماء کا قتل عام کیا گیا، دو لاکھ مقتول مسلمانوں میں ساڑھے اکیاون ہزار علماء تھے۔ [182]

بقول ایڈورڈ ٹامس صرف دہلی میں پانچ سو علماء کو پھانسی دی گئی۔ [183] ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالا کوٹ میں قافلہ سید احمد شہید کی آزادی کی ناکام کوشش کے صرف چار سال بعد ۱۸۳۵ء میں موجودہ نظام تعلیم کے بانی لارڈ میکالے نے ہندوستان کے گورنر جنرل کو اپنی یادداشت پیش کی جس میں لکھا: "ہم فی الحال اپنے محدود ذرائع کے ساتھ سب لوگوں کی تعلیم کا بندوبست نہیں کر سکتے، ہمیں اس وقت بس ایک طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سر انجام دے سکے، جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں، ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندستانی ہو، مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز۔ [184] دوسرا مقصد لوگوں کے دل میں تشکیک کا بیج بو کر انہیں عیسائی بنانا تھا۔ سر چارلس ٹریویلین، آئی سی ایس نے جو کونسل کا ممبر تھا اور بعد میں گورنر ہوا، ایک موقع پر ان خیالات کا اظہار کیا: "میرا یقین ہے کہ جس طرح ہمارے بزرگ کُل کے کُل ایک ساتھ عیسائی ہو گئے تھے اسی طرح یہاں بھی سب کے سب ایک ساتھ عیسائی ہو جائیں گے، ملک میں مذہب عیسوی کی تعلیم بلا واسطہ کتابوں، اخباروں اور یورپیوں سے بات چیت وغیرہ کے ذریعہ نفوذ کرے گی حتیٰ کہ عیسوی علوم سوسائٹی میں اثر کر جائیں گے، تب ہزاروں کی تعداد میں عیسائی ہوا کریں گے۔ [185] برطانوی دارالعلوم کے رکن میکس نے ۱۸۵۷ء کے آغاز میں ایوان میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا: "خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن اس لئے دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت ہمارے زیر نگیں رہے تا کہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے۔ [186] وزیر اعظم لارڈ پامرسٹن نے کہا ہمارا فرض ہی نہیں مفاد بھی ہے کہ عیسائیت کو ہندوستان کے کونے کونے تک پھیلا دیں۔ [187] اس تعلیم

کے اثرات لوگوں پر ظاہر ہونے لگے، اس کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر ہنٹر نے لکھا، ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو۔[188] اس صورت حال سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے قافلہ سید احمد شہید کے باقیات اور ان کے نام لیواؤں نے ۱۸۵۷ء میں آزادی کی ایک اور کوشش کی مگر یہ بھی ناکام رہی، جب طاقت کے ذریعہ اس صورت حال کو تبدیل کرنے کی امید باقی نہ رہی، فاتح قوم جسموں کے ساتھ دل و دماغ کو بھی تسخیر کرنے لگی، فاتح کی نقالی و تقلید سرمایہ افتخار بن گئی، تو بقول مولانا مناظر احسن گیلانی، علماء کے ایک طبقہ نے دین کے تحفظ کے لئے مدارس قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا، دوسرے مجدد دین کے طبقہ نے اس میں خیریت سمجھی کہ مسلمان انگریزوں کی زبان اور ان کے علوم وفنون کو سیکھیں بلکہ تہذیبی و تمدنی لحاظ سے بھی ان کے رنگ میں ڈھل جائیں،

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی سرزمین تو آزاد ہو گئی لیکن ہم میکالے کی ذہنی و علمی غلامی سے آزاد نہ ہو سکے، اسی طرح زمانہ کے تقاضے اور ضرورتیں تبدیل ہونے کے باوجود مذہبی تعلیمی اداروں اور معلمین میں جو جمود آ گیا وہ بھی موجود رہا۔ ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان تعلیمی کانفرنس کے پہلے اجلاس میں طے پایا کہ اسلامی اقدار کے مطابق نظام تعلیم کو چلایا جائے، مگر عمل نہیں ہو سکا، فوجی انقلاب کے بعد ایس ایم شریف کی سربراہی میں قائم ہونے والے کمیشن نے سابقہ بنیادوں کو مزید آگے بڑھایا۔[189] اس کے بعد سے آج تک کمیٹیاں بنتی اور ختم ہوتی رہیں لیکن مسئلہ وہیں کا وہیں ہے۔ بلکہ انگریزی کی قائم کردہ تقسیم انگلش میڈیم و اردو میڈیم کے ساتھ امریکن تعلیمی سسٹم اور برٹش تعلیمی سسٹم جو پچھلے ناموں کا چربہ ہے جاری و ساری ہے، اس نظام تعلیم کی ناکامی کے لئے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ آج اس سے کلرک بھی پیدا ہونا بند ہو گئے ہیں۔ پچاس سال میں یہ نظام نہ کوئی اعلیٰ درجہ کا آرکیٹیک پیدا کر سکا، نہ سائنس دان، نہ ریاضی دان۔

پاکستان میں مثالی نظام تعلیم کی تشکیل:

موجودہ دور میں مسلمانوں کے درمیان تعلیم کے دو دھارے جاری ہیں۔ ایک کو قدیم یا دینی کہا جاتا ہے اور دوسرے کو جدید یا عصری۔ یہ دونوں دھارے متوازی چلتے ہیں اور جس طرح دریا کے دونوں کنارے طویل ترین فاصلہ طے کرنے کے باوجود کہیں نہیں ملتے، اسی طرح ان دونوں دھاروں کے درمیان بھی کہیں یکجائی نہیں ہوتی۔ والدین کو ابتدا ہی میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو کسی دینی مکتب یا مدرسے کے حوالے کریں یا کسی اسکول میں اس کا داخلہ کرائیں۔ جدید تعلیم حاصل کرنے والا بچہ ڈاکٹر، انجینئر، آرکیٹیکٹ یا کسی پروفیشن کا ماہر تو بن جاتا ہے لیکن اس کی دینی تعلیم واجبی سے بھی کم ہو پاتی ہے۔ دوسری طرف مدرسے سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والا عالم و فاضل ہو کر مسجد کی امامت اور مدرسے کی مسند صدارت سنبھالنے کے قابل تو ہو جاتا ہے لیکن تیز رفتار ترقیات سے معمور دنیا میں وہ خود کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔

پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں تین بڑے نظام تعلیم معروف تھے: ایک دارالعلوم دیوبند کا نظام تعلیم، دوسرا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا نظام تعلیم اور تیسرے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نظام تعلیم۔ یہ تینوں درحقیقت فطری نہیں تھے، بلکہ انگریز کے لائے ہوئے نظام کا ایک نتیجہ اور انگریز کی لائی ہوئی سازشوں کا ایک ردعمل تھا ورنہ اس سے پہلے رائج مسلمانوں کے صدیوں پرانے نظام تعلیم پر غور کیا جائے تو اس میں مدرسے اور اسکول کی کوئی تفریق نہیں ملے گی۔ وہاں شروع سے لے کر اور انگریز کے زمانے تک مسلسل یہ صورت حال رہی کہ مدارس یا جامعات میں بیک وقت دونوں تعلیمیں دینی اور عصری تعلیم دی جاتی تھیں۔ صورت حال یہ تھی کہ شریعت نے جو بات مقرر کی کہ عالم بننا ہر ایک آدمی کے لیے فرض عین نہیں، بلکہ فرض کفایہ ہے۔ یعنی ضرورت کے مطابق کسی بستی یا کسی ملک میں علماء پیدا ہو جائیں تو باقی سب لوگوں کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے، لیکن دین کی بنیادی معلومات حاصل کرنا فرض عین ہے، یہ ہر انسان کے ذمے فرض ہے۔ ان مدارس کا نظام یہ تھا کہ ان میں فرض عین کی تعلیم

بلا امتیاز ہر شخص کو دی جاتی تھی، ہر شخص اُس کو حاصل کرتا تھا، جو مسلمان ہوتا تھا۔ البتہ جس کو علم دین میں اختصاص حاصل کرنا ہو، اُس کے لیے الگ مواقع تھے۔ جو کسی عصری علم میں اختصاص حاصل کرنا چاہتا تھا، اس کے لیے مواقع الگ تھے۔

اگر ہم اسلامی تاریخ کی مشہور اسلامی جامعات کا جائزہ لیں تو اس وقت چار بنیادی اسلامی جامعات موجود ہیں۔ اُن میں سب سے پہلی مراکش کی جامعہ "القرویین" ہے۔ دوسری تیونس کی جامعہ "زیتونہ" ہے۔ تیسری مصر کی "جامعۃ الازہر" ہے اور چوتھی "دارالعلوم دیوبند" ہے۔ تاریخی ترتیب اسی طرح ہے۔

ان میں سب سے پہلی اسلامی یونیورسٹی جو مراکش کے شہر "فاس" میں موجود ہے، یہ عالم اسلام کی نہیں بلکہ پوری دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے، یونیورسٹی کے کتابچے میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ اس وقت جامعۃ القرویین میں جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان میں اسلامی علوم: تفسیر، حدیث، فقہ اور اس کے ساتھ ساتھ طب، ریاضی، فلکیات جنہیں ہم آج عصری علوم کہتے ہیں، وہ سارے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ ابن خلدونؒ، ابن رشدؒ، قاضی عیاضؒ اور ایک طویل فہرست ہمارے اکابر کی ہے جنہوں نے جامعۃ القرویین میں درس دیا۔ اُن کے پاس یہ تاریخ آج بھی محفوظ ہے۔ اس یونیورسٹی میں آج بھی تیسری اور چوتھی صدی کی سائنٹفک ایجادات کے نمونے رکھے ہیں۔

اس میں اسلامی علوم کے بادشاہ بھی پیدا ہوئے، اور وہیں سے ابن رُشد فلسفی بھی پیدا ہوا اور وہیں سے بڑے بڑے سائنسدان بھی پیدا ہوئے۔ ہوتا یہ تھا کہ دین اسلام کا فرض عین علم سب کو اکٹھا دیا جاتا تھا۔ اُس کے بعد اگر کوئی علم دین میں تخصصات حاصل کرنا چاہتا تھا تو وہ اسی جامعۃ القرویین میں علم دین کی درس گاہوں میں پڑھتا۔ اگر کوئی ریاضی پڑھانے والا ہے تو وہ ریاضی بھی وہاں پڑھا رہا ہوتا۔ اگر کوئی طب پڑھانے والا ہے تو وہ طب بھی وہاں پڑھا رہا ہوتا۔ یہ سارا کا سارا نظام اس طرح چلا کرتا تھا۔ جامعۃ القرویین کی طرح جامعہ زیتونہ تیونس اور جامعۃ الازہر مصر کا نظام تعلیم بھی رہا۔ یہ تینوں یونیورسٹیاں ہمارے قدیم ماضی کی ہیں۔ ان میں دینی اور عصری تعلیم کا سلسلہ اس طرح رہا۔ ان مدارس میں دینی اور دنیاوی ہر طرح کے علم کی تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے متقدمین میں بعض ایسے حضرات بھی گزرے ہیں جو کسی دینی علم میں بھی مہارت رکھتے تھے اور کسی دنیاوی علم میں بھی۔ مثال کے طور پر الشیخ الرئیس ابو علی ابن سینا (م 438ھ) کی شہرت عظیم طبیب کی حیثیت سے ہے۔ ان کی کتاب 'القانون فی الطب" ایک ہزار سال سے طبی نصاب کی اہم ترین کتاب ہے۔ یوروپ کے میڈیکل کالج میں بھی تقریباً 500 سال تک داخل نصاب رہی ہے۔ اسی کے ساتھ فلسفہ میں بھی انھیں درک حاصل تھا۔ تیسری طرف علم تفسیر میں بھی انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ علامہ علاء الدین ابن نفیس قرشی دمشقی (م 687ھ) کا شمار بھی مشہور اطباء میں ہوتا ہے۔ نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے قائم کردہ اسپتالوں میں وہ افسر الاطباء رہے۔ اس کے علاوہ وہ عظیم فقیہ بھی تھے۔ قاہرہ کے مدرسہ مسروریہ میں فقہ شافعی کا درس دیتے تھے۔ اس ضمن میں اندلس کے علامہ ابن رشد قرطبی (م 595ھ) کا

تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ بیک وقت طبیب بھی تھے، فلسفی بھی اور فقیہ بھی۔ فقہ میں ان کی کتاب "بدایۃ المجتھد"، فلسفہ میں "تھافت التھافت" اور طب میں "کتاب الکلیات"، یہ تینوں اب تک مرجع خلائق ہیں اور مشرق و مغرب میں ان سے بھرپور استفادہ کیا جارہا ہے۔

اس میں آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اگر قاضی عیاضؒ جو حدیث اور سنت کے امام ہیں، اُن کا حلیہ دیکھا جائے اور ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کے امام ہیں، ان کا حلیہ دیکھا جائے، دونوں کو دیکھنے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا کہ یہ دین کا عالم ہے اور وہ دنیا کا عالم ہے۔ دونوں کا حلیہ، لباس، ثقافت، طرز زندگی، طرز کلام سب یکساں تھا۔ اگر آپ مشہور اسلامی سائنسدان فارابی، ابن رشد، ابوریحان البیرونی ان سب کا حلیہ دیکھیں اور جو محدثین، مفسرین اور فقہاء پیدا ہوئے اُن کا حلیہ دیکھیں، دونوں کا حلیہ ایک جیسا نظر آئے گا۔ اگر وہ نماز پڑھتے تھے تو یہ بھی نماز پڑھتے تھے۔ اگر اُن کو نماز کے

مسائل معلوم تھے تو ان کو بھی معلوم تھے۔ اگر ان کو روزے کے مسائل معلوم تھے تو ان کو بھی معلوم تھے۔ بنیادی اسلامی تعلیمات جو ہر انسان کے ذمے فرض عین ہیں، اُس دور میں ہر انسان جانتا تھا اور اس یونیورسٹی میں اُس کو پڑھایا جاتا تھا۔ تفریق یہاں سے پیدا ہوئی کہ انگریز نے آ کر باقاعدہ سازش کے تحت ایک ایسا نظام تعلیم جاری کیا کہ اس سے دین کو دیس نکالا دے دیا گیا۔ اُس وقت ہمارے اکابرین مجبور ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے دین کے تحفظ کے لیے کم از کم جو فرض کفایہ ہے، اُس کا تحفظ کریں۔ انہوں نے دارالعلوم دیو بند قائم کیا جس نے الحمد للہ ! وہ خدمات انجام دیں جس کی تاریخ میں نظیر ملنا مشکل ہے، لیکن یہ ایک مجبوری تھی۔ اصل حقیقت وہ تھی جو جامعۃ القرویین میں تھی، جو جامعہ زیتونہ میں تھی، جو جامعۃ الازہر کے ابتدائی دور میں تھی۔ اصل حقیقت وہ تھی۔

ریاست پاکستان کے تعلیمی نظام کے لئے تجاویز:

پہلا مرحلہ:

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ العزیز نے تقریباً 1950ء میں ایک موقع پر جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات فرمائی تھی "پاکستان بننے کے بعد در حقیقت نہ ہمیں علی گڑھ کی ضرورت ہے، نہ ندوہ کی ضرورت ہے، نہ دارالعلوم دیو بند کی ضرورت ہے، بلکہ ہمیں ایک چوتھے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو ہمارے اسلاف کی تاریخ سے مربوط چلا آ رہا ہے۔"

مفتی اعظم پاکستان کے اس قول کو عملی جامہ پہناتے ہوئے دونوں نظام کی نفی کی جائے اور ایک نئے نظام تعلیم کی بنیاد رکھی جائے، جس کا راستہ جامعۃ القرویین نے دیکھایا، جامعہ زیتونہ نے دیکھایا اور جامعہ الازہر کے ابتدائی دور میں نظر آیا۔ اور ساتھ دونوں نظام تعلیم (عصری، دینی) کے ماہرین تعلیم کو اعتماد میں لیا جائے اور نئے تعلیمی نظام کا ڈھانچہ تیار کیا جائے۔ ان دو نظام ہائے تعلیم کی نفی کا مطلب ان کے قومی کردار کی نفی نہیں ہے۔ دونوں نے اپنے اپنے دائرے میں قوم کی خدمت کی ہے اور ان میں سے کسی کے کردار کی اہمیت کو کم نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ان کی ضرورت اور اہمیت کا دور گزر چکا ہے اور دونوں نظام اپنی طبعی عمر پوری کر چکے ہیں۔ اس لیے انہیں مصنوعی تنفس کے ذریعے سے زندہ رکھنے کی کوشش نہ عقل و دانش کا تقاضا ہے اور نہ ہی ایسا کرنا نئی نسل کے ساتھ انصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو گا۔

دوسرا مرحلہ:

نئے تعلیمی نظام کو بنیادی شخصی ضروریات اور قومی تقاضوں کے دو دائروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک تعلیمی نظام کا پہلا حصہ بنیادی شخصی ضروریات پر مشتمل ہونا چاہیے جبکہ دوسرے حصے میں قومی ضروریات کو ایک حسین توازن و تناسب کے ساتھ سمو دینا چاہیے۔ مثلاً اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ہر شہری کی بنیادی ضروریات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اس کی مادری اور علاقائی زبان پر اسے عبور ہو اور وہ اسے لکھنے پڑھنے پر قادر ہو۔

۲۔ قومی زبان اُردو پر بھی اسے یہی قدرت حاصل ہو۔

۳۔ دینی زبان عربی کے ساتھ اس کا اتنا تعلق ضرور ہو کہ وہ قرآن و حدیث کو سمجھ سکے۔

۴۔ بین الاقوامی زبان انگریزی پر بھی اسے دسترس حاصل ہو۔

۵۔ عقائد، عبادات، اخلاق اور معاملات کے بارے میں اسے اتنا دینی علم حاصل ہو کہ وہ ایک صحیح مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کر سکے۔

۶۔ اتنا حساب کتاب جانتا ہو کہ روز مرہ کے معاملات میں اسے دقت پیش نہ آئے۔

۷۔ ملکی اور بین الاقوامی حالات سے اس قدر ضرور واقف ہو کہ قومی تقاضوں کو سمجھ سکے۔

۸۔وہ جدید سائنسی علوم کے بارے میں بھی بنیادی معلومات سے بہرہ ور ہو۔

ہماری تجویز یہ ہے کہ ان بنیادی ضروریات پر مشتمل نصاب تعلیم کو میٹرک تک از سر نو مرتب کیا جائے اور اسے ہر شہری کے لیے قانونا لازمی قرار دے دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے کے تعلیمی نظام میں قومی تقاضوں کو سامنے رکھ کر شعبوں کی تقسیم کی جائے۔ مثلاً ہمیں اچھے علماء کی ضرورت ہے، بہترین سائنس دانوں کی ضرورت ہے، قابل ڈاکٹروں کی ضرورت ہے، ماہر انجینئروں کی ضرورت ہے، اسی طرح زندگی کے دوسرے شعبوں میں ماہرین درکار ہیں۔ اس لیے میٹرک کے بعد ہر طالب علم کو یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے ذوق اور صلاحیت کے مطابق ان میں سے کسی ایک شعبہ میں تعلیم و مہارت حاصل کرے۔ اور قومی پالیسی کے طور پر ایک ایسا توازن قائم کیا جائے کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کی ضروریات تناسب کے ساتھ پوری ہوتی رہیں۔

تیسرا مرحلہ:

۱: تعلیم کے تمام شعبوں کے لئے صوبائی سطح پر کمیٹیاں تشکیل دی جائیں۔ ۲: کمیٹی میں ایسے افراد لیئے جائیں جو دونوں نظام ہائے تعلیم کے ماہر ہوں۔ ۳: اس میں پہلے میٹرک تک کا ایک مشترکہ نظام کے لئے کمیٹی بنائی جائے، ۴: شخصی ضروریات کا نصاب جسے دینی اور دنیوی دونوں ضرورتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر تیار کیا جائے۔ ۵: پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے الگ الگ متعلقہ شعبوں کے ماہرین کی کمیٹیاں بنائی جائیں جو عصر حاضر کے مطابق تعلیمی نصاب تشکیل دیں۔ ۶: پورے ملک میں ایک نصاب تعلیم کو رائج کرنے کے لئے حکومت اثر و رسوخ استعمال کرے یا کم از کم ایک کو دوسرے کے برابر لے آئے۔ ۷: پورے ملک کے طلبہ وطالبات کے یونیفارم ایک کلر کے بنائے جائیں تاکہ طلبہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔ ۸: معذروں کے لئے ہر ٹاون میں ایک ادارہ قائم کیا جائے، جس کی کفالت بیت المال اور زکوۃ فنڈ سے کی جائے، وہاں تعلیم کے ساتھ ہنر سکھایا جائے اور اسلامیات کے حصہ دوم میں معذوروں کے فقہی احکام پڑھائے جائیں۔ ۹: لڑکیوں کے تعلیمی ادارے الگ ہوں اور لڑکوں کے الگ، اور لڑکیوں کے لئے ان کے مخصوص مسائل پر مشتمل الگ سے نصاب بھی تشکیل دیا جائے۔ ۱۰۔ ہر ضلع میں خواتین یونیورسٹی قائم کی جائے۔ ۱۱: خواتین کے اداروں کے لئے خواتین کو ہی مقرر کیا جائے۔ ۱۲: اسلام میں کسی زبان کو سیکھنے کی ممانعت نہیں ہے، انگریزی پر زور ذہنی غلامی کے تحت دیا جاتا رہا ہے، لیکن آج یہ بین الاقوامی زبان ہے، عارضی پالیسی کے تحت اسے اپنا لیا جائے، ۱۳: اور کوشش کی جائے جدید علوم اردو میں منتقل ہو جائیں۔ ۱۴: فرقہ وارانہ بنیادوں پر مروجہ نصاب ختم کیا جائے، یہی فرقہ واریت کی بنیاد ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

حواشی وحوالہ جات

1 ابن المنظور، لسان العرب، نشر الادب، قم، ایران ۱۴۰۵ھ ص ۳۱۹

2 القرآن سورۃ الحشر، آیت ۲۲

3 القرآن سورت المائدہ، آیت نمبر ۱۰۹

4 لسان العرب / نشر الادب، قم، ایران، ص /۳۱۶

5 سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۳۱

6 سورۃ الجمعہ آیت 2

7 فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، کراچی، 1995، ص698

8 ابن قیم، احکام اہل الذمہ، ج2 / ص728

9 انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز، 14 / 328، این، ای

10 ولی اللہ، شاہ محدث، حجۃ اللہ البالغہ، مطبع مصر 44 / 1

Harold. Lasgi. Agramer of Politicos , piii(Introduction) London 1967 11

12 اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر خالد علوی، لاہور، 285

13 الصیعانی، عبدالرحمن، النظم الاسلامیہ وحاجۃ البشر الیہا، مدینہ منورہ، ص ۱۲۳

14 ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات شریعت، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص:287

15 ایضا

16 ابن منظور، لسان العرب، ۱۲ / ۲۷۰، اسلام کا معاشرتی نظام، ڈاکٹر خالد علوی، ص ۳۰۵

17 ایضا

18 سورۃ العمران آیت ۲۰۰

19 ترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل مکہ، محبوب خدا، چوہدری افضل، الفیصل، لاہور ص ۷۷،۹۰ ے

20 ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور

21 علی ابوالحسن ندوی، نبی رحمت، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۲۵۸،

22 وحید الزمان، قاسمی، کیرانوی، القاموس الوحید ص / ۳۶۸

23 محمد اسحق، مولانا، سندیلوی اسلام کا سیاسی نظام ص ۸۹

24 الدولۃ الاسلامیہ ص ۴۳

25 محمد مبارک، مولانا، نظام الاسلام الحکم والدولۃ، دار الفکر ص ۲۷

26 محمد مبارک، مولانا۔ نظام الاسلام ص ۱۳۸

27 ایضا

28 محمد مبارک، مولانا نظام الاسلام والدولۃ ص ۱۲۳

29 محمد مبارک، مولانا نظام الاسلام الحکم والدولۃ ص ۱۳۳

30 فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، لاہور، فیروز سنز لمیٹڈ، ذیل مادہ عقل

31 فیروز آبادی، القاموس المحیط / دار الفکر، بیروت / ج ۳ / ص ۱۵۳،

32 ایضاً

33 لویس معروف / المنجد / مطبعہ کاتھولیکیہ بیروت ،طبعہ عاشرا ے ۱۹۳ / ص ۵۵

34 راغب اصفہانی / المفردات ، مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۶۱ / ص ۳۴۳

35 یوسف خیاط ،ندیم مرعشلی / المصطلحات العلمیہ والفنیہ / نشر ادب الحوزہ قم ایران ۱۴۰۵ھ / ج ۲ / ص ۷۴

36 ملا علی قاری ، مرقاۃ المفاتیح ، مکتبہ امدادیہ ملتان ج ۱ / ص ۲۲۳ ے

37 خورشید احمد ، پروفیسر ، اسلامی نظام حیات ، شعبہ تصنیف و تالیف ترجمہ کراچی یونیورسٹی ۹۳ / ص ۲۲۲

38 سید محمد سلیم ، پروفیسر ، مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں ؟ / ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور ۱۹۹۱ / ص ۴۸-۴۹

39 سورۃ البقرہ :۳۱

40 اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۳ :۴۵۱

41 ۱۹۳۹ ، ص ۴۵۴

42 علی عبد الرحمن ، کنوز العلم فی ام القری ، الکتاب شمارہ ۲ ، ۱۹۶۸ ، صفحہ ۲۲

43 محمد حمید اللہ / صحیفہ ہمام بن منبہ ، حیدر آباد دکن ۹ ے ۱۳ ھ مکتبہ نشاۃ ثانیہ صفحہ ۱۹

44 السمہودی ، علی بن احمد / وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی ، مصر مطبعہ السعادہ ۶ ے ۱۳ ج ۱ / ۵۰

45 ابن خلدون / تاریخ ابن خلدون بیروت ، دار الکتاب اللبنانی ۱۹۵۶ ، ۱ / ۸۳ ے

46 ایضا / ۳۸۹

47 ابن حزم ، علی بن احمد / الاحکام فی اصول الاحکام ، تحقیق احمد محمد شاکر ، مصر مطبعہ السعادۃ ۳ ے ۱۳ ھ ۵ / ۱۰۲

48 احمد شلبی ، ڈاکٹر / تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ ، مترجم محمد حسین زبیری لاہور ، ادارہ ثقافت اسلام ۱۹۹۶ ، صفحہ ۱۵

Encyclopedia of Britanica 1984 6/ 31749

50 اسلامی نظریہ حیات / ص ۴۲۰

51 ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی / السنن / دار المعرفہ بیروت ۹۸ / ج ۱ / ص ے ۸ رقم ۲۲۴

52 سورۃ البقرۃ ، آیت ۳۱

53 سورۃ البقرۃ ، آیت ۳۱ اور ۳۲

54 سورۃ النمل ، آیت ۴۰ ، میں دعویٰ کے الفاظ ہیں ، انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک

55 سورۃ البقرہ ، ۲۶۹

56 سورۃ المجادلۃ ، آیت ۱۱

57 سورہ زمر ، آیت ۹

58 سورۃ انعام ، آیت ۵۰

59 اسلام میں علم کا مقام و مرتبہ / مولانا شہاب الدین ندوی / مجلس نشریات اسلام ، کراچی / ص ۴۸

60 سورۃ العلق ، ۱-۳

61 ابن ماجہ ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید سنن ابن ماجہ ، دار احیاء التراث العربی بیروت ، ۱۳۹۵ ھ ج ۱ ص ۸۳ ،

62 ابو داؤد ، سلیمان

63 بخاری / الصحیح ، کتاب العلم ، مسلم ، الصحیح ، صلاۃ مسافرین

64 ابن ماجہ ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید سنن ابن ماجہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۵ ھ ، حدیث نمبر ۲۱۹

65 ترمذی ، الجامع ، السنن ، دار الفکر ، بیروت ، ۱۹۳۰ ج ۵ ، ص ۲۹

66 کنز العمال، جلد ۱۰، ص ۹۲، مطبوعہ حیدر آباد

67 ابوداود سلیمان بن اشعث صحیح سنن ابوداود الالبانی، ج / ۲، ص ۴۹۳، حدیث ۹۲

68 ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری دار الریان للتراث ۱۴۰۷ھ، ج ۱، حدیث ۱۲۳

69 ابوداود، دار الفکر / بیروت ۹۳، ج ۴، ص ۵۴

70 غزالی، ابوحامد محمد بن محمد احیاء العلوم، دار المعرفۃ بیروت، ج / ۱، ص / ۱۷، ۱۸

71 موسوعۃ نضرۃ النعیم، مطبعۃ الفہد بن عبد العزیز المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ۱۹۹۶ء، ج / ۷، ص / ۲۹۷۶

72 سورۃ الجمعہ، آیت ۲

73 خطبات بہاولپور ص ۲۷۲

74 محمد شفیع، مفتی / معارف القرآن / ج / ۱ / ص ۲۳۳، ۲۳۲ / ادارۃ المعارف، کراچی

75 سورۃ النحل، آیت ۱۲۸

76 سیرت النبی، جلد دوم، صفحہ ۴۱۲

77 سورۃ حجر، آیت ۹

78 ابن ماجہ، السنن، دار المعرفہ بیروت ۱۹۹۸ء، جلد ۱، ص ۹۳

79 معارف القرآن / ج ۱ / ص ۳۳۵

80 سورۃ آل عمران، آیت ۱۶۴

81 النحلاوی، عبد الرحمن اصول التربیۃ الاسلامیۃ واسالیبہا فی البیت والمدرسۃ والمجتمع دار الفکر دمشق سوریۃ ۱۹۸۳ء

82 قاضی بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل، المعروف بالتفسیر البیضاوی ج ۱، دیکھئے ب کے ذیل میں

83 اصفہانی امام راغب، کتاب المفردات بذیل مادہ

84 مجلہ معارف اسلامیہ کراچی ۱۹۹۹ء، ص / ۵۸

85 سورۃ الجمعہ / ۲، سورۃ آل عمران ۱۶۴، سورۃ النازعات / ۱۸ تا ۱۷، سورۃ الشمس / ۹، ۱۰،

86 سورۃ آل عمران / ۱۳۲، سورۃ الحشر / ۷، سورۃ آل عمران / ۳۲

87 فضل اللہ سلوک الملوک، ص / ۶۸

88 ایضا

89 ایضا، ص / ۶۵

90 فدا حسین تنظیم مدرسہ، ص / ۳۱۲

91 سعید احمد رفیق، مسلمانوں کا نظام تعلیم، ص ۴۲

92 ایضا

93 بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الکفالۃ باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد رسول اللہ وعقدہ

94 ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، ج / ۱، ص ۳۴۴، اور سیرت حلبیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے یہاں پوری جماعت تعلیم حاصل کرتی تھی ج / ۱، ص / ۳۰۱

95 مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں، ص / ۳۶ تا ۳۷، بحوالہ طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم، ج / ۳، ص / ۲۷۵

96 حاکم، مستدرک، حیدر آباد دکن ج / ۳، ص / ۵۰۲، مبارکپوری، قاضی اطہر / خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت لاہور، ادارہ اسلامیات ۲۰۰۰ء، صفحہ ۴۹،

97 قاضی اطہر مبارکپوری، / خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت، صفحہ ۱۱

98 ایضا

99 ایضا، صفحہ ۳۷

100 ابن ہشام / السیرۃ النبویہ، قاہرہ ۱۱۹۳ء / ۳۳۳

101 ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، ج / ۲، ص / ۹۰، فتوح البلدان للبلاذری، ص / ۴۵۹

102 ابن عبد البر الاندلسی، جامع بیان العلم، ج / ۲، ص / ۶ اور صحیح البخاری باب امامۃ العبد والمولی

103 ابن ہشام، سیرت النبی، ج / ۱، ص / ۳۳۳، اور اسد الغابہ، ج ۴، ص / ۳۶۹

104 مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت، ص / ۴۱

105 بحوالہ: سیرت ابن ہشام، صفحہ ۳۸۹

106 ایضا، ص / ۳۸

107 ایضا، ص / ۵۸

108 ایضا / ۵۸-۹۱

109 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الکتانی الشیخ عبد الحی، نظام الحکومۃ النبویۃ جلد ۱، صفحہ ۴۸

110 ایضا ۹۶-۹۸

111 محمد عبد المعبود، مولانا، عہد نبوی میں نظام تعلیم، ص / ۹۱، بحوالہ مستدرک حاکم، ج / ۱، ص / ۳۲۲

112 محمد زکریا کاندھلوی، مولانا، حیات الصحابہ، ج / ۳، ص / ۳۱۴

113 محمد عبد المعبود، مولانا، عہد نبوی میں نظام تعلیم، ص / ۹۱، بحوالہ حلیۃ الاولیاء، ج / ۱، ص / ۲۵۶

114 ایضا

115 ابن قتیبہ / عیون الاخبار / بیروت / ج / ۲، ص / ۱۲۳

116 ابن قتیبہ عیون الاخبار، دار الکتب العلمیہ بیروت، ج / ۲، ص / ۱۹۳

117 بیہقی، شعب الایمان، ج ۲، ص ۲۵۳، رقم ۱۹۵۹

118 ترمذی / ایضا، رقم ۱۱۵۸

119 عبداللہ بن وھب بن مسلم القرشی، جامع فی الحدیث، دار ابن الجوزی الریاض، ۱۹۹۶، ج / ۱، ص / ۱۰۷، اور جامع بیان العلم ابن عبد البر، ج / ۱، ص / ۱۰۱

120 بیہقی، احمد بن الحسین، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۰ھ، بیروت، ج / ۲، ص / ۲۵۹

121 البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، ج / ۲، ص / ۸۷

122 محمد بن الاثیر الجزری، جامع الاصول، دار الفکر بیروت ۱۹۹۷ء، ج / ۷، ص ۳۸۸، حدیث ۵۳۳۵

123 ابوعبید قاسم بن سلام، غریب الحدیث، المطابع الامیریۃ قاہرہ ۱۹۸۴ء، ج / ۱، ص / ۱۹۳

124 عبد المعبود، عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، ص / ۹۷

125 عبد المعبود، عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، ص / ۹۷

126 السنۃ قبل التدوین، ص / ۲۹۹

127 ایضا

128 مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں، ص ۳۳۷

129 ابن حزم الاندلسی المحلی، ج / ۸، ص / ۱۹۵

130 بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب العلم باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ، ج / ۱، ص / ۱۹

131 ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج/ ۲، ص/ ۸۳۳، اور صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۷۰۹
132 محمد بن محمد ابن سلیمان، جمع الفوائد، مطبوعہ، مصر ج/ ۱، ص/ ۳۸
133 بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب العلم باب الاغتباط فی العلم، والقلم ج/ ۱، ص/ ۱۲
134 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ، سنن ابن ماجہ، دار احیاء التراث بیروت، ۱۳۹۵ھ، حدیث نمبر ۲۲۳
135 ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج/ ۱۳، حدیث نمبر ۷۳۱۰، صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۶۳۳
136 بحوالہ: صحیح بخاری، کتاب العلم البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، و مسلم، باب حل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم
137 مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں، ص/ ۳۳
138 بحوالہ کتانی نظام الحکومۃ النبویۃ، جلد اول، صفحات ۵۵-۴۹
139 البلاذری، فتوح البلدان، مطبوعۃ القاہرہ ۱۹۵۶، ص/ ۳۵۸
140 ابن عبد البر اندلسی، الاستیعاب، ج/ ۲، ص/ ۳۲۹
141 العفیفی، عبد اللہ، المرأۃ العربیۃ فی جاھلیتھا و اسلامھا، مطبعۃ المعارف، ج/ ۲، ص/ ۳۹
142 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، و مسلم عن عائشہ
143 فتوح البلدان، ص ۳۵۸
144 الکتانی، مولانا عبد الحی بن عبد الکبیر الاندلسی، النظام الحکومۃ النبویۃ، ج/ ۱، ص/ ۴۹
145 ایضاً ص ۲، ص ۱۰۸ تا ۱۳۸
146 امام غزالی، احیاء العلوم الدین، ج/ ۱، ص/ ۱۹
147 سورۃ الاحزاب/ ۵۳
148 دیکھئے سیر اعلام النساء پانچ جلدیں کحالہ کی، بنات اسلام قاضی اطہر کی، مسلمان خواتین کے کارنامے، دو لفقار احمد کی اور سیر الصحابیات
149 نور احمد، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، ص/ ۹۹ تا ۱۰۵
150 ابن عبد البر، جامع بیان العلم، فضلہ، صفحہ ۴۹
151 بحوالہ بلاذری فتوح البلدان، ص ۳۵۸
152 بحوالہ: اسلامی عہد میں تعلیم نسواں مقالہ، صفحہ ۱۰۹
153 ولی الدین ابی عبد اللہ الخطیب العمری، التبریزی/ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن
154 البخاری/ کتاب مناقب الانصار
155 شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان/ معرفۃ القراء الکبار/ ج/ ۱، ص ۴۸
156 ابن سعد، طبقات ابن سعد/ ج ۲، ص ۱۰
157 العسقلانی/ ابی الفضل احمد بن علی بن حجر، تہذیب التہذیب/ ج ۷/ ص ۳۴
158 الصابونی، محمد علی، التبیان فی علوم القرآن/ ص ۹۸
159 محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ/ ج ۲/ ص ۳۲۵
160 ایضاً/ ص ۳۴۴
161 امین احمد، ڈاکٹر، فجر الاسلام/ ج ۲/ ص ۱۷۵
162 ایضاً/ ص ۱۷۱
163 خطاب طلبائے دیوبند ۱۹۵۵

164 ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی / مولانا ابوالکلام آزاد / ص ۳۳۷

165 سورۃ فاطر، آیت ۳۵

166 سورۃ آل عمران، آیت ۲۰۰

167 سورۃ آل عمران آیت ۲۰۰

168 سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۳۷

169 سورۃ العنکبوت، آیت نمبر ۶۹

170 John Milton / A reopagiation and prose works p.49

171 John Dewey / Democracy of Education / London 1960 P.81

172 Dr. Joe Park / introdudion-selected reaclings in philosophy of education 1958,P.3

173 پروفیسر سید محمد سلیم / مغربی فلسفہ تعلیم کا تنقیدی مطالعہ / ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور، ۱۹۸۱ / ص ۱۳۵

174 ایضا

175 پروفیسر نذیر احمد تشنہ / فلسفہ اور تاریخ تعلیم / لاہور ۸۴

176 ایضا

177 گزیٹیر آف انڈیا جلد ۲ ص ۳۰۸

178 قلقشندی، مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۲۲ء، ج / ۵

179 جمالی، مولانا شاہین دار العلوم دیوبند کی تاریخ سیاست دفتر اجلاس صد سالہ دار العلوم دیوبند، ص / ۴۲ بحوالہ ۱۸۵۷ء کوائف وصحائف ڈاکٹر محمد باقر ص / ۷

180 ۔ ایضا ص / ۴۲

181 اخبار مسافر آگرہ ۳، دسمبر ۱۹۲۰ء بحوالہ سابق ص / ۴۱

182 ہفت روزہ الجمعیت دہلی ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰

183 حسین احمد، مولانا، ریشمی رومال، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص / ۳۵

184 میکالے، لارڈ، میکالے کے نظریہ تعلیم / مترجم عبدالحمید صدیقی، روحیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی کراچی، ص / ۶۹ اور تاریخ تعلیم از میجر باسو، ص / ۸۷

185 ماہنامہ الرشید لاہور، دار العلوم دیوبند نمبر مقالہ اختر راہی ج / ۳، ص / ۳۰۲

186 ایضا

187 ایضا ص / ۴۷۶

188 ہنٹر، ڈاکٹر ڈبلیو، ہمارے ہندوستانی مسلمان مطبوعہ لاہور، ص ۱۴۲

189 کھوکھر، پروفیسر فدا حسین کھوکھر، تعلیمی تنظیم و نظم و نسق مدرسہ قمر کتاب گھر اردو بازار کراچی ۱۹۸۰ء، ص ۲ / ۲۲

3

مقالہ نگار: ڈاکٹر محمد افضل
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات
انسٹیٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تمہید:

قرآن مجید کے تقریباً اٹھہتر ہزار (78000) الفاظ میں سے سب سے پہلا لفظ جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے مبارک دل پر نازل فرمایا وہ اقرأ" ہے یعنی پڑھیے۔ اس سے قلم علم اور تعلیم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی چھ ہزار سے زائد آیات میں سب سے پہلے علم کی اہمیت پر مبنی آیات نازل فرمائیں جن میں انسان کو پڑھنے اور علم سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس اولین وحی میں نازل ہونے والی آیات کے علاوہ بھی قران مجید کی بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پڑھنے، تعلیم حاصل کرنے اور علم سیکھنے کا حکم دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایسا دین ہے جس کی بنیاد علم پر ہے۔ علم اور تعلیم ہی ایسی روشنی ہے جس کے ذریعے انسان سیدھے راستے کی طرف رہنمائی حاصل کر سکتا ہے اور درست تعلیم کی بنیاد پر ہی انسان معاشرتی ترقی کے زینے طے کر سکتا ہے۔ تعلیم نہ صرف انسان کے کردار اور اخلاق کو سنوارتی ہے بلکہ معاشرتی زندگی کی پیچیدگیوں سے نبرد آزما ہونے کا فن اور حوصلہ بھی عطا کرتی ہے۔ تعلیم ہی انسان کو حق و باطل میں تمیز اور حق کی اتباع کا شعور بخشتی ہے۔ انسان جس طرح کی تعلیم حاصل کرے گا اسی طرح کے قالب میں ڈھل جائے گا۔ تعلیم ہی وہ کنجی ہے جو انسان کے کردار کو سنوارتی ہے اور ایک صالح معاشرہ وجود میں لانے کا سبب بنتی ہے۔ گویا اگر آپ ایک ترقی یافتہ، دانش مند اور صالح معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی بنیاد ایک صالح، دانش پر مبنی اور ترقی یافتہ نظام تعلیم ہے۔ تعلیم ہی معاشرتی ترقی کا اہم ترین اور بنیادی ذریعہ ہے، جو قوم تعلیم کو جس قدر زیادہ اہمیت دے گی وہ معاشرتی طور پر اسی قدر زیادہ ترقی یافتہ ہو گی۔

نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ سے بھی ہمیں یہی رہنمائی ملتی ہے، آپ نے اپنے فرامین اور عملی اقدامات کے ذریعے ہمیں یہی اسوہ حسنہ فراہم کیا کہ تعلیم کے فروغ کے لیے تمام تر کوششیں بروئے کار لائی جائیں اور صالح مسلمان معاشرے کے قیام اور اس کی اصلاح کے لیے نیز مثبت اور پائیدار ترقی کے لیے خاطر خواہ اقدامات کیے جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد جب ریاست مدینہ قائم فرمائی تو اس کی منصوبہ بندی سے لے کر عملی اقدامات تک ہر پہلو اور اقدام میں فروغ تعلیم کے لیے عملی اقدامات شامل تھے۔ آپ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی اقدامات میں مسجد نبوی تعمیر فرمائی تو اس کے ساتھ ہی آپ نے صفہ نامی چبوترا قائم کر کے تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی۔ گویا مسجد کے ساتھ ساتھ تعلیمی ادارہ قائم کر کے آپ ﷺ نے یہ اسوہ حسنہ فراہم فرمایا کہ جس طرح مسجد اسلامی ریاست کی بنیادی ضرورت ہے اسی طرح تعلیمی ادارہ بھی اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اداروں میں سے ایک ادارہ ہونا چاہیے اور مسجد نبوی میں تو آپ نے باقاعدہ تعلیمی ادارہ قائم فرمایا جب کہ اس کے علاوہ عہد نبوی کے مدینہ منورہ کی نو سے زائد مساجد میں تعلیم کا باقاعدہ اہتمام موجود تھا۔

نبی کریم ﷺ نے خود کو معلم قرار دیا[1]۔ اسی طرح آپ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کو بطور معلم ذمہ داریاں تفویض فرمائیں کہ وہ لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ حضرت سعید بن عاص کا بطور معلم تقرر فرمایا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا کہ وہ اصحاب صفہ کو

قرآن مجید سکھائیں اور ان کو کتابت سکھائیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا کہ اپنے زیر کفالت افراد کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ آپ ﷺ مختلف علاقوں سے آنے والے وفود کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے تھے۔ مختلف اوقات میں صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ فلاں فلاں زبان اور فن سیکھنے کا اہتمام کریں۔ یہ وہ عملی اقدامات تھے جو نبی کریم ﷺ نے اٹھائے۔ آپ ﷺ کے بے شمار اقوال و فرامین اس کے علاوہ ہیں جو ہم طوالت کے خوف سے نقل نہیں کر رہے۔

بد قسمتی سے امت مسلمہ آج مختلف نوعیت کے جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے ان میں سر فہرست مسائل ناخواندگی، جہالت اور فرسودہ نظام تعلیم ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمان جدید تعلیم و تحقیق اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی یافتہ اقوام اور ممالک سے بہت پیچھے ہیں۔ مسلمان ممالک میں شرح خواندگی عالمی معیار سے بہت پیچھے ہے اور بد قسمتی یہ ہے کہ ابھی اس حوالے سے جس بیداری کی ضرورت ہے وہ بیداری بھی نظر نہیں آتی اور جب تک مسلمان قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ جدید تحقیق، سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل نہیں کرتے امت مسلمہ کی ترقی اور عروج کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ موجودہ عالمی حالات میں عروج اور ترقی کے لیے علمی ترقی، سائنس اور ٹیکنالوجی کی برتری اور معاشی ترقی ایک کنجی کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میادین میں ترقی اور برتری کی بنیاد جدید ترین نظام تعلیم ہے۔

بطور مسلمان ہمارے لیے کامل ترین اسوہ حسنہ نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مشکل ترین حالات کا مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ کو ہجرت کرنا پڑی اور گھر بار چھوڑنا پڑا۔ لیکن ان مسائل کے باوجود آپ نے معاشرے میں انقلاب برپا کیا۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد ریاست مدینہ قائم فرمائی اور چند سالوں میں اس ریاست کو اتنی مضبوط بنیادوں پر استوار فرمایا کہ اس ریاست کا فیضان آج بھی جاری و ساری ہے چنانچہ ہمیں آج اسی ریاست سے فیضان سمیٹ کر اپنے نظام تعلیم کو تشکیل دینے کی ضرورت ہے تاکہ ہم دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔ اس ضمن میں ہمیں نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ اور اس کے نظام تعلیم سے کیا رہنمائی ملتی ہے اس حوالے سے بنیادی گزارشات درج ذیل ہیں۔

1۔ مقصدیت پر مبنی نظام تعلیم

کسی بھی تعلیمی نظام سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ نظام تعلیم کی تشکیل اور نصاب تعلیم کی تشکیل کرتے وقت اسے ان تقاضوں پر استوار کیا جائے جو معاشرے کی ضرورت ہیں۔ نظام اور نصاب تعلیم ریاست کی ضروریات، مقاصد اور اہداف کو مدنظر رکھتے ہوئے تشکیل دیا جائے تاکہ اس کے فوائد اور ثمرات سے مستفید ہوا جا سکے۔ اسلامی ریاست کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے کہ وہ ریاست اور معاشرے کو ایسا ضابطہ حیات عطا کرے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ پر کامل ایمان اور اعتقاد سے ہم آہنگ ہو۔ اسلامی نظام تعلیم صرف معاشی یا فنی ترقی پر زور نہیں دیتا بلکہ وہ لوگوں کے اخلاق کی اصلاح کر کے انہیں مفید شہری بناتا ہے اور سیرت و کردار کی اصلاح اور ترقی پر زور دیتا ہے۔ اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ نوجوانوں کی علمی، ذہنی اور عملی صلاحیتوں کو اعلیٰ انسانی قدروں پر استوار کرے تاکہ وہ بنی نوع انسان کے لیے مفید اور صالح معاشرہ قائم کریں۔ ایسا معاشرہ قائم کریں جس میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو، کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی کی دل آزاری نہ ہو اور دنیوی و اخروی بھلائی کو پیش نظر رکھا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ قائم کرتے ہوئے تعلیم کے فروغ کے لیے جتنے اقدامات کیے ان سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیش نظر مقصد لوگوں کے کردار اور اخلاق کی اصلاح اور تعمیر تھا۔ اس کے لیے آپ جتنے بھی معلم مقرر فرماتے انہیں حکم دیا جاتا کہ وہ لوگوں کو قرآن سکھانے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ اسی طرح آپ جب کسی علاقے میں انتظامی عہدے دار مقرر کرتے یا کسی کو گورنر

بنا کر بھیجتے تو انہیں بھی یہ حکم دیا جاتا کہ وہ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کریں۔ متعدد کتب سیرت و تاریخ میں حضرت عمرو بن حزم کو دی گئی وہ بات نقل کی گئی ہے جو نبی کریم ﷺ نے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجتے وقت دی تھی۔[2]

ان ہدایات کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ہدایات لوگوں کی تربیت اور اخلاق و کردار کی تعمیر سے متعلق تھیں۔ چنانچہ کسی بھی اسلامی ریاست کے نظام تعلیم میں یہ مقصدیت واضح ہونی چاہیے کہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان اور لوگوں کے اخلاق و کردار کی اصلاح و ترقی ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی اصلاح اور ترقی بھی نظام تعلیم کے بنیادی مقاصد میں شامل ہونی چاہیے۔

2۔ لازمی اور جبری تعلیم کا اہتمام

تعلیم چونکہ انسان کی مخفی فطری صلاحیتوں کی آبیاری کر کے فرد کو معاشرے کی تعمیر و ترقی میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل بناتی ہے لہذا کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے تعلیم ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلامی ریاست کے لیے تعلیم بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے چنانچہ اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کی تشکیل میں تعلیم کا لازمی اہتمام شامل ہونا ضروری ہے اسی سے ریاست کی تعمیر اور ترقی ممکن ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہمیں یہی رہنمائی ملتی ہے کہ آپ نے ریاست مدینہ کے قیام کے بعد فروغ تعلیم کے لیے متعدد اقدامات کیے تھے آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کے باسیوں کے لیے بالعموم اور تمام مسلمانوں کے لیے بالخصوص تعلیم کے حصول کو لازمی قرار دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم کے حصول کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم[3]

علم کا حصول ہر ایک پر فرض ہے

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تعلموا العلم وعلموه الناس[4]

علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ

ان فرامین کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں عملی طور پر بھی ایسے اقدامات اٹھائے جن سے ریاست کے شہریوں کو تعلیم کی فراہمی ممکن ہوئی آپ ﷺ نے مختلف معلمین کو مقرر فرمایا جو لوگوں کو تعلیم دینے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے علم کی نشر و اشاعت کرنے والے کو اپنی ذات کے بعد امت کا سب سے بڑا سخی قرار دیتے ہوئے علم کی نشر و اشاعت کی ترغیب دی[5]۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا اور معاشرے کے مختلف طبقات بالخصوص خانہ بدوشوں اور بدوؤں کے لیے تعلیم اور بالخصوص قرآن پاک کی تعلیم کا لازمی اور جبری اہتمام کیا اور ان کے لیے باقاعدہ ایسے افراد مقرر کیے جو لوگوں کی علمی صلاحیت کا جائزہ لے کر ضرورت کے مطابق انہیں اساتذہ کے سپرد کرتے تھے۔[6]

نبی کریم ﷺ کے ان فرامین اور عملی اقدامات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں تعلیم کا حصول ہر شہری کے لیے لازمی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی ریاست کے ہر شہری پر تعلیم کا حصول لازم ہے اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شہری کے لیے تعلیم کی فراہمی کا بندوبست کرے چونکہ ان پڑھ افراد علم کی اہمیت سے ناواقف ہوتے ہیں چنانچہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ انہیں تعلیم دے اور بلا تفریق تمام شہریوں کو تعلیم کی فراہمی کے لیے اقدامات کرے۔ کوئی بھی ریاست جب تک معاشرے میں تمام طبقات کے لیے یکساں طور پر لازمی اور جبری تعلیم کا اہتمام نہیں کرے گی معاشرے کی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ کی تعمیر و ترقی کے لیے جو اقدامات اٹھائے تھے ان

میں لازمی تعلیم کا اہتمام بھی شامل تھا۔ یہی باعث ہے کہ ریاست مدینہ نے بہت جلد اس معاشرے میں نہ صرف اپنا لوہا منوایا بلکہ اس کا فیضان آج بھی جاری ہے، لہذا کوئی بھی اسلامی ریاست جب تک اپنا نظام تعلیم ریاست مدینہ کی طرز پر قائم کرتے ہوئے تعلیم کو لازمی حیثیت نہیں دے گی تب تک ریاست کی تعمیر و ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو گا۔

سرکاری سطح پر تعلیم کا اہتمام

تعلیم کی اہمیت اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے تعلیم کی افادیت کے پیش نظر تعلیم و تربیت کی فراہمی کی ذمہ داری کو عام لوگوں یا نجی شعبہ اور مارکیٹ پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کسی بھی ریاست نے اگر معاشرے کو ترقی دینی ہے تو اسے ریاست کے تمام شہریوں کے لیے سرکاری سطح پر تعلیم کی فراہمی کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔ ریاست کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے ہر طبقے کے لیے بالعموم اور وسائل سے محروم طبقے کے لیے بالخصوص سرکاری سطح پر معیاری تعلیم کی فراہمی کا اہتمام کرے آج کی گلوبل دنیا میں اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ تعلیم کا اہتمام سرکاری سطح پر کیا جائے اور معاشرے کے بالخصوص نچلے طبقے کو مفت تعلیم مہیا کی جائے تاکہ معاشرے کے تمام طبقات تعلیم کے زیور اور اسلحے سے آراستہ ہو کر ریاست کی نظریاتی حدود کے مطابق معاشرے کی تعمیر و ترقی میں حصہ ڈال سکیں۔

نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد رکھتے ہی یہ دونوں اقدامات اٹھائے تھے۔ آپ ﷺ نے ریاستی اور سرکاری سطح پر شہریوں کے لیے تعلیم کا بندوبست فرمایا۔ آپ ﷺ نے ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کو بطور معلم مقرر فرما کر مدینہ منورہ بھجوایا تھا تاکہ وہ مدینہ طیبہ کے لوگوں کو تعلیم دیں۔[7] اسی طرح ہجرت مدینہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ ہی صفہ نامی چبوترے پر تعلیمی سرگرمیوں کا باقاعدہ آغاز فرمایا جہاں نہ صرف صحابہ کرام کو تعلیم ملتی تھی بلکہ ان کے کھانے پینے کے اخراجات بھی ریاستی ذمہ داری تھی۔ صفہ کا سارا نظم و نسق براہ راست نبی کریم ﷺ کی زیر نگرانی چلتا تھا۔ مقامی لوگوں کے علاوہ یہاں بیرونی لوگ بھی آتے اور تعلیم حاصل کر کے وطن واپس جاتے تھے۔[8]

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں صفہ کے علاوہ دیگر مساجد میں تعلیم و تربیت کا اہتمام موجود تھا اور وہ بھی باقاعدہ سرکاری سرپرستی میں چلتا تھا۔ سیرت نگاروں نے مدینہ منورہ کی نو مساجد کا تذکرہ کیا ہے جہاں تعلیمی سرگرمیاں جاری رہتی تھیں اور وقتاً فوقتاً وہاں نبی کریم ﷺ تشریف لے جاتے تھے اور ان کی سرپرستی فرماتے تھے" جیسا کہ مسجد قباء کے بارے میں ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ وہاں پابندی سے ہر ہفتے تشریف لے جایا کرتے تھے اور وہاں کی تعلیمی سرگرمیوں کی نگرانی فرماتے تھے۔"[10]

مدینہ طیبہ میں ان مساجد میں لوگ کثرت سے حصول علم کے لیے آتے تھے تو اژدہام ہو جاتا تھا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتے۔[11]

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم کو فرد کے اختیار پر نہیں چھوڑا بلکہ آپ نے سرکاری سطح پر باقاعدہ تعلیمی ادارے قائم فرمائے اور تعلیمی سرگرمیوں کو رواج اور فروغ دیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا، حسب ضرورت معلمین کا تقرر فرمایا اور ریاست مدینہ میں تعلیمی انقلاب کی بنیاد رکھی۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری اور قابل ذکر ہے کہ ان تمام تعلیمی اداروں میں صرف قرآن و حدیث نہیں پڑھایا جاتا تھا بلکہ قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ فن خطاطی اور دیگر علوم بھی پڑھائے جاتے تھے جیسا کہ صراحت موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ کو اہل صفہ کو فن خطاطی سکھانے پر مقرر فرمایا تھا حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے اہل صفہ میں سے

بعض افراد کو قرآن کریم اور لکھنا یعنی کتابت سکھائی۔[12]

اسی طرح الاستیعاب میں یہ صراحت موجود ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سعید بن العاصؓ بہترین کاتب تھے اور نبی کریم ﷺ نے انھیں مدینہ طیبہ میں لوگوں کو کتابت سکھانے کا حکم دیا تھا۔[13]

چنانچہ اسلامی ریاست کو نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے تعلیمی ایمرجنسی لگانے کی ضرورت ہے اور باقاعدہ ریاستی سطح پر فروغ تعلیم کے لیے اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ریاست کا نظام تعلیم اسی وقت اپنے اہداف و مقاصد حاصل کر سکتا ہے جب تعلیم کو باقاعدہ ریاست کی ذمہ داری بنا کر اس کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔

مفت تعلیم کی فراہمی اور سکالر شپس کا اجراء

کسی بھی ریاست کا نظام تعلیم اسی وقت کامیابی کی منازل طے کر سکتا ہے جب معاشرے کے تمام طبقات بالخصوص وسائل سے محروم طبقہ بھی تعلیمی عمل میں شریک کار ہو۔ اس کے لیے تعلیم کی مفت فراہمی اور اس کے لیے وسائل خرچ کرنے کی ضرورت ہے تا کہ معاشرے کے وہ طبقات بھی تعلیم حاصل کر کے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکیں جو وسائل کی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اس ضمن میں باقاعدہ تعلیمی اداروں کے قیام سے لے کر تعلیمی معاونت اور سکالر شپس کے اجراء تک تمام کوششیں بروئے کار لانی چاہیے اور ریاست کو اپنے بجٹ کا ایک مناسب حصہ باصلاحیت افراد کو تعلیمی سہولیات کی فراہمی پر خرچ کرنا چاہیے تا کہ کوئی بھی فرد وسائل کی کمی کی وجہ سے زیور تعلیم سے آراستہ ہونے سے محروم نہ رہ جائے۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آپ نے ریاست مدینہ میں تعلیم کے فروغ کے جتنے اقدامات کیے تھے وہ سب مفت تعلیم کی فراہمی کے لیے تھے۔ جہاں وسائل کی ضرورت ہوتی تھی، آپ ﷺ وسائل خرچ کر کے تعلیم کی فراہمی کے اقدامات کیا کرتے تھے۔ طائف سے حضرت وردانؓ نامی ایک صحابی نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابان بن سعیدؓ کے ذمہ لگایا کہ وہ ان کے مصارف تعلیم کا ذمہ لیں اور ان کی تعلیم کا اہتمام کریں۔[14]

آپ ﷺ نے حاصل کردہ علم کو آگے پہنچانے کا حکم ایک اصولی ہدایت کے طور پر دے رکھا تھا کہ

بلغوا عنی ولو آیۃ[15]

مجھ سے جو سنا ہے اسے آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو

اسی طرح آپ ﷺ نے علم چھپانے پر بھی سخت وعید ارشاد فرمائی کہ جس شخص سے علم کے بارے میں کوئی سوال ہوا، اور اس نے علم چھپا لیا تو قیامت کے دن اللہ تعالی اسے آگ کی لگام پہنائے گا۔[16]

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن سعید بن عاصؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حکومتی سطح پر باقاعدہ بطور معلم تقرری بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سرکاری سطح پر فروغ تعلیم کے اقدامات فرمائے تھے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے وظائف نبی کریم ﷺ یعنی ریاست کی طرف سے تھے اور لوگوں کے لیے تعلیم مفت تھی۔ اس ضمن میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کے شاگردوں میں سے کسی نے کمان دی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا یہ دوزخ کی آگ ہے۔[17] ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ حضرت عبادہ بن صامت کو باقاعدہ سرکاری سرپرستی حاصل تھی لہذا وظیفہ کے علاوہ ان کے لیے کوئی چیز لینا مناسب نہیں تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے۔[18] الغرض ثابت یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مفت تعلیم کی فراہمی کے اقدامات فرمائے تھے اور جہاں وسائل کی ضرورت تھی، ان مسائل کو لوگوں پر ڈالنے کی بجائے سرکاری بیت المال سے خرچ کیا تھا۔ چنانچہ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے کہ وہ

معاشرے کے تمام طبقات کے لیے مفت تعلیم کا اہتمام کرے اور بوقت ضرورت لوگوں کو ترغیبات اور اسکالرشپس بھی دے تاکہ معاشرے کے تمام افراد تعلیم حاصل کرکے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔

تمام طبقات اور ہر عمر کے افراد کی تعلیم کا اہتمام

ریاست کے تعلیمی نظام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام افراد اور تمام طبقات کو تعلیم کی فراہمی کے اقدامات کیے جائیں بطور خاص معذور افراد اور بالغان کو تعلیم کی فراہمی کے اقدامات کیے جائیں اور انہیں تعلیم یافتہ بنا کر معاشرے کی تعمیر و ترقی میں شامل کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہمیں یہی رہنمائی ملتی ہے کہ آپ نے نہ صرف بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اقدامات اٹھائے بلکہ بالغان کے لیے اور معذوروں کے لیے بھی تعلیم کا بندوبست فرمایا۔ آپ ﷺ نے بچوں کی تعلیم کے ضمن میں ان کے والدین کو ذمہ داری ادا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ. [19]

کوئی والدین اولاد کو اچھی تربیت اور ادب سے بہتر تحفہ نہیں دے سکتے

اسی طرح فرمایا:

لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ. [20]

کہ انسان کا اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرنا اور اسے ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے

اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ نے جتنے بھی تعلیمی اقدامات اٹھائے ان میں بچوں کے ساتھ ساتھ بالغان کی تعلیم و تربیت بھی شامل تھی اور ان اقدامات کے پیش نظر یہ تھا کہ تمام افراد کو تعلیم یافتہ بنا کر معاشرے کے لیے کار آمد اور مفید بنایا جاسکے اسلام میں تعلیم کے لیے کوئی خاص عمر مقرر نہیں کی گئی بلکہ نبی اکرم ﷺ کی حوصلہ افزائی کے بعد بہت سے صحابہ کرام نے نہ صرف بڑی عمر میں علم حاصل کیا بلکہ وہ مرتبہ کمال کو بھی پہنچے۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے معذور افراد کو بھی کسی سے پیچھے نہیں رکھا۔ نبی کریم ﷺ کی نظر میں کسی شخص میں کسی طرح کی کوئی جسمانی کمزوری اس کے فرائض میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ آپ ﷺ نے معذور افراد کی تربیت کرکے ان کو ذمہ داریاں عطا فرمائی اور انہوں نے آپ ﷺ کی تربیت کی بدولت وہ کارنامے سر انجام دیے کہ صحت مند افراد کو بھی ان پر رشک آتا تھا۔ اس کی مثال حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ ہیں جو نابینا ہونے کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی غیر موجودگی میں مدینہ میں آپ کے نائب مقرر ہوتے تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود اس منصب کا اعزاز ان کے علمی مقام و مرتبے پر دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے بچوں سے لے کر بالغان تک اور خواتین سے لے کر معذوروں تک تمام افراد کو تعلیم یافتہ بنا کر معاشرے کا مفید شہری بنایا اور کسی بھی ریاست کے لیے یہی لازم ہے کہ وہ معاشرے کے ہر عمر کے افراد کے لیے تعلیمی سہولیات فراہم کرے۔ معذوروں کے لیے ترجیحی بنیادوں پر تعلیمی سہولیات کے لیے اقدامات کیے جائیں، اسی طرح اگر کوئی بچہ اپنے بچپن میں کسی سبب سے تعلیم حاصل نہ کر سکا ہو تو ریاست کو چاہیے کہ تعلیم بالغان کے لیے بھی اقدامات کرے تاکہ ایسے افراد تعلیم حاصل کرکے معاشرے کی بہتری میں اپنا کردار ادا کر سکیں اس ضمن میں بطور خاص علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی جیسے تعلیمی اداروں کی معاونت سے بہت اچھا نظام قائم کیا جاسکتا ہے۔

خواتین کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ

خواتین معاشرے کا نصف حصہ ہیں اور معاشرے کی اصلاح اور تعمیر و ترقی کے لیے ناگزیر حیثیت کی حامل ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی کا خواب خواتین کی شمولیت کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ معاشرے کی تعمیر و ترقی میں خواتین کو شامل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرے اور ریاست کے تعلیمی نظام میں خواتین کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی جائے، خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے خاص اقدامات کیے جائیں اور معاشرے کی تمام خواتین کے لیے تعلیمی سہولیات مہیا کی جائیں تاکہ وہ تعلیم حاصل کر کے معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ ہمارے پسماندہ بالخصوص دیہی علاقوں میں آج بھی بعض علاقوں میں خواتین کی تعلیم پر قدغن لگائی جاتی ہے اور خواتین کی تعلیم کو درست نہیں سمجھا جاتا اور مذہب یا قبائلی اور علاقائی رسم و رواج کے نام پر خواتین کو تعلیم سے محروم کیا جاتا ہے جس وجہ سے خواتین معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں ریاست کو اس حوالے سے مزید کوشش کرنے کی ضرورت ہے

ہمیں اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں جس طرح معاشرے کے تمام طبقات کی تعلیم کے لیے اقدامات کیے اس طرح خواتین کی تعلیم کے لیے بھی اقدامات فرمائے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں عورتوں کی تعلیم کے لیے خاص دن مقرر فرمایا ہوا تھا جس میں آپ باقاعدہ پابندی کے ساتھ خواتین کے مجمع میں تشریف لے جاتے، انہیں تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کا جواب دیا کرتے تھے۔[21]

انصار کی عورتیں بہت اہتمام سے نبی کریم ﷺ سے تعلیم حاصل کرتیں تھیں اور آپ سے سوالات بھی کیا کرتی تھیں۔ انصاری عورتوں کی علم پر حرص اور شوق کی بنا پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کے بارے فرمایا:

نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَمْنَعْهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَتَفَقَّهْنَ فِي الدِّينِ[22]

انصار کی عورتیں اچھی عورتیں ہیں کہ شرم انہیں دین میں سمجھ پیدا کرنے سے نہیں روکتی۔

انصاری خواتین کی دین سمجھنے کی کوششیں اور کاوشیں نبی کریم ﷺ کی زیر سرپرستی ہی ہوتی تھیں، اسی طرح آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کی تعلیم کا خاص بندوبست فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک رشتہ دار خاتون شفا بنت عبداللہ کے ذریعے سیدہ حفصہ کی تعلیم کا اہتمام کیا تھا۔ سنن ابی داؤد کی اس روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں فرمایا تھا کہ جس طرح آپ نے اسے لکھنا سکھایا ہے اسے دم بھی سکھا دیں۔[23]

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم و فضل سے تو تمام امت آج تک مستفید ہو رہی ہے۔ ان کی ساری تعلیم نبی اکرم ﷺ کے زیر تربیت تھی۔ ان کی جلالت علمی کے حوالے سے سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ میں نے حلال و حرام، علم طب اور شعر کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔[24]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علم و فضل کی بنا پر ہی آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے

خذوا نصف دينكم عن الحميراء[25]

نصف دین تم حمیرا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے سیکھو

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جلالت علمی کے باوصف نہ صرف خواتین ان سے علم سیکھتی تھی بلکہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ امام مسروق رحمہ اللہ کا قول ہے

واللہ لقد رأیت اصحاب محمد الاکابر یسئلونھا عنھا الفرائض۔[26]

اللہ کی قسم میں نے کبار صحابہ کرام کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے علم الفرائض کے بارے سوالات کرتے دیکھا۔

نبی کریم ﷺ کے ہاں خواتین کی تعلیم و تربیت اس قدر اہم تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں کو بھی تعلیم دلانے اور ان کی تربیت کرنے کی ترغیب دلائی، اس حوالے سے ارشاد نبوی ہے:

من کانت لہ جاریۃ فعالھا فاحسن إلیھا، ثم اعتقھا وتزوجھا کان لہ اجران[27]"

جس شخص کے پاس لونڈی ہو وہ اسے تعلیم دلائے اور اچھی تربیت کرے پھر اسے آزاد کر کے نکاح کرے تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔

نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے خواتین کی تعلیم و تربیت کے ساتھ دستکاریوں، گھریلو صنعتوں اور ایسی مہارتوں کے سیکھنے کا ثبوت بھی ملتا ہے جو عورتیں گھر رہ کر سرانجام دے سکیں مثلاً نبی کریم ﷺ نے چرخہ کاتنے کو اچھا مشغلہ قرار دیا۔[28]

چنانچہ نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اسلامی ریاست کو خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی اسی طرح اقدامات کرنے چاہیے جس طرح معاشرے کے دیگر افراد کے لیے کیے جاتے ہیں تاکہ خواتین بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں البتہ خواتین کے لیے نصاب تعلیم اور تعلیمی ادارے اور دیگر سہولیات خواتین کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر تشکیل دینا چاہیے اور اس ضمن میں سلائی کڑھائی سے لے کر ہنرکاری اور گھریلو دستکاری کو اہمیت دینی چاہیے۔

قومی زبان میں تعلیم کا اہتمام

کوئی بھی ریاست اگر اپنے شہریوں کی صلاحیتوں میں نشوونما چاہتی ہے اور ان کی خفیہ صلاحیتوں کی آبیاری کر کے انھیں معاشرے کی تعمیر و ترقی کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے تو ریاست کے لیے لازم ہے کہ وہ اس قوم کی مادری زبان میں تعلیم فراہم کرنے کا اہتمام کرے کیونکہ کسی بھی شخص کی فکری اور ذہنی صلاحیتیں اسی صورت میں بیدار ہوتی اور جلا پاتی ہیں جب وہ اپنی مادری زبان میں تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ دنیا کے تمام ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ تعلیم بہترین نتائج کی ضمانت دیتی ہے جو بچوں کی مادری زبان میں دی جائے۔ مادری زبان میں دی گئی تعلیم سے ہی بچے کی تخلیقی اور فکری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں لہذا کم از کم بنیادی تعلیم بچے کی مادری زبان میں فراہم کرنے کا اہتمام کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

اس ضمن میں ہمیں دین اسلام سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی بعثت کا تذکرہ کرتے ہوئے صراحت فرمائی کہ میں نے جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے ان کو ان کی قوم کی زبان میں تعلیم دینے کا پابند بنایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ[29]

اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس کی قوم کی زبان ہی میں

مادری زبان کی اسی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے بھی تعلیم کے فروغ کے جتنے اقدامات کیے ان میں عربی زبان کو ہی وسیلہ اظہار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ قرآن و سنت کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے لکھنا پڑھنا سکھانے کے لیے بھی اقدامات کیے، عربی رسم الخط کی باریکیاں اور خصوصیات سکھائی گئیں اسی طرح دیگر علوم حساب سے لے کر طب تک کی تعلیم میں بھی عربی زبان کو ہی استعمال کیا گیا کیونکہ عربی ان لوگوں کی مادری اور قومی زبان تھی۔

آپ ﷺ نے اگرچہ بعض صحابہ کرام کو دیگر زبانیں سیکھنے کا حکم فرمایا تھا لیکن ان کے مقاصد کچھ اور تھے اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر موجود ہے لیکن ریاست میں قائم کردہ تعلیمی اداروں کی واحد زبان عربی ہی تھی۔ مادری زبان کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ہمیں بھی کم از کم بنیادی تعلیم

بچے کی مادری زبان میں دینی چاہیے تاکہ اس کی صلاحیتوں کی بہتر نشو نما ہو سکے۔

قومی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کی تعلیم کا اہتمام

نظام تعلیم کی بنیاد قومی اور مادری زبان ہوتی ہے اور بچے کی ابتدائی تعلیم اس کی مادری زبان میں ہو تو پھر ہی خاطر خواہ ثمرات وفوائد حاصل ہو سکتے ہیں، البتہ آج کے دور میں دنیا چونکہ گلوبل ویلج بن چکی ہے تو دنیا میں رائج زبانوں کی معرفت لازمی ضرورت بن چکی ہے اس تناظر میں ارباب حل وعقد کے لیے لازم ہے کہ وہ ریاست کی تعلیمی پالیسی اور تعلیمی نظام قائم کرتے وقت اس بات کا اہتمام یقینی بنائیں کہ بچے کو ابتدائی تعلیم تو اس کی مادری زبان میں دی جائے لیکن بڑی جماعتوں میں جاکر دیگر زبانیں سکھانے کا اہتمام بھی کیا جائے تاکہ طالب علموں کے لیے دنیا کے مختلف ترقی یافتہ ممالک سے سیکھنے کے مواقع اور امکانات پیدا ہوں اس ضمن میں ماہرین تعلیم کی آراء اور مشاورت کی روشنی میں باقاعدہ پالیسی سازی کی جائے کہ ریاست اور معاشرے کو کن شعبوں میں افرادکار کی ضرورت ہے اور ان شعبوں میں مہارت کے لیے کس زبان کی ضرورت ہے، پھر ان سفارشات اور اس پالیسی کی روشنی میں دیگر زبانوں کی تدریس کا اہتمام کیا جائے تو بہتر نتائج مل سکتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ ﷺ نے ریاست کے تمام افراد کے لیے بنیادی تعلیم کا اہتمام تو عربی زبان میں ہی کیا لیکن آپ ﷺ نے دینی اغراض ومقاصد کے پیش نظر بعض صحابہ کرام کو دیگر زبانیں سیکھنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا۔ یہود اگرچہ عربی زبان بولتے تھے لیکن خط وکتابت سریانی زبان میں کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کو حکم فرمایا کہ مجھے یہود سے خط وکتابت کی ضرورت پیش آتی ہے اس لیے تم ان کی تحریر کی زبان سیکھ لو، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے تقریبا 15 دنوں میں یہود کی یہ زبان سیکھ لی اور پھر آپؓ یہودیوں کے آمدہ خطوط کا ترجمہ کر کے نبی کریم ﷺ کو آگاہ فرماتے اور آپ ﷺ کے فرامین کو ترجمہ کر کے یہود کی طرف روانہ کرتے۔[30]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نہ صرف سریانی زبان کے ماہر تھے بلکہ انہیں عبرانی، قبطی، یونانی اور فارسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ زبانیں مدینہ منورہ میں آنے والے وفود سے سیکھی تھیں۔[31]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے بھی مدینہ منورہ آنے کے بعد سریانی زبان سیکھی تھی اور وہ تورات پڑھ لیتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو بھی تورات کا کچھ حصہ پڑھ کر سنانے کا تذکرہ ملتا ہے۔[32]

اسی طرح حضرت حنظلہ بن ربیعؓ ایک صحابی تھے ان کی بھی سریانی اور عبرانی زبان میں مہارت کا ثبوت ملتا ہے، وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی عدم موجودگی میں نبی ﷺ کے مکاتیب لکھنے کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔[33]

ان تمام تفصیلات سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حسب ضرورت صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو مختلف زبانیں سیکھنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا، لہذا اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کو انہی خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت ہے، کہ بنیادی تعلیم معاشرے کی قومی اور مادری زبان میں فراہم کرنے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد معاشرے کی ضروریات کے مطابق ان زبانوں کی تدریس کا بھی اہتمام کیا جائے جو مزید تعلیم و ترقی کے لیے ضروری ہوں، بالخصوص جو زبان دیگر معاشروں سے تعامل اور ارتباط کے لیے ضروری ہوں ان کی تدریس کا خاص اہتمام کرنا ضروری ہے تاکہ ہمہ پہلوں سے معاشرے کی تعمیر وترقی کو ممکن بنایا جا سکے۔ مختلف زبانیں سیکھنے کے حوالے سے اسلام کے داعیانہ پہلو سے بھی ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم مختلف زبانیں سیکھیں تاکہ اسلام کے پیغام کو ہر قوم اور ہر ملک تک پہنچایا جا سکے۔

مختلف اقوام سے تعلیمی وفود کا تبادلہ

تعلیمی نظام کی بہتری کا ایک پہلو یہ ہے کہ مختلف ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ تعلیمی روابط کا سلسلہ استوار کیا جائے۔ نظامِ تعلیم کی تشکیل میں اس اہتمام کی ضرورت ہے کہ مخصوص میادین میں ترقی یافتہ اقوام سے استفادہ کا سلسلہ منظم کیا جائے تاکہ گلوبل دنیا کے منظرنامے میں جدید چیلنجز سے نبرد آزما ہوا جاسکے۔ آج کی عالمی دنیا بہت تیزی سے تغیر پذیر ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی رفتار انتہائی تیز ہے بالخصوص انفارمیشن ٹیکنالوجی انتہائی سرعت سے تغیر پذیر ہے اور جو اقوام اس تیزی سے تبدیل ہونے والے معاشرے میں اسی تیزی سے علوم و فنون کی مدد سے ان چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں وہ کامیابی کی راہ پر گامزن ہیں اس تیزی سے تبدیل ہوتے عالمی ماحول میں ریاستی تعلیمی نظام کے ذمہ داران اور اربابِ دانش کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قوم کو ان علوم و فنون سے روشناس کروائیں۔ اس حوالے سے ایک موثر عمل یہ ہو سکتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کی بڑی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں کے ساتھ تعلیمی وفود کے تبادلے کا اہتمام کیا جائے اور قوم کے طلبہ کے لیے جدید تعلیم کے حصول کے مواقع کو یقینی بنایا جائے۔ ٹیکنالوجی کی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ورچوئل کلاسز اور ڈگری پروگرامز بھی شروع کیے جاسکتے ہیں جن سے وسائل کی بچت کو یقینی بنایا جاسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے اس ضمن میں معاشرے میں تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے بنیادی نوعیت کے اقدامات اٹھائے تھے، آپ ﷺ نے غزوہ بدر کے ان قیدیوں سے جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے کا کام لیا تھا۔[34] حالانکہ وہ مشرک تھے لیکن نبی کریم ﷺ نے پھر بھی انہیں انصاری بچوں کو پڑھانے کے لیے مقرر فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کے مفادات اور حکمت کے پیشِ نظر بوقتِ ضرورت مشرک سے بھی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے، مزید اس سے نبی کریم ﷺ کی نظر میں تعلیم کی اہمیت بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے دشمنوں سے بھی بچوں کو تعلیم دلوانے کا اہتمام فرمایا۔

تعلیمی مقاصد کے حصول کے لیے مشرکین یا غیر مسلموں سے استفادے کی ایک اور دلیل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ملتی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے انہیں یہود کی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا تھا تو انہوں نے یہود کے دینی مدرسہ میں جا کر یہ زبان سیکھی تھی۔[35]

اس سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ دیگر اقوام کے ساتھ ریاستی سطح پر تعلیمی وفود کے تبادلوں کا اہتمام کیا جانا چاہیے تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کا اہتمام کیا جاسکے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے تعلیمی وفود بھیجنے کا تذکرہ بھی ملتا ہے جیسا کہ مختلف اقوام کے درخواست پر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرما دیا کرتے تھے تاکہ وہ انہیں تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے عضل اور قارہ کی درخواست پر حضرت مرثدؓ کی سربراہی میں چھ صحابہ کرام کا وفد بھیجا تھا۔[36]

اس طرح آپ ﷺ نے اہلِ یمن کی درخواست پر ان کی تعلیم کی غرض سے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو بھیجا تھا۔[37]

ان تمام تفصیلات سے رہنمائی ملتی ہے کہ تعلیم کی غرض سے نبی کریم ﷺ نے مشرک اساتذہ سے اپنے بچوں کو پڑھوایا ہے۔ اسی طرح یہود کے تعلیمی ادارے سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعلیم حاصل کی تھی چنانچہ آج کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ریاست کو ترقی یافتہ ممالک کے تعلیمی اداروں کے ساتھ تعلیمی اشتراک کار بڑھانا چاہیے اور مختلف تعلیمی وفود کے تبادلے کرنے چاہیے۔ اسی طرح ورچوئل اور آن لائن

ذرائع سے حصول علم کی کوششوں کو منظم کرنا چاہیے تاکہ جدید تقاضوں کے مطابق تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر معاشرے کی تعمیر و ترقی کو یقینی بنایا جا سکے۔

انجینئرنگ اور دیگر فنون کی تعلیم کا اہتمام

کسی بھی نظام تعلیم کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ معاشرے کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہو اور اس نظام تعلیم سے نکلنے والے افراد معاشرے کی ہمہ جہت ترقی کے لیے کوشاں ہوں، اس ضمن میں معاشرے کے ارباب حل وعقد اپنی معاشرتی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے نظام تعلیم کے اہداف و مقاصد متعین کرتے ہیں۔ معاشرے کے وہ میدان جو بنیادی توجہ کا تقاضا کرتے ہیں ان میں ایک میدان انجینئرنگ اور اس سے متعلقہ فنون کا میدان ہے۔ جو ریاست اور معاشرہ انجینئرنگ اور اس سے متعلقہ فنون کو جس قدر زیادہ توجہ دے گا وہ معاشرہ اور ریاست اسی قدر زیادہ متمدن ہو گا جس قدر وسائل ان علوم و فنون پر خرچ کیے جائیں گے، ریاست کی معاشرت اتنی ہی بہترین اور معیاری ہو گی۔

اس ضمن میں ہم نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن و سنت اور بنیادی اخلاقی تعلیمات کے ساتھ ساتھ معاشرے کے ان فنون کو بھی خاطر خواہ اہمیت دی تھی آپ ﷺ نے بطور سربراہ ریاست ان فنون کو سیکھنے کا حکم دیا اور معاشرتی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے اس ضمن میں تمام ضروری اقدامات اٹھائے تھے آپ ﷺ نے تیر بنانے کی حوصلہ افزائی فرمائی اور جہاد میں استعمال ہونے کی بنا پر تیر بنانے والے کو جنت کی خوشخبری عطا فرمائی ہے[38]۔ یہ انجینئرنگ سے متعلقہ فن ہے۔ اسی طرح جب غزوہ خیبر میں دشمن نے منجنیق یعنی دبابہ استعمال کیا تو مسلمانوں نے بھی بہت جلد اس جدید اسلحے کا حصول یقینی بنایا اور پھر غزوہ طائف میں اسے استعمال کیا تھا، یعنی نبی کریم ﷺ نے ٹیکنالوجی کے حصول اور اس کے استعمال کے لیے بہت زیادہ مستعدی کا مظاہرہ فرمایا۔ یہ اس دور کی جدید ترین ایجادیں تھیں جو مسلمانوں نے فوراً حاصل کرتے اور انہیں استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ اس حوالے سے بہت زیادہ متمدن تھی کہ وہاں دھاتوں کو گلانے، صاف کرنے اور ان سے برتن بنانے کا کام عام تھا۔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے لخت جگر حضرت ابراہیم کے رضاعی باپ کا دھاتیں پگھلانے کا کارخانہ تھا۔[39]

یہ نبی کریم ﷺ کی تربیت کا فیضان تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسلمانوں نے پہلا بحری بیڑا تیار کر لیا تھا جسے بعد ازاں حضرت امیر معاویہ کے عہد میں مزید ترقی دی گئی تھی

ان تمام تفصیلات سے رہنمائی ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد کے مطابق معاشرتی ضروریات کے مطابق صحابہ کرام کو فنون سیکھنے اور ٹیکنالوجی استعمال کرنے کی ترغیب دی تھی چنانچہ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم بھی ایسا ہونا چاہیے کہ جو ہر جدید ٹیکنالوجی سے متعلقہ مہارتوں کو نصاب اور نظام کا حصہ بنائے تاکہ تمدنی اور معاشرتی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔

میڈیکل سائنسز اور نرسنگ کی تعلیم

نظام تعلیم کا ایک اہم شعبہ بائیولوجی، طب اور میڈیکل سائنسز ہے۔ طب معاشرے کی بنیادی اور اہم ترین ضرورت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس علم کی اہمیت کے پیش نظر اسے مکمل علم قرار دیا ہے ان کا فرمان ہے

انما العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان[40]

علم دو طرح کے ہیں ادیان کا علم اور ابدان کا علم

کسی بھی ریاست کا نظام تعلیم اس شعبے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ موجودہ دور میں اس شعبے کو مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس علم کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ علماء نے اس علم کے حصول کو فرض کفایہ قرار دیا ہے یعنی اتنے افراد پر اس علم کا سیکھنا فرض ہے جس سے معاشرے کی ضرورت پوری ہو جائے۔ چنانچہ نظام تعلیم میں اس علم کی ترویج، فروغ، جدید تحقیقات سے استفادے اور معاشرے کو اس سے مستفید کرنے کے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان بد قسمتی سے ان ممالک میں شامل ہے جہاں ڈاکٹرز کی قلت ہے اس لیے نظام تعلیم میں ایسے اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے کہ ڈاکٹرز کی قلت دور ہو سکے۔ سرکاری سطح پر مزید میڈیکل کالجز اور نرسنگ کالجز بنانے کی ضرورت ہے تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی کو طبی سہولیات مہیا کی جا سکیں۔ اسی طرح میڈیکل کے شعبے میں سپیشلائزیشن کے فروغ کے لیے خصوصی اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرے کو بہتر سے بہترین طبی سہولیات کی فراہمی ممکن ہو سکے۔

نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں ایسے اقدامات اٹھائے تھے کہ معاشرے کی اس نوع کی ضروریات پوری کی جا سکیں، اس ضمن میں آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے یہ راہنمائی ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے علم طب کو سیکھے بغیر اسے پریکٹس کرنے اور کسی کا علاج کرنے سے منع فرمایا ہے، ایک حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ جو شخص علم طب سے واقف نہیں ہے اگر وہ علاج کرتا ہے تو وہ مریض کا ضامن ہو گا۔[41]

اسی طرح خود آپ ﷺ کی ذات گرامی کی طرف سے بے شمار نسخے منسوب ہیں۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس آ کر کسی مرض کی شکایت کرتے تو آپ کوئی نہ کوئی علاج بتا دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے حضرت شفا بنت عبد اللہ العدویہ کو جنہوں نے سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالی عنہا کو لکھنا پڑھنا سکھایا تھا فرمایا تھا کہ

تو نے جس طرح حفصہ کو لکھنا سکھایا ہے اسی طرح اسے **رقية النملة** (چیونٹیوں کا دم) بھی سکھا دو۔[42]

ان تمام تفصیلات کے ساتھ ساتھ حضرت رفیدہ الاسلمیہ کا نبی کریم ﷺ کی زیر سرپرستی نرسنگ کرنا اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کا علاج کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ریاست مدینہ میں علاج معالجے کے ضمن میں تمام بنیادی اقدامات اٹھائے تھے۔ رفیدہ الاسلمیہ قبیلہ بنی اسلم کی خاتون تھیں اور مدینہ منورہ میں مریضوں کا علاج کرتی تھیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو نبی اکرم ﷺ نے ان سے علاج کا حکم فرمایا تھا۔[43]

اسی طرح غزوہ احد میں صحابیات کا زخمیوں کی پٹی کرنا اور دیگر غزوات میں اس نوعیت کی خدمات سر انجام دینا بھی اس امر پر دلالت کناں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس حوالے سے نرسنگ کی بنیادی تربیت بہت ساری صحابیات کو دلوائی ہو گی۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ طب کی تعلیم کے ضمن میں نظام تعلیم میں بطور خاص اقدامات کرنے چاہئیں تاکہ علاج معالجے کے ضمن میں معاشرے کی ضروریات پوری کی جا سکیں۔

سپیشلائزیشن کو فروغ دینے کی ضرورت

موجودہ دور میں علوم و فنون نے بے انتہا ترقی کی ہے۔ آج کے دور کو بلاشبہ سپیشلائزیشن کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اسلامی ریاست کو اپنے نظام تعلیم کو اس حوالے سے اس طرح تشکیل دینے کی ضرورت ہے کہ تخصص اور علمی گہرائی کو مزید فروغ مل سکے۔ جس نظام تعلیم میں تخصص کو فروغ دینے کی قدرت اور طاقت جس قدر زیادہ ہو گی وہ نظام تعلیم اسی قدر زیادہ موثر اور فائدہ مند ہو گا۔ اس تناظر میں ہم نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر نظر دوڑائیں تو ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ریاست مدینہ میں فنی ذوق اور تخصص ترقی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ نے جو افراد تیار فرمائے

تھے، وہ اپنے فن میں ماہر ترین تھے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وراثت کے علم کے سب سے بڑے ماہر، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بڑے قاری، سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بڑے قاضی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلال و حرام کے بڑے عالم تھے۔ ان تمام صحابہ کرام کو ان علوم میں اختصاص تھا اور ان کو یہ اعزاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے حاصل ہوا تھا۔[44]

ان تفصیلات سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ ہمیں اسپیشلائزیشن کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ سماجی علوم سے لے کر معاشی علوم تک اور انتظامی علوم سے لے کر سائنس و ٹیکنالوجی تک ایسے تعلیمی ادارے اور تجربہ گاہیں بھی قائم کریں جہاں متعلقہ علوم میں اختصاصی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ میں جس طرح تخصص کو فروغ دیا تھا اور اس کی سرپرستی فرمائی تھی اس میں اسلامی ریاست کے لیے ایک نمونہ ہے اور آج کی اسلامی ریاست کی تعلیم سے متعلقہ ارباب حل و عقد کو اس حوالے سے اقدامات کرنے کی ضرورت ہے کہ بطور خاص ان علوم کی تعلیم کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں جو معاشرے کی ضرورت ہیں، جیسے کمپیوٹر کی تعلیم کے لیے بین الاقوامی یونیورسٹیوں کے اشتراک سے عالمی معیار کی یونیورسٹیاں قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ موجودہ تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے معاشرتی ضرورت کے مطابق متخصصین، ماہرین علوم وفنون تیار کیے جائیں اور معاشرے کی تعمیر و ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔

محکمہ تعلیم سے متعلقہ لوگوں کے لیے ترغیبات کا اہتمام

ترغیب انسانی نفسیات کے لیے مہمیز کا کام کرتی ہے۔ نظام تعلیم کی بہتری اور اسے مزید موثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ریاستی سطح پر اساتذہ اور بالخصوص طلبہ کے لیے انعامات کا اعلان کیا جائے۔ ریاستی سطح پر طلبہ اور اساتذہ کی یہ حوصلہ افزائی ان کی کارکردگی کو بہتر بنادے گی۔ اس سے طلبہ کے شوق لگن اور محنت میں اضافہ ہوگا۔ طلبہ اور اساتذہ کی حوصلہ افزائی سے ان کے اندر قومی خدمت کا جذبہ مزید بڑھے گا۔ اس ضمن میں بالخصوص ایسی تعلیم کے شعبے میں زیادہ انعامات دیے جاسکتے ہیں، جن علوم کی معاشرے کو زیادہ ضرورت ہو۔ اس سے نہ صرف معاشرے کی ضرورت پوری ہوگی، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان افراد کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی جو تعلیم کے میدان میں مصروف عمل ہوں گے۔ کسی بھی شعبہ کے لیے ترغیب پر مبنی پیکج کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ معاشرے کے باصلاحیت افراد اس شعبہ میں دلچسپی لیتے ہیں، اور یوں معاشرتی تعمیر و ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ تمام صحابہ کرام صلاحیتوں کے حوالے سے یکساں درجے پر فائز نہ تھے، لیکن نبی کریم ﷺ کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی نے ان کی صلاحیتوں کو اس طرح صیقل کیا کہ ان ہستیوں نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کی عمدہ کارکردگی پر ستائش اور توصیف فرماتے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دین کے لیے قربانی اور جدوجہد کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی اور فرمایا اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیقؓ کو بناتا[45] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے[46] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا میری امت میں سب سے حیادار عثمانؓ ہیں[47] حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے لیے ایسے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارونؑ تھے۔[48]

بطور خاص آپ ﷺ نے تعلیم سے متعلقہ افراد کی بطور معلم تقرری فرما کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ ﷺ نے محض علم کی بنا پر کئی ذمہ داران کا تقرر کرتے ہوئے ان کی کم عمری کے باوجود انہیں علم کی وجہ سے یہ شرف عطا فرمایا۔ حضرت عمرو بن حزم کو جب آپ ﷺ نے یمن

میں گورنر مقرر فرمایا تو ان کی عمر محض 17 سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہاں انتظامی عہدے کے ساتھ ساتھ تعلیمی امور کی نگرانی بھی سونپی تھی۔"

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام تعلیم کو مزید بہتر اور موثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ریاستی سطح پر تعلیم سے متعلقہ لوگوں کی حوصلہ افزائی کے اقدامات کیے جائیں۔ اس سے نہ صرف طلبا، واساتذہ کی حوصلہ افزائی ہوگی بلکہ ان کی کارکردگی میں بھی اضافہ ہوگا۔

نظام تعلیم کو مارکیٹ اور انڈسٹری سے جوڑنا

کسی بھی نظام تعلیم کی خوبی یہ ہے کہ وہ مارکیٹ اور صنعت وحرفت سے جڑا ہوا ہو اور اس سے ایسے افراد تیار ہوں جن کی صنعتی اداروں کو ضرورت ہو۔ اس ضمن میں ریاست کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس سارے عمل میں نگران کا کردار ادا کرے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ لوگوں کو تعلیم یافتہ اور ہنر مند بنا کر مارکیٹ اور انڈسٹری کے حوالے کیا جائے، تاکہ نہ صرف ایسے افراد کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جائے، بلکہ قومی دھارے میں ان کی شمولیت کو یقینی بنا کر معاشی اور معاشرتی ترقی کی کوشش کی جائے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت کا اہتمام فرماتے تھے، بلکہ ممکنہ حد تک ان کو ذمہ داریاں بھی تفویض فرماتے تھے، یعنی ان کی ملازمت کی بھی کوشش فرماتے تھے۔ اس ضمن میں سیرت طیبہ سے بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ آپ صحابہ کرام کو معلم، عامل اور حاکم بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجتے تھے۔ آپ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کو سفیر بنا کر بھیجا، بازار کا افسر مقرر فرمایا حضرت عثمان بن ابی العاص نے جب گزارش کی: "مجھے میری قوم کا امام بنا دیجئے"، تو آپ ﷺ نے ان کی صلاحیت اور علم کی بنا پر انھیں یہ منصب عطا فرمایا اور فرمایا

أَنْتَ إِمَامُهُمْ وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلَى أَذَانِهِ أَجْرًا

آپ ان کے امام ہیں ان کے کمزوروں کا خیال رکھنا اور ایسا موذن مقرر کرنا جو اپنی اذان (کی ذمہ داری) پر اجرت نہ لیتا ہو۔

نبی کریم ﷺ کی اس پالیسی کو خلفائے راشدین نے بھی اس طرح جاری رکھا۔ بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب مختلف شہر فتح ہوئے یا نئے شہر آباد کیے گئے، تو وہاں باقاعدہ معلمین مقرر کیے جاتے تھے اور ان کے وظائف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ پھر جیسے جیسے تمدنی ترقی ہوتی گئی، یہ سلسلہ محکمہ تعلیم سے بڑھ کر دیگر محکموں میں ملازمتوں تک دراز ہوتا گیا۔ ان تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ معاشرہ اور سماج میں نظام تعلیم کو مارکیٹ اور صنعت وحرفت کے ساتھ جڑا ہونا چاہیے، تاکہ ضرورت کے مطابق افراد کار تیار کیے جائیں۔ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے ہمیں یہ عمومی رہنمائی بھی ملتی ہے، کہ آپ ﷺ نے بعض افراد کو ذمہ داری دینے سے انکار فرمایا تھا۔ تو نظام تعلیم کو صرف ایسے افراد تیار نہیں کرنے چاہیے جو محض ملازمت کرنے والے ہوں، بلکہ ایسے افراد بھی تیار کرنے چاہیے جو لیڈر ہوں، ملازمتیں دینے والے ہوں، آج کی زبان میں Entrepreneur ہوں۔ آپ ﷺ نے لیڈر تیار کیے تھے، ایسے افراد تیار کیے تھے جنہوں نے تاریخ کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔ لہٰذا اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کو ایسا ہونا چاہیے جو صرف ملازمین تیار نہ کرے بلکہ ملازمتیں دینے والے اور قائدین بھی تیار کرے۔

بہترین امتحانی نظام کی تشکیل

جائزہ اور امتحانی نظام، نظام تعلیم کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔ جائزہ اور امتحان کا نظام جس قدر موثر ہوگا، نظام تعلیم کی بہتری کے امکانات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ جائزے اور امتحانی نظام سے ہی نظام تعلیم کی کامیابی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ فی الحقیقت جائزہ اور امتحان نظام تعلیم کے لیے میزان کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے ذریعے نظام تعلیم کی کامیابی یا ناکامی کا تعین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے نظام تعلیم میں ایک بہترین

امتحانی نظام کی تشکیل ضروری اور لازمی ہے۔

اس ضمن میں ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بہترین رہنمائی ملتی ہے۔ اگرچہ عہد نبوی میں آج کے زمانے کی طرح امتحانی نظام رائج نہیں تھا، لیکن نبی کریم ﷺ مختلف صحابہ کرام کی جانچ اور جائزے کے لیے مختلف سوالات فرمایا کرتے تھے اور صحابی کے جواب پر آپ ﷺ خوشی کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں روایت ہے، کہ حضرت ابو المنذرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے سوال فرمایا: اے ابو منذر تمہارے نزدیک قرآن کریم کی کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا تو میں نے کہا

اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم

تو آپ ﷺ نے سینے پر تھپکی دی اور فرمایا

لیھنئک العلم

تمہیں علم مبارک ہو

ان تفصیلات سے رہنمائی ملتی ہے کہ ریاست کو ایک موثر اور بہترین امتحانی نظام بھی تشکیل دینا چاہیے، تاکہ نظام تعلیم کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا رہے، اور اس نظام تعلیم کی خوبیوں میں مزید اضافے کے ساتھ ساتھ خامیوں پر قابو پا کر اس معاشرے کے لیے مزید موثر اور فائدہ مند بنایا جا سکے۔

خلاصہ بحث

نظام تعلیم کسی بھی ریاست اور معاشرے کی ترقی کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی بھی معاشرہ نظام تعلیم کی بہتری اور ترقی کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ایک اسلامی ریاست کے لیے نظام تعلیم کی اہمیت اس اعتبار سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس کا نظام تعلیم دین اور دنیا دونوں کی بہتری کے لیے بنیادی حیثیت کا حامل ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں مسلمانوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی میں ایک بہترین اسوہ حسنہ موجود ہے، جنہوں نے ریاست مدینہ کے نظام تعلیم کی صورت میں قیامت تک کے لیے ایک اصولی اور ابدی راہ نمائی کا سامان فراہم کر دیا تھا۔ چنانچہ ہمیں نبی کریم ﷺ کی قائم کردہ ریاست مدینہ کے نظام تعلیم سے یہ راہ نمائی ملتی ہے، کہ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم مقصدیت پر مبنی ہونا چاہیے۔ یہ صرف معاشی ترقی کے گرد گھومنے والا نہ ہو، بلکہ یہ معاشرے کے رہنے والے افراد کے اخلاق اور کردار کو بہتر بنائے۔ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم اس مقصد کا حامل ہونا چاہیے کہ وہ اپنے شہریوں کے اخلاق اور کردار کی اصلاح کر کے انہیں مفید شہری بنائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے نظام تعلیم میں تعلیم کا حصول تمام شہریوں پر لازم ہوتا ہے، اور اس کا اہتمام سرکاری سطح پر کیا جاتا ہے۔ تعلیمی سہولیات کی فراہمی ریاست کے تمام شہریوں کو مفت میسر ہوتی ہے، بلکہ بوقت ضرورت انہیں مزید سہولیات اور سکالرشپس بھی دیے جاتے ہیں۔ اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کے لیے لازم ہے کہ وہ ہر عمر کے افراد کے لیے اور تمام طبقات کے لیے تعلیم کا اہتمام کرے، بالخصوص خواتین اور وسائل سے محروم طبقات کے لیے۔ اسی طرح اسلامی ریاست کے نظام تعلیم میں بنیادی تعلیم کا اہتمام معاشرے کی مادری اور قومی زبان میں کیا جانا چاہیے، البتہ سیکنڈری لیول پر دیگر زبانیں سکھانے کا اہتمام بھی کیا جائے۔ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم دنیا میں بسنے والی دیگر اقوام سے پر امن تعامل اور معاشرت پر مبنی ہوتا ہے اور تعلیم کے ضمن میں مختلف اقوام سے باہمی تعلیمی وفود کے تبادلے پر زور دیتا ہے۔ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم محض مذہبی تعلیم تک محدود نہیں رہتا بلکہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لیے ضروری دیگر علوم کی تعلیم کا اہتمام بھی کرتا ہے، بالخصوص انجینئرنگ، فنی علوم، میڈیکل سائنسز، نرسنگ اور

دیگر علوم کی تعلیم کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ اسی طرح اسلامی ریاست کا نظام تعلیم اختصاص یعنی سپیشلائزیشن پر بھی زور دیتا ہے، تاکہ ہر فن کے ماہرین افراد کی تیاری ممکن ہو سکے۔ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے، کہ وہ تعلیم کے فروغ کے لیے مختلف اقدامات کرتا ہو، مختلف ترغیبات دیتا ہو، مارکیٹ اور انڈسٹری سے جڑا ہوا ہو، اور سب سے اہم بات یہ کہ ایک بہترین تعلیمی نظام امتحانی نظام پر مشتمل ہو۔

مصادر و مراجع

[1] ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:229، مکتبہ دار السلام، الریاض سعودی عرب۔

[2] ابو محمد عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویہ لابن ہشام:595/2، شرکۃ مکتبہ مصطفی البابی، مصر۔

[3] سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث:224

[4] ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب النسائی، السنن الکبری للنسائی، رقم الحدیث:6272 مکتب مطبوعات الاسلامیہ، حلب، 1986۔

[5] احمد بن حسین ابو بکر البیہقی، شعب الایمان للبیہقی، رقم الحدیث:1632 مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع الریاض، 2003۔

[6] پروفیسر سید محمد سلیم، اسلام کا نظام تعلیم، ص:86، نگارشات، لاہور، 1988۔

[7] السیرۃ النبویہ لابن ہشام:1/434

[8] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، رقم الحدیث:6008، دار السلام، ریاض، سعودی عرب، 2007؛ الروض الانف:2/13

[9] احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری، انساب الاشراف:1/213، دار الفکر، بیروت، 2007۔

[10] انساب الاشراف للبلاذری:1/332

[11] ابو الفضل احمد بن علی بن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ:1/176، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 2001۔

[12] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3416 دار السلام، ریاض، سعودی عرب، 2005۔

[13] یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب:2/374، دار الجیل، بیروت، 1992۔

[14] الاصابہ فی تمییز الصحابہ:6/474

[15] صحیح بخاری، رقم الحدیث:3461

[16] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3658

[17] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3416

[18] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، ص:163 ڈاکٹر یوسف الدین مذہبی ٹرسٹ، حیدر آباد، 2007۔

[19] ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن ترمذی، رقم الحدیث:1952، دار السلام، ریاض سعودی عرب، 2006۔

[20] سنن ترمذی، رقم الحدیث:1951

[21] صحیح بخاری، رقم الحدیث:101

[22] صحیح بخاری، رقم الحدیث:130

[23] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث:3887

[24] ابو عبد اللہ الحاکم، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، رقم الحدیث:6733، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1990۔

[25] عبد الحیی بن احمد، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، ص:1/259، دار ابن کثیر، دمشق، بیروت، 1986۔

[26] ابو عبد اللہ، شمس الدین محمد بن احمد الذہبی، سیر اعلام النبلاء:1/181، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1985۔

[27] صحیح بخاری، رقم الحدیث:2544

[28] علاء الدین، علی بن حسام الدین ابن قاضی خان، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، رقم الحدیث:11604، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1981۔

[29] سورۃ ابراہیم:4

[30] سنن ترمذی، رقم الحدیث: 2715

[31] ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی، التنبیہ والاشراف، ص: 246، دار الصاوی، القاہرہ، مصر۔

[32] ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمان، سنن الدارمی، رقم الحدیث: 449، دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 200۔

[33] التنبیہ والاشراف، ص: 246

[34] ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، رقم الحدیث: 2216، موسسۃ الرسالۃ، 2001۔

[35] ابو القاسم علی بن حسن، ابن عساکر، تاریخ دمشق لابن عساکر: 305/19، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1995۔

[36] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 169/2

[37] مسند احمد، رقم الحدیث: 12481

[38] سنن نسائی، رقم الحدیث: 3148

[39] ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبری لابن سعد: 108/1، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1990۔

[40] سراج الدین ابن الملقن، طبقات الاولیاء: 238/1، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ، 1994۔

[41] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 4586

[42] سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 3887

[43] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: 222/2

[44] سنن ترمذی، رقم الحدیث: 3791

[45] مسند احمد، رقم الحدیث: 3385

[46] مسند احمد، رقم الحدیث: 498

[47] مسند احمد، رقم الحدیث: 12904

[48] مسند احمد، رقم الحدیث: 1490

[49] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 595/2

4

مقالہ نگار: ڈاکٹر محمد فیروزالدین شاہ کھگہ
شعبہ علوم اسلامیہ، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا۔

اسلامی ریاست کی تشکیل میں تعلیمی نظم کی اہمیت

کسی بھی ریاست کے نونہالان کی تعلیم وتربیت کا منظم ومربوط اہتمام اس کے فکری، نظریاتی اور تہذیبی نقوش کا تعین کرتی ہے۔ ریاست کا نظم تعلیم ہی دراصل اس کی نظریاتی اساسیات کی نہ صرف تشکیل کرتا ہے بلکہ اس کے باشندگان کی متوازن جمع بندی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی ابتداء میں قراءت (اقراء) اور کتابت (علم بالقلم) اسلامی نظم کی بنیادیں قرار پائی ہیں کہ انسانوں کے مابین یہی وہ خوبی ہے جس کے ذریعہ وہ ایک طرف اپنے مالک حقیقی کو پہچان سکتے ہیں تو دوسری جانب وہ ایک دوسرے کے مابین حقوق وفرائض کے ترازو کو قائم کرسکتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ دس سالہ مدنی عہد کا ہی اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ بڑی بڑی قومیں صدیوں میں وہ انسان پیدا نہ کرپائیں جو پیغمبر ﷺ نے پیغمبرانہ حکمت عملی کے نتیجہ میں مختصر عرصہ میں تشکیل دیا۔

اس لحاظ سے عہد موجود میں پیغمبرانہ حکمت عملی کے تحت وجود پذیر نظام تعلیم ایک ایسی متوازن اور مربوط وپائیدار تعلیمی حکمت عملی کا تقاضا کرتی ہے جو فرد کو ایک نیک طینت، نیک خو، متقی اور پاکباز وباکردار انسان بنائے۔ جو اسے خداشناس بنانے اور گہرے مذہبی شعور سے آراستہ وپیراستہ کرے۔ ایسا تعلیمی وتربیتی نظام جو انسان اور اس کے اردگرد کے لوگوں کے ساتھ اس کو گہرے مفاہمانہ طرز معاشرت کے قابل بنائے اور ساتھ ہی وہ اپنے ماحول کے تمام مظاہر کے ساتھ بہترین طرز تعامل اختیار کرتے ہوئے ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت سے اپنا کردار سمجھے اور عملی طور پر اس کو ثابت بھی کرے۔ وہ تعلیمی نظم اسے جسمانی اور روحانی آسودگی عطا کرے۔ اسی طرح وہ نظام تعلیم اس کو روحانی بالیدگی، خیر وشر میں تمیز کے شعور کے ساتھ ساتھ اس کو مادی وسائل ومنافع کی اکتشافات کا فن بھی عطا کرے تاکہ وہ اس کے بامقصد اور صالح استعمال سے آگاہ ہوکر جہاں دوسروں کے لئے باعث خیر انسان بنے وہاں وہ اپنی اور اپنے خاندان کی دینی ودنیوی حیات کو باعث سعادت بنا سکے۔

یاد رہے کہ یہ تعلیمی حکمت عملی ایک پورا عملی پروگرام ہے، جس کے لئے اساسی نصابی مواد کے تعین میں کسی ریاست کی مذہبی اور ریاستی نظریاتی شناخت کو نہ صرف مد نظر رکھا جاتا ہے بلکہ اس کو تعلیمی پالیسی میں سب سے زیادہ اہمیت وفوقیت دیے جانے کی ضرورت ہوتی ہے بعد ازاں اس میں درجہ بدرجہ علوم وفنون اور معاصر مقتضیات کا خیال رکھ کر ایک مربوط اور فکری وحدت کو قائم کرنے کی جانب مسلسل پیش قدمی کے شعوری میکنزم کی ضرورت رہتی ہے اور بہر صورت اسے سیاسی عمل یا ریاستی سرپرستی میں ہی نافذ بھی کیا جانا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہی ریاست کا اسلامی تشخص قائم ہو سکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام نے کن بنیادوں پر یہ تعلیمی نظام کھڑا کیا؟ اس نظام تعلیم میں کن مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کن زاویوں سے اس کی عمل داری کو یقینی بنایا نیز فرد اور معاشرہ کی تشکیل کے ساتھ ساتھ ریاست کے داخلی یا خارجی امور میں اس نظام تعلیم کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟۔ اس مقالہ میں انہی سوالات کا جواب ڈھونڈنا ہے تاکہ آج کے دور میں سیرت طیبہ کی روشنی میں مملکت خداداد کو مدنی طرز معاشرت میں ڈھالا جا سکے۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں ریاستی نظم تعلیم کو مرتب کرنے کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ہمارے معاشرے کو صحیح معنوں میں اسلامی، فلاحی

ریاست بننے میں جو رکاوٹیں درپیش رہی ہیں ان میں مذہبی ذہن وفکر کی معذوری، روایتی نظام تعلیم میں موجود خامیاں، برطانوی آبادیاتی نظام کے فاسد اثرات، جدید مغربی نظام تعلیم کا اسلامی نظریۂ حیات سے متصادم ہونا نیز اخلاقی بگاڑ وبے مقصدیت وغیرہ سرفہرست ہیں۔ چنانچہ پاکستان کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے اور اسے اسلامی نمونے پر ڈھالنے کے لیے ان موانع کا تدارک از حد ضروری بلکہ ناگزیر ہے، سیرت کی روشنی میں تعلیمی نظم ونسق کا قیام اس کی شاہ کلید ہے۔[1] مملکت خداداد پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی، فلاحی ریاست میں بدلنے کے لئے اسلامی تعلیمات اور معتقدات کے مطابق اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر وتنظیم از بس ضروری ہے، جس کے لئے سیرت طیبہ واضح اساسیات فراہم کرتی ہے۔ پاکستان کو حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے لیے اس ملک کے باشندوں میں صحیح اسلامی روح بیدار کرنا، انھیں دین کی اصلی اقدار وتعلیمات سے روشناس کرانا اور ان کے اخلاق کی اصلاح اور معاشرتی رویوں کو تعلیمات سیرت سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہے۔

بنظر غائر دیکھا جائے تو عہد جاہلیت میں جس اخلاقی پستی کا سامنا تھا اسی کے مظاہر عصر موجود میں بھی نظر آتے ہیں، جس طرح معلم انسانیت ﷺ نے اس عہد میں قرآن اور نور کردار کے ساتھ علم واخلاق کا بول بالا کیا تھا، انہی انوار سیرت کی تجلیات کے عملی اطلاق وظہور کی ضرورت آج دوچند ہے۔ چنانچہ مقالہ میں سب سے پہلے قبل از نبوت عرب کے کیا تعلیمی حالات تھے، اس پر ایک مختصر نظر ڈالنا مفید ہوگا تاکہ اس سے تعلیمات نبوت کی انقلابی حکمت عملی کا عہد موجود کے تعلیمی نظاموں سے موازنہ ہو سکے۔

قبل از نبوت عرب جغرافیہ میں تعلیمی احوال وظروف

بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جہل محض علم کی ضد ہے[2] اور قبل از نبوت عہد جاہلیت کا عہد تھا جہاں تعلیم وتعلم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ درست نہیں ہے بلکہ جہاں بھی سماجی رنگ ہوتا ہے وہاں افراد معاشرہ کے مابین علم وتعلم کا سلسلہ ضرور جنم لیتا ہے۔ مدنی الطبع ہونے کے سبب انسان ایک دوسرے سے باہم چیزوں اور اور خیالات کا تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ ہر آدمی اپنی اپنی سطح پر غیر رسمی طور پر ہی سہی اپنے اردگرد کے ماحول اور انسانوں سے سیکھتا رہتا ہے۔ انسان اپنی بقاء کے لئے وسائل وذرائع کا کھوج ہمیشہ لگاتا ہے پھر ان ذرائع کے حصول کے لئے آلات کا سہارا لیتا ہے، اس طرح وہ مختلف علوم وفنون کی صنعت اور ایجاد سے متعارف ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دیگر معاشروں کی طرح اہل عرب معاشرہ بھی ان طبعی خصائص سے بالکلیہ محروم نہ تھے۔ دراصل یہ جہالت ان کے مزاج میں موجود خشونت، عدم بردباری اور غیر متوازن شدت پسندانہ رویوں کے سبب پیدا ہو چکی تھی۔

اس کے ساتھ ہی تاریخی اعتبار سے یہ امر دلائل سے ثابت ہے کہ اسلام سے قبل دنیا کے بعض خطوں میں علوم وفنون کی سرگرمیوں کے آثار وشواہد ملتے ہیں، چنانچہ مصر، یونان، چین، روما، ہند وایران میں مدارس قائم تھے جہاں استاد اور طالب علم درس وتدریس میں مشغول تھے، مگر سب جگہ ایک بات قدر مشترک کے طور پر نظر آتی ہے کہ تعلیم وتعلم کی ساری سرگرمی ایک مخصوص گروہ یا طبقہ تک محدود تھی، عوام تک علم کی رسائی نہیں تھی۔ یونان میں ارسطو جیسا فلسفی اپنی بلند فکری کے باوجود عورتوں اور غلاموں کو علم کی مسند پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ہندوستان میں مشہور ماہر قانون منو شودروں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا، اگر کوئی شودر مقدس کتاب وید کے الفاظ سننے کی کوشش کرے تو اس کے لیے سزا تجویز کرتا ہے کہ اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے۔[3]

البتہ زمانہ جاہلیت میں عربی کتابت کب شروع ہوئی؟ یا ان کا علمی دور کتنے عرصہ پر محیط ہے؟ ہمارے پاس اسکا اندازہ لگانے کیلئے کوئی حتمی پیمانہ نہیں ہے۔ البتہ تاریخی روایات کی چھان بین سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ولادت نبوی سے ساڑھے پانچ سو برس قبل عربوں میں علمی انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اہل حیرہ میں سب سے پہلے کتابت کا فن آگے بڑھا یا لہذا عربوں نے فن کتابت انہیں سے سیکھا تھا۔[4] چنانچہ

جفینہ العبادی ایک عیسائی عالم حیرہ سے مدینہ آیا اور لوگوں کو کتابت کی تعلیم دیتا تھا۔[5] جزیرہ عرب جنوبی اور مغربی حصوں سے ہزاروں عربی کتبات کا انکشاف ہوا ہے جو دور جاہلیت کے لکھے ہوئے ہیں یہ کتبات مختلف عربی لہجوں میں ہیں، اکثر کتبات کی عبارتیں قرآنی لغت میں ہیں ان کی تحریریں نثر میں ہیں۔[6] اس عہد کے ایک عالم اور کاتب عدی ابن زید نے تاریخ الروم بھی لکھی تھی، مسعودی نے اسکے حوالے دیئے ہیں۔[7] عہد جاہلی کے کئی شہر ایسے تھے جو تعلیمی مراکز کا درجہ رکھتے تھے۔ ان میں پرائمری سطح کی تعلیم موثر اسلوب سے دی جاتی تھی۔ ان مراکز میں مکہ مکرمہ[8]، طائف[9] مدینہ منورہ[10] انبار، حیرہ اور دومتہ الجندل وغیرہ[11] قابل ذکر ہیں۔ ان تمام مراکز میں بہت بڑے پیمانے پر عربی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ قبیلہ بنی ہذیل کی ایک بچی بھی ان مراکز میں سے کسی ایک میں داخل تھی، اس کا نام ظلمہ تھا وہ باقی بچیوں کو باآواز بلند سبق کہلوایا کرتی تھی۔[12] جاہلی دور تعلیمی سرگرمیوں سے خالی نہ تھا۔ اکثر قبائل اپنے اپنے اشعار کو قلم بند کرتے تھے، وہ اپنے شعراء کے اشعار اور اپنے فلسفیوں اور حکیموں داناؤں کی باتیں کتابوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے دیوان صحف میں قلم بند کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ اپنے عہود، مواثیق اور احلاف کو بھی لکھا کرتے تھے۔ وہ اپنی کتب دینیہ بھی لکھا کرتے تھے۔[13] البتہ لکھنے پڑھنے والوں کی یہ تعداد بہت کم تھی۔[14] بعض مؤرخین نے ان لکھنے پڑھنے والوں کے نام بھی گنوائے ہیں، بلاذری کی تحقیق کے مطابق ان کی تعداد گیارہ افراد سے تجاوز نہیں کرتی۔[15] عہد نبوی سے قبل کے نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو وہاں عربی شاعری کی زبانی روایت کے متوازی اس کی تحریر و کتابت کے دلائل بھی ملتے ہیں اگرچہ کتابت کا یہ رواج بہت کم تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم[16] نے عرب کے تعلیمی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عرب لوگ ان پڑھ ہونے پر اتراتے تھے۔ البتہ عربوں کی زبان عربی نہایت متمدن اور ترقی یافتہ تھی، یہاں تک کہ اگر اس معیار پر اسلام سے پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے تو ہم زبان کی نزاکت، لغات کی کثرت، قواعد صرف و نحو کے استحکام اور خاصے بلند معیار کے نظم کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اور حدیث زمانہ جاہلیت کے بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ میں آتے تھے جتنا آج کسی جدید عربی کے متعلم کو، اس زمانے میں عربی زبان، لغات و الفاظ کی حد تک اتنی وسیع اور متمول ہو گئی تھی کہ اس کا مقابلہ زمانہ حال کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی زبانوں سے بھی با آسانی کیا جاسکتا ہے۔[17] واضح رہے کہ قدیم عربی لغت میں ایسے بے شمار الفاظ ملتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قبل از اسلام عہد جاہلیت میں بہر حال کسی نہ کسی شکل میں تعلیمی سرگرمیاں جاری تھیں نیز ان کے استعمالات کے لیے جو آلات کام میں آتے ہیں جیسے لفظ علم قلم، قرطاس، دوات، مداد، لوح، صحف، کتاب اور مجلہ وغیرہ بعد ازاں ان کا استعمال قرآن کریم اور احادیث میں بھی ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق زمانہ جاہلیت کے عرب میں مدرسے اور تعلیم گاہیں بھی موجود تھیں۔ انہوں نے اس ضمن میں بازار عکاظ میں ہونے والے ادبی میلے کو بین العرب ادبیاتی کانگریس کا نام دیا ہے۔ ابن قتیبہ کی عیون الاخبار سے دلیل دی ہے کہ قبیلہ ہذیل کی ایک عورت بچپن میں مدرسہ جاتی تھی۔ کعبہ میں سبعہ معلقات کی موجودگی، ورقہ بن نوفل کی زمانہ جاہلیت میں توریت اور انجیل کی عربی زبان میں منتقلی، عربوں کے علاوہ دوسری قوموں مثلاً مدینہ کے یہودیوں نے ایک بیت المدارس قائم کر رکھا تھا جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا وغیرہ چند ایسے مظاہر ہیں کہ جن سے کچھ نہ کچھ تعلیمی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عربی زبان میں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے لیے بڑی کثرت سے الفاظ ملتے ہیں مثلاً قلم، نون، مرقوم، مسطور اور مکتوب وغیرہ۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول ان اور اسی طرح کی مماثل بنیادوں پر علوم و فنون کی وہ بلند عمارتیں بعد میں زمانہ اسلام کے عربوں نے کھڑی کیں جن پر پورے کرہ ارض کی علمی دنیا فخر کر سکتی ہے۔[18]

عہد رسالت میں تعلیمی نظم و نسق کے تشکیلی خدوخال:

سرکار دو عالم ﷺ نے ابتداء نبوت میں جب لوگوں کو توحید اور اسلام کی دعوت دی اس وقت کے احوال کا جائزہ لیا جائے تو ان حالات میں بہت

تھوڑے لوگ پڑھنے لکھنے کے فن سے آگاہی رکھتے تھے۔ ڈاکٹر مصطفی اعظمی تحریر فرماتے ہیں:

"ولذلک کان الذین یعرفون القراءة والکتابة قلة قلیلة"[19]

اسی لیے جو لوگ جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے، ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔

معروف مؤرخ البلاذری کے ایک قول کے مطابق پورے عرب جغرافیہ میں قریش میں صرف سترہ لوگ تھے جو کتابت کے فن سے آشنا تھے[20]۔ لہٰذا کاتبین کی قلت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے کتابت کی طرف صحابہ کرام کی زیادہ توجہ دلائی، تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابہ کرام لکھنے اور پڑھنے کے فن سے واقفیت رکھتے تھے وہ تمام کے تمام صرف قرآن مجید نہیں لکھا کرتے تھے بلکہ مختلف انداز میں مختلف تحریروں کو قلمبند کرنے پر بھی مامور تھے۔[21]

یہ چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ تھا جب رسالت مصطفوی ﷺ کا آفتاب عالم تاب وادی بطحا مکہ مکرمہ سے ہویدا ہوا جہاں ابتداء میں آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام تین سال، یعنی نبوت کے چھٹے سال کے آخر تک اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اساسی معتقدات کی نہایت حکمت و مصلحت کے ساتھ پیش کرتے رہے، بالخصوص اس مرحلہ پر نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا اہم کام سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم سے تعلیم یافتہ صحابہ دار ارقم کے باہر بھی لوگوں کے گھروں میں جا کر ان کو تعلیم دیا کرتے تھے۔[22] بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانے میں، جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی، آپ ﷺ نے وہاں نئے اسلام لانے والوں کی تعلیم و تربیت کے لیے سب سے پہلے انتظام فرمایا۔ قبل از ہجرت کے تعلیمی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ نے وہ تمام آیات نقل کی ہیں جن کا تعلق علم کی اہمیت سے ہے، ان کے بقول بیعت عقبہ ثانیہ میں جب مدینے کے بارہ لوگوں نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ ایک تربیت یافتہ معلم کو روانہ کر دیا تھا جو انہیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے۔ زمانہ قبل ہجرت اسلام کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے میں بیان کی جا سکتی ہے، یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی ٹیم نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی کا نزول ہو وہ لکھ لیتے۔[23] اسی طرح آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت سعید بن العاص کو مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ وہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اور نماز پڑھنا سکھائیں۔[24] بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مکتوم کو بھی مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہ وہاں جا کر لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دیں۔[25] ابن ام مکتوم کے علاوہ سعید بن العاص سے متعلق روایات میں آتا ہے کہ وہ نہایت خوشنویس تھے اور قرآن کریم جانتے تھے، انہوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کو فن کتابت سکھانے کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ مدینہ منورہ میں قائم ہونے والا پہلا مدرسہ اور اسلام کا دوسرا مدرسہ تھا۔[26]

ہجرت کے زمانے تک قابل معلمین کی تعداد معتد بہ ہو چکی تھی۔ بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ مکی عہد میں صحابہ کرام نے آپکی صحبت کا فیض کچھ مدت کے اٹھالیا تھا وہ کندن بن گیا تھا۔ چنانچہ ہجرت مدینہ سے ذرا قبل جب اہل مدینہ کی تعلیم و تربیت کے لیے کسی معلم کی ضرورت پڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر انتخاب عبد الدار / قریش کے ایک نوجوان، صالح و قابل صحابی حضرت مصعب بن عمیر پر پڑی اور آپ نے ان کو مدینہ بھیج دیا۔ اس سے قبل اہل مدینہ کی تعلیم کا فریضہ حضرت اسعد بن زرارہ، نقیب النقباء کیا کرتے تھے۔ ماخذ کا بیان ہے کہ تمام مدنی مسلمان ان کے گھر یا اس کے پہلو میں آباد مسجد خانہ میں جمع ہو جاتے تھے اور حضرت اسعد بن تریادہ ہے ان کو مذہبی تعلیم دیا کرتے تھے۔[27]

عہد نبوت میں تعلیمی مدارج کی تشکیل:

بچوں کی ابتدائی سطح کی تعلیم کا انتظام: آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام نے بچوں کے لیے ابتدائی سطح کی تعلیم کو ایسے اسلوب پر قائم فرمایا کہ جو ان کی عقلی

صلاحیت کے موافق اور بغیر کسی خرچ کے حاصل کی جا سکتی تھی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ریاست کے مقتدا اور اہلیان ریاست کی دینی فکری اور سماجی تربیت کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے اس لیے آپ نے بچوں کے مابین کسی بھی طرح کی تفریق یا طبقاتی اونچ نیچ کا لحاظ کیے بغیر ان کی تخلیقی اور پیداواری صلاحیتوں کو اجاگر فرمایا، ماں باپ اور اساتذہ کے ذہنوں میں اس ذمہ داری کا احساس اجاگر کیا کہ وہ اپنے ماتحت کے اوپر نگہبان اور مسئول بنائے گئے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع سے ایک روایت ہے جس میں آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا ہمارے ذمے بچوں کے بھی کچھ حقوق ہیں جس طرح ہمارے حقوق ان پر ہیں، تو آنجناب علیہ السلام نے فرمایا کہ بچوں کا اپنے باپ پر حق ہے کہ وہ اسے لکھنا، تیراکی کرنا، تیر اندازی کرنا سکھائے اور اسے پاکیزہ کھانا دے۔[28] حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی مکتب کے پاس سے گزرتے تو بچوں کو سلام کرتے۔[29] یہ تمام روایات اس بات کا عندیہ دیتی ہیں کہ بچپن ہو جوانی ہو یا بڑھاپا ہو انسان کی زندگی میں نبوی تعلیمات کی روشنی میں ان پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن سے کماحقہ عہدہ برا ہونے کے لئے مناسب تعلیم کا حصول نہایت ضروری ہے۔ اس لحاظ سے ہر شخص کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے سے کم عمر لوگوں کی تربیت کا خصوصی اہتمام رکھے، حضرت عمر کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "تفقهوا قبل ان تسودوا" سردار بننے سے قبل علم حاصل کر لو۔[30]

نوجوانوں اور بالغوں کی تعلیمی پالیسی: صرف ایسا نہیں ہے کہ جو لوگ بچپن میں علم حاصل کر چکے وہی معاشرے کے پڑھے لکھے افراد کہلوانے کے حقدار ہوں بلکہ آنجناب علیہ الصلاۃ والسلام نے ان لوگوں کو بھی تعلیم کا مستحق قرار دیا ہے کہ جو کسی اپنی مجبوری کے سبب یا سہل پسندی کی وجہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہے اور ان کی عمر زیادہ ہو گئی ایسے لوگوں کی تعلیم کو تعلیم بالغاں کہا جاتا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی اہمیت کا بھی خوب احساس کیا ہے چنانچہ علامہ کتانی فرماتے ہیں کہ بڑی عمر میں تعلیم حاصل کرنا چھوٹی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کی بنسبت زیادہ پختہ ہوتا ہے، بخاری شریف میں بھی ایک باب باندھا گیا ہے باب الاغتباط بالعلم والحکمہ وقد تعلم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم کبار[31] صحابہ اس وقت تک تعلیم حاصل کرتے رہتے جب تک کہ ادھیڑ عمر کو نہ پہنچ جاتے اور عمر کے اخیر حصہ میں بھی وہ علم کے سمندر میں غوطہ زن رہتے۔ حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ علم کو بالغوں کے حوالے کرو[32] حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر جوانی کے عالم میں مبعوث فرمایا۔[33] الغرض نوجوان اہل علم کا کردار نہایت شاندار رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسی عمر کو تعلیم میں خوب مبالغہ کرنے کی اور توجہ سے حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔

خواتین کا تعلیمی نظم واہمیت: آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام نے خواتین کی تعلیم پر بھی بہت زور دیا اپنی ازواج مطہرات کی تعلیم کی جانب بھی خصوصی اہتمام فرمایا اور انہیں اس قابل بنایا کہ وہ دیگر خواتین کی بھی تعلیمی ضروریات کا خیال رکھ سکیں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مختلف احادیث میں اس شخص کو جنت کی بشارت دی ہے جس جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی اور ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا اور ان سے اچھا سلوک کیا۔[34] ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنیزوں اور لونڈیوں تک کو تعلیم دینے کی تلقین فرمائی۔[35] عورت اگر زیور تعلیم سے آراستہ ہو گی تو اس کی گود پیدا ہونے والے بچوں کے لیے چونکہ پہلی درسگاہ قرار پاتی ہے اس لیے عورت کا خود صاحب علم و فہم اور بصیرت و حکمت سے آراستہ ہونا آنے والی نسلوں کی قومی اور بہتر تربیت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کی تعلیم کے لیے کئی ایک اقدامات اٹھائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلمین کی طرح خواتین معلمات کا بھی خود تقرر کرتے اس کی مثالوں میں حضرت ام ورقہ شفا بنت عبداللہ اور حضرت عائشہ کا شمار کیا جاتا ہے۔[36] حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد فرد کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ روحانی بالیدگی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کی صالحیت اور ملک وملت کی قومی پیداوار اور اس کے استحکام میں اپنا کردار ادا کرے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دینی تعلیم کی اہمیت مردوں کے ساتھ

ساتھ خواتین کے لیے بھی لازمی ہے، آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام نے مختلف طریقوں سے خواتین کی تعلیم وتربیت کے انتظامات فرمائے کبھی ان کے لئے خصوصی طور پر مجالس مقرر فرمائی تو کبھی اپنے اصحاب کو اور وفود کو خواتین کی گھروں میں تعلیم کی جانب متوجہ کیا، باہر سے آنے والے نوجوانوں کے ایک وفد کو چند دن تعلیم دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، اپنے گھر والوں کے ساتھ رہو اور گھر کی خواتین کو علم سکھاؤ اور شریعت کے احکام پر عمل کرواؤ۔[37] چنانچہ صحابہ کرام اپنی خواتین اور بچوں کو اپنے گھروں میں تعلیم دیتے تھے، اس ضمن میں بہت ساری احادیث اور روایات پیش کی جاسکتی ہیں، خود آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی ایسی تربیت فرمائی کہ بہت بڑے بڑے صحابہ بھی آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد اہم ترین مسائل میں ازواج مطہرات کی طرف رجوع فرماتے جیسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں روایات سے معلوم ہوتا ہے۔[38] غرض یہ ہے کہ آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کے قائم کردہ نظام تعلیم میں خواتین کی تعلیم وتربیت پر نہایت خصوصی توجہ دی گئی۔

تعلیم و تعلم کے مقاصد۔۔ سیرت طیبہ کے تناظر میں:

اس مسلمہ حقیقت سے ہر مسلم باخبر ہے کہ قرآن وحدیث کی رو سے انسانی زندگی کا عظیم مقصد رضاء الہی اور اخروی فلاح کا حصول ہے اور اسلام اپنے تمام ماننے والوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی تمام تگ ودو اور فکری و عملی کاوشیں اسی راہ میں صرف ہونی چاہئیں۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے خدا تعالی نے جو طریقہ بتایا ہے اسے مختصراً حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کا اصل مقصد ومنتہا یہ قرار پائے گا کہ اس سے ان حقوق کی ادائیگی کی راہیں ہموار ہوں۔ قرآن کریم کی جن آیات میں اللہ تعالی نے انسان کو اپنے تکوینی کمالات، قدرت کے مظاہر اور فطرت کے عجائبات میں غور وفکر کی دعوت دی ہے ان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی کہ ان سب سے مقصود یہی ہے کہ خالق کائنات کے وجود، اس کی وحدانیت وقدرت کاملہ کا یقین اس کے دل میں ثبت کر جائے اور حقانیت وصداقت اس کے سامنے واضح ہو جائے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ عنقریب ہم ان کی اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔[39] اسی حقیقت کو اس آیت میں بھی واضح کیا گیا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ[40]

اسی طرح اللہ تعالی اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔

ان آیات کی روشنی میں، بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں جملہ علمی و تحقیقی کاوشوں سے مطلوب خدائے تعالی کی صحیح معرفت حاصل کرنا، کائنات وانسان کی حقیقت اور ان کی تخلیق کے اصل مقاصد کو سمجھنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی صحیح معرفت اور کائنات میں انسان کے خود اپنے مقام کی پہچان ہی سے انسان میں عبودیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، خالق کائنات سے تعلقات کی استواری کا داعیہ ابھرتا ہے اور مالک الملک کے احسانات پر شکر بجالانے کا احساس جاگزیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل علم یا علم والے وہ لوگ قرار پاتے ہیں جو خالق کائنات کی صحیح معرفت کے ساتھ کائنات کی حقیقت اور خود اپنی حیثیت سے بخوبی واقف ہوں۔ جیسا کہ قرآن مجید کی ان آیات میں غور وفکر سے واضح ہوتا ہے، جن میں "علم"، "جہل"، "عالمون"، "جاہلون"، "اولوا العلم"، "ذی علم" اور "الراسخون فی العلم" جیسے الفاظ مذکور ہوئے ہیں"۔ یہ تو پروردگار عالم کے حقوق اور معرفت کے ضمن میں تعلیم و تحقیق کی مقصدیت کا بیان رہا، ڈاکٹر ظفر الاسلام نے اسی سلسلہ کلام کے دوران تحقیق میں خلق خدا کی نفع رسانی کو مقصود ٹھہرانے کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا ہے، ان کے بقول "حقوق العباد کی نسبت سے علم و تحقیق کے مسئلہ پر غور کیا جائے تو اس کا مدعا یہ قرار پائے گا کہ تحقیقی صلاحیتوں اور کوششوں کو خلق خدا کے نفع کے لئے استعمال کیا جائے۔ تحقیق و تجربہ کے ذریعہ ایسے

افکار و نظریات کی افادیت و معقولیت ثابت کی جائے اور انہیں علمی انداز میں پیش کیا جائے جو انسانی زندگی کی تعمیر اور ایک صالح معاشرہ کے قیام کے لئے قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔[41] غرض یہ کہ اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی فلاح وبہبود کا سب سے اہم عنصر اس کی فکر تربیت اور اصلاح ہے جس کے لئے آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام نے مدینہ کی ریاست میں باقاعدہ نظام تعلیم قائم کیا۔

محمد اسد کے مطابق اسلامیات کی تدریس کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ قرآن حکیم اور سنت رسول کا فہم حاصل کر سکیں اور پھر نصاب کے آخری مرحلے تک پہنچتے پہنچتے اس امر کو بھی جان لیں کہ مختلف فقہی مذاہب کا قرآن وسنت سے احکام کے اخذ و استنباط کا اسلوب اور طریق کار کیا ہے۔ وہ اسلامیات کے نصاب میں اسلام کے ابتدائی عہد کی تاریخ کے مفصل و تنقیدی مطالعہ کو شامل کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مزید برآں وہ عام فلسفہ کے علاوہ اسلامی فلسفہ کلام کے مطالعہ کو بھی نصاب کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ وہ اسلامیات کے نصاب کے آخری مرحلوں / درجوں میں بحیثیت مجموعی اسلام کی اسکیم کا، معاشیات اور عمرانی علوم کے شعبوں سے تعلق رکھنے والے عصری مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے، تجزیاتی مطالعہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ اسد کی اس تعلیمی اسکیم کے مطابق اسلامیات کے نصاب کی آخری منزلوں میں اس امر کا التزام رکھا جائے گا کہ اسلام نے جو نظام حیات پیش کیا ہے اس پر موجودہ زمانے کے ان مسائل کا لحاظ رکھتے ہوئے، جن کا تعلق معاشیات اور علوم اجتماعیہ سے ہے، بالاستیعاب نظر ڈالی جائے۔[42]

عہد نبوت میں نصاب سازی کے عناصر اور اساسیات:

یہ ایک حقیقت ہے کہ نصاب تعلیم کسی تہذیب اور طرز معاشرت کی نظریاتی اساس کی نشاندہی کرتا ہے۔ نسل نو کی ذہنی تعمیر و تشکیل و تعمیر کرنے اور اس عہد تک کے موجود علوم وفنون سے درست فائدہ اٹھانے اور عصری تحدیات و ترجیحات کا تعین کرنے کے لئے موزوں نصاب سازی ناگزیر درجہ رکھتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے افراد معاشرہ کی فکری، نظری رخ بندی نیز تعلیم وتہذیب کا نقشہ وجود پاتا ہے اور اسی سے علم و کردار کی آبیاری ہوتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی عنصر مفقود یا ناقص یا مرکز توجہ نہ ہو تو یقینی طور پر انسان سازی، مردم گری اور صالح انسانی معاشرہ کی تعمیر میں خلل واقع ہو جائے گا۔ ظہور اسلام کے بعد روز اول سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عالم کو وحی ربانی کی روشنیوں سے مستنیر کیا اور تعلیم حکمت کا وہ قلزم پیش فرمایا جس نے انسانی شکست وریخت کے تمام نقائص کو نہ صرف رفو کیا بلکہ اس کو تہذیبی کمال تک پہنچایا۔ بالخصوص قرآن کریم اور سنت وسیرت مصطفوی میں جگہ جگہ علم و قلم کے قسموں کا ذکر کرکے علم و معرفت، تعلیم و تعلم، تدبر و تفکر اور نظر و بصیرت کے نئے زاویے کشادہ کئے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی تناظر میں اسلام کا اساسی نصاب اور نظام تعلیم بھی طے ہو گیا جس میں رفتہ رفتہ معاصر ضروریات اور تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے اس کو مدون اور غیر مدون نصابات کی تقسیم کیا گیا۔ مدون نصاب قرآن کریم، احادیث مبارکہ، سیرت طیبہ، علم فقہ، تاریخ و انساب، علم الفرائض، علم طب علم وافلاک، علم لغت، غیر عربی زبانوں کا علم وغیرہ جیسے اہم اور مرکزی مضامین پر مشتمل تھا۔ جبکہ غیر مدون نصاب یا تعلیم وتربیت کی آموخت میں غیر نصابی سرگرمیوں کا حصہ بھی پوری اہمیت کا ساتھ شامل تھا جن کے ذریعہ نسل نو کی جسمانی صحت اور اعضاء کی نشو ونما کا خصوصی اہتمام نیز ان کے اندر اسلامی جذبہ جہاد، فرد اور سماج کے تحفظ اور دفاع کی استعداد اور تفریح طبع کو ایک مثبت پیش رفت کے طور پر پیش کیا گی ہے۔ان غیر نصابی سرگرمیوں میں شکار (hunting)، تیر اندازی (archery)، تیراکی (swimming)، شمشیر زنی (swordsmanship)، دوڑ (race)، کشتی (wrestling)، گھڑ دوڑ (horse racing)، وغیرہ شامل تھیں۔ الغرض سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف حصول تعلیم پر زور دیا بلکہ کیا تعلیم دی جائے؟ نصاب کیا ہو؟ اس کا بھی تعین فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے سب پہلا نصاب تعلیم خود ہی وضع فرمایا۔

اب رہا یہ سوال کہ نصاب کی اسلامی بنیادیں کیا ہونی چاہئیں، اس کا مواد اور محتویات کیا ہونے چاہئے، نیز اس نصاب کے نتائج کیا ہوں

گے ؟ اسی طرح اس نصاب کو پڑھنے کے بعد افکار و نظریات میں کیا تبدیلی اور ترقی ہو سکے گی اور دنیا کو دیکھنے کے زاویہ نگاہ میں کس قدر وسعت اور گہرائی پیدا ہونی چاہیے ؟ اس ضمن میں مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ایک بنیادی نکتہ کی جانب متوجہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اگر دنیا میں انصاف کے ساتھ تاریخ لکھی جائے اور یہ تحقیق کی جائے کہ علم نے کب اپنا راستہ بدلا؟ وہ کب تعمیر کے بجائے تخریب کا ذریعہ بنا؟ تو ایک منصف آدمی یہ بتائے گا کہ جب سے علم کا رشتہ خالق، مالک، رب کائنات سے ختم ہو گیا، جب ہی سے یہ تباہی اور بربادی آئی۔ جو علم اللہ کے نام سے الگ ہو کر چلا وہ قابل اعتبار نہیں رہا، اس علم سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ معلوم ہو کہ ہمارا خالق کون ہے؟ ہمارا مالک اور پالنہار کون ہے؟ بڑے بڑے دانشوروں، معلموں اور فلسفیوں کو جب یہ نہیں معلوم کہ ان کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ نیکی اور بدی میں کیا فرق ہے؟ ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے؟ وہ ہمیں کس راستہ پر لگانا چاہتا ہے؟ وہ ہمیں کونسا عقیدہ دیتا ہے؟ اس کائنات، عام انسانوں اور اس دنیا اور اس کے انجام کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ جب ان بنیادی سوالات کا علم نہ ہو تو پھر اس علم کا کیا فائدہ؟"[43]

انسان ساز معیاری نصاب کی ضرورت۔۔۔ سیرت کا تقاضا:

اسلام میں کتابوں کی کثرت اہم نہیں بلکہ مندرجات کی اہمیت کہیں زیادہ ہے۔ آج پوری دنیا میں علم کی پیمائش کتب اور مقالات کی مقدار سے کی جاتی ہے لیکن معیار اور مشمولات کی صحت و استناد نیز ان کی تخریبی یا تعمیری گراف سے کوئی غرض نہیں رکھی جاتی، نصاب کی نظریاتی اور فکری اساسات میں یہی وہ کمی اور کجی ہے جو نسلوں کو راہ راست سے بھٹکنے کی جانب مہمیز دے رہی ہے۔ مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ کی اس حوالہ سے چشم کشا رائے معاملہ کی حساسیت کو سمجھنے اور معاصر مسلم علمی افلاس کی قلعی کھولتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ترقی کا پیمانہ صرف کتابوں کی تعداد ہے، ان کی نوعیت نہیں، یعنی اس سے کوئی بحث ہی نہیں کہ کتابیں کیسی نکلیں؟ کن کن موضوعوں پر نکلیں؟ کس گہرائی کی نکلیں؟ بلکہ دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ کتنی نکلیں ہیں!۔۔۔ دیکھتے ہی دیکھتے میز پر کاغذ اور روشنائی کے پہاڑ کے پہاڑ، ہمالئے کے ہمالئے کھڑے ہو گئے۔ ان سے انسان نے کیا پایا اور کیا کھویا؟ اس سے کچھ روشنی بڑھی یا تاریکی کی گھٹا اور بھی گھنگھور ہو گئی؟ دنیا میں مقدار خیر و صلاح کی بڑھی یا شر و فساد کی؟ دلوں میں نور کی جلا پیدا ہوئی یا اور زنگ پر زنگ لگتے چلے گئے؟ یہ شعر و غزل، ناول، ڈرامے، افسانے اور افسانچے جو بے شمار شائع ہوئے، یہ آخر کس طرف لے جا رہے ہیں؟ فنون لطیفہ کی دعوت کا رخ کیا رہا ہے؟ خود جو بڑے سنجیدہ علوم و فنون کہے جاتے ہیں فلسفہ اور سائنس، تاریخ و معاشیات ان میں سے بھی بیشتر کا ماحصل اور لب لباب کیا رہا ہے؟ خدا طلبی، یاد آخرت، نیک چلنی، حسن معاشرت، خیر اندیشی، تحمل، صبر، ضبط نفس، صلح جوئی اور ہمدردی یا اس کے برعکس غفلت و انانیت، خدا فراموشی اور آخرت بیزاری، خود غرضی اور دنیا طلبی، حرص و ہوس، ظلم و نفس پرستی؟! حقیقت پسندی کے نقطۂ نظر سے ایک سرسری جائزہ لے ڈالئے، اور خود سوچئے کہ اس ترقی اور وسعت کتاب سازی کے کیا نتیجے نکل چکے ہیں؟ کیا نکل رہے ہیں؟ اور آئندہ کیا نکلنے والے ہیں؟"۔[44]

اسلامی نصاب تعلیم کی کلیدی نفسیاتی اساس یہ ہے کہ اس کا موضوع ساری دنیا ہو، اسی فلسفہ سے اسلام کی جامعیت اور وسعت وہمہ گیری کا راز نمایاں ہوتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر دنیا کے علوم و فنون اور ان میں مجتہدانہ صلاحیتوں کو مہمیز ملتی ہے۔ تاکہ مسلم امہ کے ہاتھ میں جملہ عوالم کی تسخیر سکے، یہ کوئی راہبانہ اور دقیانوسی فکر نہیں پیدا کرتا اور نہ ہی دین و دنیا کی تفریق کا کوئی تصور پیش کرتا ہے۔ اس نصاب کے تعلیم یافتہ اپنی ثقافتی، مذہبی اور تمدنی بنیادوں میں اس قدر عالی شان اور ٹھوس ہوں کہ کسی بھی نظام سے ہرگز کبھی مرعوب نہ ہوں سکیں، دنیا میں کسی بھی لمحہ ظہور پذیر کسی بھی صورتحال کو فکری سانچوں میں پرکھنے کی صلاحیتیں رکھتے ہوں، نفع اور خیر کے مطالب و متلاشی رہتے ہوں لیکن یہ سارا کام اسلام کو مرکب علوم بنا کر اختیار کریں نہ کہ کسی مرعوب و مغلوب ذہنی کیفیت سے۔ سید ابو الحسن علی ندویؒ رقمطراز ہیں کہ:

"ضرورت ہے کہ خاص توجہ اور تربیت سے طلبہ میں علمی ذوق پیدا کیا جائے نصاب کے سوا طلبہ کو اچھا اسلامی لٹریچر دکھایا جائے، اور ان ائمہ اور مفکرین اسلام کی تصانیف کا ذوق پیدا کیا جائے جن کی کتابوں میں اسلام کی صحیح روح ملتی ہے، علم واجتہاد کے چشمے ابلتے ہیں، اسلام کی بنیادیں قلب ودماغ میں مستحکم ہوتی ہیں۔۔۔ اسلام کے مستند ماضی کے اہم اشخاص سے واقف ہونا ان کے مراتب کو پہچاننا ان کی خدمتوں سے واقف ہونا اور اعلیٰ ومجتہدانہ اسلامی تصنیفات سے روشناس ہونا تعلیم کا اہم جزو ہے"۔[45]

آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وضع کردہ نصاب کی اہم خوبیوں میں سے ایک یہ تھی کہ اس میں تربیتی واخلاقی جہات کو کلیدی حیثیت دی گئی تھی، لوگوں سے پیش آنے اور مختلف النوع افراد ومذاہب سے طرز تعامل کے وقت کن احترامات وروایات کا خیال رکھنا ہے، اس تربیتی نظم کے اہم نکات تھے، اسی طرح اس نصاب میں اساسی معتقدات کیں رسوخ واستحکام کے ساتھ ساتھ عصری ترجیحات سے چشم پوشی بھی کسی طور روا نہیں رکھی گئی بلکہ حکمت کو مومن کی گمشدہ متاع قرار دیا گیا ہے وہ اس کو جہاں سے ملے اس کا زیادہ حق دار ہے۔

نبوی نظام تعلیم میں عصری علوم وفنون کی ترغیب:

یاد رہے کہ نفع رساں علوم کی تحصیل عین اسلامی مقتضیات میں سے ہے، چنانچہ سیرت طیبہ ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ سرور عالم ﷺ نے طب، حساب وفرائض، افلاک اور بدیسی زبانوں کے سیکھنے کی جانب توجہ دلائی، آپ ﷺ نے کبھی مچھلی اور دودھ کو جمع یعنی اکٹھا استعمال نہیں فرمایا اسی طرح دودھ اور ترش اشیاء کو اکٹھا نہیں تناول فرمایا، نہ ہی دو گرم غذاؤں کو اور نہ ہی دو ٹھنڈی غذاؤں کو استعمال فرمایا۔[46] مذہبی ضرورت ومصلحت کے پیش نظر ابتدا میں عربی زبان کے علاوہ دیگر لغات کے سیکھنے پر پابندی رکھی گئی تھی تاہم وہ پابندی بعد میں ختم کر دی گئی، خود آنجناب علیہ السلام نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔ علامہ کتانی نے ان صحابہ کے نام درج کئے ہیں جو عبرانی زبان جانتے تھے، ان میں عبد اللہ بن سلام، سلمان فارسی، کعب احبار، ابو ھریرہ اور وھب بن منبہ کو بھی شامل کیا ہے۔[47] نجوم وافلاک میں غور وفکر کی ترغیب خود قرآن وسنت سے ملتی ہے، بحر وبر میں راستے تلاشنے اور چاند کا حساب رکھنے کے ضمن میں بھی ان کی تاکید ملتی ہے۔[48] اسی طرح مختلف آلات حرب دبابہ اور منجنیق وغیرہ کی صنعت سیکھنے کے لئے بعض اصحاب مثلاً عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنھما کو آپ نے جرش بھیجا تھا، وہاں انہوں نے دبابات، صنبور اور منجنیق وغیرہ آلات حرب سیکھے۔[49] محاصرہ طائف میں منجنیق نصب بھی کی گئی تھی۔[50] یہ اشارات واضح کرتے ہیں کہ کس طرح مفید علوم وفنون کی تحصیل کے آثار عہد رسالت سے ملتے ہیں۔

دور رسالت میں تعلیمی نظم کے کلیدی کردار (معلمین وائمہ مساجد):

بلاشبہ ہجرت سے ماقبل ومابعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی معلم اول کے طور پر فرائض نبوت ادا کرتے رہے لیکن اس تمام دورانیے میں ایک اہم کام آپ نے یہ بھی کیا کہ اپنے تربیت یافتہ ذی استعداد اور باصلاحیت صحابہ میں سے بعض کو خصوصی طور پر معلمانہ اوصاف کا حامل بنایا، آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ریاست کا تعلیمی ڈھانچہ قائم کرنے کے لئے دو اہم اور کلیدی شعبوں پر توجہ مرکوز فرمائی، اور معلمین اور مساجد کے ائمہ کی تربیت، تقرر اور ذمہ داریوں کو اپنے عالی شان کردار سے واضح کیا۔ اس طرح آپ کے علاوہ ایک اچھی خاصی تعداد اساتذہ اور معلمین کی تیار ہو چکی تھی۔ ان میں سے بعض مسلمانوں کی تو یہ حالت تھی کہ انہوں نے دنیوی امور کھیتی اور تجارت وغیرہ سے اپنے آپ کو ہٹا کر فقط آنجناب علیہ السلام کی ذات مبارکہ کو علم وعقیدت کا محور ومرکز بنا رکھا تھا اور بالعموم وہ کاشانہ نبوت کے آس پاس ہی مقیم رہتے، ان کو اہل الصفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ حضرات مستقل طور پر صحبت وخدمت مصطفوی ﷺ میں حاضر رہنے کو ترجیح دیتے۔

دور رسالت مآب ﷺ کے اجل اساتذہ کرام:

ان حضرات میں سے کئی ایک بہترین معلمین ثابت ہوئے۔ بعض ایسے اصحاب ذیشان بھی تھے جن کا علمی مقام و مرتبہ خود اصحاب صفہ سے بھی عالی تھا، خود آنجناب علیہ السلام نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ ان چار جلیل القدر صحابہ کرام حضرت عبد اللہ بن مسعود، سالم مولی ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے قرآن کریم کی قراءت اور تعلیم لیں۔[51] اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراح فہری کو بھی تدریس ذمہ داریاں تفویض کئے جانے کی روایات ملتی ہیں، ان کے بارے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اچھی تربیت اور ادب سکھانے والے ہیں۔[52] ان جلیل القدر معلمین میں سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا نام بھی جلی حروف میں ملتا ہے، جن کا اپنا گھر تعلیم قرآن کا مرکز تھا، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کئی ایک اصحاب صفہ کو بھی قرآن کریم اور تحریر و خواندگی کی تعلیم انہی کے گھر سے ملی۔[53] اصحاب صفہ میں سے ستر اشخاص مدینہ کے ایک معلم کے گھر رات کو پڑھنے جاتے تھے اور وہاں فجر کی نماز تک علمی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے، اس دانش کدہ علم سے بہرہ ور ہونے والے متلاشیان علم ایک دن خود بھی مسند تعلیم و تعلم پر فائز ہوئے۔[54] تقریباً اسی (80) مبلغین و معلمین جو بئر معونہ اور رجیع کے المیوں میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے اسی مدرسہ علم کے فارغین اور اسی دانشکدہ کے معلمین تھے۔[55] ماہرین معلمین قرآن کریم کے ضمن میں عہد نبوت میں ان صحابہ کرام کا کلیدی کردار رہا جنہوں نے جمع قرآن کی خدمت میں اپنا حصہ ڈالا، ان میں حضرت ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی و علی مرتضی، طلحہ بن عبید اللہ تیمی، سعد بن ابی وقاص، حذیفہ اموی، سالم، ابوھریرۃ، عبد اللہ بن سائب، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان، ابوزید انصاری، تمیم داری، عبادہ بن صامت، ابو ایوب انصاری۔ جبکہ ان کے علاوہ خواتین میں حضرت ام ورقہ بنت عبد اللہ بن حارث انصاری کے اسماء گرامی قرآن کریم کے حفاظ کرام میں بیان ہوا ہے۔ بیشتر ازواج مطہرات بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کو اسی زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے، ان مرد و خواتین کے علاوہ بھی حفاظ کی ایک معتدبہ تعداد عہد نبوی میں موجود تھی، ان سب کا معلمانہ کردار نہایت زریں رہا۔[56]

عہد مصطفوی کے تعلیمی مراکز کا زریں کردار:

دینی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسجد، مکتب اور مدرسہ و خانقاہ کا اسلامی معاشرت کے ساتھ ناگذیر تعلق قائم رہا ہے۔ بالخصوص عہد نبوی ﷺ میں مسجد کی شناخت ایک جامع دینی اور تعلیمی و تربیتی حیثیت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے باہم معاشرت اور سیاست تک کے مسائل کے حل کے مرکز کے طور پر سامنے آئی۔ علامہ ابن خلدونؒ کے مطابق پہلی تین صدیوں میں مسجد ہی وہ درسگاہ تھی جہاں تمام مروج علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے[57] گویا مسجد کے نبوی کردار کے فعال ہونے میں مسلمانوں کے مختلف امور حل ہوتے ہیں نیز اسی سے باہمی اتفاق، محبت اور رواداری کی فضا ہموار ہوتی ہے۔[58]

مسجد نبوی میں صفہ ایک طرح کی کلی اقامتی (Residential) درس گاہ یا مکتب و مرکز کا درجہ رکھتی تھی، جہاں لوگوں کو منبع علوم آنجناب علیہ السلام سے براہ راست تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے زریں مواقع میسر آتے تھے، یہاں کے طلبہ علم کچھ مستقل اقامت گزیں ہوتے اور کچھ جزوی طور پر اخذ فیض کرتے، انہیں اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کی اس تاریخی درس گاہ صفہ میں ہر طبقے کے افراد شریک ہوتے تھے۔ انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، اعیان و اشراف، رؤسائے قبائل، عالم، جاہل، بدوی شہری، بوڑھے، جوان سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ سب کے ذہن و مزاج، افتاد طبع اور زبان ولب ولہجے کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ درس گاہ نبوی ﷺ کے ان طلباء میں اصحاب صفہ کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، وہ دن رات حاضر باش رہتے تھے تعلیم و تعلم ذکر و اذکار، تلاوت قرآن مجید اور باہمی مذاکرہ و مراجعہ کے علاوہ ان کی کوئی اور مصروفیت نہیں ہوتی تھی۔[59] صفہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے جن کے

مدینے میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مختلف حالات کے تحت اور مختلف اوقات میں اصحاب الصفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ لیکن یہاں مستقل رہائش رکھنے والوں کی تعداد عام طور پر ستر کے قریب رہتی تھی۔[60] مدینہ منورہ میں مقامی طلبہ کے ساتھ ساتھ بیرونی نو مسلم طلبہ کے قیام اور ضروریات کا بھی خیال رکھا جاتا، اسی طرح ان کی واپسی کے وقت ایک معلم کو بھی ساتھ بھیجا جاتا تاکہ تعلیم کے ضمن میں ان کی یاد دہانی میں سہولت ہو سکے، اس حوالہ سے بخاری کی روایت ہے[61] کہ حضرت مالک بن حویرث اپنی قوم کے وفد میں مدینہ منورہ آئے جہاں وہ بیس دنوں تک مقیم رہے اور اس دوران وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے رہے۔ اپنے وطن کو جب وہ جانے لگے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی موصوف اور ان کے ساتھیوں کو یاد دہانی اور تاکید کی کہ جو کچھ انہوں نے اپنے مدینہ قیام میں سیکھا ہے اسے جا کر اپنی قوم کو سکھائیں اور اس میں ذرا کوتاہی نہ کریں، اس طرح قبیلہ عبد القیس کے حضرت عمرو بن عبد قیس نے جو تعلیم مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی اس کو اپنی واپسی پر اپنی قوم میں پھیلایا تھا، اس لحاظ سے وفود عرب میں جو مسلمان مدینہ آئے یا جہاد میں شرکت کے لئے پہونچے یا حج و زیارت کے سلسلہ میں حاضر خدمت اقدس ہوئے غرضیکہ کسی سبب سے وہ مدینہ پہونچے وہ سب کے سب مدینہ علم سے دینی تعلیم و تربیت لے کر نکلے اور اپنی قوم اور اپنے علاقے کے لئے معلم و مربی بن کر لوٹے۔ گویا یہ لوگ مختصر مدت کے لئے مدینہ آتے، اسلامی تعلیمات حاصل کرتے، دین میں تفقہ حاصل کرتے اور اپنے گھروں کو مبلغ اور معلم بن کر لوٹتے تھے۔ البتہ جو عرب قبائل مدینہ نہیں آسکتے تھے ان کی مذہبی تعلیم و تربیت کے لیے عہد نبوی میں انتظام موجود تھا۔[62]

الغرض آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کا مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد سب سے پہلا کام مسجد کی تعمیر تھا، سرور دو عالم ﷺ نے جب ہجرت کی تو مدینہ سے جنوب مغربی جانب تین کلو میٹر کی مسافت پہ قباء مقام پر بنو سالم کے محلہ میں مسجد قباء تعمیر فرمائی[63] جو کہ تاریخ اسلام میں دین کی اشاعت کی پہلی مسجد کہلاتی ہے اور پھر مدینہ آکر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔[64] خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ فرمان جاری کیا کہ ہر شہر میں مسجد تعمیر کی جائے۔

لما فتح الله الامصار امر عمر المسلمين ان يبنوا المساجد[65]

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالی نے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں شہروں کو فتح کرایا تو انہوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مساجد تعمیر کریں۔ اسلامی سوسائٹی کو جو ادارے تشکیل دیتے ہیں اور اسے جلا بخشتے ہیں ان میں مساجد کا کردار کلیدی نوعیت کا حامل ہے۔ مذہبی اور دینی اعتبار سے مساجد کو تعلیم و تربیت اور نسلوں کے اصلاح احوال کے لیے نہایت ہی بلند مقام حاصل ہے۔ مسجد کی وسیع تر افادیت کا نبوی نمونہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے مسجد نبوی میں ہی تشریف فرما ہو کر ایک مہذب اور خدا شناس صالح معاشرہ کی تشکیل فرمائی، جملہ اصلاحی اور تعمیری سرگرمیاں بھی یہیں سے انجام دی گئیں۔ رسول اکرمؐ کے عہد مبارک میں مساجد کا قیام اور اس کا طریقہ کار ہماری رہنمائی اور رہبری کے لیے مشعل راہ ہے۔ افراد کی اصلاح سے لے کر معاشرے کی پاکیزگی تک کے تمام افعال کا مرکز مسجد ہی تھی جہاں معاشرے کے لیے قوانین بھی باہمی مشاورت سے طے کیے جاتے تھے۔ ہر قسم کے معاملات مسجد میں ہی طے کیے جاتے تھے اور اس کے لیے باقاعدہ طور پر قرآن و سنت کی روشنی میں قواعد و ضوابط طے تھے۔ گویا مسجد کو ایک کمیونٹی سنٹر اور کورٹ آف جسٹس کا مقام حاصل تھا۔

دور نبوی میں مساجد کے تعلیمی حلقے اور ترویج علم میں ان کا کردار:

رسول رحمت ﷺ نے دعوت و جہاد کے ساتھ امامت و درس و تدریس اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ زندگی بھر جاری رکھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے منبر و محراب جہاں آپ ﷺ کے وعظ و نصیحت اور خطبہ و تقریر کی گواہی دیتے ہیں۔ وہیں صفہ کا چبوترہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ

آپ ﷺ نے کتاب و حکمت کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ صحابہ کرامؓ کی تربیت کی، ان کا تزکیہ کیا اور اس کے ذریعہ ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ تیار کیا جو قیامت تک کے لیے نمونہ بن گیا۔ لہٰذا امام کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مساجد میں صبح و شام تعلیمی حلقے قائم کریں۔ الغرض عہد نبوی ﷺ اور بعد میں بھی دین کے سیکھنے اور سکھانے کا مرکز مساجد تھیں۔ یہ مسجد میں سیکھنے اور سکھانے کا سلسلہ صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین اور اسی طرح بعد کے زمانے میں بھی رہا۔

- جیسا کہ حضرت عمر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر اوقات ستون الباب کے پاس نوافل پڑھا کرتے تھے، صبح کی نماز کے بعد آپ اس کی طرف تشریف لے جاتے، پہلے یہاں ضعیف، مسکین، تکلیف والے، حضور ﷺ کے مہمان، جن کے دلوں کو اطمینان کی ضرورت ہوتی اور جس کا مسجد کے علاوہ رات گزارنے کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا، ایسے لوگ آیا کرتے تھے، یہ لوگ وہاں حلقے بنا کر بیٹھا کرتے، کوئی یہاں، کوئی وہاں۔ آپ ﷺ صبح کی نماز کے بعد اپنے مصلے سے اٹھ کر ان کے پاس تشریف لے جاتے، انھیں آیات قرآنیہ سناتے۔"[66]
- مسجد نبوی میں مجلسوں اور حلقوں کا ذکر بڑے فصیح و بلیغ اور والہانہ انداز میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ایک شاگرد نے اس انداز سے کیا:

"عَهْدِیْ بِهٰذَا الْمَسْجِدِ وَاَنَّهٗ كَمِثْلِ الرَّوْضَةِ اِخْتَرْ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتَ"

"اس مسجد میں میرا وہ دور گزرا ہے جب یہ باغیچہ کے مانند تھی تم اس کے جس حصہ میں چاہو بیٹھ جاؤ"[67]

- عہد صحابہ میں مسجد نبوی میں جگہ جگہ تعلیمی حلقے قائم ہوتے تھے جن میں مقامی اور بیرونی طلبہ کی کثرت ہوتی تھی۔ علامہ ابن الحاج "المدخل" میں لکھتے ہیں:

"اَخْذُ الدَّرْسِ فِي الْمَسْجِدِ اَفْضَلُ لاجل كثرة الانتفاع بالعلم لمن قصده ومن لم يقصده، بخلاف المدرسة فانه لا ياتى اليها الا من قصد العلم او الاستفتاءَ فاخذه فى المدرسة اقل رتبة فى الانتشار منه فى المسجد"[68]

"مسجد میں تعلیم کا حلقہ لگنا افضل ہے۔ کیوں کہ اس میں طلب علم کا قصد کرنے والے اور نہ قصد کرنے والوں دونوں کے حق میں زیادہ فائدہ ہے، بخلاف مدرسہ کے کہ وہاں صرف علم کا طالب یا استفتاء کرنے والا ہی آئے گا۔ اس لیے مسجد کے بجائے مدرسہ میں تحصیل علم سے اس کی اشاعت ہو گی۔"

- حضرت عبد الرحمٰن بن ہرمز کا حلقہ درس مسجد نبوی اور ان کے مکان میں دونوں جگہ قائم ہوتا تھا۔ حضرت امام مالکؒ سات سال تک ان کے حلقہ درس میں بیٹھتے تھے۔ اس دوران کسی اور درس گاہ میں نہیں گئے۔"[69]

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام اور بعد کے لوگوں نے مسجد نبوی کے اندر بیٹھ کر تعلیم اور اشاعت علم کا کام کیا۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ اور اسلاف امت جہاں کہیں بھی گئے انہوں نے وہاں کی مسجد میں بیٹھ کر اشاعت علم کا کام کیا۔

مثلاً شیخ عبد القادر مغربیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو درداءؓ دمشق میں بیٹھتے تھے، طلبہ قرآن پڑھنے کے لیے ان کو گھیر لیا کرتے تھے، حضرت ابو درداءؓ دس دس طلبہ کی جماعت بنا کر ان میں ایک نگران مقرر فرما کر خود محراب میں بیٹھ جاتے اور طلبہ کی نگرانی فرماتے۔ ایک دن حضرت ابو درداءؓ نے طلبہ کا شمار کیا تو ان کی تعداد سولہ سو نکلی۔"[70]

لہٰذا مساجد میں ائمہ کرام میں ایک صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں اور ان میں دینی ذوق اور شوق پیدا کریں اور اس ضمن میں خود نمونہ عمل بنیں۔

تعلیمی نظم کے بقا اور فروغ میں ائمہ مساجد کا کردار:

مساجد اور ائمہ مساجد مینارۂ علم کی طرح ہیں۔ مسجد کو نہ صرف عبادت کا مرکز خیال کیا جاتا ہے بلکہ اس کو دورِ رسالت کے مطابق University of learning and teaching کا مقام بھی حاصل ہے۔ اس لیے اس سے مطلوبہ نتائج ائمہ کی لگن، محنت اور جانفشانی سے ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ائمہ مساجد کا کردار تعلیم و تربیت کے حوالے سے اعلیٰ روایات کا امین ہے۔ وہ آج بھی اس مقدس مشن کو اسلامی اصولوں تہذیبی و تمدنی اقدار اور عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچا کر نسل انسانی کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ رواداری، تحمل، برداشت اور اخوت و مساوات ایسے اوصاف ہیں جن پر اسلامی معاشرہ کو فخر ہے۔ ائمہ مساجد اپنے گفتار و کردار سے ان تمام محاسن کو معاشرے میں عام کر کے نسل آدم کی فلاح و بہبود اور کامیابی و کامرانی میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ چونکہ مساجد میں مختلف مکاتب فکر اور مختلف سماجی طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے ہیں اس لیے ان میں خیالات کی ہم آہنگی، مساوات، تحمل اور برداشت کے جذبات پیدا کرنا ائمہ کی ذمہ داری ہے۔ اپنے خطابات، اپنی تعلیم اور اپنی درس و تدریس سے وہ تمام افراد کے ذہنوں میں اسلام کے ازلی ابدی اصولوں کو اجاگر کر کے انہیں صراط مستقیم کی طرف گامزن کر سکتے ہیں۔ منصب امامت کی اہمیت و فضیلت جاننے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اس بات پر غور کیا جائے کہ نبی کریمؐ نے اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں یہ منصب خود سنبھالا۔ علماء اور ائمہ مساجد اگر تحصیل علم، ترسیل علم اور تکمیل علم کے جذبے سے سرشار ہوں تو معاشرہ میں بے شمار صحت مند تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام کی غرض سے افراد معاشرہ کے اخلاق و کردار اور طرز زندگی کو اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ بنانا نہایت اہم ملی تقاضا ہے۔ پاکستان کے تحفظ و استحکام کی غرض سے بھی تعلیمی و اخلاقی (اسلامی) احیاء ازبس ضروری ہے۔ ایک کامل اور ذمہ دار مسلم ہی ریاست کا مفید و نافع شہری بن سکتا ہے۔ افراد معاشرہ میں سچے اسلامی احساس و شعور کی بیداری اور ان کے اخلاق و کردار اور طرز فکر و عمل کو اسلامی رنگ میں رنگنے کا کام اسلامی تعلیمات کی اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس غرض سے علماء و مشائخ اور مبلغین و دعاۃ کی کاوشوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی نظم و نسق میں شعوری مقصدیت کے فعال کرنے سے ریاستی کو جادہ مستقیمہ کی سمت ڈالا جاسکتا ہے۔ اسوہ نبوی ﷺ کی روشنی میں ان اقدامات سے ملت کو اخلاقی پستی کے عمیق گڑھے سے نکال باہر کیا جاسکتا ہے اور اس کے افراد کے دل و دماغ میں حق و راستی اور پاکیزگی کے بیج بوئے جاسکتے ہیں۔

نتائج بحث و سفارشات

- دینی و عصری تعلیم کو باہم مربوط کرنے کے لئے سیرت طیبہ کے آفاقی پیغام سے درس حاصل کرتے ہوئے اس میں مقصدیت کی یکسانیت کے لحاظ کے ساتھ ساتھ سرکاری تعلیمی اداروں اور غیر سرکاری مکاتب، مدارس اور جامعات میں طلبہ کے لیے یکساں نظام تعلیم متعارف کروایا جائے جس میں قرآن کریم اور احادیث مبارکہ و سنت مطہرہ کو مرکزی حیثیت دی جائے۔
- اسی طرح قرآن و سنت سے درست واقفیت کے لئے عربی زبان لازمی مضمون کے طور پر شامل نصاب کی جائے، کم از کم ثانوی سطح تک تعلیم میں عربی ادبیات جس میں متون قرآن و حدیث کو لازمی جگہ دی جائے۔ پاکستان میں اسلامی نظم تعلیم کے ضمن میں محمد اسد نے مجلہ عرفات کے شمارہ بابت مئی ۱۹۴۷ء میں عربی زبان کی تدریس سے متعلق تجویز پیش کرتے ہوئے لکھا کہ اگر ہماری موجودہ سیاسی جدوجہد کا مطمح نظر اور نصب العین ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے تب یہ امر انتہائی ضروری و اہم ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ افراد اسلامی تعلیمات سے واقفیت پیدا کریں، وہ قرآن اور احادیث رسول کے متن کو سمجھنے کی قابلیت و استعداد پیدا کریں۔ اس غرض سے ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو عربی زبان

میں درک حاصل ہونا چاہیے۔ جب تک یہ تقاضا پورا نہیں کیا جاتا ہم اسلامی طرز معاشرت کے قیام میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ نہ ہی ملت کے تعلیم یافتہ افراد ان نظریاتی و فکری مسائل پر سوچ بچار اور بحث و گفتگو کے قابل ہو سکیں گے، کہ جن کا گہرا تعلق معاشرت اور معیشت و سیاست سے ہے۔ چنانچہ انہیں چاروناچار اسلام کے خود ساختہ شارحین کی تعبیرات و تشریحات پر انحصار کرنا پڑے گا، یا پھر انہیں اسلام کے بجائے کوئی اور راستہ، سیکولرازم وغیرہ اختیار کرنا پڑے گا۔[21] اسلامی ریاست کی تشکیل کے لیے یہ امر بے حد ضروری ہے کہ ہم اپنے تعلیمی مقاصد کا ازسرِ نو تعین کرتے ہوئے عربی اور اسلامیات کی تعلیم و تدریس کو تعلیمی نصابات کا ایک انتہائی مؤثر جزو بنادیں۔

- قومی زبان اردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔ اردو زبان کو تقویت دینے سے خود عربی کی تفہیم میں سہولت کے آثار نمایاں ہوں گے نیز قومی وحدت کا مقصد جلیل حاصل کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ البتہ سیرت طیبہ کے تناظر میں دیگر علاقائی اور غیر قومی زبانوں کے سیکھنے کی حوصلہ افزائی ملتی ہے، اس لحاظ سے اگر کوئی تعلیمی ادارہ کسی بھی بین الاقوامی زبان مثلاً انگریزی یا کسی اور زبان کو نصاب کا حصہ بنانا چاہے تو اس کو بنظر تحسین دیکھا جائے۔
- اعلیٰ ثانوی سطح کی تعلیم کی تکمیل کے بعد جو طلبہ روایتی مذہبی تعلیم میں مزید اعلیٰ سند کے حصول کے خواہاں ہوں، جیسے علوم القرآن والتفسیر، علوم الحدیث والسیرۃ، علم الفقہ، علم التصوف، علم التاریخ الاسلامی، علم الاقتصاد الاسلامی، مقارنہ بین الادیان والمذاھب وغیرہ کسی میدان میں تخصص (specialization) کرنا چاہتے ہوں، ان کے لئے متعلقہ ریاستی تعلیمی اداروں یا مدارس کا اہتمام ہونا چاہیے۔
- سیرت طیبہ کی پالیسی کے تحت مخصوص صلاحیتوں کے حامل افراد کو ان کے ذوقی رجحانات کے مطابق اعلیٰ تعلیمی مواقع فراہم کئے جائیں، اس ضمن میں جامعات کو پابند بنایا جائے کہ وہ گریجوایشن کے بعد اعلیٰ تعلیم جیسے ایم فل، پی ایچ ڈی وغیرہ کے لئے صرف ذی استعداد اور اہل طلبہ کی چھان بین کے بعد ان کو داخلے دیں، ریاست ایسے اداروں کو نیم خود مختار حیثیت دے اور ان پر کمیشن یا ماہرین محققین پر مشتمل تعلیمی بورڈ تشکیل دے جو اعلیٰ تعلیمی مراحل کا جائزہ نصاب، اہل ترین اساتذہ کے تعین، انتظام امتحانات اور تحقیقی معیار پر نظر رکھیں۔
- ریاستی نظم کے تحت جو مدارس اور دینی مکاتب درسیات کی تعلیم دے رہے ہیں وہاں بھی طلبہ کی مخصوص استعدادات کو جانچنے کے لئے ماہرین کے تعلیمی دورے رکھے جائیں جو ان کی مختلف علوم وفنون میں تحقیقی کاوشوں کے لئے مالی ضروریات میں تعاون اور سکالرشپس کا بندوبست قائم کر سکیں۔ اگر ریاست خلوص دل اور ترقی پسندانہ مثبت سوچ کے ساتھ فرقہ واریت اور تعصبات سے بالاتر ہو کر تعلیمی اداروں کی سرپرستی کرے تو یقیناً یہ ادارے ایک مربوط، مستحکم، متحد اور خدا شناس نبوی معاشرے کے قیام میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔
- الغرض مسلمان ملت کو بالعموم اور باشندگان پاکستان کو بالخصوص اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح سے روشناس کرانا اور سیرت طیبہ کی روح سے ہمکنار کرنا عہد موجود کا ناگزیر تقاضا ہے۔ اس حوالے سے نوجوان نسل کی اسلامی تعلیم و تربیت اہم ترین پہلو ہے، ان کی اعلیٰ اسلامی ترقیتی نظم ونسق کے لئے نظام تعلیم و تربیت کی تشکیل نو، اور نصابات کو اسلامی نظریہ حیات اور روح محمدی سے متصف وہم آہنگ کرنا لابدی ہے۔

حوالہ جات وحواشی:

[1] فاروقی، ڈاکٹر برہان احمد، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، 1999ء)، ص 223۔

[2] عربی لغت میں جہل کی ضد علم بھی ہے اور حلم بھی ہے، علم کا معنی بردباری کے ہیں جبکہ جہل کا معنی بے ہودگی، حماقت، غیظ وغضب، سختی، درشتی کے ہیں۔
دیکھئے: ابن منظور الافریقی، لسان العرب (قم: ادب الحوزۃ، 1415ھ) ج 11، ص 139۔

[3] ڈاکٹر حافظ محمد سہیل شفیق، جامعہ نظامیہ بغداد کا علمی وفکری کردار (لاہور: عکس پبلیکیشنز، 2019ء) ص 23۔

[4] ابن خلدون، مقدمہ کتاب العبر ودیوان المبتدء والخبر (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1961ء) ص 444۔

[5] البلاذری، فتوح البلدان، باب امر الخط، ص 46۔

[6] جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بیروت: دار العلم للملایین، س ن) ج 8، ص 249۔

[7] جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ (مصر: دار الھلال، 1957ء) ج 2، ص 227۔

[8] ناصر الدین الاسد، مصادر الشعر الجاھلی وقیمتھا التاریخیۃ (بیروت: دار الجیل، 1996ء) ص 52۔

[9] البلاذری، ابو الحسن احمد بن یحیٰی بن جابر، فتوح البلدان (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2000ء) ص 579۔

[10] ایضاً ص 583۔

[11] تفصیل کے لئے دیکھئے ابن قتیبہ، عیون الاخبار (مصر: المکتبۃ الحسینیۃ، س ن) ج 1، 43، نیز فتوح البلدان، ص 579۔

[12] ابن قتیبہ، عیون الاخبار، ج 1، ص 43۔

[13] پروفیسر ڈاکٹر محمد تجمل خان قزل کاشمیری نے اپنی کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی پالیسی میں متعدد تاریخی مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے عہد جاہلیت میں تحریر وکتابت کی سرگرمیوں کا استقصاء کرنے کی کوشش کی ہے۔

[14] بلاذری کے مطابق جب اسلام آیا تو قریش میں سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ لیکن جب ہم مکہ کی جغرافیائی، تجارتی اور دینی مرکزیت کا تصور کرتے ہیں تو یہ تعداد بہت کم معلوم ہوتی ہے پھر بلاذری نے جو چارٹ پیش کیا ہے اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے صرف مکہ ہی میں تعلیم حاصل نہیں کی بلکہ کسی اور جگہ سے حاصل کی ہے مثلاً ابو بکر صدیق، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ابو سفیان بن حرب وغیرہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ کے علاوہ اطراف حجاز میں بھی تعلیم وتربیت کا عمل جاری تھا۔ مکہ میں کچھ عورتوں کا وجود بھی ملتا ہے جو تعلیم وتعلم سے وابستہ رہ چکی تھی۔ علی سبیل المثال ام المومنین حضرت حفصہ، ام کلثوم بنت عقبہ، الشفاء بنت عبد اللہ القریشیہ، عائشہ بنت سعد اور کریمہ بنت المقداد انہی کے ساتھ حضرت عائشہ اور ام کلثوم اور ام سلمہ کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد تجمل خان قزل کاشمیری، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی پالیسی (لاہور: اقراء تدریب الاطفال، 2006ء) ص 84۔85۔

[15] البلاذری، فتوح البلدان، ص 662۔

[16] ڈاکٹر حمید اللہ نے عہد نبوی کے نظام تعلیم سے متعلق اپنے مقالہ میں اس کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ اولاً انہوں عرب میں زمانہ جاہلیت میں تعلیم کے احوال سے متعلق تاریخی شواہد کو جمع کیا ہے، ثانیاً قبل از ہجرت مکہ میں تعلیمی نظام اور آخر میں بعد از ہجرت مدینہ میں تعلیمی نظام سے متعلق سیرت کے مآخذ سے اہم اور مفید مواد کی جمع آوری کی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، مشمولہ: معارف، اعظم گڑھ، 1941 نومبر، ص 333۔ بعد ازاں یہ بخش بلوچ کے توسط سے یہ مضمون فکر ونظر میں بھی شائع ہوا۔

[17] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، ص 331۔

[18] ایضاً۔

[19] محمد مصطفیٰ اعظمی، کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بیروت: المکتبۃ الاسلامی، 1298ھ)، 17۔

[20] البلاذری، احمد بن یحیٰی، فتوح البلدان (بیروت: مکتبۃ الھلال، 1988م)، 44۔

[21] اگرچہ علم اسماء الرجال، تاریخ، علوم القرآن، حدیث اور سیرت کے مآخذ میں ان کا جزوی تذکرہ وارد ہوا ہے۔

[22] الجزری، ابن الاثیر، ابو الحسن علی، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن)، ج 1، ص 80۔

[23] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام تعلیم۔ ص 332۔

[24] ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (مصر: المکتبۃ التجاریۃ الکبری، 1358ھ) ج 1۔ ص 279۔

[25] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبری، ج 1، ص 224۔

[26] دیکھئے: سید محمد سلیم، آغاز اسلام میں مسلمانوں کا نظام تعلیم (لاہور: ادارہ تعلیم و تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان، 1983ء) ص 9۔

[27] ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی، عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت (دہلی: قاضی پبلشرز، 1988ء)، ص 387۔

[28] الکتانی، عبد الحی، نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ (بیروت: دار الارقم، س ن) ج 2 ص 234۔

[29] ایضاً

[30] ایضاً

[31] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ وقد تعلم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم کبار۔

[32] الکتانی، نظام الحکومۃ النبویۃ المسمی التراتیب الاداریۃ، ج 2، ص 17۔

[33] الھیثمی، نور الدین، مجمع الزوائد، ج 1 ص 125۔

[34] ابو داود، السنن، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیما، حدیث نمبر 5147۔

[35] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق، باب العبد اذا احسن عبادۃ ربہ ونصح سیدہ، حدیث نمبر 2547۔

[36] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ (لاہور: بیکن ہاؤس، 2005ء)، ص 255۔

[37] البخاری، الجامع الصحیح، کتاب اخبار الآحاد، باب ما جاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق، حدیث نمبر 7246۔

[38] الترمذی، محمد بن عیسی، السنن، ابواب المناقب، باب من فضل عائشۃ رضی اللہ عنھا، حدیث نمبر 3883۔

[39] القرآن، حم السجدۃ 41:53۔

[40] القرآن، آل عمران: 03:103

[41] ڈاکٹر ظفر الاسلام، تحقیق کے اصول ومناہج اسلامی تناظر میں، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، انڈیا، جلد 10، شمارہ 3، جولائی تا ستمبر 1991ء، ص 67۔

[42] Muhammad Asda, Islamic Reconstruction, P.10.

[43] ندوی، سید ابو الحسن علی، اسلام اور علم (رائے بریلی: سید احمد شہید اکیڈمی، 1433ھ) ص 36۔

[44] دریابادی، مولانا عبد الماجد، ملت اسلامیہ اور عصر حاضر کے تقاضے (حیدر آباد: سندھ نیشنل اکیڈمی، 2006ء) ص 193-192۔

[45] ندوی، مولانا سید ابو الحسن علی، مدارس اسلامیہ (کراچی: مجلس نشریات اسلام، س ن)، ص 38۔

[46] الکتانی، التراتیب الاداریۃ، ج 2، ص 345۔

[47] الکتانی، التراتیب الاداریۃ، ج 1، ص 195۔

[48] ایضاً، ج 2، ص 303۔

[49] ابن کثیر، عماد الدین، البدایۃ والنھایۃ، بیان غزوۃ حنین (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، س ن) ج 4، ص 345۔

[50] خطیب تبریزی، مشکوۃ المصابیح، کتاب الجہاد، حدیث نمبر 3873۔

[51] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[52] الکتانی، التراتیب الاداریۃ، ج 1، 40۔

[53] ایضاً

[54] ایضاً

[55] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج4، ص239۔

[56] یہ تفصیلات معروف ہیں، دیکھئے صدیقی، ڈاکٹر محمد یاسین مظہر، عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، ص389۔

[57] ابن خلدون، عبد الرحمن، تاریخ ابن خلدون (مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)، 1/350۔

[58] الاستاذ الدکتور علی عبد الحلیم محمود، المسجد واثرہ فی المجتمع الاسلامی (القاہرۃ: دار المنار، 1991) ص4۔

[59] قاضی اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم و تربیت (کراچی: ادارہ اسلامیات، اکتوبر2000ء)، ص47۔

[60] الاصفہانی، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء (بیروت: دار الفکر، س ن) ص340۔

[61] البخاری، الجامع الصحیح، باب غزوۃ فتح مکہ

[62] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی، عہد نبوی میں تنظیم ریاست و حکومت، 389۔

[63] ابن ہشام، عبد الملک، السیرۃ النبویۃ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1956ء)، 1994ء)1/331۔

[64] ابن کثیر، اسماعیل، ابو الفداء، البدایۃ والنہایۃ، (القاہرۃ: دار الکتب المصریۃ، س ن)3/202۔

[65] الزمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1976ء)، ج1/408

[66] السمہودی، نور الدین علی بن احمد، وفاء الوفا باخبار احوال المصطفیٰ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ 1958ء)، ج1/432

[67] محمد حنیف عبد المجید، تحفۃ الائمہ (کراچی: مکتبہ بیت العلم ٹرسٹ، 2009ء)، ص278

[68] محمد حنیف عبد المجید، تحفۃ الائمہ، ص281

[69] قاضی محمد اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں (کراچی: ادارہ اسلامیات، اکتوبر2000ء)، ص293

[70] قاضی محمد اطہر مبارکپوری، خیر القرون کی درسگاہیں، ص210

[71] محمد اسد، مجلہ عرفات، جلد1، شمارہ8، مئی1947، ص225

5

مقالہ نگار: ڈاکٹر یاسر فاروق

لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ

غازی یونیورسٹی، ڈیرہ غازی خان

تمہید

تعلیم سیکھنے، سکھانے اور معلومات فراہم کرنے کا وہ عمل ہے جس سے بنی نوع آدم کو سنوارا اور ان میں مخفی صلاحیتوں کو نکھارا جاتا ہے۔ اسلامی دائرہ کار کے لحاظ سے تعلیم کا مفہوم اپنے اندر تین اصطلاحات کا مجموعہ ہے: تقسیم، تربیت کرنا اور ادب سکھلانا۔ تعلیم کا عمومی مقصد شخصیت انسانی کو متوازن طور پر پروان چڑھانا ہے، جس سے انسان کے مختلف پہلوؤں مذہبی، عمرانی اور لسانی بلکہ جسمانی و عقلی آبیاری بھی ہے۔ تعلیم کا عمل انسان کی سالمیت اور تکمیلی خواہشات تک کی رہبری کرتا ہے، اسی لیے تعلیم کا بنیادی مقصد انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی کامیابی و کامرانی تصور کیا جاتا ہے۔ اسی لیے تعلیم کو قوموں اور مختلف تہذیبوں کا استقرار اور دوام حاصل کرنے کا علم تصوری کیا جاتا ہے۔ مسلم و غیر مسلم تمام مفکرین کے یہاں تعلیم کبھی بھی بذات خود منزل نہیں شمار کی گئی بلکہ منزل حقیقی کے حصول کا زینہ اور وسیلہ قرار پاتی ہے جس کے ذریعے مختلف نقطہ نظر ہائے حیات اور انسانی تمدن و ثقافت خصوصیات کے ساتھ اگلی نسلوں تک پہنچتے ہیں۔ امام غزالی کہتے ہیں اسلامی نظریہ تعلیم کا اصل مقصد انسانی کردار و اخلاق کی تعمیر ہے۔ 'اسلام میں تعلیم سے مراد محض نصاب اور نظم تعلیم یا محض اسلامی نظریے کا نفاذ نہیں ہے بلکہ بہتر معیار اور سہولتوں کی فراہمی، اُمت مسلمہ کے لیے من جملہ ضروری تقاضوں کی تکمیل، سائنسی علوم وفنون میں اعلیٰ مہارت کا حصول اور ممکنہ حد تک روزگار کے مواقع مہیا کرنا ہیں۔

تعلیم اور علوم کی اقسام:

1. تعلیم حاصل کرنا ہر فرد پر لازم ہے، اس میں استثناء یا رعایت نہیں ہے۔ ہر بالغ مسلم پر لازم ہے کہ وہ دین کے بنیادی عقائد، ارکان اسلام اور دیگر عملی امور سے واقف ہو۔ اگر اسے اپنے فرائض کا علم نہیں ہو گا تو ان کی ادائی کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ تعلیم کی اس نوع کو فرض عین قرار دیا جاتا ہے۔
2. جبکہ ایسی تعلیم اور شعبہ ہائے علوم جن کا علم حاصل کرنا قوم کے ہر فرد پر لازم تو نہیں مگر کسی بھی قوم میں سے کچھ افراد اسے ضرور حاصل کریں، فرض کفایہ کہلاتا ہے۔ اس نوع میں علوم جدیدہ مثلاً سائنس، جغرافیائی معاشیات، انجینئرنگ اور ریاضی وغیرہ شامل ہیں۔ آج تک کوئی قوم بھی ان علوم کی تعلیم و تعلم کے بغیر دنیا میں زندہ نہیں رہ سکی۔ چنانچہ یہ امر ناگزیر ہے کہ قوم کی بقاء و سالمیت کے لئے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کی جائے کیونکہ ملکی ترقی کے لئے ہر شعبہ میں اس کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر فی زمانہ دفاع کا مسئلہ ہے اور آج دفاع (Defense) کے جتنے بھی جدید ذرائع ہیں، وہ سائنس اور ایٹمی توانائی سے متعلقہ تعلیم کے مرہون منت ہیں۔ کوئی ملک یا قوم اپنا دفاع اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ ایٹمی قوت حاصل نہ کرلے۔

تعلیم کے مقاصد:

اسلام نے تعلیم کے عمومی مقاصد، نصب العین کا تعین، حسن عمل، خودشناسی، خیر خواہی، تبلیغ دین، تحقیق مسائل، امت کی سربلندی، دینی اور دنیاوی فلاح، حصول معاش میں تیسیر اور بہترین معاشی و معاشرتی تعمیر و ترقی قرار دیے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو علم و تعلیم کا بنیادی

مقصد خالق شناسی ہے، کیونکہ اس کے بغیر اللہ عزوجل کی معرفت حقیقی ناممکن ہے۔ اور تعلیم کے ذریعے ہی انسان خدا کی رضامندی حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ خالق شناسی کے بغیر جو تعلیم بھی حاصل کی جائے گی وہ ہرگز مفید نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے ہمیشہ علم نافع کے حصول کی دعا فرمائی کیونکہ یہ خالق شناسی کا بنیادی وسیلہ ہے۔[3] گویا کہ تعلیم ایک عبادت ہے جس کا حصول لازم ہے نیز اسی اہمیت کے پیش نظر علم کو ہر عاقل و بالغ مسلمان پر لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کے بغیر نہ تو اللہ کے حقوق کی ادائیگی و حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ ہی بندوں کے حقوق کی!

تعلیم میں دینی اور دنیاوی علوم کے امتزاج کی ضرورت:

اسلام میں یہ امر ناگزیر ہے کہ تعلیم ہمارے دینی اور دنیاوی دونوں تقاضوں کو پورا کرے؛ ایک طرف تعلیم انفرادی سطح پر تقویٰ اور فرائض سے نیک نیتی کے ساتھ عہدہ برا ہونے کے جذبات پیدا کرنے والی اور صدق دل سے مسلمان بنانے والی ہو اور دوسری طرف ہر فرد کو مروجہ علوم کی تحصیل کے بعد معاشرہ کی ترقی میں اہم کردار ادا کرنے والا بنائے۔ دیکھا جائے تو تعلیم کے نظام میں دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم محل نظر ہے۔ اس لیے کہ جن علوم کو ہم دنیاوی علوم کہتے ہیں اگر ان کے حصول کا مقصد اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی بقاء و سالمیت کے جذبہ کے تحت ہو تو وہ دینی علوم کے حصول سے کسی درجہ کم نہ ہو گا۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ نسل نو میں اسلامی تعلیمات کا درست شعور پیدا کر دیا جائے تاکہ وہ زندگی کے جس شعبہ میں بھی جائیں نیک نیتی سے ملک و قوم کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوں۔ پھر وہ کوئی علم بھی حاصل کریں گے تو اس فضیلت کے مستحق ہوں گے جو اہل علم کے لئے وارد ہوئی ہے اور ایسی نسل انسانی دنیا کے لیے باعث رحمت ہو گی۔

مکی دور (ریاستی نظام کے قیام سے قبل) کا تعلیمی اہتمام:

رسول اللہ ﷺ نے اوائل میں ہی اپنے اصحاب رضی اللہ عنھم کو مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کا سب سے پہلا تعلیمی مرکز دار ارقم قائم کر کے دیا۔ یہ مکان ارقم بن ارقمؓ کا تھا جو کہ دامن صفا میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ چھ (٦) نبوی کے اختتام تک یہیں اسلام کی تبلیغ کی اور نومسلم اصحاب کی تربیت کی۔[4] سیرت نگاران دار ارقم سے قبل سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے 'داب الحجر' میں واقع مکان کو سب سے پہلی تربیت گاہ قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ صحابہ کرامؓ گھروں میں جا کر تعلیم بھی دیتے تھے، جیسے سیدنا خباب بن ارتؓ گھر جا کر سیدنا عمر فاروقؓ کی بہن اور بہنوئی کو تعلیم دیا کرتے تھے۔[4] نبی کریم ﷺ نے شعب ابی طالب میں بھی اپنے اہل و عیال اور اصحاب کی تعلیم کا اہتمام کرتے رہے۔[5]

عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم:

تعلیم کی مذکورہ اہمیت و فضیلت کے سبب رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت کریں۔ ابلاغ علم کا یہی احساس تھا جس نے آپ ﷺ کو مختلف طریقوں کی طرف متوجہ کیا مثلاً آپ ﷺ کے پاس دوسرے علاقوں اور اقوام سے وفود آتے تو آپ ﷺ انھیں اسلام کی تعلیم دیتے، اپنے رفقاء میں سے بعض کو معلم و مبلغ بنا کر بھیجتے، بادشاہان وقت خطوط ارسال فرماتے، بنفس نفیس مختلف قبائل اور افراد تک پہنچتے، یہاں تک اپنے امراء اور عمال تک کو تعلیم دینے کا حکم دے کر مختلف امصار کی طرف روانہ کرتے تھے۔[6]

عہد نبوی ﷺ میں مملکت اسلامیہ میں وسعت کے سبب ایک وسیع تر ملی و دینی مفاد کے تحت تعلیمی نظام قائم کرنا لازم ہو گیا تھا۔ چنانچہ مدینہ منورہ سے دیگر علاقوں کی طرف تربیت یافتہ اساتذہ و معلمین بھیجے جاتے تھے اور عمال کو یہ حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے ماتحت صوبوں میں بسنے والے نو مسلموں کی تعلیم کا اہتمام کریں۔ مثال کے طور پر عمرو بن حزمؓ جو کہ یمن کے گورنر تھے، انھیں آپ ﷺ نے یہ حکم جاری کیا کہ وہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لوگوں کی عملی تربیت اور متعلقہ اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست کریں۔[7] امام طبری کا بیان ہے کہ لوگوں کر نرمی برتنے دینی تعلیم کا بہ طور خاص اہتمام کرنے کا حکم تھا، نیز گورنروں کو بھی یہ حکم تھا کہ وہ لوگوں کی عمومی عبادات اور احکامات کی تعلیم دیں۔ بلکہ آپ نے یمن کے علاقوں

میں ایک ناظرہ تعلیم کا ماہر بھی مقرر کیا تھا جو دورے کر کے لوگوں کی تعلیم دیتا تھا۔[8]

جب معاذ بن جبلؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا تو ان کی یہ ذمہ داری تھی کہ مختلف اضلاع اور سرکاری طور پر طے شدہ علاقائی حدود پر واقع امصار کو جائیں اور وہاں تعلیم کا مناسب انتظام کریں۔ اسی طرح وہ تمام ہدایت نامے بھی تاریخ میں محفوظ ہیں، جن میں مالی و انتظامی معاملات، ٹیکس اور عدل و انصاف وغیرہ سے متعلقہ ہدایات کے ساتھ یہ بھی تفصیلات میسر ہیں کہ لوگوں کی تعلیم کا مناسب بندوبست کیا جائے۔ اس وقت گورنروں کی ذمہ داریوں میں یہ شامل تھا کہ وہ اپنے اپنے دائرہ عمل (Jurisdiction) میں رہ کر لوگوں کی اخلاقی تربیت اور تعلیم کا انتظام کریں۔[9]

باضابطہ ریاستی سطح پر تعلیمی درس گاہ کا قیام:

رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی میں ایک چبوترہ کو بطور اقامتی جامعہ منظم فرمایا۔ جہاں اصحاب اور نو مسلم اصحاب کی دینی تعلیم و اخلاقی تربیت کا یکساں انتظام موجود تھا۔ اسی کے فیض یافتگان مثلاً مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کو بعد ازاں دیگر علاقوں کی طرف تفویض کیا گیا تاکہ وہ نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کر سکیں۔ سیرت نگاران کے تصریحات کے مطابق سیدنا ابو امامہ اسعد بن زرارہؓ نے بھی اپنا مکان وقف کیا تھا جہاں تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا گیا تھا۔[10] رسول اللہ ﷺ کی عہد میں مسجد نبوی کے اندر تعلیم و تربیت کے اس سلسلہ کے اجراء کی افادیت اس سے بھی معلوم ہو سکتی ہے کہ ہجرت سے قبل ہونے والی بیعت عقبہ ثانیہ کے رسول اللہ ﷺ نے ایک معلم مصعب بن عمیرؓ کو بھیجا کہ وہ جا کر اہل مدینہ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے۔[11] کاتبین وحی کی تقرری، ہجرت مدینہ کے بعد لوگوں کی تعلیم اور مدینہ منورہ میں ناخواندگی کے خاتمہ کے لیے ذاتی طور پر نگرانی کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی حکمت عملی تھی۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خوش نویسی کی تعلیم کے لیے سیدنا سعید بن العاصؓ کو مقرر فرمایا تھا۔[12] رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کے مطالبہ پر سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو معلم مقرر کیا۔[13] امام سہیلیؒ نے غزوہ بدر کے احوال کے تحت بیان کیا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں کتابت آتی تھی البتہ بہت کم انصاری کاتب اور خوش خط تھے۔ ان کاتبوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو تنگ دست تھے چنانچہ ان سے معاہدہ کیا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو کتابت سکھا دیں تو ان کو بغیر فدیہ چھوڑ دیا جائے گا۔ زید بن ثابتؓ نے انصاری لڑکوں کی معیت میں انہی کاتبوں سے کتابت سیکھی تھی۔[14]

صفّہ کے تعلیمی نظام میں کی خاصیت یہ تھی کی اس کا نظم و نسق بالواسطہ رسول اللہ ﷺ کی زیر نگرانی ہی چلایا جاتا تھا جہاں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی ضروری تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ اسی طرح قرآن حکیم کی سورتوں کا حفظ، علم تجوید و قراءت اور دیگر اہم علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ خود اہل صفہ کی نگرانی فرماتے اور طلباء کی غذا کا انتظام فرماتے۔ صحابہ کرامؓ میں جو تعلیم کے علاوہ فارغ اوقات پاتے تو وہ ان میں روزگار کا بھی اہتمام کرتے تھے۔ صفہ میں ایک وقت ایسا بھی تھا کہ طلبہ کی تعداد ستر (۷۰) ہو گئی۔ مقامی صحابہ کرامؓ کے علاوہ دور دراز کے قبائل کے اصحاب بھی نبوی نصاب کی تعلیم و تکمیل کے لیے آتے تھے۔[15] مورخین کے نزدیک صفہ کے علاوہ عہد نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ میں کم از کم نو (۹) مساجد اور بھی تھیں جہاں تعلیم و تربیت کا کام ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ مسجد قبا بھی خود تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے ساتھ ملحقہ مدرسے کی ذاتی طور پر نگرانی فرماتے تھے۔ تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تھا کہ لوگ اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کریں۔[16] نبی کریم ﷺ کی یہ تعلیمی پالیسی تھی کہ صرف وہی لوگ مساجد میں امامت کے فرائض سر انجام دیں جو قرآن و سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں جس سے خواندگی میں تیزی سے اضافہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اس دور میں پیشہ ور کاتبوں سے بھی تعلیمی امور میں مدد لیتے تھے۔ مدینہ منورہ میں مردم شماری، ۲۵۰ سے زائد مختلف سربراہان حکومت کو تبلیغی خطوط، خطوط پر مہر لگانا، سب رسول اللہ ﷺ کے تعلیمی اقدامات کے بدولت شروع ہوا۔[17] رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں معیاری استاد، فرماں بردار شاگرد اور ضروری نصاب پر بہت زیادہ زور دیا۔ یہ عناصر ثلاثہ اس وقت انتہائی مفید

نتائج پیدا کرتے ہیں جب استاد اور شاگرد اپنے حقوق و فرائض جانتے ہوں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں دار ارقم، مدینہ منورہ میں صفہ جیسے مکاتب قائم کرکے یہ اصول مسلمہ طور پر رائج کر دیا کہ ریاستی سرپرستی میں تعلیمی اداروں کا قیام اور وہاں کے فاضلین کی تفویض ایک اہم معاشرتی و تعلیمی ضرورت ہے۔

معذور طبقہ کی تعلیم وتربیت:

اسلام میں کسی بھی انسان کی کمی یا ذاتی کمزوری اس کی تعلیم میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اس معاملہ میں اسلام نے معذور اور ذاتی طور پر کمزور انسانوں سے وہ کارنامے کروائے ہیں کہ تعلیم کی کمی غیر محسوس ہو کر رہ گئی۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے دور میں معذور اور جسمانی طور پر عارضہ میں مبتلا لوگوں کی بھی تعلیم دین و اخلاق اور کردار کی عظمت کے جلیل القدر اصحاب پر بھی برتری حاصل تھی۔ اس سلسلہ میں سیدنا عبد اللہ بن ام مکتومؓ کی مثال نایاب ہے کہ جنہیں نبی کریم ﷺ کی عدم موجودگی میں کم و بیش دس(۱۰) بار مدینہ کا امیر اور آپ ﷺ کا نائب ہونے کا شرف حاصل ہے۔[18] بلاشبہ کسی نابینا شخص کا ایک پیغمبر کا نائب بن کر فرائض کو ادا کرنا بغیر علو مرتبت یا تعلیم کے ممکن نہیں؟ اسی طرح انھیں نبی کریم ﷺ نے بدر کے موقع پر نمازوں کی امامت بھی سونپی تھی جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو تعلیم کے یکساں مواقع فراہم کیے۔

ریاست کو جسمانی طور پر کمزور اور معذور افراد کی تعلیم کے لیے اس نوع کا عملی کردار ادا کرنا چاہیے جس سے ایسے افراد قوم پر بوجھ بننے کی بجائے خود دار بنیں اور قومی دھارے میں شامل ہو کر ملکی ترقی کے لیے اپنی خدمات فراہم کریں۔ جدید دنیا میں وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے اداروں کی تعمیر و قیام کو فروغ دینا چاہیے جن میں اس طبقہ کے لوگوں کی ذہنی آبیاری کے ساتھ ساتھ جسمانی نشو ونما کی بھی کوشش کی جاسکے۔

ریاستی سطح پر تعلیم نسواں کا اہتمام:

معلم اعظم ﷺ نے خواتین کے لیے بھی تعلیم لازم قرار دی۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں جب خواتین کی تعلیم کے علیحدہ اوقات مقرر فرمائے۔ آپ ﷺ ان کے مسائل کو بغور سنتے اور مطلوبہ جواب دیتے تھے۔ اسی طرح خواتین کے لئے آپ ﷺ نے ہفتے میں خصوصی طور پر ایک دن مقرر فرمایا تھا۔[19] سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ خواتین کے لیے رسول اللہ ﷺ ایک جگہ متعین فرمائی جہاں انہیں تعلیم دی جاتی تھی۔ اسی طرح ان کے لیے مقررہ اوقات میں تعلیمی مجالس منعقد ہوتیں اور آپ ﷺ خواتین کو دینی تعلیمات سے روشناس کراتے۔[20]

خواتین کی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری خاتون سے کہا کہ وہ آپ کی ایک بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔[21] تعلیم نسواں ہی کی اہمیت کے سبب سیدہ عائشہؓ کو علم الفقہ، علم الادب، شاعری، علم الطب اور دیگر اسلامی علوم پر خاصی مہارت تھی۔ بایں وجہ آپ ﷺ کا فرمان تھا کہ "آدھا علم عائشہؓ سے سیکھو۔ کیونکہ اس حکم کے پس پردہ قرآن حکیم کی نص کے مطابق اللہ کی آیات اور حکمت (یعنی حدیث رسول ﷺ) کی تعلیم دیگر صحابیات کو بھی تعلیم دیں اور خود بھی رسول اللہ ﷺ سے تعلیم حاصل کریں۔[22] آپ ﷺ نے تعلیم نسواں کی اہمیت کے پیش نظر ہی ارشاد فرمایا کہ کس جس کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے، بعد ازاں اسے آزاد کر کے نکاح کرلے تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔"[23]

ام کلثوم بنت عقبہ، سیدہ حفصہ بنت عمر، سیدہ عائشہ بنت سعد، سیدہ کریمہ بنت مقداد اور سب سے بڑھ کر سیدہ الشفاء بنت عبد اللہ العدویہ (رضی اللہ عنہن) ۔ جنہوں نے سیدہ حفصہؓ کو بھی تعلیم دی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے سیدہ حفصہؓ کی شادی کے بعد بھی وہ انھیں تعلیم دیتی رہیں ۔ یہ وہ خواتین ہیں جنھیں حصول تعلیم کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں گراں قدر مقام حاصل تھا۔ سیدہ الشفاء بنت عبد اللہ العدویہؓ کو آپ ﷺ نے

فرمایا کہ "تم نے جس طرح "نملہ" (پھوڑے) کا رقیہ حفصہ کو سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھادو۔"[24] عہد نبوی ﷺ میں تعلیم نسواں کی اہمیت کے سبب ہی ازواج مطہرات میں سے سیدہ عائشہ اور سیدہ ام سلمیٰ رضی اللہ عنہما تعلیم حاصل کرتی رہیں البتہ یہ پڑھ سکتی تھیں لیکن انہیں لکھنا نہیں آتا تھا۔[25]

بہت سے تعلیمی میادین اور مضامین ایسے ہیں خواتین کی تعلیم کو لازمی سمجھا گیا ہے مثلاً عسکری، ٹیکنیکل، میڈیکل تعلیم میں خواتین کی بسا اوقات اشد ضرورت رہی ہے نیز لڑکیوں کے لیے خانہ داری کے امور کی تعلیم بھی اہم ہے۔ آپ ﷺ نے اسی ضمن میں یہ فرمایا ہے کہ "دل بہلانے کے لئے خواتین کا بہترین مشغلہ دھاگہ کاتنا ہے۔"[26] ابن سحنون کے مطابق قرون وسطی میں بھی مسلم خواتین کو تعلیم دی جاتی تھی تاہم اس کا مرکز گھر ہی ہوتا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"اکثر و بیشتر باپ اپنی بیٹی کو پڑھایا کرتا تھا جیسا کہ عیسی بن مسکین (متوفی ۲۹۵ھ) نے کیا جو ظہر کے وقت تک اپنے شاگردوں کو درس دیا کرتے تھے اور اس کے بعد اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور پوتیوں اور نواسیوں کو قرآن مجید اور دیگر علوم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔"[27]

رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ریاستی سطح پر نظام تعلیم میں عورتوں کی تعلیم کا مستقل اور علیحدہ انتظام کیا جائے اور خواتین کے لیے نصاب کا تعین ان کی عصری ضرورتوں کو اور ان کی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جائے، کیونکہ ان کی عملی زندگی مردوں سے مختلف ہے۔

سیرت کی روشنی میں ریاستی سطح پر قومی زبان میں تعلیم کی اہمیت:

تعلیم کے لیے سب سے پہلے زبان کا مسئلہ ہے۔ اگر کوئی ریاست اپنے معاشرے کی تعمیر و ترقی کی خواہاں ہے تو وہ ریاستی زبان میں تعلیم دینے کی پابندی عائد کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جن امم میں مبعوث فرمایا، انھی اقوام کی زبان میں تعلیم دینے کے لیے پابند فرمایا۔ زبان کی اسی افادیت کے سبب رسول اللہ ﷺ نے عربی زبان کو سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دی۔ تعلیم میں قومی زبان کی اسی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام بھی متعلقہ زبان کو فوقیت دیتے تھے۔ عمر بن زید فرماتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو سیدنا عمرؓ نے پیغام بھیجا کہ تم سنت اور عربی زبان سیکھو۔ اسی طرح سعد بن وقاصؓ نے ایک گروہ کو فارسی میں کلام کرتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ ملتِ اسلامیہ میں داخل ہونے کے بعد آگ کی پرستش کی کیا ضرورت باقی ہے؟[28] ان کا مطلب تھا کہ عربی کو چھوڑ کر فارسی میں تعلیم و تعلم کرنا مناسب نہیں۔ سیدنا عمر اپنی زبان میں تعلیم کی غرض سے ہی یہ فرمایا کرتے تھے کہ "عربی زبان کی تعلیم حاصل کرو اس لیے کہ یہ دین کے امور میں سے ہے۔"[29]

سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیم کی غرض دیگر زبانوں کی سیکھنے کی ترغیب بھی دی تھی، جیسا کہ زید بن ثابتؓ کو اجازت دی تھی کہ وہ سریانی زبان کو سیکھیں۔[30] بلاشبہ یہ ایک ممکنہ طور پر دیگر علوم کو سیکھنے اور ان سے اخذ و استفادہ کے لیے اٹھایا جانے والا حکم تھا۔ الغرض سیرت کے مطالعہ سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ قومی زبان میں تعلیم دینا ریاست کی اولین ترجیح ہونی چاہیے۔

نظام امتحانات کا قیام اور ریاستی ذمہ داریاں:

امتحانات تعلیم کا اہم حصہ ہوتے ہیں جس کے اثرات براہ راست پورے معاشرے کے سماجی ڈھانچے پر پڑتے ہیں۔ جہاں سیاسی اور معاشی نظام کی بربادی نیز معاشرتی اخلاق اور سماجی ڈھانچے کی فرسودگی تعلیمی نظام کو تباہ کردیتی ہے وہیں امتحانی نظام کی خرابی اسے برباد کردیتی ہے۔ امتحان میں فرض ناشناس اساتذہ، رشوت خور انتظامیہ، بددیانت قیادت، بدعنوانی اور تاریک معاشی مستقبل طلبہ کو اس سطح پر لا کھڑا کرتا ہے کہ جہاں تعلیم و تدریس جیسے مقدس پیشہ سے مثبت نتائج برآمد کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔[31]

سیرت النبی ﷺ امتحانی حوالے سے ہمارے لیے تابناک امثلہ پیش کرتی ہے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے گاہے بہ گاہے امتحان لیتے رہتے تھے اور ان کی امتحانی انداز میں تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق سوالات اور امتحانی و عملی نقطہ نظر سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوالات کیے ہیں۔ مثال کے طور پر:

ایک بار آپ ﷺ چند اصحاب کے ہمراہ تھے تو آپ ﷺ نے ابو ہریرہؓ کی طرف مخاطب ہو کر سوال کیا کہ اے ابو ہریرہؓ: تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے سامنے نہر بہہ رہی ہو اور وہ اس میں ہر روز پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کے بدن پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گی؟ صحابہ نے یکبارگی جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ ﷺ، اس کے بدن پر کوئی میل کچیل باقی نہیں رہے گی۔ آپ نے یہ سنا تو فرمایا کہ: یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعے سے گناہوں کو ایسے ہی مٹا دیتے ہیں۔[32]

رسول اللہ ﷺ کا یہ طریقہ کار بتلاتا ہے کہ امتحان ضروری ہے اور اس میں موقع بہ موقع عملی تربیت کا اہتمام بھی کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ ایسا نظام امتحان جو عملی تربیت کے تقاضوں سے کوسوں دور ہو، ریاست کو اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

مخلوط تعلیمی نظام اور اقدار کا تحفظ:

قبل از اسلام مکہ میں چند خواتین لکھنا پڑھنا جانتی تھیں جن میں خاص طور پر سیدنا عمرؓ کی عزیزہ شفاء بنت عبد اللہؓ تھیں اور اسی تعلق کے سبب سے ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں مدینہ کے بازار میں نگرانی کے عہدہ پر مامور کیا۔ کیونکہ وہاں کی بازار میں خواتین بھی تجارت کا سامان لاتی تھیں اس لیے نگرانی، مدد اور ممکنہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ان کو مامور کیا گیا تھا۔

عہد رسالت میں اس بات کا حد درجہ اہتمام کیا جاتا تھا کہ مردوں اور خواتین کے اختلاط سے ممکنہ حد تک گریز کیا جاتا تھا۔ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا عمل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مردوں کی صف سے نکلے اور سیدنا بلالؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کو خیال آیا کہ آپ ﷺ کی آواز خواتین تک نہیں پہنچ رہی۔ آپ ﷺ خواتین کی صفوں تک تشریف لے گئے اور انہیں نصیحت فرماتے رہے اور صدقہ کرنے کا حکم دیتے رہے۔[33] اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مرد و خواتین کا اختلاط دیکھا، تو عورتوں کو مخاطب کیا اور کہا کہ پیچھے ہٹ جاؤ، تمہارا راستے کے درمیان میں چلنا درست نہیں، ایک طرف ہو کر چلا کرو"۔[34]

یہ دونوں روایات ثابت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خواتین کی تعلیم کی غرض سے بحیثیت معلم ان کے قریب جا کر تعلیم دی اور ضرورت پڑنے پر انہیں اختلاط سے بچنے کی تلقین بھی کی۔ عہد رسالت ﷺ کے بعد بھی خواتین کی دینی تعلیم و اخلاقی تربیت کے حوالے سے خاص اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ قاضی اطہر مبارکپوری قرون اولیٰ کی تعلیمی سرگرمیوں، اسفار اور طریقہ تعلیم و تربیت کا تذکرہ بایں الفاظ میں کرتے ہیں:

"عام طور سے ان تعلیمی اسفار میں طالبات کی صنفی حیثیت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا اور ان کی راحت و حفاظت کا پورا اہتمام ہوتا تھا۔ خاندان اور رشتہ کے ذمہ دار ان کے ساتھ ہوتے تھے، امام سہمیؒ نے "تاریخ جرجان" میں فاطمہ بنت ابی عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن طلحی جرجانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ: "میں نے فاطمہ کو اس زمانے میں دیکھا ہے، جب ان کے والد ان کو اٹھا کر امام ابو احمد بن عدی جرجانیؒ کی خدمت میں لے جاتے تھے اور وہ ان سے حدیث کا سماع کرتی تھیں"، فاطمہ بنت محمد بن علی لخمیہ اندلس کے مشہور محدث ابو محمد باجی اشبیلیؒ کی بہن تھیں، انہوں نے اپنے بھائی ابو محمد باجیؒ کے ساتھ رہ کر طالب علمی کی اور دونوں نے ایک ساتھ بعض شیوخ و اساتذہ سے اجازت حدیث حاصل کی"۔[35]

اس صراحت سے معلوم ہوا کہ شرع متین نے جہاں خواتین کو تعلیم و تربیت کے حصول کی پوری آزادی دی ہے، وہیں مرد و خواتین کے درمیان اختلاط کے بارے احتیاط کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں خواتین مسائل پوچھنے کے لیے آتی تھیں تو پردے کے پیچھے رہتی

تھیں۔ سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک خاتون نے پردے کے پیچھے سے آپ ﷺ کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا۔[36] اسی طرح جو خواتین بیعت کے لئے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ ان سے زبانی بیعت فرمالیتے، کبھی کسی خاتون کو مس نہیں کیا۔[37]

الغرض تعلیم کے حصول کے لیے مسجد نبوی میں مرد بھی ہوتے تھے اور خواتین بھی، البتہ ان کے بیٹھنے کی نشستیں جدا جدا تھیں۔ جس مقام سے رسول اللہ ﷺ تقریر فرماتے، وہاں سے فریقین کے لیے بیک وقت استفادہ کرنا آسان تھا۔ چنانچہ اگر اسکول وکالج میں ایسا انتظام ہو کہ مرد وخواتین کی نشستیں الگ الگ ہوں تو اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ بالخصوص اگر کسی فن کا ماہر خاتون ہو یا کوئی مرد ہو تو اس سے فریقین کو بلا امتیاز استفادہ کرنا چاہیے۔

پیشہ ورانہ اور دینی تعلیم کے لیے اداروں کا قیام:

رسول اللہ ﷺ نے صنعت و تجارت کی غیر معمولی ضرورت و اہمیت کو ہمیشہ نے اپنے ارشادات و اقدامات سے واضح کیا اور صنعت و حرفت اور تجارت کی اہمیت کا شعور اجاگر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی کمائی کو سب سے بہترین قرار دیا ہے۔[38] اور داؤد علیہ السلام کے بارے بتایا کہ وہ ہاتھوں سے کماتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا مختلف صنعتوں کے قیام کی طرف اشارہ تھا۔[39] گویا کہ آپ ﷺ فرما رہے ہوں کہ صنعت و حرفت کے ذریعے روزی کا حصول اور اس کی تکمیل لازم امر ہے۔ آپ ﷺ نے پیشہ ورانہ تربیت کے حصول کے لیے کئی فرامین صادر فرمائے جن میں بہ طور خاص آپ ﷺ کا یہ ارشادِ عالی تھا کہ "خاتون کا گھر میں فارغ بیٹھے رہنے سے چرخہ کاتنا بہترین کمائی کا مشغلہ ہے۔"[40] اسی طرح ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ "اللہ کے خزانوں میں سے صنعت بھی ایک خزانہ ہے جس سے صاحبِ صنعت خرچ کرتا ہے۔"[41]

مدینہ منورہ میں قیامِ ریاست کے بعد مہاجرین کو جن مشکلات کا سامنا تھا، انصاری صحابہ کی اولوالعزمی اور جاں نثاری ان کا خاتمہ ہو گیا اور مہاجرین کی معاشرتی و معاشی سرگرمیاں بحال ہو گئیں۔ آپ کے فرامین کے مصداق متعدد اصحاب نے پیشہ ورانہ معلومات کو حاصل کیا اور کام شروع کیا۔ چنانچہ سیدنا ابو بکرؓ نے کپڑے کی تجارت شروع کی اور مقام "سخ" پر کارخانہ قائم کیا۔ سیدنا عمرؓ نے تجارت شروع کی اور یہ سلسلہ ایران تک پھیلا دیا۔ سیدنا عثمانؓ نے بنو قینقاع کے بازاروں سے کھجوروں کی خرید و فروخت کا آغاز کیا۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوفؓ نے پنیر بیچنا شروع کیا۔ سیدنا زبیرؓ نے شام میں کپڑے کا کام شروع کیا۔[42] گویا کہ نبی رحمت کی بالغ نظری اور حکمت عملی سے حکم قرآنی "**یبتغوا من فضل اللہ**" کی عملی تصویر نظر آئی۔ سیدنا ابو رافعؓ لکڑی کے پیالے، سیدنا خباب بن ارتؓ اور ارزق بن عقبہ ثقفیؓ لوہے کے آلات اور طلائی زیور بناتے تھے۔ سیدنا سلمان فارسی منجنیق بنانا جانتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کھجور کی پتیوں سے ٹوکریاں اور چٹائیاں بھی بنانے تھے۔ اسی طرح عمار بن یاسرؓ نے بہ طور معمار کام کیا اور ابن وریدؓ پیشہ کے اعتبار سے قصائی اور عثمان بن طلحہؓ درزی تھے۔[43]

عہد رسالت ﷺ میں مدینہ منورہ میں چھوٹے پیمانے پر تلوار سازی، پارچہ بافی اور لکڑی سے گھریلو سامان تیار کرنا، جیسی صنعتیں جاری تھیں۔ انصاری صحابہ کرامؓ نے یہود سے رنگ سازی، تلوار سازی، کپڑا بننا اور کاشت کاری کے آلات کی تیاری، جوتا سازی جیسے علوم سیکھے۔ یہ معاملہ صحابیات کا تھا مثلاً سیدہ زینبؓ دست کاری میں کمال مہارت رکھتے تھیں اور کھال کی دباغت کے جوتے بناتیں اور پھر فی سبیل اللہ صدقہ بھی کرتی تھیں۔ جبکہ جن صنعتوں کا قیام نہیں ہو سکا تھا ان کی تعلیم کے لیے صحابہ کرامؓ کو ترغیب دی جاتی تھی، جیسا کہ جنگی حالات کے پیش نظر اسلحہ سازی اور اس سے متعلقہ امور کی تعلیم و معرفت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے چند صحابہ کرام کا انتخاب کر کے انھیں جرش بھیجا تھا، اسی طرح ہتھیار سازی کے کارخانہ کو بنانے کے لیے چند جنگی ماہرین کو یمن بھیجا۔[44]

نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی ابتدائی کتابت کے لیے جن اصحاب کو مقرر فرمایا تھا، روایات سے ثابت ہے کہ ان کی پیشہ ورانہ تربیت

کا بھی جزوی اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کے بعد وہ لکڑی، کاغذ اور پتھر کی تختیوں پر قرآن لکھتے تھے۔[45]

یہ بات اظہر من الشمس مسلم ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی ماہر طبیب تھے اور گاہے بہ گاہے اصحاب کو طبی نسخوں سے فیض یاب فرماتے تھے، البتہ اس پر مزید دوا ان سازی بھی عہد رسالت میں ایک اہم صنعت سمجھی جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے دور میں طب و آلات جراحی کی تیاری کے کام کو فروغ دیا اور صحابہ کو فنی مہارت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی جنہوں نے بعد ازاں اس صنعت کے کارخانے قائم کیے۔[46]

اس سے ثابت ہوا کہ دس سالہ مدنی دور نبوت (ﷺ) میں جزیرہ نما عرب میں قائم اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کے چار بنیادی عناصر تھے؛ تجارت وکاروبار، زراعت، صنعت وحرفت اور محنت مزدوری۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تجارت کے فروغ اور پیشہ ورانہ علوم میں توسیع کے لیے درآمدات وبرآمدات کے آزادانہ اصولوں کے تحت ٹیکس اور چونگی کو ختم کر دیا۔ تجارتی میلے لگانے (Expo) کی حوصلہ افزائی فرمائی اور جدید ٹیکنالوجی کی حصول کو آسان بنانے کے لیے عملی اقدامات کیے۔[47]

پیشہ ورانہ تعلیم کے لیے عملی اقدامات اور اصحاب کی حوصلہ افزائی کا یہ پہلو واضح کرتا ہے کہ ریاست کو اپنے تعلمی نظام کی بہتری، مضبوطی اور دور رس نتائج اخذ کرنے کے لیے ملی و قومی سطح پر پیشہ ورانہ تربیت کے ادارے اور بڑے پیمانے پر لازمی و بنیادی نصابات برائے پیشہ ورانہ تعلیم و تربیت کا اجراء کرنا چاہیے۔

نظام تعلیم میں جدید و عملی اسلوب گفتار و تحقیق کا انطباق:

موجودہ دور میں علوم و فلسفہ کی بہتات کی وجہ سے منطق و استدلال کی زبان نے کافی ترقی کر لی ہے۔ اسی طرح جو تعلیم مشاہدات اور تجربات سے حاصل ہوتی ہے، اس کا کوئی بھی نظام یا طریقہ نعم البدل نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے چودہ سو (۱۴۰۰) برس پہلے ہی اس ضرورت کا بھانپ لیا تھا اور آپ نے اپنے نظام تعلیم میں ان مشاہداتی، عملی اور تجرباتی امور کو شامل رکھا۔ اس سلسلہ میں آپ حقیقی اشیاء و وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے صحابہ کی تعلیم کا اہتمام کرتے تھے۔ کیونکہ حقیقی اشیاء سے تعلیم دینے کا طریقہ ہمیشہ سے اہمیت کا حامل رہا ہے، کیونکہ معلم اپنے طلبہ جب کسی مخصوص چیز کی ساخت وہیت کے بارے میں زبانی سمجھاتا ہے تو اس قدر فائدہ نہیں ہوگا جتنا تب ہوگا کہ اگر وہ چیز دکھادے یا اس بحث کا عملی تجربہ کروادے تو یقیناً طلبہ اسی وقت سمجھ جائیں گے اور ان کا تصور مضبوط، اور تعلیم پختہ ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ ضرورت پڑنے پر اصحاب کی تفہیم کے لیے حقیقی اشیاء کا استعمال کرتے۔ مثال کے طور پر سونا اور ریشم دکھا کر دونوں کا حکم بتانا، جیسا کہ سیدنا علیؓ سے روایت ہے کہ:

"نبی کریم ﷺ نے ریشم دائیں ہاتھ میں اور سونا بائیں ہاتھ میں رکھ کر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔"[48]

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ذہنی طور پر تعلیم کے لیے متوجہ کرنے کے لیے ریشم اور سونے کو ہاتھ میں رکھا اور وسائل تعلیم کے طور پر استعمال کیا جس سے صحابہ کرامؓ نے شوق سے آپ کی بات کو سنا اور سمجھا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جمرات کو مارنے کے لئے استعمال ہونے والی کنکریاں عملی طور پر صحابہ کرام کو دکھا کر تعلیم دی۔ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس دن جمرہ عقبہ کی رمی تھی، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے لیے کنکریاں چن کر لا دوں تو میں نے ایسی کنکریاں لادیں جو انگلیوں میں پکڑی اور بآسانی پھینکی جاسکتی تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ (آپ بھی) ان جیسی کنکریاں چن کر مارو اور کہا کہ دین میں غلو کرنے سے پرہیز کرو۔"[49] اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے امت کو کنکریوں کا سائز عملی طور پر دکھا کر تعلیم دی۔ کیونکہ تعلیم میں عمل کا وجود بلاشبہ ناگزیر ہے۔

ریاست اگر تعلیمی نظام میں متعلمین کو کمرہ تعلیم میں وہ تمام سہولیات فراہم کرے، تو طلبہ میں تعلیم تعلم کا رجحان کہیں زیادہ پیدا ہوگا اور عملی و پیشہ

ورانہ تعلیم و تربیت میں مہارت حاصل ہو گی۔ اس لیے موجودہ دور میں سائنسی و تکنیکی وسائل کا استعمال اور میکانکی طریقہ تدریس کے اجراء کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں عملی تعلیم خود اہتمام فرمایا تھا اور گاہے بہ گاہے عملی امثلہ اور طریقوں سے تعلیم دیتے رہتے تھے۔ عملی بیان (پریزنٹیشن) کے ذریعے تعلیم کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ جن باتوں کو بتانا ہوتا اور صحابہ کو سمجھنے میں مشکل درپیش ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس کام کی عملی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً وضوء کی کیفیت کی تعلیم، منبر پر چڑھ کر نماز ادا کرنے اور تیمم کی تعلیم۔ نیز مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ طلبہ کی بہتر تعلیم کے لیے مختلف شکلوں، ڈائیگرامز اور نقشوں کا استعمال کیا جائے کیونکہ یہ تعلیم کے وسائل از حد مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔

قومی نظام تعلیم میں نصاب سازی کی اہمیت اور دینی و اخلاقی تربیت کی ضرورت:

نبی کریم ﷺ نے نصاب سازی کے حوالے سے مختلف النوع اقدامات اٹھائے۔ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے قرآن و حدیث کے ساتھ علم فقہ، علم ہیئت اور علم الانساب وغیرہ کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ سفارتی امور کی احسن طریقے سے نمٹانے کے لیے غیر ملکی زبانوں کی تعلیم پر زور دیا یہاں تک کہ یثرب میں ایک یہودیوں کی درس گاہ بنام بیت المدراس تھی، وہاں سے بھی مسلمانوں کو عبرانی زبان اور دیگر علوم کی تعلیم کا حکم دیا۔[50] عہد رسالت ﷺ میں نصاب تعلیم لچک دار تھا، جس جس موقع پر کسی علم کی ضرورت پڑتی فوری اس کا بندوبست کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس بارے رقم طراز ہیں:

"ہمارے پاس جو مختلف اور محدود مواد ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا، معینہ کتب کو پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور جو کچھ پڑھا سکتا، اس سے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم الانساب اور علم تجوید القرآن کی تعلیم دی جایا کرے"[51] ریاست جہاں عصری تعلیم کا اہتمام کرتی ہے وہیں اس پر لازم ہے کہ وہ عوام کے لیے دینی تعلیم کا بھی اہتمام کرے۔[52] دینی مدارس کے دینی و اخلاقی ماحول اور تربیت کا جو اثر معاشرے پر تھا، وہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے اور گنتی کے چند ادارے ہیں جہاں طلبہ کی فکری، دینی اور اخلاقی تعلیم تربیت کا بہتر نظام موجود ہے۔ اس وقت مدارس سے فراغت پانے والے اکثر فضلاء کی ذہنی سطح خاصی مرعوب ہے اور ان میں مشنری جذبہ واضح نہیں اور نہ ہی کوئی بامقصد اور متعین زندگی کا انھوں نے سوچا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ معاشرے میں جذب ہونے تک مسائل اور کئی آزمائشوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جبکہ عصری تعلیمی اداروں پر مہلک اور واضح طور پر خطرناک اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں کیونکہ اخلاقی بے راہ روی اور کردار و عمل میں کھوٹ، اس پر مستزاد جدید مغرب و الحادی افکار بلاشبہ ہلاکت سے کم نہیں۔ ریاست کے تعلیمی نظام میں مذکورہ پہلوؤں پر سوچنے، نصاب کو مرتب کرنے اور اس سے خاطر خواہ مثبت نتائج اخذ کرنے کے لیے جدید خطوط پر استوار نظام کو عملی طور پر لاگو کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

سیرت کے مطالعہ سے اس ضمن میں ہمیں واضح راہنمائی ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے اخلاق و کردار اور معاشرے میں اس کی اثر انگیزی کو بڑھانے کے لیے ٹھوس تعلیمی اقدامات اٹھائے تھے۔ آپ ﷺ جب بھی معلمین کو تفویض فرماتے تو انھیں معاشرے کے ساتھ جڑے رہنے اور عملی و اخلاقی طور پر بہترین نمونہ پیش کرنے کا حکم فرماتے۔ آپ ﷺ نے جب سیدنا معاذ بن جبلؓ اور سیدنا ابو موسیٰ الاشعریؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو نصیحت کی کہ "تم دونوں (لوگوں کے لیے) آسانی پیدا کرنا اور (انھیں) مشکل میں مت ڈالنا، (لوگوں میں) خوشیاں بانٹنا اور (ان کے درمیان) نفرت مت پیدا کرنا اور ایک دوسرے سے باہمی مشورہ و تسلیم رکھنا اور اختلاف مت کرنا۔"[53]

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بدو نے مسجد میں پیشاب کر دیا اور لوگ اس کو برا بھلا کہنے لگ گئے۔ نبی کریم

ﷺ نے کہا کہ "اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول انڈیل دو۔ بے شک تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو اور نا کہ مشکل میں ڈالنے والے"[54] اخلاقیات کی تعلیمی نظام کی اہمیت کے پیش نظر ہی آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔"[55]

معلوم ہوا ہے کہ تعلیم کے ساتھ اخلاق و کردار پر توجہ دینا بھی ضروری ہے اور ریاست کو بلاشبہ ایسا نظام ضرور بنانا چاہیے جس میں علمی و تحقیقی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا نصاب بھی ہو۔

تعلیم کی مفت فراہمی اور غریب طلبہ کے لیے اعزازیہ (اسکالرشپس) کا اجراء:

اسلام میں تعلیم کا تصور فلاحی نوعیت کا ہے، گویا کہ تعلیم ریاست کی ذمہ داری اور اس کی فراہمی مفت ہونی چاہیے۔ اور بعد کے ادوار میں بھی تعلیم مفت ہی رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں وفود اور قبائل عرب کی آمد پر ان کے نمائندہ افراد کی ایسی تعلیم و تربیت ایک بڑا اہم اور بنیادی فرض تھا جو رسول اللہ ﷺ انصار اور مہاجرین صحابہ کے ساتھ ساتھ اور صفہ کے اصحاب کی مدد سے عمدہ طور پر سرانجام دیتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ آنے والے وفود میں شامل قبائلی عمائدین کی خود تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو ترغیب دلاتے تھے کہ وہ تعلیم کے حصول کے لیے آنے والے معزز مہمانوں کی مکمل ضروریات کا خیال کرتے رہیں۔ آپ ﷺ انصار و مہاجرین صحابہ کو حکم دیتے کہ وہ مہمانوں کے قیام اور کھانے پینے کا انتظام کرنے کے ساتھ انھیں قرآن و سنت کی تعلیم بھی دیں۔ اس سلسلہ میں سیدنا عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ "جب رسول اللہ ﷺ مشغول ہوتے اور کوئی مہاجر ان کے پاس آتا تو آپ اسے ہم میں سے کسی کی طرف بھیج دیتے جو اسے قرآن کی تعلیم دیتا تھا۔"[56] اسی طرح ورواںؓ جب طائف سے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے ابانؓ بن سعید سے کہا کہ وہ ان کے مصارف تعلیم کا ذمہ لیں اور قرآن مجید کی تعلیم کا اہتمام کریں۔[57] انصار مدینہ کا یہ معمول تھا کہ وہ دیگر علاقوں سے آنے والے مہمانوں کے ساتھ لگن اور محبت سے پیش آئیں اور ان کا خیال رکھیں نیز دل سوزی سے ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ اس طرز عمل سے ریاست کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مفت تعلیم فراہم کرنے کا موقع میسر آتا تھا اور لوگ تشکر آمیز جذبات لے کر واپس لوٹتے، جیسا کہ عبد القیس کا وفد آیا تو واپسی پر ان کا یہ اعتراف تھا:

"خير أخوان ألانوا فراشنا وأطابوا مطعمنا وباتوا وأصبحوا يعلّمونا كتاب ربنا وسنة نبينا"[58]

"یہ ہمارے بہترین بھائی ہیں۔ انہوں نے ہمیں نرم بستر مہیا کیے، اچھا کھانا کھلایا اور دن رات ہمیں اللہ کی کتاب اور پیغمبر ﷺ کی سنت کی تعلیم دیتے رہے۔"

تعلیم کا یہ ریاستی سطح پر تصور اور طریقہ بنیادی طور پر معاشرے کے مستحق افراد یا کسی عذر کے سبب ضرورت مند افراد کی اجتماعی تربیت کا سکھلاتا ہے۔ اسی طرح ریاستی ذمہ داری کو بھی اجاگر کرتا ہے کہ ریاست کو بالوسیلہ و مال دار افراد سے مال لے کر ایسے فنڈز قائم کرنے چاہئیں جن سے ضرورت مند اور ریاست کے ذمہ کے تحت آنے والے افراد کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جا سکے۔

متخصصین اور ماہرین کی تیاری اور تخصص کے اداروں کا قیام:

موجودہ دور کو تخصصات کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے، اس لیے عمومی تعلیم کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کی، جو کہ موضوعاتی اعتبار سے تخصصات (Specialization) پر مشتمل ہو، اہمیت مسلم ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر 'نیکی کے حکم اور برائی سے روکنے' کے فریضے کی ادائی کے لیے متخصصین کی جماعت کو تیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس ضمن میں ارشاد باری ہے:

"ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر"[59]

"تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے۔"

عہد رسالت ﷺ میں صحابہ کرامؓ مختلف مضامین میں ماہر اور ممتاز تھے۔ آپ ﷺ نے مختلف مضامین میں اختصاص کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو ترغیب بھی دی۔ جیسا کہ آپ ﷺ کے فرمودات: **تعلموا من أنسابكم ما تصلون به أرحامكم، تعلموا الفرائض وعلّموا الناس**، اسی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابیؓ بن کعب کو قراءت و تجوید[60]، سیدنا علیؓ کو علم قضاء[61]، سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کو علوم القرآن[62]، سیدنا عبد اللہ بن مسعودؓ کو علم التفسیر والفقہ[63]، سیدنا زید بن ثابت کو علم الفرائض[64]، سیدنا معاذ بن جبلؓ کو حلال و حرام[65] کے علم میں اختصاص حاصل تھا، اور ان سب کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس کی سند حاصل تھی۔ اسی طرح ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ جدید سائنسی علوم کے لیے ادارے اور تجربہ گاہیں قائم کرے اور ان علوم کی مستقل بنیادوں پر تعلیم کا اجراء کرے۔ رسول اللہ ﷺ جدید علوم کی اسی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرام کو علم النجوم والفلکیات، علم دفاع و عسکری تربیت اور علم الکتابت کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ **"تعلموا النجوم ما تهتدون به من ظلمات البر والبحر، تعلموا الرمي والقرآن، قيدوا العلم بالكتابة"**۔

دور نبوی ﷺ میں تخصصاتی تعلیم کو جو ریاستی سطح پر پذیرائی میسر تھی، موجودہ ریاستی نظام کے لیے وہ ایک تابناک مثال ہے۔ اس لیے چاہیے ہمارا ریاستی نظام بھی عصر حاضر میں خصوصیات کے مطابق مختلف علوم و فنون کے ماہرین تیار کرے جس کے لیے اعلیٰ سطح پر مزید اداروں کے قیام کی اشد ضرورت ہے نیز پہلے سے قائم شدہ اداروں میں بہتری کے لیے عملی اقدامات اٹھائے جائیں۔

طلبہ کی صلاحیتوں کا ادراک اور انھیں ستائش وانعامات سے نوازنا:

ریاست کے لیے ضروری ہے کہ ایسے اقدامات اٹھائے جائیں جن سے حصول تعلیم کے لیے نوجوان نسل میں شوق اور دلچسپی پیدا ہو۔ اس میں ایک اہم پہلو طلبہ کی قومی سطح پر حوصلہ افزائی کا رجحان ہے۔ اس میں طلبہ کے اندر مزید آگے بڑھنے اور قوم کی تعمیر و ترقی میں مثبت کردار ادا کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والے صحابہ کرام یکساں درجوں پر فائز نہ تھے اور نہ علم و عقل میں ایک سے تھے لیکن دیکھا جائے تو عملی طور پر سبھی میں دنیا کی قیادت و سیادت کرنے کا ملکہ اور صلاحیت موجود تھی۔ تاہم پھر بھی آپ ﷺ نے ان کی صلاحیتوں اور مراتب کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیم و تربیت فرمائی۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بہت اہمیت کا حامل ہے:

"میری امت میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابو بکر ہے۔ ان میں اللہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمر ہے۔ ان میں سب سے زیادہ حیاء دار عثمان ہے اور ان میں سب زیادہ علم والا علی ہے اور ان میں سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والا زید بن ثابت ہے۔"[66]

نبی کریم ﷺ نے مذکورہ صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک کا ایسا نمایاں وصف بیان کیا جس کے اعتبار سے وہ باقی اصحاب سے ممتاز ہوئے۔ یہ دراصل تعریف و ستائش اور حوصلہ افزائی کا وہ اسلوب تھا جس کی وجہ سے ان اصحاب کی قدر و منزلت میں بھی اضافہ ہوا اور ان کے کارناموں میں بھی یہ عنصر شامل حال رہا۔ اچھی کارکردگی پر معلم جب تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو اس سے ان کے علم و عمل میں ثقاہت پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کی عمدہ کارکردگی پر تعریف و ستائش فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کا سیدنا ابی بن کعبؓ کو مبارک باد دینا، سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کی عمدہ تلاوت کی تعریف فرمانا، سیدنا سلمان الفارسیؓ کے ہم وطنوں کی تعریف کرنا، سیدنا ابو طلحہ انصاریؓ کی صدقہ کرنے پر ستائش اور حوصلہ افزائی کرنا ہیں۔[67]

حصول تعلیم کے بعد ملازمت کے ذرائع پیدا کرنا:

ریاست کی یہ کلیدی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم یافتہ اور ہنر مند افراد سے استفادہ اور ملکی و قومی دھارے میں ان کی شمولیت کو یقینی بنائے

جس کا بہترین اور عملی طریقہ ان کے لیے ملازمتوں کی آسان اور میرٹ پر فراہمی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عہدے یا ملازمت کا خواہاں ہو تاہم اس کی اہلیت یا استعداد ناقص ہو یا اس کا کوئی مقصد غیر شرعی، غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہو تو اسے قطعاً شریک نظام نہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کی تفویض اور ان کی (معاصر اصطلاح کے مطابق) ملازمت کا بھی ممکنہ حد تک اہتمام فرماتے تھے۔ صحابہ کو مختلف علاقوں کی طرف معلم بنا کر بھیجنا، انھیں حکام اور عاملین بنانا، بازاروں میں ان کی ذمہ داریاں لگانا، اور اسی طرح مختلف سربراہان و سلاطین کی طرف ارسال کرنا آپ ﷺ کا وہ اسوہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کو قومی و ریاستی سطح پر شریک نظام کرتے تھے اور آپ کے پاس مختلف النوع مواقع میسر ہوتے تھے۔ تبھی تو صحابہ کرامؓ میں سے کچھ آکر آپ ﷺ سے ملازمت یا کسی معاملے کی نگرانی کا تقاضا کرتے تھے۔ اس نوع کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس دو شخص آئے اور انھوں نے ذمہ داری تفویض کرنے کا مطالبہ کیا۔ تو آپ ﷺ نے ان کے احوال کی اطلاع پا کر انہیں فرمایا کہ "ہم ایسے شخص کو یہ ذمہ داری نہیں سونپتے جو اسے طلب کرے اور نہ اسے دیتے ہیں جو اس کا حریص ہو۔"[68]

اسی طرح عثمان بن ابو العاصؓ نے جب آپ ﷺ سے تقاضا کیا کہ مجھے میری قوم کا امام مقرر کر دیجیے تو آپ ﷺ نے ان کی قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے فوری یہ اعزاز ان کو عطا کیا اور ارشاد فرمایا کہ "آپ اپنی قوم کے امام ہیں تاہم ان میں کمزوروں کو مدنظر رکھنا اور ایسا موذن بنانا جو اپنی اذان (کی ذمہ داری) پر اجرت نہ لیتا ہو۔"[69] ہاں البتہ آپ ﷺ نے ذمہ داری کو مانگنے بارے بھی ترہیب بیان فرمائی ہے کہ عہدہ مانگنا کوئی مناسب عمل نہیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمن بن سمرہؓ کو کہا کہ "اے عبدالرحمن کسی قسم کی امارت طلب مت کرنا، کیونکہ اگر تو تجھے (امارت) سوال پر مل گئی تو تو اس کے سپرد ہو گیا اور اگر بغیر سوال کے ملی تو پھر یقیناً تیری مدد کی جائے گی۔"[70]

نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کی تربیت کے ساتھ ان کو ذمہ دار بنانے کو بھی اہمیت دی۔ مثلاً سعید بن العاصؓ کو انسپکٹر جنرل برائے تعلیمات مقرر کیا گیا۔ آپ ﷺ کے بعد سیدنا عمرؓ کے دور میں جب نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف امصار میں مکاتب کا قیام ہوا تو وہاں معلمین کی تقرری کی گئی جن کا مشاہرہ بیت المال ادا کرتا تھا۔ اور سرکاری طور پر قرآن مجید کے علاوہ علم حدیث، علم سیرت و مغازات، علم فقہ، علم الادب العربی، علم الانساب، علم الرسم والخط وغیرہ کی مفت تعلیم تھی نیز قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبا کے لیے مالی وظیفوں کا بھی اہتمام تھا۔[71] البتہ اس وقت اساتذہ حکومتی مشاہرہ کے علاوہ نجی آمدن یا تنخواہوں سے گریز کرتے تھے بلکہ عموماً تحائف یا معاوضے بھی قبول نہیں کرتے تھے۔[72]

طبقاتی امتیاز پر مبنی نظام تعلیم کی حوصلہ شکنی:

ریاست کی طرف سے ایسی پالیسیوں کو مقرر کرنا جن سے قانونی و اخلاقی طور پر مساوات اور برابری کے اصولوں کے بالکل منافی ہوں، تعلیمی نظام کی ناکامی کا بنیادی سبب ہے۔ نظام تعلیم میں طبقاتی تقسیم کے سبب معاشرے میں انفرادیت کو اجتماعیت پر فروغ ملتا ہے۔ جس ریاست میں تعلیم کو طبقاتی نظام کے تحت فروغ دیا جائے، وہاں طبقات پر مشتمل تعلیمی نظام سے فراغت پانے والی نوجوان نسل صرف اپنی ذات کی بہتری اور تعمیر و ترقی کے لئے ہی قدم اٹھاتے ہیں معاشرتی سطح پر اجتماعیت کے عنصر کا فقدان ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دور میں امیر و غریب، اجنبی و شناسا سبھی یکساں تعلیمی نظام کا حصہ ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی قسم کے تفوق اور ظاہری برتری کا خاتمہ فرمایا۔ تمام صحابہ بلا تفریق مسجد نبوی اور صفہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم کو کسی مخصوص گروہ یا جماعت تک محدود نہیں کیا تھا بلکہ ہر وقت موقع ملنے کی تلاش میں رہتے اور زیادہ سے زیادہ افراد تک اپنی تعلیمات پہنچانے کی کوشش فرماتے

۔یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اہل خانہ دوست واحباب بچوں وبوڑھوں اور خواتین سب کو تعلیم کے یکساں مواقع دیے جاتے تھے۔[73]

مختلف اوقات میں تعلیم کی بلا تعطل فراہمی کا انتظام:

ریاست کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ طبقہ جو وقت کی کمی کا شکار ہو یا روزگار کے لیے ہاتھ پیر مار رہا ہو، اُن کی تعلیم وتربیت کا اہتمام فاصلاتی نظام تعلیم کے تحت کیا جائے یا مختلف اوقات میں تعلیمی اداروں کا تعلیم دینے کا پابند بنایا جائے تا کہ وہ بھی روزگار کمانے کے ساتھ تعلیم بھی حاصل کر سکیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے علم رکھنے والے پڑوسیوں کو بھی تلقین کی کہ وہ اپنے ان پڑھ پڑوسیوں کو تعلیم دیں اور ان کو اچھے برے کی تمیز سکھائیں۔[74]

نبی کریم ﷺ نے تعلیم کے فروغ کے لیے مخصوص اوقات مقرر نہیں کیے تھے بلکہ آپ ﷺ کو جب بھی مناسب موقع ملتا تعلیم کا اہتمام فرماتے۔ اس ضمن میں سیرت طیبہ سے وافر مثالیں ملتی ہیں، جیسے عشاء کے بعد تعلیم دینے کے بارے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے زندگی کے آخری ایام میں اکثر عشاء کے بعد تعلیم دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ضرورت پڑنے پر آدھی رات کو بھی تعلیم دیتے تھے، جیسا کہ سیدنا انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ آدھی رات کے وقت تشریف لائے اور ہمیں عشاء کے بعد سونے سے پہلے فقہ اور خیر سے متعلق کچھ تعلیم دی۔[75] تاہم ذہنی طور پر نصیحت یا تعلیم کی آمادگی جسے علم نفسیات کی رو سے Readiness کہتے ہیں، اس کا خیال کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کی اکتاہٹ کا خیال کرتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو ایک ناغہ کرکے نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں۔"[76] ان روایات سے معلوم ہوا کہ تعلیم کے لیے مختلف اوقات (Shifts) کا اہتمام کیا جانا چاہیے تاہم اُن میں طلبہ کی ذہنی آمادگی اور مناسب توجہ کے لیے غیر نصابی سرگرمیوں کے اجراء کے ساتھ ساتھ احسن انداز میں تعلیمی نظام کو چلایا جائے۔

نتائج بحث:

مذکورہ بالا تحقیقی بحث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی ریاست کے فلاحی اور عوامی ہونے میں کامیاب تعلیمی نظام کی کی بہت اہمیت ہے۔ اگر اس کے تعلیمی نظام میں دینی اور دنیاوی علوم کا امتزاج نہیں تو ریاست میں ترقی کی سطح بہت کم ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مکی دور میں (ریاستی نظام کے قیام سے قبل) ہی تعلیم کی فراہمی کا اہتمام فرما دیا تھا۔ نیز ہجرت کے بعد آپ نے مستقل بنیادوں پر تعلیمی نظام کی سرپرستی کی اور باضابطہ ریاستی سطح پر تعلیمی درس گاہوں کو قائم کیا۔ اس سلسلہ میں معذور طبقہ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ ریاستی سطح پر تعلیم نسواں کا اہتمام بھی خصوصیت کے ساتھ کیا گیا۔ سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ریاستی سطح پر قومی زبان میں تعلیم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اسی طرح شفاف اور بدعنوانی سے پاک نظام امتحانات کا قیام ریاست کی اولین ذمہ داری ہے۔ اسلامی اور فلاحی ریاست کے لیے ضروری ہے کہ وہ مخلوط تعلیمی نظام اور اقدار کا تحفظ کرتے ہوئے پیشہ ورانہ اور دینی تعلیم کے لیے ترجیحی بنیادوں پر مکمل فعال اور سہولیات سے آراستہ ٹیکنیکل اداروں کا قیام عمل میں لائے۔ جبکہ کمرہ امتحان وکلاس رومز میں جدید و عملی اسلوب گفتار کے قوانین کے تحت ضروری تحقیقی آلات کی فراہمی یقینی بنائی جائے۔ قومی نظام تعلیم میں نصاب سازی کی اہمیت اور دینی واخلاقی تربیت کی ضرورت کے ساتھ ساتھ فلاحی ریاست کو چاہیے کہ وہ تعلیم کی مفت فراہمی اور غریب طلبہ کے لیے اعزازیہ (اسکالر شپس) کا اجراء بھی کرے۔ نیز متخصصین اور ماہرین کی تیاری اور تخصص کے اداروں کا قیام، طلبہ کی صلاحیتوں کا ادراک اور انھیں ستائش وانعامات سے نوازنا، حصول تعلیم کے بعد ملازمت کے ذرائع پیدا کرنا، طبقاتی امتیاز پر مبنی نظام تعلیم کی حوصلہ شکنی، مختلف اوقات میں تعلیم کی بلا تعطل فراہمی کا انتظام، جیسے اقدامات کسی بھی ریاست کی کامیابی اور قومی وملی تعمیر وترقی کا بنیادی خاصہ ہونا چاہیے۔

حوالہ جات

1 ابو حامد محمد بن محمد غزالی، احیاء علوم الدین (بیروت: دار المعرفۃ، ۲۰۰۲ء)، جلد ۱، صفحہ ۷۱۔

2 مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح (الریاض: دار السلام، ۲۰۰۰ء)، حدیث نمبر: ۴۷۲۲۔

3 صفی الرحمن مبارکپوری، الرحیق المختوم (لاہور: المکتبۃ السلفیۃ، ۲۰۱۱ء)، صفحہ ۲۳۵۔

4 محمد عبد الحی بن عبد الکبیر الکتانی، التراتیب الاداریۃ (بیروت: دار الارقم، س ن)، جلد ۱، صفحہ ۴۲۔

5 ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۴۳۔

6 محمد بن جریر طبری، التاریخ (بیروت: دار التراث، ۱۳۸۷ھ) جلد ۳، صفحہ ۱۲۔

7 ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۱۱۔

8 ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۱۳۔

9 عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ (مصر: مکتبہ مصطفی البابی، ۱۹۵۵ء)، صفحہ ۳۸۷۔

10 عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی، الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۱۲ھ)، جلد ۲، صفحہ ۱۳۔

11 عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، صفحہ ۸۹۳۔

12 عبد الحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، ج ۱، ص ۴۸۔

13 ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۴۳۔

14 ایضاً، جلد ۱، صفحہ ۴۸۔

15 عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی، الروض الانف فی شرح السیرۃ النبویۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۳۔

16 عبد الحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، جلد ۱، صفحہ ۹۱۔

17 عبد الحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، جلد ۱، صفحہ ۱۳۵۔

18 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۸ء)، جلد ۴، صفحہ ۹۷۔ مشہور غزوات جن میں عبد اللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا امیر مقرر کیا گیا وہ یہ ہیں: قرقرۃ الکدر، بنی سلیم، غزوۂ احد، بنی نضیر، احزاب، بنی قریظہ، بنی لحیان، الغابہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ۔

19 محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث نمبر: ۱۰۱۔

20 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۱۰۳۴۔

21 عبد الحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، جلد ۱، صفحہ ۴۹تا۵۵۔

22 القرآن، سورۃ الاحزاب، آیت: ۳۴۔

23 مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۱۵۴۔

24 سلیمان بن اشعث، السنن (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث نمبر: ۳۸۸۷۔

25 احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان (بیروت: دار و مکتبۃ الہلال، ۱۹۸۸ء)، صفحہ ۳۵۸۔

26 علاء الدین علی بن حسام الدین، کنز العمال (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۱ء)، حدیث نمبر: ۲۹۰۱۱۔

27 ڈاکٹر احمد، اسلامی عہد میں تعلیم نسواں (لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۲ء)، صفحہ ۳۲تا۱۰۷۔

28 محمد بن اسماعیل البخاری، التاریخ الکبیر (دکن: دائرۃ المعارف العثمانیہ، س ن)، جلد ۲، صفحہ ۲۵۔

29 محمد بن اسماعیل البخاری، التاریخ الکبیر، جلد ۲، صفحہ ۲۵۔

30 محمد بن عیسیٰ الترمذی، السنن (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث نمبر: ۲۶۱۵۔

31 پروفیسر مسلم سجاد و سلیم منصور خالد، پاکستان میں نظام امتحانات، بحران، اسباب اور حل (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۲ء)، صفحہ ۱۹۶۔

32 مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۲۶۷۔

33 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۹۸۔

34 ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۵۲۷۳۔

35 قاضی اطہر مبارکپوری، خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات (اعظم گڑھ: دار المصنفین، ۱۹۹۹ء)، صفحہ ۲۳۔

36 احمد بن شعیب النسائی، السنن (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث نمبر:

37 مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۱۸۶۶۔

38 سلیمان بن اشعث، السنن (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث نمبر: ۳۸۸۷۔

39 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۲۰۷۳۔

40 عبد الرؤف المناوی، کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق، صفحہ ۹۲۔

41 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۹۳۷۸۔

42 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۳، صفحہ ۱۱۳۔

43 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۳، صفحہ ۱۱۳۔

44 ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۱۱۳۔

45 ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۱۱۶۔

46 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ۳، صفحہ ۱۱۷۔

47 احمد بن یحییٰ بلاذری، فتوح البلدان، صفحہ ۴۴۳۔

48 ابو داؤد، السنن، ۳۰۵۷۔

49 یزید بن ماجہ، السنن (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث نمبر: ۳۰۲۹۔

50 غلام عابد خان، عہد نبوی کا تعلیمی نظام ایک تاریخی مطالعہ (لاہور: عوامی کتب خانہ، ۱۹۸۷ء)، صفحہ ۷۷۔

51 ایضاً، صفحہ ۱۶ اور ۱۷۔

52 پروفیسر خورشید احمد، نظام تعلیم نظریہ روایت (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ۱۹۹۱ء)، صفحہ ۳۱۷۔

53 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۳۰۳۸۔

54 ایضاً، حدیث نمبر: ۲۲۰۔

55 ناصر الدین البانی، صحیح الجامع (دمشق: المکتب الاسلامی، س ن)، حدیث نمبر: ۴۸۳۳۔

56 احمد بن حنبل، المسند (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱ء)، حدیث نمبر: ۲۲۳۹۰۔

57 احمد بن علی بن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ھ)، صفحہ ۴۳۳۳۔

58 احمد بن حنبل، المسند (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۱ء)، حدیث نمبر: ۱۵۱۳۱، ۳۵۲۳۔ ایضاً، حدیث: ۱۷۳۶۹، ۲۳۵۵۹۔

59 القرآن، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۰۳۔

60 محمد بن احمد ذہبی، معرفۃ القراء الکبار (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء)، جلد ۱، صفحہ ۲۹۔

61 احمد بن علی بن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۸ء)، جلد ۷، صفحہ ۳۳۷۔

62 محمد علی الصابونی، التبیان فی علوم القرآن (بیروت: عالم الکتب، ۲۰۱۲ء)، جلد ۷، صفحہ ۹۸۔

63 احمد بن حنبل، المسند، حدیث نمبر: ۳۵۵۸۔

64 علاء الدین علی بن حسام الدین، کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۳۳۰۴۔

65 ڈاکٹر احمد امین، فجر الاسلام (مصر: مطبعۃ البابی الحلبی، س ن)، جلد ۲، صفحہ ۱۷۱۔

66 محمد بن عیسیٰ الترمذی، السنن، حدیث نمبر: ۲۷۹۰۔

67 احمد بن علی بن حجر عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، صفحہ ۲۳۳۳۔

68 مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۱۷۳۳۔

69 احمد بن شعیب النسائی، السنن، حدیث نمبر: ۲۶۷۔

70 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۶۹۲۲۔

71 شبلی نعمانی، الفاروق (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۶ء)، صفحہ ۳۳۴ تا ۳۵۰۔

72 پروفیسر سید محمد سلیم، مضمون: تعلیم فی سبیل اللہ کا احیاء، مجلہ تعلیم (انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد (شمارہ ۷: پاکستان میں تعلیم اور نجی شعبہ)، صفحہ ۸۸۔

73 غلام عابد خان، عہد نبوی کا تعلیمی نظام ایک تجزیاتی مطالعہ، صفحہ ۷۷۔

74 علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد (القاہرہ: مکتبۃ القدسی، ۱۹۹۴ء)، جلد ۱، ص ۱۹۳۔

75 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۲۰۰۔

76 البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۶۳۱۱۔

6

مقالہ نگار: حق نواز ولد اختر منیر

ایم ایس اسکالر، کراچی یونیورسٹی

تعارف

تعلیم و تعلم کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ تعلیم ایک ایسی مشعل ہے جو اندھیرے ختم کرتی ہے اور مصائب ومشکلات دور کرتی ہے۔ تعلیم ایک ایسی کنجی ہے، جو ہر بڑی کامیابی کا دروازہ کھولنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ تعلیم نہ صرف یہ کہ انسان کو مہذب بناتی ہے، بلکہ اس کے اخلاق و کردار کو سنوارتی ہے، اسی لیے اللہ رب العزت نے ابتدائے آفرینش سے بنی نوع انسان کی تعلیم و تربیت کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع فرمایا، اس مبارک سلسلے کی آخری کڑی جناب رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ**[1] "وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے، اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کا عملی حصہ انہی مقاصد کے لیے وقف رہا، اور آپ کے شبانہ روز کوششوں کے زیر اثر عرب کا چپہ چپہ علم کی تابانی سے جگمگا اٹھا اور صدیوں کی دھند لمحوں میں چھٹ گئی اور گمراہی و تاریکی کا ہر عنوان روشنی ، ہدایت اور رہنمائی سے بدل گیا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اور انداز تعلیم و تربیت ہی اسلامی ریاست میں مثالی نظام تعلیم و تربیت کی بنیاد بن سکتی ہیں ، اور انہی پر عمل پیرا ہو کر ایک اسلامی ریاست ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے سزاوار اور مستحق ٹھہر سکتی ہے۔

زیر بحث مقالے میں سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں ریاست کے نظام تعلیم کے حوالے سے مختلف نکات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

قرآن وسنت کی روشنی میں تعلیم کی اہمیت

تعلیم و تربیت اور درس و تدریس، دین اسلام کا جزو لاینفک ہے، وحی کے آغاز کے وقت سب سے پہلا لفظ جو پروردگار عالم نے معلّم انسانیت جناب رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا، وہ لفظ "اقرأ" ہے، یعنی "پڑھیے"۔[2] اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۂ زمر میں ارشاد فرماتے ہیں: "**قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ**.[3] "کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں ؟ یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہوں"۔

اس آیت مبارکہ میں اہل علم اور بے علم کے درمیان واضح فرق کو بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جس کثرت سے علم اور حصول علم کی فضیلت کا ذکر کیا ہے اس کا احاطہ کرنا محال ہے، چند ایک احادیث پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص علم کی جستجو میں کسی راہ کا مسافر ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتے ہیں"۔[4] اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: "علم مسلمان کا دوست ہے، عقل اس کی رہنما ہے اور عمل اس کی قیمت ہے"۔[5] آپ ﷺ نے تعلیم کی عظیم الشان تحریک کا آغاز کرتے ہوئے اپنا تعارف معلّم کی حیثیت سے کرایا: "**إنما بعثت معلّما**"[6] "مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔" "ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد نبوی کے صحن میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ ایک طرف حلقۂ ذکر ہے اور دوسری طرف حلقۂ درس و تدریس، تو آپ ﷺ

حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔[7] آپ ﷺ نے مکہ میں دار ارقم نامی اسلام کے پہلے مدرسے کی بنیاد رکھی اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، اور اس سے ملحق احاطے میں نہ صرف تعلیم گاہ قائم فرمائی، بلکہ ساتھ میں طلبہ کرام کے قیام کے لیے دارالاقامہ (ہاسٹل) بھی قائم فرمایا، جس میں ستر، اسی اور بعض اوقات چار سو کی تعداد میں طالبان علم فیض یاب ہوتے تھے۔[8] ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ نے اہم جنگی اور سیاسی مصروفیات کے باوجود مدینہ منورہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے لیے اپنی شخصی نگرانی میں حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو لکھنا اور پڑھنا سکھائے۔ یہ صحابی بہت خوشنویس بھی تھے، چنانچہ ایک روایت کے مطابق ان کو "معلم حکمت" بنایا گیا تھا۔[9] جس سے لکھنے پڑھنے کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ستر کفار جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپ ﷺ نے ان میں سے جو لوگ اپنی آزادی کے لیے فدیہ نہیں دے سکتے تھے، ان کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔[10] تعلیم کے معاوضے میں قیدیوں کی آزادی، تاریخ عالم کا منفرد واقعہ ہے، جس سے اسلام کی نظر میں اشاعتِ علم کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

نظام تعلیم

نظام تعلیم ایک کلی وحدت کا نام ہے، جس کے تمام عناصر باہم مربوط، منظم، مرتب، متعامل اور متعاون ہوتے ہیں۔ جن کی روح ایک ہوتی ہے اور وہ سب عناصر مشترک مقاصدِ تعلیم کے حصول کے لیے باہم متحد ہوتے ہیں۔[11]

نظام تعلیم کے واضح اجزا، یہ ہیں: نئی نسل کے افراد جنہیں طالب علم کہا جاتا ہے، تہذیب و ثقافت کے ترجمان یعنی استاد، تہذیب و ثقافت کی ترسیل کا پروگرام یعنی نصاب، ترسیل کی ترتیب یعنی مدارج تعلیم، اثرات کا جائزہ یعنی امتحان اور دیکھ بھال کا نظام یعنی انتظام۔[12]

اسلامی نظام تعلیم

اسلامی نظام تعلیم سے مراد ایسا نظام تعلیم ہے، جس میں تعلیمی نصاب کے تمام اجزا کو اسلامی اصول و نظریات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہو، قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات کو لازم قرار دیا گیا ہو۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں کی دینی و اخلاقی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا ہو، تاکہ ایک طالب علم اپنے فن میں مہارت کے ساتھ ایک اچھا مسلمان بھی ہو، اس کے دل میں خوفِ خدا اور تقویٰ ہو اور وہ ملک وملت کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو۔

اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ

نبی اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے قیام کے بعد مسجد نبوی ﷺ کے شمالی جانب میں "صفہ" کے نام سے اقامتی مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسے کے ناظم تعلیمات اور معلم آپ کی ذات گرامی تھی اور منتظم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اس مدرسے کے نظام ہی سے اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں، جس کے اہم پہلو درج ذیل ہیں:

ا۔ لازمی تعلیم

دین اسلام نے تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر بنیادی تعلیم کو ہر فرد کے لیے لازمی قرار دیا اور یہ واضح کیا کہ اسلام میں اختیاری تعلیم کا کوئی تصور نہیں ہے۔[13] اس لیے کہ تعلیم ایسی چیز ہی نہیں جسے عوام کی مرضی پر چھوڑا جا سکے؛ کیونکہ ناخواندہ افراد تو علم ہی نہیں رکھتے، ان سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ علم کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہوں گے؟ یہ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کرے اور انہیں حصول علم پر آمادہ کرے۔ اسی لیے معلم اعظم رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم**"[14] علم کا

حصول ہر ایک مسلمان پر فرض ہے"۔ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں ہر نو مسلم کے لیے مختلف علوم کا جاننا ضروری تھا، جس کے لیے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاص طور پر خانہ بدوشوں کے لیے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی، چنانچہ آپ نے ابو سفیان نامی شخص کو چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا تھا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو، اس کو سزا دیں۔[15]

۲۔ حصول علم کو آسان بنانا

اسلام نے تعلیم و تعلم کا نظام انتہائی آسان بنایا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: تو دعلم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔[16] آپ ﷺ نے ہر مسلمان عالم کی یہ ذمہ داری لگائی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے۔[17] پڑھے لکھے طبقے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ارد گرد ان پڑھ لوگوں کو تعلیم دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو نہ فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، نہ علم سکھاتے ہیں، نہ وعظ کرتے ہیں، نہ نیکی کا حکم دیتے ہیں، نہ برائی سے منع کرتے ہیں، اور کچھ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے نہ علم سیکھتے ہیں، نہ فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور نہ نصیحت قبول کرتے ہیں، اللہ کی قسم لوگوں کو اپنے پڑوسیوں کو ضرور علم سکھانا چاہیے"[18] نبی کریم ﷺ کے اس خطبے سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ تعلیم لازمی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کے ذرائع بھی عام اور آسان ہونے چاہیے، بلکہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی رعایا کو بنیادی تعلیم بلا معاوضہ فراہم کرے، یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور اس کے بعد کئی صدیوں تک تعلیم بالکل مفت فراہم کی جاتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف مکاتب قائم کیے، جن میں اساتذہ کی تنخواہوں کا باقاعدہ انتظام تھا، اور جمعہ کا دن چھٹی کا دن ہوتا تھا۔ مکاتب کے ابتدائی تعلیم بڑی حد تک سرکاری تحویل میں تھی۔[19] اس دور میں سرکاری انتظام میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث، سیرت و غزوات، فقہ، ادب، عربی، علم الانساب اور کتابت وغیرہ کی تعلیم بلا معاوضہ ہوتی تھی اور قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلبہ کے لیے وظائف کا بھی انتظام تھا۔[20]

۳۔ مساوی نظام تعلیم کا قیام

اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے علم کے حصول کو ہر انسان کا بنیادی حق قرار دیا ہے، اور اس سلسلے میں آزاد و غلام، مرد و عورت اور غریب و مالدار کے فرق کو ختم کیا اور ہر ایک کو تعلیم کا مساوی حقدار قرار دے کر کسی قوم یا جماعت کے قبضے اور اجارہ داری کو ناجائز قرار دیا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں غریب اور نادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف فرما تھے کہ چند مالدار کافر آئے اور کہا کہ ہم آپ کی مجلس میں بیٹھتے ہیں، مگر اس شرط پر کہ ان غریب افراد کو اپنے سے دور کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کے دل میں جو اللہ نے چاہا سو آیا، آپ نے اپنے دل میں کچھ کہا بھی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ"[21] "اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پکارتے رہتے ہیں۔"[22]

اس سے معلوم ہوا کہ عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم مساوی تھا، جس میں مالدار اور غریب کا کوئی فرق نہ تھا۔ اس فلسفے کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک اسلامی ریاست کو بھی چاہیے کہ وہ اپنا نظام تعلیم اس طرح بنائے کہ ملک کے جس حصے میں اور جس تعلیمی ادارے میں کوئی شخص تعلیم حاصل کرنا چاہے تو کوئی رکاوٹ نہ ہو، اسی طرح وہ ادارے جو مالدار طبقے کے لیے بنائے گئے ہیں، ان تک بھی غریب باصلاحیت بچوں کی رسائی کو ممکن بنایا جائے۔

۴۔ تعلیم کے لیے پاک وصاف اور صالح ماحول مہیا کرنا

تعلیم و تعلم کے لیے ضروری ہے، کہ ایسے صالح اور صاف ستھرے ماحول میں اس کا بندوبست کیا جائے کہ ماحول کی ہر شے تعلیم کے حصول میں معاون ثابت ہو، اسی طرح طالب علم کو بھی تعلیمی ادارہ، گھر، ملک، حکومت، اساتذہ کی جانب سے انسیت ولگاؤ، خیر خواہی اور ہمدردی حاصل ہو۔ سنن ترمذی میں ہے: "جناب رسول اللہ ﷺ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے، کہ لوگ آپ کے پیروکار ہیں اور یقیناً لوگ زمین کے کناروں سے تمہارے پاس دین کا علم حاصل کرنے کی غرض سے آئیں گے، چنانچہ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔[23]

عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم کے بنیادی عناصر

کسی بھی تعلیمی عمل کا جائزہ لیا جائے تو اس کے چار بنیادی عناصر ہوتے ہیں: ۱۔ مقاصد تعلیم، ۲۔ نصاب تعلیم، ۳۔ معلم، ۴۔ متعلم۔ ان چار عناصر کا جائزہ لینے سے عہد نبوی ﷺ کے نظام تعلیم کا صحیح علم ہو سکے گا۔

۱۔ مقاصدِ تعلیم

علم کا مقصد صرف ڈگریوں اور اسناد کا حصول، مال ودولت کی تحصیل، اونچے عہدے اور بلند مناصب پر فائز ہونا اور عملی مہارتوں اور لیاقتوں پر فخر وناز کرنا نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے تعلیم کے تین اہم مقاصد ہیں:

۱۔ فرد کی اصلاح، تاکہ وہ معاشرے کا سود مند کردار بن سکے۔

۲۔ تعمیر شخصیت، تاکہ انسان معرفتِ نفس، تزکیہ اور تقویٰ کو پاسکے اور معاشرہ کے لیے سود مند کردار ادا کر سکے۔

۳۔ انسان، ذات سے زیادہ قوم وملک اور اسلام کا خیر خواہ بن سکے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے علم دین، جس سے خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہوتی ہے، محض کسی دنیاوی فائدہ کے لیے سیکھا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا"۔[24]

علامہ برہان الدین زرنوجی (م ۵۹۳ھ) نے علم کے درج ذیل مقاصد بیان کیے ہیں:

(۱) رضائے الٰہی کا حصول (۲) اخروی زندگی کی فلاح (۳) اپنے نفس سے جہالت کو دور کرنا (۴) جہلا کو جہالت کے مضر اثرات سے بچانا (۵) دین کی بقا اور اسلام کی احیاء[25]

۲۔ عہدِ نبوی ﷺ کا نصاب تعلیم

نصاب تعلیم عصر حاضر میں ایک وسیع تر اصطلاح بن گئی ہے جس سے مراد مدرسہ یا اسکول کی جملہ سرگرمیاں ہوتی ہیں۔ مبادیات تعلیم میں نصاب کی یوں تعریف ذکر کی گئی ہے۔ "نصاب ان تمام سرگرمیوں، تجربات، مہارتوں، رجحانات اور تحقیقات پر مشتمل ہوتا ہے، جو مدرسے کے زیر اہتمام بچوں کی ذہنی، اخلاقی، سماجی، روحانی اور معاشرتی کردار اور سیرت کی تعمیر کرتے ہیں۔[26] عہد نبوی ﷺ کا نصاب تعلیم حفظ قرآن مجید، تجوید وقرآت، تفسیر قرآن اور حدیث کی تعلیم پر مشتمل تھا۔ عہد نبوی میں نصاب تعلیم کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان کرنا دشواری سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا۔ معینہ کتب پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو پڑھا سکتا، اس سے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم انساب، اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جایا کرے۔[27] نیز نصاب محض کلاس روم اور درسی کتب تک محدود نہیں ہوتا

چاہیے، بلکہ اس میں وہ تمام سرگرمیاں شامل ہونی چاہیے، جن کی بدولت ایک طالبعلم کی تعمیر و ترقی اور اس کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ تاریخ اور سیرت پر نظر رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ کی تعلیم و تربیت کا ایک حصہ ہم نصابی سرگرمیوں پر بھی مشتمل ہے۔ آپ ﷺ نے دوڑ میں مسابقت، گھڑ دوڑ، اونٹ دوڑ، نیزہ بازی، کشتی، پیراکی، برچھی چلانا، شعر گوئی اور فنی مزاح جیسی اہم نصابی سرگرمیاں نہ صرف رائج فرمائیں، بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی[28] اور بچپن کی ہم نصابی سرگرمیوں کو عقل کی قوتوں میں اضافے کا سبب قرار دیا۔[29] اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ کے نظام تعلیم میں نصاب تعلیم لچکدار تھا۔ جس قسم اور جس وقت کے حالات اور تقاضے سامنے آتے تھے، ان کے مطابق ان کے حل تلاش کرنے کا طریق کار وضع کر لیا جاتا تھا۔[30]

ہمیں چاہیے کہ اسوۂ نبوی ﷺ سے رہنمائی لیں، اپنے نصاب تعلیم کو وقت کے تقاضوں کے مطابق وضع کریں اور تدریسی نصاب کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہم نصابی سرگرمیوں کی طرف طلبہ کرام کو متوجہ کریں اور ان میں شرکت پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کریں۔

۳۔ اساتذہ اور معلّمین

نظام تعلیم میں اساتذہ کرام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد معلّم اور استاد ہونا فرمایا۔[31] آپ ﷺ نے اپنے قابل اصحاب کو اس طرح سے تعلیم و تربیت دی تھی کہ وہ دوسروں کے لیے معلّم اور مشعل راہ بنے اور انھوں نے دورِ نبوی ﷺ ہی میں معلّم ثانی کا فریضہ انجام دیا۔ یہ آپ ﷺ کے مکتب ہی کی کرامت تھی کہ ایسے نابغہ روزگار شخصیات تربیت یافتہ ہوئے، جنھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں دنیا کی تقدیر ہی بدل ڈالی۔

اسوۂ نبوی ﷺ سے سبق لیتے ہوئے ہمیں بھی اپنے تعلیمی اداروں میں ایسے قابل اور باصلاحیت اساتذہ کرام کا انتخاب کرنا چاہیے، جن کا علم جامع ہو اور کردار مثالی ہو۔

۴۔ متعلّمین

نظام تعلیم میں اساتذہ کرام کی طرح متعلّمین کی بڑی اہمیت ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا اور علم حاصل کرنے والے کی خوشی کے لیے فرشتے اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں"۔[32]

آپ ﷺ کی درسگاہ میں ہر طبقے کے افراد شریک ہوتے تھے، انصار، مہاجرین، مقامی، بیرونی، اعیان و اشراف، روساء قبائل، ملوک و اقیال، عالم، جاہل، بدوی، عربی، عجمی، بوڑھے، جوان، بچے سب ایک ساتھ بیٹھتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ سب کے احوال و ظروف، ذہن و مزاج، افتاد طبع، اور زبان و لب و لہجہ کی رعایت فرماتے ہوئے تعلیم دیتے تھے۔ درسگاہ نبوی کے ان طلبہ میں اصحابِ صفہ کو نمایاں حیثیت حاصل تھی، وہ رات دن حاضر باش رہتے تھے۔ تعلیم و تعلم، ذکر و اذکار، تلاوت قرآن اور باہمی مذاکرہ و مراجعہ کے علاوہ ان کو اور کوئی مصروفیت نہیں تھی۔[33] بہترین نظام تعلیم کا تقاضہ ہے کہ طلبہ کو مثالی بنانے کے لیے ان کی ذہن سازی اور کردار سازی کی جائے۔

عہد نبوی ﷺ میں تعلیم و تعلم کے شعبے

حضور اکرم ﷺ نے کارِ تعلیم کے لیے مختلف دائرے اور مختلف سطحیں مقرر فرمائیں:

- ایک شعبہ عمومی تعلیم کا تھا، اس میں مسلمانوں کو بنیادی ضروری نصاب کی تعلیم دی جاتی تھی۔
- دوسرا شعبہ خصوصی تعلیم کا تھا، جس کا مقصد معیاری علماء اور قائدین کو تیار کرنا تھا۔
- تیسرا شعبہ خواتین کی تعلیم کا تھا، اس میں خواتین کو ضروری نصاب کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے لیے آپ ﷺ نے ہفتے میں ایک دن

مخصوص کر دیا تھا، اور حضرت عائشہ ؓ کو مامور فرما کر لوگوں کو تلقین فرمائی کہ دین کا آدھا علم یعنی نظام معاشرت اور خواتین کے متعلق معلومات ان سے حاصل کرو۔

- چوتھا شعبہ انفرادی تعلیم کا تھا، اس میں خاص خاص موقعوں پر خاص خاص افراد کو انفرادی توجہ سے تعلیم دی جاتی تھی۔
- پانچواں شعبہ بیرونی وفود کی تعلیم کا تھا، اس میں باہر سے حصول تعلیم کے لیے آنے والے وفود کو تعلیم دی جاتی تھی اور پھر ان کو قبائل میں فروغ تعلیم کے لیے واپس بھیجا جاتا تھا۔[34]

معاشرے کے مختلف طبقات کے لیے نظام تعلیم، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

معاشرے کے افراد کا جائزہ لیا جائے تو انہیں چار طبقات (بچوں، بالغوں، خواتین اور معذوروں) میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے چاروں طبقات کے لیے قابل تقلید رہنمائی ملتی ہے۔

(الف) بچوں کی تعلیم

بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم کا انتظام کرنا در حقیقت خود اپنے مستقبل کو سنوارنا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر ؒ کا قول ہے: "**تعلّموا العلم فإن تكونوا صغار قوم فعسى أن تكونوا كبار قوم آخرين**"[35] "تم علم حاصل کرو، اگر تم قوم میں سب سے چھوٹے ہو تو کل دوسرے لوگوں میں (علم کی وجہ سے) تم بزرگ بن جاؤ گے۔" حضرت عمر ؓ فرمایا کرتے: "سیادت اور برتری تک پہنچنے سے پہلے علم سیکھو۔" امام ابو عبید (م ۲۲۴ھ) اس قول کی تشریح میں لکھتے ہیں: سیادت اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے سے پہلے بچپن ہی میں علم سیکھو، اگر تم بچپن میں علم نہیں سیکھتے تو بڑے ہو کر چھوٹوں سے علم سیکھنے میں شرماؤ گے، چنانچہ پھر جاہل ہی رہ جاؤ گے۔[36] نیز بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت ابو درداء ؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**مثل الذي يتعلم العلم في صغره كالنقش في الحجر، ومثل الذي يتعلم العلم في كبره كالذي يكتب على الماء**"[37] "بچپن میں تعلیم حاصل کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے نقش بر آب۔"

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے واضح طور پر رہنمائی ملتی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ اس زمانے میں مسجد نبوی میں جو نظام تعلیم جاری ہوا، اس میں بچوں کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا، انھیں سب سے پہلے قرآن پڑھایا جاتا تھا، پڑھنے لکھنے کی مشق کرائی جاتی تھی، اور انھیں نشانہ بازی وغیرہ بھی سکھائی جاتی تھی۔[38]

آپ ﷺ کی مجلس میں عبداللہ بن عمر ؓ کا شجرۂ طیبہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے سوال کے جواب کا ارادہ کرنے کا واقعہ[39] سمرہ بن جندب ؓ کا احادیث یاد کرنا[40] عمرو بن سلمہ ؓ کا محض چھ سات سال کی عمر کئی سورتیں یاد کر کے اپنے قوم کی امامت کا فریضہ سر انجام دینا[41] یہ سارے واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں بچوں کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مساجد اور تھیں جن میں بچوں کی تعلیم کا نظام قائم تھا، جس کے تحت قرآن کریم کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا اور لکھنے کی مشق بھی کرائی جاتی تھی۔[42] اور لکھنے کے لیے تختی استعمال ہوتی تھی۔ حضرت عمر ؓ نے سب سے پہلے مکتب جاری کر کے عامر بن عبداللہ خزاعی ؓ کو بچوں کو تعلیم دینے کا حکم دیا اور بیت المال سے ان کے لیے وظیفہ جاری کیا، اور حکم دیا کہ کند ذہن بچے کے لیے تختی پر لکھیں، اور ذہین بچے کو زبانی تعلیم دیں، اس حکم کے مطابق عامر بن عبداللہ صبح سے شام تک مکتب میں بیٹھے رہتے۔[43]

آپ ﷺ نے بچوں کی تعلیم و تربیت کا نہ صرف خود اہتمام فرمایا، بلکہ اس بارے میں والدین کو تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "کوئی

والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے"۔[44] جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے"۔[45]

(ب) بالغاں (جوان اور عمر رسیدہ لوگوں) کی تعلیم

تعلیم بالغاں کی اہمیت مسلّم ہے۔ اسلام تعلیم کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ درسگاہِ نبوی ﷺ کے عام طلبہ سن رسیدہ ہوتے تھے اور انہوں نے بڑی عمر میں رسول اللہ ﷺ سے تعلیم حاصل کی۔[46] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے بڑی عمر میں علم حاصل کیا ہے"۔[47] قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے ان سے آنے کا سبب پوچھا، تو وہ کہنے لگے: "میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسی بات سکھا دیجیے جس سے اللہ مجھے نفع پہنچائے"۔[48] آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا، کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کا چچا ہوں، میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری موت کا وقت قریب ہے، مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجیے، جس کے ذریعے اللہ مجھے نفع عطا فرمائے"۔[49] ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے قرآن مجید پڑھایے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ان تین سورتوں کو پڑھو جن کے شروع میں "الر" ہے"، اس نے کہا: میں عمر رسیدہ ہو چکا ہوں، میرا دل سخت اور زبان موٹی ہو گئی ہے (اس لیے اس قدر نہیں پڑھ سکتا) آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر "حم" والی تینوں سورتیں پڑھا کرو"، اس شخص نے پھر وہی پہلی بات دہرائی، آپ ﷺ نے فرمایا: "تو "مسبحات" میں سے تین سورتیں پڑھا کرو"، اس شخص نے پھر پہلی بات دہرا دی اور عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے ایک جامع سورۃ سکھا دیجیے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو "**إذا زلزلت الأرض**" سکھائی، جب آپ ﷺ اس سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر بھیجا، میں کبھی اس پر زیادہ نہیں کروں گا، جب آدمی واپس چلا گیا، تو نبی اکرم ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: "**أفلح الرويجل**"[50] یعنی سن رسیدہ آدمی اتنی تعلیم حاصل کر کے بھی کامیاب ہو گیا۔

بڑی عمر کے بہت سے افراد محض اس سبب سے حصول علوم سے رہ جاتے ہیں، کہ بچپن میں کسی مجبوری، توجہ یا وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل نہ کر سکے، اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم حضور ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی لیتے ہوئے تعلیم بالغاں کے حلقے قائم کریں، جہاں بڑی عمر کے ناخواندہ افراد شرعی مسائل اور دنیاوی ضروریات کا علم اپنی ضرورت کے مطابق بسہولت حاصل کر سکیں۔

(ج) خواتین کی تعلیم

جہاں تک عورتوں کی تعلیم کا تعلق ہے، یہ بھی اسی قدر ضروری ہے جس قدر مردوں کی تعلیم ضروری ہے۔ کوئی قوم اپنی عورتوں کو جاہل اور پسماندہ رکھ کر دنیا میں آگے نہیں بڑھ سکتی، اسی لیے اسلام نے عورت کو پردے کی شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے تعلیم (خواہ دینی تعلیم ہو یا دنیاوی تعلیم) کی نہ صرف اجازت دی ہے، بلکہ اس کو انتہائی اہم اور ضروری قرار دیا ہے، جتنا کہ مردوں کی تعلیم کو قرار دیا۔

نبی اکرم ﷺ خود بھی عورتوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے تھے اور ان کی خواہش پر آپ ﷺ نے باضابطہ ایک دن مقرر کر دیا تھا۔[51] حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ رضی اللہ عنہا بڑی محدثہ اور سمجھدار خاتون تھیں، انھیں ایک دفعہ عورتوں نے اپنی طرف سے ترجمان بنا کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا کہ آپ ﷺ سے دریافت کریں کہ: "اللہ نے آپ ﷺ کو مرد و عورت ہر دو کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے، چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی اتباع کی، مگر ہم عورتیں پردہ نشیں ہیں، گھروں میں رہنا ہوتا ہے، ہم حتی الوسع اپنے مردوں کی ہر خواہش پوری کرتی ہیں، ان کی اولاد کی پرورش و پرداخت ہمارے ذمے ہوتی ہے، اور مرد مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، جہاد میں شریک ہوتے

ہیں، جس کی بنا پر انھیں بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے، لیکن ہم عورتیں ان کے زمانہ غیوبت میں ان کے مال و اولاد کی حفاظت کرتی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ! کیا ان صورتوں میں ہم بھی اجر و ثواب میں مردوں کی ہمسر ہو سکتی ہیں؟" آپ ﷺ نے حضرت اسماء کی بصیرت افروز تقریر سن کر صحابہ کی طرف رخ کیا اور ان سے پوچھا: "اسماء سے پہلے تم نے دین کے متعلق کسی عورت سے اتنا عمدہ سوال سنا ہے؟" صحابہ نے نفی میں جواب دیا، اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت اسماء سے فرمایا: "جاؤ اور ان عورتوں سے کہہ دو: **أن حسن تبعل إحداكن لزوجها وطلبها لمرضاته واتباعها لموافقته يعدل كل ما ذكرت للرجال**"[52] "تم عورتوں کا اپنے شوہر کے ساتھ بھلائی و اچھائی کرنا اس کی خوشنودی حاصل کرنا اور اس کی مرضی کا خیال رکھنا تمہارا مردوں کے لیے ذکر کردہ فضائل کے برابر ہے"۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ عظیم خوش خبری سن کر حضرت اسماء کا دل بلیوں اچھلنے لگا اور تکبیر و تہلیل کہتی ہوئی واپس ہو گئیں، اور دیگر عورتوں کو بھی جا کر سنایا۔ آپ ﷺ کے نزدیک عورتوں کی تعلیم کی اہمیت کتنی اہم تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ آپ نے باندیوں اور خادماؤں کو علم و ادب سکھانے پر دوہرے اجر کی نوید سنائی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "جس شخص کے پاس کوئی باندی ہو اور وہ اس کو عمدہ تہذیب و شائستگی سکھائے اور اچھی تعلیم دلائے اور پھر اس کو آزاد کر کے شادی کر لے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے"۔[53] آپ ﷺ نے عورتوں کو کتابت اور لکھائی سیکھنے کا بھی حکم دیا۔ ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عبد اللہ رضی اللہ عنہا تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: "تم نے جس طرح حفصہ کو "نملہ" (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھا دو۔"[54] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ اسی طرح عہد نبوی ﷺ میں خواتین کی ایک جماعت لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔[55]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواتین کی تعلیم کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ ان کے عہد مبارک میں حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر پر بچیوں کے لیے مدرسے چلاتی تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا قرأت کے ساتھ کتابت کی تعلیم بھی دیتی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مدرسہ اعلیٰ تعلیم کا مدرسہ تھا، جہاں مرد بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درس سے استفادہ کرتے تھے، آپ پردے کے پیچھے بیٹھ کر مردوں کے سوالات کے جواب دیتی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مردوں کی لازمی تعلیم کی طرز پر خواتین کی لازمی تعلیم کا انتظام بھی فرمایا تھا۔ آپ نے ایک قاریہ کو مقرر کیا تھا، جو گھر گھر جا کر ناخواندہ خواتین کو قرآن مجید کی تعلیم دیتی تھی اور فقہ کے مسائل سکھاتی تھی۔[56] حضرت زینب بنت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا، ام الدرداء رضی اللہ عنہا، سعدہ بنت قمامہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا اور کریمہ بنت مقداد رضی اللہ عنہا لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور علم کی اشاعت میں دلچسپی لیتی تھیں۔[57] علامہ عبد الحی کتانی (م ۱۳۸۲ھ) نے عورتوں کی تعلیم پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ خواتین حصول علم کے ساتھ دیگر فنون پر بھی عبور رکھتی تھیں اور ایسے کئی کاموں کی نشاندہی کی ہے جن کو خواتین سرانجام دیتی اور ان میں مہارت رکھتی تھیں۔[58]

(د) معذوروں کی تعلیم

اسلام تکریم انسانیت کا علمبردار ہے،[59] اس لیے اسلام نے زندگی کے معاملات میں ہر انسان کو رنگ و نسل یا سماجی مرتبہ سے بالاتر ہو کر مساوی حیثیت دی ہے۔[60] عام طور پر معاشرے میں معذور افراد کو زندگی کے عام معاملات اور میل جول میں نظر انداز کرنے کی روش اختیار کی جاتی ہے۔ قرآنی تعلیمات نے اس روش اور عادت کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے ہر انسان کو لائق عزت و وقار قرار دیا ہے۔[61] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کئی شخصیات ایسی تھیں جو کسی نہ کسی جسمانی عذر میں مبتلا تھیں، لیکن ان کی یہ معذوری ان کو معاشرے کا قابل احترام اور باوقار شخص بنانے سے مانع نہیں تھی۔

حضرت عبد اللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ ایک نابینا صحابی ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ کی ان سے معمولی سی بے رخی پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس کی ابتدائی آیات نازل فرمائی، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ عبد اللہ بن مکتوم کا اتنا خیال رکھا کرتے کہ ان کو جب بھی دیکھتے تو اس کے لیے چادر بچھاتے اور کہتے: "خوش آمدید، اے وہ شخص جن کے متعلق مجھے میرے رب نے عتاب کیا"۔[62] انہیں یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی غیر موجودگی میں کئی بار مدینہ منورہ جیسی اسلامی ریاست میں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔[63] غور کیا جائے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا یہ مقام جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا قائم مقام شخص علم، عمل اور تربیت کے اعلیٰ منازل طے کر چکا ہو۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ گرانگوش اور بہرے تھے،[64] لیکن اس معذوری کے باوجود آنحضرت ﷺ نے دربار نبوت کا خطیب ان ہی کو تجویز فرمایا اور آپ کتابت وحی کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے۔[65] حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا شمار خود عہد نبوی ﷺ میں اکابر فقہا میں ہوتا تھا، حالانکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اپاہج تھے۔[66] دین کے مسائل سیکھنے اور قرآنی علوم پڑھنے میں اس طرح لگ گئے کہ ان کو دینی علوم میں مہارت تامہ حاصل ہو گئی، پھر سرور کائنات ﷺ نے ان کے بارے میں وہ بشارت دی جس پر وہ بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ جماعت صحابہ میں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ زبان نبوت ترجمان حقیقت سے آپ کو یہ سند عطا ہوئی کہ "**أعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل**"[67] "میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص معاذ بن جبل ہے"۔[68] اس سلسلے میں ایک دلچسپ روایت علامہ عبد الکریم قزوینی (م ٦٢٣ھ) نے نقل کی ہے:

حدثني المنحني حدثني المزكوم يومئذ حدثني الزمن حدثني المفلوج ثنا الأثرم ثنا الأحدب ثنا الأصم ثنا الضرير عن الأعمش عن الأعور عن الأعرج عن الأعمى أن النبي ﷺ توضأ مرة مرة.[69] اس روایت کی سند میں غور فرمائیں کہ اس میں جتنے رواۃ اور محدثین ہیں، سب کسی نہ کسی معذوری میں مبتلا ہیں، لیکن ان کی یہ معذوری انہیں محدث کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے سے مانع نہیں بنی۔

دکتور صہیب فائز عزام نے اپنے مقالے "**ذوو الاحتياجات الخاصة في ضوء القرآن والسنة**" میں تقریباً ٢٢ صحابہ اور صحابیات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے معذور ہونے کے باوجود اپنی ذہانت و فطانت اور بلند ہمتی کے باعث تعلیم و تعلم سمیت تمام میدانوں میں کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔

آج بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ معذور افراد کے لیے تعلیمی ادارے، ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹر اور دیگر ضروری اداروں کے قیام پر توجہ دی جائے اور ان کے لیے جگہ جگہ زیادہ سے زیادہ ادارے قائم کیے جائیں اور انہیں معاشرے کا فعال حصہ بنایا جائے، جس میں انھیں تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر بھی سکھائے جائیں اور تعلیمات نبویہ ﷺ کی روشنی میں ان کی کفالت بھی کی جائے۔

مخلوط تعلیم

مخلوط تعلیم لڑکوں اور لڑکیوں کے "مشترک تعلیمی نظام" کو کہتے ہے، اس سلسلے میں یہ امر ذہن نشین رہے کہ ابتدائی عمر میں مخلوط تعلیم کی گنجائش ہے اور آٹھ، نو سال کی عمر تک ابتدائی درجات کی تعلیم میں درسگاہ کا اشتراک رکھا جا سکتا ہے، اسی لیے اسلام نے بے شعور بچوں کو غیر محرم عورتوں کے پاس آمد و رفت کی اجازت دی ہے اور قرآن کریم نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔[70] لیکن سن شعور تک پہنچنے کے بعد اس کی گنجائش نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم و تربیت میں مردوں سے عدم اختلاط کا خصوصی اہتمام رہا، چنانچہ حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری (م ١٤١٧ھ) قرن اول اور اس کے بعد طالبات کے تعلیمی اسفار اور ان کے طریقہ تعلیم و تربیت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"عام طور سے ان تعلیمی اسفار میں طالبات کی صنفی حیثیت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا، اور ان کی راحت و حفاظت کا پورا اہتمام ہوتا تھا،

خاندان اور رشتہ کے ذمہ دار ان کے ساتھ ہوتے تھے، امام سہمی (م ۴۲۷ھ) نے "تاریخ جرجان" میں فاطمہ بنت ابی عبد اللہ محمد بن عبد الرحمن جرجانی کے حالات میں لکھا ہے کہ: "میں نے فاطمہ کو اس زمانے میں دیکھا ہے، جب ان کے والد، ان کو اٹھا کر امام ابو احمد بن عدی جرجانی کی خدمت میں لے جاتے تھے اور وہ ان سے حدیث کا سماع کرتی تھیں۔[71] فاطمہ بنت محمد بن علی لخمیہ اندلس کے مشہور محدث ابو محمد باجی اشبیلی کی بہن تھیں، انھوں نے اپنے بھائی ابو محمد باجی کے ساتھ رہ کر طالب علمی کی، اور دونوں نے ایک ساتھ بعض شیوخ واساتذہ سے اجازت حدیث حاصل کی۔"[72] مزید لکھتے ہیں: "ان محدثات وطالبات کی درس گاہوں میں مخصوص جگہ ہوتی تھی، جس میں وہ مردوں سے الگ رہ کر سماع کرتی تھیں اور طلبہ وطالبات میں اختلاط نہیں ہوتا تھا۔"[73]

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم شہید ملت لیاقت علی خان (م ۱۳۷۱ھ) نے ایک موقع پر اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا تھا:

"ان واہی باتوں کو مسلمان سننا بھی گوارا نہیں کرتے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ تعلیم ہو۔ آج تک مشترکہ تعلیم کا کوئی ایسا فائدہ کسی نے بیان نہیں کیا ہے جو دل نشین ہو۔.... ممکن ہے کہ مسلمانوں میں بعض افراد ایسے ہوں جو مخلوط تعلیم کے مؤید ہوں، مگر مسلمانوں کی ساری قوم اس کے خلاف ہے"۔[74]

یہ تفصیل اس بات کی متقاضی ہے کہ صرف جامعات کی سطح پر نہیں، بلکہ پرائمری کے بعد ہر درجے اور مرحلے میں طلبہ کے ادارے الگ اور طالبات کے ادارے الگ ہونے چاہئیں، جن میں صرف طلبہ وطالبات ہی الگ الگ نہ ہوں، اساتذہ بھی علی الترتیب مرد اور خواتین ہوں تاکہ طالبات یکسوئی اور سکون خاطر کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں، اور ہر ممکنہ فتنے کا سد باب ہو سکے۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی تعلیم

مذاہب عالم میں اسلام کو صرف یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ بیک وقت مذہب بھی ہے اور ریاست بھی، ایک فلاحی ریاست کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس میں رہنے والے تمام شہری حقوق و فرائض میں مساوی ہوں، ان میں نسلی و لسانی بنیادوں پر تفریق نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھنے کے بعد غیر مسلم شہریوں کو پہلے تحریری دستور میثاق مدینہ میں ہر قسم کی مذہبی آزادی دی اور ان کی جان ومال کی حفاظت کو اسلامی ریاست کا فریضہ قرار دیا،[75] چنانچہ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ منورہ آیا تو آپ ﷺ نے نہ صرف کہ اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا، بلکہ انھیں اپنی عبادت اپنے طریقے پر مسجد نبوی میں ادا کرنے کی اجازت دی۔[76] اس سے معلوم ہوا کہ مسلم ممالک میں غیر مسلم اقلیتوں کو ہر طرح کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے، انھیں اپنے مذہب کے مطابق شراب وخنزیر بیچنے، صلیب لٹکانے اور ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی،[77] اسی طرح وہ مقامات جو امصار مسلمین نہیں ہیں، ان میں انہیں اپنے نئے معابد بنانے کی مکمل آزادی ہوگی، جیسا کہ امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) نے "کتاب الخراج" میں اور علامہ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) نے "احکام الذمہ" میں تفصیل سے لکھا ہے۔[78] اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیر مسلم اقلیتوں کے مذہب کے مطابق ان کی تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھے اور ان کی تمام تر تعلیمی ضروریات کا کفیل ہو اور انھیں زبردستی کسی مضمون کو پڑھنے پر مجبور نہ کیا جائے، جیسا ہمارے ملک میں بعض ایسے واقعات سامنے آئے ہیں۔[79]

عہد نبوی ﷺ میں تعلیم کے مراحل

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین میں تعلیم کے دو مراحل تھے۔ پہلا مرحلہ بنیادی تعلیم اور دوسرا مرحلہ اعلیٰ تعلیم ہے۔

۱۔ بنیادی تعلیم (Early education)

بنیادی تعلیم جس کی ضرورت ہر مسلمان کو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتی ہے اور جس کے ذریعہ مسلمان کے لیے دین کے تقاضوں پر عمل کرنا ممکن ہوتا ہے، جیسے کہ توحید و رسالت، قبر و قیامت وغیرہ جیسے بنیادی عقائد، حلال و حرام اور پاکی و ناپاکی کی تمیز و پہچان وغیرہ۔ اسلام نے اس طرح کی تعلیم فرض عین قرار دی ہے۔[80] آپ ﷺ کے عہد مبارک میں نو مسلموں کو بنیادی تعلیم فراہم کرنے کے لیے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہروں اور دیہاتوں میں مکاتب کا جال بچھایا تھا اور نگرانی کے لیے گشتی معلمین مقرر کیے جو راہ چلتے لوگوں کی خواندگی کا امتحان لیتے، جو ناخواندہ نظر آتے تھے، ان کو پھر کسی مکتب میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح خانہ بدوشوں کی تعلیم کے لیے آپ نے ابو سفیان نامی شخص کو چند افراد کے ساتھ مامور کیا تھا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لیں اور جس کو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو، اس کو سزا دیں۔[81] اس لیے حکومت وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ بنیادی تعلیم کو لازمی قرار دے اور سنت فاروقی پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کی بنیادی تعلیم کے لیے قانون سازی کرے۔

۲۔ تخصصات (Specialization)

دوسرا مرحلہ بنیادی تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم اور خاص موضوعات پر تخصصات (Specialization) کا ہے۔ خود قرآن حکیم نے اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ"[82] "سو کیوں نہ نکلے ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ تاکہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔" اس آیت میں تخصص فی الفقہ کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں بھی آپ ﷺ کی زیر تربیت بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مضامین میں تخصص و امتیاز حاصل کر لیا تھا، جن میں سے بعض خوش نصیب ایسے تھے جنہیں اس اختصاص کی سند خود زبان نبوت سے ملی۔ مثال کے طور پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو قرأت و تجوید میں اختصاص حاصل تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: **"أقرؤهم أبي بن كعب"**[83] "سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قضاۃ میں امتیاز حاصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: **"علي أقضانا وأبي أقرأنا"**[84] "ہمارے سب سے بڑے قاضی حضرت علی اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں"۔ اسی طرح علوم قرآنی میں اختصاص کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا لقب ہی "ترجمان القرآن" پڑ گیا تھا۔[85] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ابن عباس صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن کا علم رکھتے تھے۔[86] اور علم فقہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو شہرت ملی۔ خود آپ ﷺ نے **"إنك غلام معلم"**[87] "تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو" فرما کر انہیں سند عطا کی۔ علم الفرائض میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متخصص تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: **"أفرضهم زيد"**[88] "میری امت میں علم فرائض سب سے زیادہ زید بن ثابت جانتا ہے۔" اور حلال و حرام کے علم میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ درجہ امتیاز کے حامل تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **"أعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل"**[89] "میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص معاذ بن جبل ہے"۔

علامہ ابن حزم ظاہری (م ۴۵۶ھ) نے فقہ میں تخصص کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ۱۹۳ ذکر کی ہے۔[90]

عہد نبوی ﷺ میں مختلف علوم کے ماہرین و متخصصین کے لیے مخصوص القاب مستعمل ہوتے تھے، چنانچہ قرآن کریم کے ماہر قاری یا مقری کہلاتے تھے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مقری کے لقب سے مشہور ہوئے۔[91] کتابت میں مہارت رکھنے والے **'الکاتب'** کہلاتے

تھے، حضرت عبد اللہ بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے یہ لقب استعمال ہوا ہے۔[92] **"الکامل"** اس شخص کو کہا جاتا تھا جو کاتب ہونے کے ساتھ تیر اندازی و پیراکی میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ حضرت سعد بن عبادہ کا شمار کاملین میں ہوتا تھا۔[93]

ہمیں چاہیے کہ ہم عصر حاضر میں سیرت النبی ﷺ کے اس پہلو سے رہنمائی لیتے ہوئے اس طریقہ تعلیم کو مزید مستحکم کریں تاکہ آج کی ضرورت کے مطابق مختلف علوم و فنون کے ماہرین پیدا ہوں، جو اسلام کی صحیح و مؤثر ترجمانی کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کی فلاح و بہبود کا فریضہ بحسن و خوبی سرانجام دے سکیں۔

جدید علوم و فنون کی تعلیم و تدریس سیرت طیبہ کی روشنی میں

قرون اولی میں قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم انساب وغیرہ کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی، اور آپ ﷺ نے ان میں سے بعض علوم کی افادیت بھی بیان کی ہے۔[94] علم انساب کے بارے میں ارشاد فرمایا: "اس قدر اپنا نسب جانو جس سے تم اپنے رشتے جوڑ سکو، اس لیے کہ رشتہ جوڑنے سے رشتہ داروں کی محبت بڑھتی ہے، مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے، اور آدمی کی عمر بڑھا دی جاتی ہے"۔[95] علم نجوم کے بارے میں فرمایا: "اس کے ذریعہ بر و بحر میں راستہ معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔"[96] تیر اندازی کا تعلق دفاعی تیاری اور مخالفین کے حملہ سے حفاظت کے اہتمام سے ہے۔ اسے سیکھنے کا بھی آپ نے حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "تیر اندازی سیکھو، اس لیے دونشانوں کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"۔[97]

مسلمانوں کے شاندار ماضی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے علماء، محدثین اور علم طب، فلسفہ اور جغرافیہ کے ماہرین سب ایک ہی چاردیواری میں علم حاصل کرتے تھے اور دینی علوم کے ماہرین اور دنیاوی علوم کے ماہرین میں ظاہری اعتبار سے کوئی فرق نظر نہ آتا تھا؛ دونوں ہی شریعت کے پابند ہوا کرتے تھے۔ علامہ شبلیؒ (م ۱۳۳۲ھ) نے اپنے مشہور مقالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" میں ایسے مدارس کی ایک طویل فہرست نقل کی ہے جو مسلم حکمرانوں کے دور میں ان کی حدود مملکت میں قائم ہوئے۔ نیشاپور، بغداد، ہرات، موصل، اصفہان، ماوراء النہر، بلخ، مرو اور خوارزم وغیرہ میں بڑے بڑے مدارس قائم تھے۔ علامہ شبلی نے انھیں موجودہ دور کی یونیورسٹیوں سے تشبیہ دی ہے۔ انھوں نے مصر میں نور الدین زنگی (م ۵۶۹ھ) اور سلطان صلاح الدین ایوبی (م ۵۸۹ھ) کے زمانوں میں قائم ہونے والے مدارس کی بھی تفصیل پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ ایران، ترکی اور اندلس کے مدارس کا تذکرہ بھی تفصیل سے کیا ہے۔[98]

جدید علوم کی تدریس ہر دور کی ضرورت

جدید علوم اور فنی مہارتوں کی تعلیم و تدریس ہر دور میں وقت کا اہم تقاضا ہوا کرتا ہے۔ عصر حاضر کے تحدیات سے نمٹنے کے لیے جدید علوم کی تحصیل ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ بعض اوقات کسی چیلنج کا مقابلہ کرنا خاص فنی مہارت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اس چیلنج کا مقابلہ ایک دیندار اور پرہیز گار شخص کے بنسبت ایک فنی ماہر جو زیادہ دیندار نہ ہو، اچھی طرح کر سکتا ہے۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) سے زیادہ متبع سنت اور شریعت کا مزاج شناس ان کے دور میں کوئی نہیں گزرا، ان سے کسی نے مشورہ کیا کہ فلاں جگہ جہاد کا معاملہ درپیش ہے۔ مختلف علاقوں سے فوج، رضاکار اور مجاہدین کے دستے جارہے ہیں۔ ایک فوجی کمانڈر کی سربراہی میں ایک بڑا دستہ تیار ہو رہا ہے۔ وہ کمانڈر بڑا متقی اور پرہیز گار ہے۔ بڑا نمازی اور تہجد گزار ہے، لیکن عسکری و سیاسی معاملات میں وہ خاص ماہر نہیں ہے، البتہ ایک دوسرا شخص ہے جو زیادہ دیندار اور نیک تو نہیں، لیکن اس کی عسکری مہارت بڑی مسلم ہے۔ تو فرمایئے کہ ہمیں کس کے ساتھ جانا چاہیے؟ امام احمد بن حنبل نے فرمایا: جو شخص بڑا متقی اور پرہیز گار ہے، لیکن عسکری مہارت میں کم درجہ رکھتا ہے، اس کی نیکی اور تقوی کا فائدہ اس کی ذات کو ہوگا اور اس کی عسکری عدم مہارت کا نقصان پوری قوم اور اسلامی

فوج کو ہو گا۔ جو شخص زیادہ نیک نہیں ہے، اس کی نیکی کی کمی کا نقصان صرف اس کی ذات کو ہو گا، لیکن اس کی عسکری مہارت کا فائدہ پوری مسلمان امت کو ہو گا۔[99] اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل کے لیے جس طرح دینی اور شرعی علوم کی ضرورت ہے، اسی طرح جدید علوم کی تحصیل بھی وقت کا اہم تقاضا ہے۔ تیزی سے ترقی کرتی دنیا میں جدید علوم و ٹیکنالوجی انسانی نفسیات اور رویوں پر گہرائی سے اثر انداز ہو رہے ہیں، ان جدید علوم کو سیکھے بنا ہم آج کے سماجی، مذہبی اور معاشی تحدیات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اسلام کی درست تعلیمات اور اسلام کے جامع اور سماج دوست مذہب ہونے کا ابلاغ ان جدید علوم کی مدد کے بغیر مؤثر نہیں۔ پھر ان جدید علوم میں بھی وہ علوم جن کا تعلق انسانی نفسیات سے براہ راست نہیں بلکہ ٹیکنالوجی کے توسط سے ہے، جیسے کہ مصنوعی ذہانت اور میٹاورس، بلاک چین وغیرہ جیسے فنون میں ہم اہل باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے ان جدید فنون میں مہارت کے محتاج ہیں۔ لہٰذا اسلامی رویے کے عین مطابق ہمیں معاشرے میں ایسے افراد تیار کرنے ہوں گے جو ان فنون میں مہارت حاصل کر کے سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشی میدان میں امت مسلمہ کی نمائندگی کر سکیں۔

مروجہ زبانوں کی تعلیم سیرت طیبہ کی روشنی میں

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ انفرادی اور ملک و ملت کی اجتماعی ضروریات کی خاطر مروجہ زبانیں سیکھنی چاہیے۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عبرانی زبان صرف سترہ دن میں سیکھی۔ مؤرخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت ؓ نے صرف سریانی اور عبرانی زبانیں ہی نہیں سیکھی تھیں، بلکہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانوں سے بھی بخوبی واقف تھے اور یہ زبانیں انھوں نے مدینہ منورہ میں رہائش پذیر آزاد کردہ غلاموں سے سیکھی تھی۔[100] حضرت عبد اللہ بن زبیر ؓ کئی زبانیں جانتے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کے سو غلام تھے جو الگ الگ زبان بولتے تھے، آپ سب سے ان کی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔[101]

موجودہ دور میں اسلامی تعلیمات کی تشریح و ترجمانی، دینی علوم کی اشاعت کے لیے عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، چینی، فرانسیسی اور جرمن اور برصغیر کی مختلف علاقائی زبانوں کی تعلیم کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ملک و ملت کی اجتماعی ضرورت کے تحت حضرت زید بن ثابت ؓ کو عبرانی زبان و سریانی سیکھنے پر زور دیا تو آج کے ماحول میں مختلف ملی ضروریات کی تکمیل کے لیے جدید مروجہ زبانیں سکھلانے کے لیے عملی اقدامات کرنے چاہیے اور اس معاملے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی لینی چاہیے۔

طلبہ کے امتحانات سیرت طیبہ کی روشنی میں

یہ جاننا کہ طالب علم نے مقررہ عرصہ میں تعلیمی مقاصد کس حد تک حاصل کیے، وہ علم کے میدان میں کس حد تک آگے بڑھا ہے؟ اس سے کہاں کہاں اور کیا کیا غلطیاں سرزد ہوئیں؟ ان غلطیوں سے نتائج پر کیا اثر پڑا؟ ان غلطیوں سے کس طرح بچا جا سکتا تھا؟ اس کے لیے امتحان کا عمل بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اور تعلیم کی دنیا میں امتحانی عمل کو یہ سعادت حاصل ہے کہ اس کی تعلیم خود جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ کتب احادیث میں متعدد واقعات ملتے ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے طالب علموں کی علمی ذہانت کا اندازہ کرنے اور ان کی لیاقت و اہلیت کو پرکھنے کے لیے ان کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے بخاری شریف میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے: **"طرح الإمام المسألة على أصحابه ليختبر ما عندهم من العلم"** "استاد اپنے شاگردوں کے سامنے کوئی مسئلہ رکھتا تاکہ ان کے علم کا امتحان لیا جا سکے"۔ امام بخاری اس باب میں واقعہ بیان فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں جھڑتے، اور مسلمان کی بھی یہی مثال ہے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ یہ سن کر لوگوں کے خیالات جنگل کے درختوں میں چلے گئے۔ عبد اللہ ؓ نے کہا کہ

میرے دل میں آیا کہ بتلا دوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن (وہاں بہت سے بزرگ موجود تھے اس لیے) مجھے حیا آئی۔ آخر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہی بیان فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے بتلایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔[102]

بسا اوقات جب آپ ﷺ امتحان لیتے تو درست جواب دینے پر تعریف کرتے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابو منذر رضی اللہ عنہ کا امتحان لیتے ہوئے ہوئے سوال کیا کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے نزدیک بڑی ہے؟ ابو منذر نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: کون سی آیت تمہارے نزدیک بڑی ہے؟ ابو منذر کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ **"اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم"** سب سے بڑی آیت ہے۔ درست جواب دینے پر آپ ﷺ نے میرے سینے پر تھپکی دی اور فرمایا: اللہ کی قسم! ابو منذر! تمہیں یہ علم مبارک ہو۔[103]

عصر حاضر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ امتحان کے نظام کو بہتر بنایا جائے، نقل کی روک تھام کے لیے مثبت و موثر اقدامات کیے جائیں اور قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ، قوت فہم، قوت غور و فکر تیز اعلیٰ ذہنی اور جذباتی صلاحیتوں کا بھی امتحان لیا جائے اور چند مخصوص سوالات، گذشتہ سالوں کے پرچہ جات پر توجہ مرکوز کرنے کے بجائے اصل نصاب پر توجہ دی جائے تاکہ طالب علموں میں تخلیقی فکر اور تنقیدی ذوق کی آبیاری ہو۔

پاکستان میں نظام تعلیم کے احوال

تعلیمی نظام کی تقسیم

پاکستان میں چار طرح کے نظام تعلیم رائج ہیں:

۱۔ گورنمنٹ اور وہ اسکول جو پرائیوٹ پبلک پارٹنر شپ کے تحت کام کر رہے ہیں۔ ۲۔ پرائیوٹ اسکول۔ ۳۔ کیمرج سسٹم کے تحت چلائے جانے والے اسکول اور ۴۔ مدارس۔

ان تمام کے تمام نظام تعلیم کے نصاب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسکولوں میں بھی دو طرح کے نصاب پڑھائے جا رہے ہیں ایک اردو میڈیم تو دوسرا انگریزی میڈیم اور پرائیوٹ اسکولوں میں ہر ایک اسکول میں ایک الگ ادارے کی کتب پڑھائی جا رہی ہیں۔ کیمرج سسٹم کے تحت کام کرنے والے اسکولوں میں انٹرنیشنل نصاب پڑھایا جا رہا ہے اور مدارس میں صرف قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ملک میں موجود یہ تمام تعلیمی نظام اپنی اپنی جگہ کام تو کر رہے ہیں، لیکن ہر تعلیمی نظام میں نقائص موجود ہیں۔

پاکستان میں شرح خواندگی

اکنامک سروے برائے سال 2022-23 کے مطابق پاکستان کی شرح خواندگی 62.8 فیصد ہے، جس میں خواتین کی شرح خواندگی 51.9 فیصد اور مردوں کی 73.4 فیصد ہے۔ صوبوں کی نسبت، بلوچستان میں شرح خواندگی سب سے کم ہے، جو 54.5 فیصد ہے۔ پنجاب میں شرح خواندگی 66.3، سندھ میں 61.8، اور خیبر پختونخوا میں 55.1 فیصد ہے۔[104] یونی سیف کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق اس وقت پاکستان اسکول نہ جانے والے بچوں کی تعداد کے اعتبار سے دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے۔ 5 سے 16 سال کی عمر کے، اسکول سے محروم بچوں کی تعداد 2 کروڑ 28 لاکھ ہے، 5 سے 9 سال کی عمر کے 50 لاکھ بچے اسکول جانے سے محروم ہیں، جبکہ 10 سے 14 سال کے 1 کروڑ 14 لاکھ بچے رسمی تعلیم حاصل نہیں کر پاتے۔[105] دنیا بھر کے ممالک میں کل بجٹ کا تقریباً 15 سے 20 فیصد اور جی ڈی پی کا 4 فیصد حصہ تعلیم کے لیے مختص کرنے پر زور دیا جاتا ہے، تاہم پاکستان میں جی ڈی پی کا صرف صرف 1.7 فیصد حصہ تعلیم کے لیے مختص کیا گیا ہے جو خطے میں سب سے کم بجٹ ہے۔

اس رپورٹ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم شرح خواندگی کی بنیادی وجوہات غربت، آگاہی کی کمی، ناقص تعلیمی نظام اور تعلیمی اصلاحات و ترقی

کے لیے مختص کیا جانے والا بجٹ ہیں۔

اسکولوں اور بنیادی اداروں کی کمی

پاکستان میں تعلیم کے شعبے کو درپیش بڑے چیلنجز میں سے ایک چیلنج اسکولوں اور بنیادی ڈھانچے کی مناسب اور مساوی فراہمی کا فقدان ہے۔ پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار 2021-22 کے مطابق ملک میں 313,418 تعلیمی ادارے ہیں، جن میں 227506 پرائمری سے لے کر ہائیر سیکنڈری سطح تک رسمی اسکول ہیں، 43,613 دینی مدارس ہیں، 25,106 غیر رسمی بنیادی تعلیمی ادارے ہیں، 10,087 ایجوکیشن فاؤنڈیشنز، 4,182 ٹیکنیکل اور ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ اور 2,487 ڈگری کالج ہیں۔ پاکستان میں 220 یونیورسٹیاں اور 217 اساتذہ کی تربیت کے ادارے بھی ہیں، تاہم اس کے باوجود یہ تعداد بڑھتی ہوئی آبادی اور تعلیم کی طلب کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ نیز اسکولوں اور بنیادی ڈھانچے کی دستیابی اور معیار کے لحاظ سے شہری اور دیہی علاقوں کے ساتھ ساتھ صوبوں کے درمیان بھی بہت بڑا تفاوت ہے۔[106]

اسکولوں میں بنیادی سہولیات کی کمی

اکنامک سروے برائے سال 2021-22 کے مطابق پاکستان کے اسکولوں میں 30 فیصد اسکول بجلی کی فراہمی سے محروم، 21 فیصد بیت الخلاء کے بغیر، 21 فیصد باؤنڈری والز کے بغیر اور 22 فیصد پینے کے پانی کی بنیادی سہولت سے محروم ہیں۔ مختلف علاقوں میں ضروری سہولیات کی دستیابی میں نمایاں تفاوت ہے۔ پنجاب اور کے پی اس سلسلے میں نسبتاً بہتر حالات کا مظاہرہ کرتے ہیں، تاہم، دیگر صوبوں بالخصوص بلوچستان کو اہم چیلنجز کا سامنا ہے۔ یہ خراب حالات تعلیمی ماحول اور طلبہ اور اساتذہ کی صحت اور حفاظت کو متاثر کرتے ہیں۔[107]

اساتذہ کی قلت

پاکستان میں تعلیم کا معیار قابل اساتذہ کی کمی کی وجہ سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ پاکستان کے تعلیمی اعداد و شمار 2021-22 کے مطابق ملک میں 2,139,631 اساتذہ ہیں اور یہ تعداد چالیس طلبہ کے لیے ایک استاد کے تناسب کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ہیں، جیسا کہ قومی تعلیمی پالیسی 2009 کی تجویز کردہ ہے۔ مزید یہ کہ بہت سے اساتذہ کے پاس مضمون کی معلومات، تدریسی مہارت اور تشخیصی تکنیک کی بھی کمی ہے۔ بہت سے اساتذہ کو کم تنخواہوں، عدم ادائیگی اور مراعات کی کمی کا سامنا ہے۔[108]

غیر معیاری نصاب

پاکستان میں تعلیمی نظام کو درپیش ایک اور چیلنج غیر معیاری نصاب ہے جو طلبہ اور معاشرے کی ضروریات اور خواہشات کو پورا نہیں کرتا۔ موجودہ نصاب طلبہ میں تنقیدی سوچ، تخلیقی صلاحیتوں اور مسائل حل کرنے کی صلاحیتوں کو پروان نہیں چڑھاتا ہے اور نہ ہی یہ انہیں اکیسویں صدی کے چیلنجز اور مواقع کے لیے تیار کرتا ہے۔

تعلیم کا تجارتی پہلو

نجی تعلیمی اداروں کی کثرت اور خود سرکاری اداروں میں قیادت اور رہنمائی کے فقدان کی وجہ سے تعلیم ایک تجارت بن کر رہ گئی ہے، لہٰذا اس روش کو ختم کرنا ہوگا کیونکہ تعلیم کو تجارتی ذہن سے نجات دلائے بغیر تعلیم کے مقاصد حاصل نہیں کیے جاسکتے۔

امتحانات کا ناقص معیار

امتحانی نظام میں رشوت اور نقل کا ناسور بدرجہ اتم موجود ہے، جس کی وجہ سے طلبہ پڑھائی پر توجہ نہیں دیتے اور سارا سال فضولیات میں صرف کر دیتے ہیں، اور پھر نقل کر کے پاس ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہمارے امتحانی نظام میں یادداشت کا امتحان لیا جاتا ہے، ہر دوسرے سال وہ

سابقہ امتحانی سوالات آتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے طلبہ محنت کرنے کے بجائے حل شدہ سابقہ پرچہ جات کو رٹ لیتے ہیں اور متعلقہ مضمون میں اچھے نمبرات لینے کے باوجود اس کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوتے۔

جدید اور سیکھنے کے مؤثر وسائل کی کمی

ٹیکنالوجی پر مبنی وسائل کی مثلاً کمپیوٹر، انٹرنیٹ، ای لرننگ پلیٹ فارمز، اور ڈیجیٹل مواد کی کمی ہے، جس کی وجہ طلبہ کے سیکھنے کے نتائج اور کامیابیوں کے ساتھ ساتھ تعلیم میں ان کی دلچسپی اور مشغولیت متاثر ہو رہی ہے۔

خلاصہ کلام

اسلامی ریاست میں نظام تعلیم کو بڑی اہمیت ہے، یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کے قیام کے ساتھ تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور اسلامی ریاست سے ناخواندگی کے خاتمے کے لیے بذات خود نگرانی فرمائی، جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ مرد، عورت، بچے، بوڑھے جوان سب ہی تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوگئے، اور دس سال کے قلیل عرصہ میں اسلامی ریاست سے ناخواندگی کا مکمل خاتمہ ہوگیا ہے، پھر جب تک مسلمان سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے تعلیمی نظام چلاتے رہے ساری دنیا کی قوتوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، علم کی دنیا پر ان کا راج تھا اور مسلسل ان کے عروج اور ترقی کا سفر جاری تھا۔

آج وطن عزیز پاکستان کو جن بحرانوں کا سامنا ہے ان میں ایک بڑا بحران تعلیم کا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ سیرت طیبہ سے روگردانی اور ہمارا فرسودہ فرنگی نظام تعلیم ہے۔ اگر ہم اس بحران سے نکلنا چاہتے ہیں تو سیرت طیبہ ﷺ ہی واحد ایسا راستہ ہے جس پر چل کر اس گرداب سے نکلا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم کو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں از سر نو تشکیل دیں اور اس کو نافذ کرنے کے لیے عملاً اقدامات کریں۔ اس ضمن میں چند ایک سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

پاکستان میں مثالی نظام تعلیم کی تشکیل کے لیے سفارشات

۱۔ پانچ سے سولہ سال تک کی عمر کے تمام بچوں کے لیے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کی جائے اور اس کے لیے ہر ایک دو کلو میٹر پر پرائمری اور سکینڈری اسکول تعمیر کیے جائیں۔

۲۔ پرائمری کی سطح تک قرآن کریم کی تعلیم مع تحفظ کے ساتھ اور میٹرک تک مکمل قرآن کریم کے ترجمے کو شامل نصاب کیا جائے اور ساتھ ساتھ دین کے بنیادی عقائد اور اہم مسائل کی تعلیم بھی لازم قرار دی جائے۔ اگرچہ پاکستان میں یہ اقدام سامنے آیا ہے، لیکن ارباب اختیار کو چاہیے کہ اس پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

۳۔ ایسے افراد جو بچپن میں کسی وجہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کر سکے، انہیں ضروری تعلیم دے کر معاشرے کے مفید افراد میں شامل کرنے کے لیے تعلیم بالغاں کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

۴۔ معذور افراد کے لیے ہر ٹاؤن کی سطح پر ادارے قائم کیے جائیں، جہاں تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر بھی سکھایا جائے۔

۵۔ طبقاتی نظام تعلیم کو ختم کر کے نصاب کو اسلامی تعلیمات کے مطابق مرتب کیا جائے اور پورے ملک میں موجود تعلیمی اداروں میں یکساں نصاب، یکساں ذریعہ تعلیم اور یکساں نظام امتحانات اپنایا جائے۔

۶۔ عصر حاضر کی ضرورت کے مطابق تمام مضامین مثلاً جدید فلسفہ، سائنس کے اہم اصول ومبادیات وغیرہ اردو زبان میں منتقل کر کے پڑھائے جائیں تاکہ وقت کم صرف ہو اور فائدہ زیادہ ہو۔

۷۔ میٹرک کے بعد انگریزی سمیت بین الاقوامی زبانوں کو اختیاری موضوعات میں شامل کر دیا جائے۔

۸۔ مخلوط نظام تعلیم کو ختم کیا جائے اور طلبہ وطالبات کے لیے ہر دو کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے الگ نصاب اور الگ تعلیمی اداروں کا انتظام کیا جائے۔

۹۔ بہت سے طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر چلے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں قابل اور ذہین افراد ترقی یافتہ ممالک کو منتقل ہو جاتے ہیں، لہٰذا ملک میں ان کی کھپت کے مؤثر انتظامات کی صورت میں اس المیے کا سدِّباب کیا جائے۔

۱۰۔ تعلیمی نظام سے رٹا کلچر کا خاتمہ کیا جائے، اس کے لیے امتحانی نظام، درسی کتابوں اور نصاب میں ضروری تبدیلیاں لانی ہوں گی۔

۱۱۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیز کے طلبہ کی ذہنی وفکری تربیت اس انداز سے کی جائے کہ ان کے دل میں دین اسلام کی عظمت، ملک و قوم کی محبت پیدا ہو۔

۱۲۔ تعلیم کے شعبے کے لیے مزید فنڈز اور وسائل مختص کیے جائیں اور انھیں موجودہ کم ترین سطح سے بڑھا کر معقول سطح تک لایا جائے، ان کی شفاف اور منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔

۱۳۔ میٹرک تک کے نصاب میں ابتدائی طبی امداد، پیراکی، نشانہ بازی، سیلف ڈیفنس، زراعت، الیکٹرک و آٹو مکینک وغیرہ جیسے مضامین شامل کیے جائیں تاکہ میٹرک تک پہنچنے والا بچہ اپنی روزمرہ زندگی میں اپنے استعمال کی ہر چیز کی ابتدائی مہارت رکھتا ہو۔

۱۴۔ اساتذہ کا تقرر میرٹ پر کیا جائے اور بدلتے وقت کے ساتھ وقتاً فوقتاً ان کے لیے تربیتی نشستیں رکھی جائیں اور ہر مضمون اس فن کے ماہر استاد ہی سے پڑھایا جائے۔

۱۵۔ آئی ٹی (Information technology) اور پھر اے آئی (Artificial Intelligence) کی تیزی کے ساتھ رواج پانے سے جو اخلاقی اور انسانی مسائل سامنے آرہے ہیں، ملکی جامعات بظاہر ان سے کم آگاہ نظر آتی ہیں۔ یہ تیزی سے بدلتا ماحول چند برسوں میں تعلیم کے شعبے میں مکمل انقلاب برپا کر دے گا اور انسان کا تصورِ کائنات، تصورِ معاشرہ اور باہمی تعلقات اس سے متاثر ہوں گے۔ اس چیلنج کو سمجھنے اور اس کا اسلامی حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس میدان میں ہمیں افراد سازی کی ضرورت ہے، جو ان جدید علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے ہوں، تاکہ جہاں ایک جانب ان علوم کے ذریعے اقوامِ عالم کے شانہ بہ شانہ چلنے کی خود اعتمادی پیدا ہو، وہیں ان علوم وفنون کے منفی اثرات کا بروقت ادراک کرتے ہوئے ان کے مقابلے کے اقدامات کیے جا سکیں۔

حوالہ جات

[1] الجمعہ:۲

[2] البخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، الصحیح، دار طوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ، ج۱ ص۷، الرقم ۳

[3] المزمل:۹

[4] الترمذی، محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) السنن، بیروت، دار الغرب الاسلامی ۱۹۹۸ء، ج۳ ص۳۸۵، الرقم ۲۹۲۹

[5] البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین (م ۴۵۸ھ) شعب الایمان، ریاض، مکتبۃ الرشد ۱۴۲۳ھ، ج۳، ص۲۱۸، الرقم ۱۵۷۲

[6] ابن ماجہ، محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ) السنن، دمشق، دار الرسالۃ العالمیۃ ۱۴۳۰ھ، ج۱ ص۱۵۵، الرقم ۲۲۹

[7] ایضاً

[8] ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م ۱۴۲۳ھ) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی ۱۹۸۱ء، ص۱۹۶

[9] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد (م ۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، مصر، مکتبۃ الخانجی ۱۴۲۱ھ، ج۲ ص۲۰

[10] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص۱۹۵

[11] پروفیسر، محمد امیر ملک، نظام تعلیم کی اسلامائزیشن، ایک نعرہ یا حقیقت، پاکستان کا نظام تعلیم، لاہور، ادارہ تعلیمی تحقیق، ۲۰۰۰ء، ج۱ ص۸

[12] حمیرا اقبال، تعلیمی زاویے، دینی مدارس کا نظام تعلیم، م۔ن، ۱۹۹۶ء، ص:۹۲

[13] پروفیسر، سید محمد سلیم، کراچی، زوار پبلی کیشنز ۲۰۱۷ء، اسلام کا نظام تعلیم، ص۹۹

[14] ابن ماجہ، السنن، ج۱ ص۱۵۱، الرقم ۲۲۳

[15] العسقلانی، ابن حجر، (م ۸۵۲ھ) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ، ج۱ ص۲۹۸۔ نعمانی، شبلی (م ۱۳۳۲ھ) الفاروق، لاہور، المصباح، س۔ن، ص ۳۴۲

[16] الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن (م ۲۵۵ھ) السنن، السعودیۃ، دار المغنی ۱۴۱۲ھ، ج۱ ص۲۹۸، الرقم ۲۲۷

[17] البخاری، الصحیح، ج۳ ص۱۷۰، الرقم ۳۳۶۹

[18] المنذری، عبد العظیم بن عبد القوی (م ۶۵۶ھ) الترغیب والترہیب، بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۳۸۸ھ، ج۱ ص۱۲۲، الرقم ۷

[19] پروفیسر، سید محمد سلیم، اسلام کا نظام تعلیم، ص۹۸

[20] نعمانی، شبلی، الفاروق، ص ۳۴۲۔۳۵۰

[21] الانعام:۵۲

[22] مسلم (م ۲۶۱ھ)، الصحیح، بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۳۷۴ھ، ج۴ ص۱۸۷۸، الرقم ۲۴۱۳

[23] الترمذی، السنن، ج۵ ص۳۰، الرقم ۲۶۵۰

[24] ابن ماجہ، السنن، ج۱ ص۹۲، الرقم ۲۵۲

[25] الزرنوجی، برہان الاسلام (م ۵۹۳ھ) تعلیم المتعلم طریق التعلم، کراچی، مکتبۃ البشریٰ ۱۴۳۱ھ ص۱۲

[26] مرزا چوہدری عبد السلام، رشید خالد، مبادیات تعلیم (لاہور، پنجاب ٹیکسٹ بورڈ ۲۰۱۳ء) ص۳۹

[27] حمید اللہ، ڈاکٹر، (م ۱۴۲۳ھ) عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، نقوش نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء ج۱۳ ص۱۴۳

[28] آپ ﷺ کا حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑنا (ابو داؤد، السنن، ج۳ ص۱۴۴، الرقم ۲۵۷۸) آپ ﷺ کا گھوڑ دوڑ کروانا، ابن عمر کا اس میں شریک ہونا (بخاری، الصحیح، ج۴ ص۳۱، الرقم ۲۸۶۸-۲۸۶۹) آپ ﷺ کا اعرابی سے اونٹ دوڑ کا مسابقہ (ایضاً، الرقم ۲۸۷۲) آپ ﷺ نے فرمایا اپنی اولاد کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ۔ (ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو (م ۷۷۴ھ) جامع المسانید والسنن، بیروت، دار خضر ۱۴۱۹ھ، ج۱ ص۵۷، الرقم ۱۱۲۲) حضور ﷺ کا رکانہ پہلوان سے کشتی کرنا اور اس کو پچھاڑ دینا (ابو داؤد،

السنن، ج۹ص ۷۷۱ الرقم ۸۷۰ ۳۰) حضور ﷺ کا حضرت عائشہ کے ساتھ حبشیوں کے برچھیوں کے ساتھ کھیل کے مظاہرے سے لطف اندوز ہونا (بخاری، الصحیح، ج۱، ص ۹۸ الرقم ۴۵۵) حضور اکرم ﷺ کی تین شعراء تھے حضرت حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک (الکتانی عبدالحی (م ۱۳۸۲ھ) التراتیب الاداریہ، ج۱، ص ۱۹۰)

[29] حضرت عمرو بن معدی کرب ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بچے کا بچپن میں چاق و چوبند ہونا دور بلوغت میں اس کی عقل میں اضافے کا باعث ہے۔ (الحکیم الترمذی، محمد بن علی (م ۳۲۰ھ) نوادر الاصول، بیروت، دار الجیل س ن، ج۲ ص ۳۳۶)

[30] غلام عابد خان، عہد نبوی ﷺ کا نظام تعلیم، لاہور، عوامی کتب خانہ ۱۹۷۸ء، ص ۴۹

[31] ابن ماجہ، السنن، ج۱ ص ۱۵۵، الرقم ۲۲۹

[32] ابوداؤد، السنن، ج۵ ص ۲۸۵، الرقم ۳۹۳۲

[33] مبارک پوری، قاضی اطہر مولانا، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۴۷

[34] صدیقی، ڈاکٹر مشتاق الرحمن، تعلیم و تدریس، مباحث و مسائل، اسلام آباد، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن ۱۹۹۸ء، ص: ۱۹۰

[35] الدینوری، ابن قتیبہ، عبداللہ بن مسلم (م ۲۷۶ھ) عیون الاخبار، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۸ھ، ج۲ ص ۱۳۹

[36] ابو عبید القاسم بن الہروی (م ۲۲۴ھ) غریب الحدیث، حیدرآباد دکن، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۳۸۴ھ، ج۳ ص ۳۶۹

[37] الہیثمی، نور الدین (م ۸۰۷ھ) مجمع الزوائد، القاہرہ، مکتبۃ القدسی ۱۴۱۴ھ، ج۱ ص ۱۲۵، الرقم ۵۱۵

[38] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی کا نظام تعلیم، نقوش نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء ج۱۳ ص ۱۲۵

[39] البخاری، الصحیح، ج۱ ص ۴۲، الرقم ۹۱۔

[40] مسلم، الصحیح، ج۴ ص ۱۹۹۳، الرقم ۹۴۳۔ البخاری، الصحیح، ج۵ ص ۱۵۰، الرقم ۴۳۰۲

[41] البخاری، الصحیح، ج۵ ص ۱۵۰، الرقم ۴۳۰۲

[42] البلاذری، احمد بن یحیٰ (م ۲۷۹ھ) انساب الاشراف، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۷ھ، ج۱ ص ۳۲۳

[43] القراوی احمد بن غانم (م ۱۱۲۶ھ) الفواکہ الدوانی، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۵ھ، ج۱ ص ۳۰

[44] احمد (م ۲۴۱ھ)، المسند، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ ۱۴۱۹ھ، ج۲۴ ص ۱۲۸، الرقم ۱۵۴۰۳

[45] الترمذی، السنن، ج۴ ص ۲۰۲، الرقم ۱۹۵۲

[46] مبارک پوری، قاضی اطہر مولانا، خیر القرون کی درس گاہیں، ص ۵۶

[47] ایضاً، ج۱ ص ۲۵

[48] احمد، المسند، ج۳۳ ص ۲۰۷، الرقم ۲۰۲۰۲

[49] ایضاً، ج۳ ص ۲۹۰، الرقم ۱۳۶۶۷

[50] سلیمان بن الاشعث (م ۲۷۵ھ) السنن، بیروت دار الرسالۃ العالمیہ ۱۴۳۰ھ، ج۲ ص ۵۳۶، الرقم ۱۴۹۹

[51] البخاری، الصحیح، ج۱ ص ۱۳۲، الرقم ۱۰۱

[52] ابن عبد البر، یوسف بن عبداللہ (م ۴۶۳ھ)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، بیروت، دار الجیل ۱۴۱۲ھ، ج۴ ص ۱۸۸۷، الرقم ۴۲۳۳

[53] البخاری، الصحیح، ج۱ ص ۳۱، الرقم ۹۷

[54] الاصبہانی، ابو نعیم، احمد بن عبداللہ (م ۴۳۰ھ) ریاض، دار الوطن ۱۴۱۹ھ، ج۶ ص ۳۳۲۷، الرقم ۷۶۱۰

[55] القلقشندی، احمد بن علی، (م ۸۲۱ھ) صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۳ء، ج۱ ص ۹۶

[56] پروفیسر سید محمد سلیم، اسلام کا نظام تعلیم، ص ۱۰۳

[57] مبارک پوری، قاضی اطہر مولانا (م ۱۴۱۷ھ) خیر القرون کی درس گاہیں، لاہور، ادارہ اسلامیات ۱۴۲۱ھ، ص ۹۳

[58] تفصیل کے لیے دیکھیے: الکتانی، عبد الحی (م ۱۳۸۲ھ) التراتیب الاداریہ، بیروت، دار الارقم، س ن، ج ا ص ۱۰۹، ج ۲ ص ۷۳، ۷۷، ۷۸

[59] بنی اسرائیل: ۷۰، التین: ۴

[60] احمد، المسند، ج ۳۸، ص ۴۷۴، الرقم ۲۳۴۸۹

[61] الحجرات: ۱۱، العبس: ۱-۳

[62] القرطبی، محمد بن احمد (م ۶۷۱ھ) الجامع لاحکام القرآن، القاہرہ، دار الکتب المصریۃ ۱۳۸۴ھ، ج ۱۹ ص ۲۱۳

[63] ابن سعد، الطبقات، ج ۴ ص ۱۹۵

[64] الثعلبی، احمد بن ابراہیم (م ۴۲۷ھ) الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، جدہ، دار التفسیر ۱۴۳۶ھ، ج ۲۴ ص ۳۴۲

[65] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، بیروت، دار الجیل ۱۴۱۲ھ، ج ا ص ۱۴۰۰، الرقم ۲۵۰

[66] ابن سعد، الطبقات، ج ۳ ص ۱۵۴، الرقم ۳۴۳

[67] ایضا

[68] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ا ص ۷۱

[69] مذکورہ بالا روایت کی سند میں ذکر کردہ رواۃ کی وضاحت: المفتضی: کبڑا/ جھکی کمر والا (ابو علی بن ابی الحسین اصبہانی)، المزکوم: مبتلائے زکام (ابو علی الصولی)، الزمن: اپاہج (احمد بن محمد بن سلیمان)، المفلوج: فالج زدہ (محمد بن محمد بن سلیمان الطوسی)، الاشرم: پھٹا ہوا، ٹوٹے دانتوں والا (الحسن بن عمران)، الاحدب: کبڑا (عبد اللہ بن الحسین قاضی مصیصۃ)، الاصم: بہرا (عبد اللہ بن نصر انطاکی)، الضریر: نابینا (ابو معاویہ)، الاعمش: کمزور نگاہ (سلیمان بن مہران)، الاعور: کانا (ابراہیم نخعی)، الاعرج: لنگڑا (الحکم بن عمران)، الاعمی: اندھا (عبد اللہ بن عباس ؓ)۔ القزوینی، عبد الکریم بن محمد (م ۶۲۳ھ) التدوین فی اخبار القزوین، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۸ھ، ج ۲ ص ۹۳

[70] النور: ۵۸

[71] السہمی، ابو القاسم حمزہ بن یوسف (م ۴۲۷ھ) تاریخ جرجان، بیروت، عالم الکتب ۱۴۰۷ھ، ص ۵۰۷، الرقم ۱۰۳۴

[72] مبارکپوری، قاضی اطہر، خواتین اسلام کی دینی و علمی خدمات، ص: ۴۳

[73] ایضا

[74] بریلوی، مصطفیٰ علی، شہید ملت لیاقت علی خان، کراچی، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۲۰۰۱ء، ص ۴۳

[75] میثاق مدینہ کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ط: دار النفائس، بیروت، ۲۰۰۹ء، ص: ۹۲

[76] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ا ص ۲۳۹

[77] الکاسانی، علاء الدین، ابو بکر بن مسعود (م ۵۸۷ھ) بدائع الصنائع، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۶ھ، ج ۷ ص ۱۱۳

[78] ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ) الخراج، المکتبۃ الازہریۃ للتراث، س ن، ص ۱۴۴؛ الجوزیۃ، ابن قیم محمد بن ابو بکر (م ۷۵۱ھ) احکام اہل الذمۃ، دمام، رمادی للنشر ۱۴۱۸ھ، ج ۳ ص ۱۱۸۱

[79] https://www.independenturdu.com/node/90481

[80] ابن ماجہ، السنن، ج ا ص ۱۵۱، الرقم ۲۲۴

[81] العسقلانی، ابن حجر، (م ۸۵۲ھ) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۵ھ، ج ا ص ۴۹۸۔ نعمانی، شبلی (م ۱۳۳۲ھ) الفاروق، لاہور، المصباح، س۔ن، ص ۴۴۲

[82] التوبۃ: ۱۲۲

[83] الذہبی، شمس الدین، محمد بن احمد (م ۷۴۸ھ)، معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۷ھ، ص ۱۴

[84] الحاکم، ابو عبد اللہ، محمد بن عبد اللہ (م ۴۰۵ھ)، المستدرک، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۱۱ھ، ج ۳ ص ۴۴۴، الرقم ۵۳۲۸

[85] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر (م ۷۷۴ھ) البدایۃ والنہایۃ، بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۴۰۸ھ، ج ۸ ص ۳۳۱

[86] ابن حجر، تھذیب التھذیب، دہلی، جمعیۃ دارالبر ۱۴۲۳ھ، ج۶، ص۸۱، الرقم ۳۵۷۰

[87] احمد، المسند، ج۶ ص ۸۳، الرقم ۳۵۹۹

[88] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ا ص ۱۷

[89] ابن سعد، الطبقات، ج۳ ص ۱۵۱، الرقم ۳۲۳

[90] الظاہری، ابن حزم (م ۴۵۶ھ) جوامع السیرۃ، مصر، دارالمعارف ۱۹۰۰ء، ص ۳۱۹

[91] ابن ہشام، عبدالملک (م ۲۱۳ھ) سیرۃ ابن ہشام، مصر، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۳۷۵ھ، ج ا ص ۳۳۲

[92] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ج ۳ ص ۹۲۰

[93] العسقلانی، ابن حجر، الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج ۳ ص ۵۵

[94] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں نظام تعلیم، نقوش نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء، ج ۱۳ ص ۱۴۳

[95] الترمذی، السنن، ج ۳ ص ۱۵۲، الرقم ۱۹۷۵

[96] الدیلمی، ابو شجاع، شیرویہ بن شہردار، الفردوس بماثور الخطاب، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۴۰۶ھ، ج ۲ ص ۱۳۳، الرقم ۲۲۲۸

[97] ایضاً، ج ۲ ص ۱۳۳، الرقم ۲۲۲۳

[98] شبلی نعمانی، یوپی، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی ۲۰۰۹ء، مقالات شبلی، ج ۳، ص ۴۹-۵۲، ۵۱-۶۹، ۷۵-۷۷، ۷۶-۸۰

[99] غازی، محمود احمد (م ۱۴۳۱ھ) مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم، گوجرانوالہ، الشریعہ اکیڈمی ۲۰۰۵ء، ص ۲۹

[100] رشید احمد ارشد، سید، عہد نبوی میں نظام تعلیم، نقوش نمبر، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۳ء، ج ۱۳ ص ۱۳۶

[101] الکتانی، عبدالحی، التراتیب الاداریہ، ج ا ص ۱۸۸

[102] البخاری، الصحیح، ج ا ص ۳۳، الرقم ۹۲

[103] مسلم، الصحیح، ج ا ص ۵۵۶، الرقم ۸۱۰

Pakistan Economic Survey -2022-23 page no:24[104]

https://www.unicef.org/pakistan/education[105]

Pakistan Education statistics 2021-22 Highlights Report,page no:1 [106]

Pakistan Education statistics 2021-22 Highlights Report,page no:13 [107]

Pakistan Education statistics 2021-22 Highlights Report,page no:1 [108]

7

مقالہ نگار: حبیب اللہ
شاہ محلہ فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن سیکٹر نمبر 10 کراچی غربی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

علم کی اہمیت:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ پڑھو اپنے رب کا نام لے کر جس نے تجھے پیدا کیا، خالق کائنات نے پڑھنے کی اہمیت کو بیان کیا، اپنے نام کے ساتھ اسے جوڑا، اور جوڑا بھی اس طرح کہ پہلے اقرا کا ذکر کیا، کہ پڑھنا آئے گا تو اپنے رب کا نام لے پاؤگے، پڑھنا آئے گا تو اپنے رب کی عبادت کر پاؤگے، پڑھنا آئے گا تو اپنے رب کو پڑھ پاؤگے، **الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ** جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔

یہ دین اسلام کی پہلی وحی تھی جس میں اقرا اور القلم کے ذریعے علم کی اہمیت بیان کی گئی، گویا اسلام نے اپنی بنیاد ہی تعلیم پر استوار کی، اور اپنے پیروکاروں کیلئے تعلیم کو اساس قرار دیکر اس کی طرف توجہ مرکوز کی، کیونکہ علم اک شمع روشن ہے جو رات کی تاریکی میں آپ کیلئے اجالا پیدا کرتا ہے، آپ جب ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے آگے کو بڑھتے ہو، آپ اپنی سانس کو بھی تھامے ہوئے ایک ایک قدم بڑے سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہو، کہ کہیں کسی چیز کے ساتھ ٹکرا کر گر نہ پڑوں، ہر اک قدم رکھتے ہوئے آپ کا کلیجا دھڑک رہا ہوتا ہے کہ کہیں کسی ایسی چیز پر قدم نہ رکھ لوں جو میرے لئے ضرر کا باعث ہو اور مجھے اس سے تکلیف اٹھانی پڑے۔

غرض اس تاریکی میں آپ کا ایک ایک قدم اٹھانا اور رکھنا دل تھام کر ہوتا ہے، اس حالت میں جب آپ ایک دیا جلاتے ہو یا دیپ روشن کرتے ہو اور اس سے آپ کیلئے راستہ تاباں اور منور ہو جائے پھر کس قدر اطمینان سے آپ راستے پر چل سکتے ہو، کس قدر آسانی سے آپ قدم اٹھا سکتے ہو، کس قدر سہولت کے ساتھ آپ قدم رکھ سکتے ہو نہ ہی کسی شے سے ٹکرانے کا خوف اور نہ ہی گر پڑنے کا غم، بس اطمینان کے ساتھ آپ راستہ طے کرتے ہو، یہی مثال علم کی ہے۔

علم آپ کیلئے راستے کے اندھیروں کو روشن کرتا ہے، تاریکیوں کو دور کرتا ہے، جہالت کو مٹاتا ہے، راستے کے کٹھن اور دشوار گزار وادیوں کو آسان کرتا ہے، خار دار جھاڑیوں سے بچ نکلنے کا سامان مہیا کرتا ہے، راستے کے نشیب و فراز سہل بناتا ہے۔ غرض علم کی مثال آپ کیلئے پیرانہ سالی میں مثل عصائے موسیٰ کے ہے، جس سے آپ دنیا کے اژدہاؤں کا مقابلہ کر سکتے ہو، دنیا کے فرعونوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو سکتے ہو، دنیا کے جابروں اور ظالموں کا سامنا کر سکتے ہو۔

علم کی فضیلت:

جیسا کہ سطور بالا سے علم کی اہمیت واضح ہے آپ ﷺ نے اپنے فرمودات میں علم کی اہمیت مختلف آحادیث مبارکہ میں بیان فرمایا، اور قرآن نے تو دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا کہ علم والے اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے برابر نہیں ہو سکتے، ارشاد باری تعالی ہے **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ**[1]

"کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں" ایک دوسری جگہ اللہ تعالی نے علم کو ایک نعمت قرار دیکر فرمایا کہ یہ نعمت ہر ایک کو نہیں ملتی بلکہ جو اس نعمت کا اہل ہو اور جس کو اللہ چاہے اسے اس نعمت عظمیٰ سے نوازتا ہے۔ اور جس کو اس نعمت عظمیٰ سے نوازا گیا گویا اس کو بہت

بھلائی عطا ہوئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ**[2]

"وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کرتا ہے اور جسے دانائی عطا ہوگئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی، اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں"

مفتی شفیع صاحبؒ نے اس آیت کے ذیل میں امام راغب اصفہانیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ: لفظ حکمت جب اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کیا جائے تو معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں، اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت کی جائے تو موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق صحیح عمل مراد ہوتا ہے۔[3]

مقصد تعلیم:

اسلام میں مقصد تعلیم معرفت خداوندی اور اس کی خوشنودی کا حصول ہے اور یہ کہ بندے کے دل میں خوف خدا ہو بایں معنی کہ جب اللہ تعالیٰ ہمارے خالق حقیقی ہے، مالک حقیقی ہے، وہی ذات سزاوار خدائی ہے، تو اس کے احکامات کی عدولی نہیں ہونی چاہیے، اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری ہونی چاہیے۔

ایک طالب علم کا حصول تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے، کہ اس کو معرفت خداوندی حاصل ہو اور وہ اپنے اعمال میں اس کی رضا و منشا کے مطابق چلے اور اس کے احکامات کو نظر انداز نہ کرے بلکہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ عمل کرے۔

اس حوالے سے منور ابن صادق لکھتے ہیں:

تعلیم کا بنیادی مقصد ذات باری تعالیٰ کی رضا اور معرفت کا حصول ہے۔ اس وجہ سے وہ علوم آخرت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔[4]

اسی طرح مقاصد تعلیم میں سے ایک طالب علم کے کردار کو سنوارنا ہے، اس کی اصلاح نفس کرنی ہے، اور اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ کی بعثت عمل میں آئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** ۞ [5]

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔"

اہل علم کا خشیت الٰہی:

قرآن کا فیصلہ ہے کہ اہل علم اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہونا اس کی بندگی کی ایک کامل صورت ہے، جو کہ تخلیق بنی آدم کی وجہ ہے کہ انسانوں اور جنات کو پیدا کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی بندگی ہی فرد بشر اور جنات کی تخلیق کی وجہ ہے۔ اور یہ بندگی ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو صاحب علم ہیں، جن کو علم دیا گیا ہے۔ اس آیت مبارکہ اور پچھلی آیت مبارکہ پر غور کرنے سے ایک لطیف امر کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے حکمت اور دانائی عطا فرماتا ہے اور جن کو حکمت و دانائی ملتی ہے وہ لوگ ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، یعنی اس کی بندگی کرنے والے۔ تو گویا اللہ کی بندگی جس شخص میں ہوگی اللہ تعالیٰ اسے نوازیگا اور جس میں اللہ تعالیٰ کی بندگی نہ ہو ضروری نہیں کہ اللہ اسے نوازے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اس کو حکمت و دانائی سے نوازا جائے اس کو علم عطا کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ**[6]

"اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں"۔

اہل علم کے فضائل:

علم والے چونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، اس کی بندگی کرنے والے ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی کامرانی سے نوازتا ہے اور آخرت میں بھی، اور اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ**[7]

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کو درجات میں بلند کریگا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ان سے پوری طرح باخبر ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے علم والوں کو ایمان والوں کے ساتھ ذکر کر کے ان کی اہمیت کو مزید واضح طور پر بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور علم میں سے ہر دو کی ترغیب دی، اور اس کا ماحصل نتیجہ بیان فرمایا کہ اس سے درجات بلند ہوتے ہیں اور درجات کو جمع لا کر اس کے فرق مراتب کو بیان کیا۔

علم کی اہمیت پر بے شمار احادیث بھی دلالت کرتی ہیں اور آپ ﷺ نے عملی طور پر اس کیلئے بڑا اہتمام فرمایا، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی طرف متوجہ فرمایا، سب سے پہلے آپ ﷺ کی ان فرمودات کو ذکر کریں گے جو تعلیم و تعلم کی اہمیت پر دال ہیں پھر نظام تعلیم کو ذکر کریں گے۔

فرمودات معلم اعظم ﷺ:

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ**[8]

"جو شخص کسی راستے پر چلا علم کی تلاش میں تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے"۔

حدیث بالا میں آپ ﷺ نے طلب علم کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے، علم حاصل کرنے کیلئے اپنا گھر بار چھوڑتا ہے، اور کسی مدت تک وہ اپنے گھر سے دور رہتا ہے، تو اس کا اجر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔ یعنی علم حاصل کر کے وہ اس راستے پر چلتا ہے جو جنت کا راستہ ہوتا ہے، اور اس کیلئے اس پر چلنا آسان ہوتا ہے۔ اور جب بندہ جنت کے راستے پر گامزن ہو گا تو آخر کار جنت میں داخل ہو جائیگا، اور یہی انسان کی اصل کامیابی اور کامرانی ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ**[9]

"پھر جس کو دوزخ سے دور ہٹا لیا گیا اور جنت میں داخل کر لیا گیا وہ صحیح معنٰی میں کامیاب ہوا"۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جس کو امام ابو داؤدؒ نے ذکر کیا ہے، ایک لمبی چوڑی حدیث شریف: **عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ. فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ، إِنِّي جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَدِيثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ. قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ. وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ. وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ. وَإِنَّ فَضْلَ**

الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ، وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ.[10]

"حضرت کثیر ابن قیس روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا دمشق کی مسجد میں، تو ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا اے ابوالدرداء میں آپ کے پاس مدینۃ الرسول ﷺ سے ایک حدیث لینے آیا ہوں، مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، میں کسی اور حاجت کیلئے نہیں آیا، تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص کسی راستے پر چلے اس حال میں کہ وہ علم طلب کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستے میں سے ایک راستے پر چلا دیتا ہے۔ اور بے شک فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کی مخلوقات مغفرت طلب کرتے ہیں اور پانی کی مچھلیاں، اور بے شک ایک عالم کی فضیلت ایک عابد پر ایسی ہی ہے جیسا کہ چودھویں کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر، اور بے شک علماء انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے وارثین ہیں اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام دینار اور درہم چھوڑ کر نہیں جاتے بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں، تو جس نے علم حاصل کیا اس نے بڑا حصہ حاصل کیا"۔

نظام تعلیم:

اس سے قبل قرآن وحدیث سے علم کی اہمیت اور فضیلت کو بیان کر دیا گیا یہ بطور تمثیل تھا ورنہ قرآن کریم کے متعدد آیات کریمہ اور بے شمار آحادیث مبارکہ سے تعلیم و تعلم کی اہمیت اور فضیلت واضح ہوتی ہے۔

ریاست:

موجودہ زمانے میں دیکھا جائے تو تقریباً تمام ملکوں میں مختلف اقوام، قبیلے اور خاندان زندگی گزارتے ہیں۔ اور ان سب کو ایک ریاست کے بنائے گئے اصول و قواعد کی تحت زندگی گزارنی ہوتی ہیں۔ اور ریاست کا کام ہوتا ہے کہ قومی سطح پر ان کی تمام تر ضروریات وحاجات کا جائزہ لے، اور پھر ان کی ضروریات وحاجات کا سدباب کرے۔ ایک فرد کی انفرادی اور شخصی زندگی سے لے کر ایک خاندان اور فیملی کی اجتماعی زندگی تک، اور ایک خاندان اور فیملی کی زندگی سے لے کر ایک قبیلے کی زندگی تک، اور ایک قبیلے کی زندگی سے لے کر ایک پوری قوم کی زندگی تک ان کے روزمرہ کے جتنے امور ہیں ان کا جائزہ لینا اور ان کی ضروریات وحاجات کا پورا کرنا ایک ریاست کی ذمہ داری ہے۔

چونکہ ریاست کا وجود گویا ان مختلف قبیلوں اور خاندانوں کی وجہ سے ہے۔ اور یہ مختلف قبائل اور خاندانوں نے مل کر ایک ریاست پر اتفاق کیا ہوا ہوتا ہے لہٰذا قومی سطح پر ان کی ضروریات وحاجات کا سدباب ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

تعلیم کی ذمہ داری:

منجملہ: ان ذمہ داریوں میں سے ایک تعلیم کی ذمہ داری بھی ہے۔ تعلیم کسی بھی معاشرے کی فلاح وبہبود اور ترقی کی بنیاد ہے۔ اور تعلیم کے ذریعے اقوام اپنی شناخت برقرار رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر کسی قوم سے تعلیم کا زیور ہٹالیا جائے تو اس قوم کی زندگی محض ایک کھیل تماشہ بن جاتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ قوم چند برسوں میں اپنی شناخت کھو بیٹھتی ہے۔ کیونکہ تعلیم کے ذریعے ہی وہ اپنی روایات وعادات اور اپنی تاریخ ومذہب سے آشنا ہوتی ہے۔ اگر ان چیزوں کو کسی قوم سے ہٹالیا جائے کہ ان کی روایات وعادات کیا ہیں؟ ان سے بھلا دیا جائے۔ ان کی تاریخ کیا ہے؟ مذہب کیا ہے؟ اگر ان کو ان چیزوں سے دور کیا جائے، تو یہ قوم اپنی وجود میں متشکک ہوگی کہ ہم کون ہیں؟ کون تھے؟ اور ہماری تاریخ کیا ہے؟

لہٰذا تعلیم کی افادیت ایک مسلمہ حقیقت ہے جس میں دو رائے نہیں اور تعلیم سے وابستگی ایک ناگزیر عمل ہے۔ چونکہ تعلیم کے ذریعے

سے قوم اپنی روایات وعادات اور اپنی تاریخ ومذہب سے آشنا ہوتی ہے۔ اور یہ تعلیم اس کو سکھارہا ہوتا ہے کہ اقوام عالم میں اس کی حیثیت اور حقیقت کیا ہے؟ وہ کون سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے میری قوم دیگر اقوام سے مختلف ہے؟ لہذا ان امور کے پیش نظر وہ اپنی روایات وعادات سے جڑا رہتا ہے اپنی تاریخ ومذہب سے جڑا رہتا ہے اور اس طرح اس کی قوم دیگر اقوام کے درمیان ممتاز ہوتی ہے۔

چونکہ کوئی بھی معاشرہ اپنے افراد سے مل کر بنتا ہے یعنی اپنے مخصوص افراد کا ایک مجموعہ ہوتا ہے، جو اپنی روایات وعادات کی وجہ سے اپنی جداگانہ شناخت رکھتا ہے۔ لہذا اس معاشرے کے افراد میں سے ہر فرد اہمیت کا حامل ہے اور اس فرد کا اپنی روایات وعادات سے آگاہی ضروری ہے لہذا کسی بھی معاشرے کی تشکیل کے لیے اس کے ہر ہر فرد کی تعلیم ضروری ہے، تاکہ یہ سارے افراد مل کر اپنی شناخت کو برقرار رکھنے کا سبب ہو۔

سیرت طیبہ کے روشنی میں تعلیم کی حقیقت:

سیرت طیبہ کے روشنی میں اس امر کی حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ثابت ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: عن انس ابن مالک۔۔۔ **طلب العلم فریضة**[11]

"حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم طلب کرنا مسلمان کا فرض ہے"۔

حدیث بالا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب علم کو ہر مسلمان کا فریضہ گردانا کہ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ علم طلب کرے۔ لہذا اس حدیث کی روشنی میں تمام مسلمان اس بات کے مکلف ہیں کہ وہ علم حاصل کرے چاہے مرد ہو چاہے عورت، چاہے بڑے ہو چاہے چھوٹے، چاہے اپنے گھر میں حاصل کرے یا اس کے لیے باہر نکلے، چاہے اپنے شہر میں تعلیم حاصل کرے یا اس کے لیے بڑے شہروں کا سفر کرے، غرض ہر صورت میں اس کو چاہیے کہ وہ علم حاصل کرے اس حدیث کے متعلق علماء کرام کی تشریحات موجود ہیں، کہ کتنا علم حاصل کرنا فرض ہے؟

چنانچہ اس حدیث کی تفسیر کے متعلق ابن مبارکؒ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: **لیس هو الذی یظنون انما هو ان یقع الرجل فی شیئ من امور دینه فیسال عنه فیعلمه** "یہ اس میں نہیں ہے جو خیال کرتے ہیں بلکہ بات یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے دین کے امور میں سے کسی میں پڑے اور اس سے اس بابت پوچھا جائے، تو وہ اس کو جانتا ہو"۔

صاحب بیضاوی فرماتے ہیں: **المراد من العلم ما لا مندوحة للعبد منه کمعرفة الصانع والعلم بوحدانیته و نبوة رسوله و کیفیة الصلاة فإن تعلمه فرض عین** "کہ علم سے مراد وہ علم ہے جس سے بندے کو چھٹکارا نہ ہو جیسے کہ باری تعالیٰ کا علم اور اس کی وحدانیت کا، اور انکے رسول کی نبوت کا، اور نماز کی کیفیت کا، کیونکہ اس کا سیکھنا فرض عین ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تدریس:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک شفقت ورحم کا آشکارہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہر ایک کے لیے کھلا رہتا تھا کوئی بھی آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے مستفید ہو سکتا تھا اور علم کے موتی چن سکتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دینے کے لیے مختلف دائرے اور مجالس منعقد فرمائی تھیں۔

ایک دائرہ عمومی تعلیم کا:

جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمومی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ یعنی کسی جگہ صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمومی بیان فرماتے، یا جمعہ کے دن خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عام تعلیم دیتے۔[12]

دوسرا دائرہ خصوصی مجالس کا:

کہ آپ ﷺ خاص لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس کی مثال ہم اصحاب صفہ کی دے سکتے ہیں کہ ان کی تعلیم کا ایک خاص دائرہ تھا جس میں آپ ﷺ ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم دیا کرتے تھے، جو صفہ میں ہوتے تھے اور ان کا مقصد صفہ میں رہنے کا بس یہی ہوتا تھا کہ وہ علم حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپ ﷺ ان کو تعلیم دیا کرتے تھے۔[13]

تیسرا دائرہ خواتین کی تعلیم کا:

آپ ﷺ نے خواتین کی تعلیم کا بھی خصوصی طور پر اہتمام فرمایا تھا، خواتین کی تعلیم وتربیت اس لیے بھی ناگزیر ہے کہ بچوں کی تربیت میں ماں ایک اساس کی حیثیت سے کردار ادا کرتی ہے۔ بچے کے لیے سب سے پہلی تربیت گاہ اس کا اپنا گھر اور سب سے پہلا استاد اس کی ماں ہوتی ہے۔ اگر ماں کی تربیت دین کی تعلیم پر ہوتی ہو تو وہ اپنے بچوں کی تربیت میں بھی دین کا لحاظ رکھے گی۔ اور اس کے اخلاق کس طرح درست ہوں گے؟ اس میں اچھے صفات کس طرح پروان چڑھیں گے؟ اور وہ باہر کے معاشرے کے لیے کس طور پر فائدہ مند ثابت ہو گا؟ یہ ساری چیزیں سب سے پہلے بچہ اپنی ماں سے سیکھتا ہے۔

وہ ایک ہی ہوتی ہے، کہ جو اپنے بچے کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اعلیٰ درجے میں پیدا کر سکتی ہے۔ کہ ماں سے اس کا بچہ جب کھانا مانگتا ہے یا دوسری ضرورت کی کوئی چیز مانگتا ہے تو وہ اپنے بچے سے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے مانگو وہی ہر چیز کا عطا کرنے والا ہے اور نوازنے والا ہے۔ جب بچہ اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو ماں چپ کر کمرے میں اس کی ضرورت کی چیز رکھ آتی ہے اور بچے سے کہتی ہے کہ جاؤ، اللہ نے تمہیں تمہاری چیز دے دی ہے کمرے سے اٹھالو، بچہ کمرے میں جاتا ہے اور اپنی چیز اٹھا لیتا ہے۔ اس طرح اس حیلے سے ماں اپنے بچے کا ایمان اللہ تعالیٰ پر مضبوط کرتی ہے۔

لہٰذا جو تربیت ماں اپنے بچے کا کر سکتی ہے اس درجے میں کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ماں کو اپنے بچے سے بے پناہ محبت ہوتی ہے، جس جذبے اور محبت کے ساتھ ماں ایک کام کر سکتی ہے اس جذبے سے تو کسی اور کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا خواتین کی دینی تربیت کئی وجوہ سے ضروری ہیں اور آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مامور فرمایا تھا اور لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ خواتین ان سے اپنے مسائل پوچھ لیا کریں اور تعلیم حاصل کر لیا کریں۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعلیم اس قدر تھی اور وہ اس قدر فقیہ تھی کہ کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان سے مسائل کا استفسار فرمایا کرتے تھے۔ **عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ فَوَعَظَهُنَّ**[14]

"حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ خواتین نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہماری نسبت مرد آپ سے زیادہ تعلق میں قریب ہیں ہمارے لیے بھی ایک دن خاص فرما دیں، تو آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمایا جس میں آپ ﷺ ان سے ملاقات فرماتے اور ان کو وعظ فرمایا کرتے تھے"۔

تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں خواتین کی تعلیم کو مزید نکھارا گیا اور اس طرف خاص توجہ دی گئی۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے خاص مدرسے قائم کیے تھے جن میں خواتین اپنی ضرورت کے مطابق تعلیم حاصل کیا کرتی تھی۔

اسی طرح قاضی سلیمان منصور پوری نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے

تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے اور اس کے بعد اسے آزاد کردے پھر اسے بیوی بنائے تو اس شخص کو دوچند اجر ملے گا۔[15]

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب العتق میں ذکر کی ہے: **عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَأَعْتَقَهَا، وَتَزَوَّجَهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَأَيُّمَا عَبْدٍ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ، وَحَقَّ مَوَالِيهِ، فَلَهُ أَجْرَانِ**[16]

عہد نبوی میں عورتوں کی مخصوص عائلی تعلیم کا ذریعہ امہات المومنین تھی جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خاص طور پر قابل ذکر ہے جن کو رحمت عالم ﷺ سے انتہائی قرب حاصل تھا۔ اس قرب اور اپنی خداداد صلاحیت کی وجہ سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم، ادب و شاعری اور طب میں بڑا ملکہ حاصل تھا، یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "آدھا علم عائشہ سے حاصل کرو"۔[17]

ازواج مطہرات میں حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ فن آپ ﷺ کے حکم سے شفا بنت عبد اللہ سے سیکھا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا علم قرآن اور علم حدیث کے علاوہ فصاحت و بلاغت اور علم عروض میں ماہر تھی نہایت فصیح و بلیغ تقریر کرتی تھی۔ اور اسی طرح آپ کے خاندان میں حضرت زینب بنت علی کلثوم حضرت سکینہ اور حضرت فاطمہ صغری بھی زیور تعلیم سے آراستہ تھی۔

سطور بالا سے خواتین کی تعلیم کا ناگزیر ہونا واضح ہے، اور آپ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کی مثالیں پیش کی گئی۔ لہذا ایک ریاست کے نظام تعلیم میں خواتین کی تعلیم کو ملحوظ رکھنا ایک ضروری کام ہے اور ریاست کا نظام تعلیم مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کی تعلیم پر بھی مشتمل ہونا چاہیے۔

خواتین کی تعلیم کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ کیا حدود شرعی کو بھی مد نظر رکھا جائے؟ اور ان کی تعلیم بھی حاصل ہو، اس حوالے سے چند سفارشات پیش کی گئی ہیں جس میں لڑکوں اور لڑکیوں کے اختلاط سے بچا جا سکتا ہے۔[18]

جداگانہ نظام تعلیم کے ممکنہ صورتیں:

تعلیم کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

1. لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے الگ الگ بلڈنگ ہو، اور کلاسز بھی علیحدہ ہوں۔
2. بلڈنگ ایک ہو لیکن دونوں کے لیے الگ الگ کلاس روم ہوں، داخل ہونے اور نکلنے کے دروازے اور قضائے حاجت کے مقامات الگ ہوں۔
3. ایک ہی بلڈنگ اور ایک ہی کلاس روم ہو، لیکن طلبہ و طالبات کی نشستوں کے درمیان مستقل دیوار ہو، کہ ایک استاد دونوں کو پڑھا سکے یا آگے لڑکوں کی نشستیں ہوں اور پیچھے لڑکیوں کی نشستیں ہوں باقی آمد و رفت کے راستے الگ الگ ہوں۔

چوتھا دائرہ مواقع خاص کی تعلیم:

خاص موقعوں پر خاص افراد کو انفرادی طور پر تعلیم و تربیت دینا **عُمَرَ بْنَ أَبِي سَلَمَةَ يَقُولُ: كُنْتُ غُلاَمًا فِي حَجْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَتْ يَدِي تَطِيشُ فِي الصَّحْفَةِ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "يَا غُلاَمُ، سَمِّ اللَّهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ". فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِي بَعْدُ** [19]

"عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں بچہ تھا اور آپ ﷺ کی پرورش میں تھا، اور میرا ہاتھ طشت میں حرکت کر رہا تھا تو مجھے

آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچے بسم اللہ پڑھو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ، چنانچہ اب تک میری یہی عادت ہے"

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے تین مقامات پر امام مسلم رحمہ اللہ نے دو مقامات پر امام ابو داؤد رحمہ اللہ امام ترمذی رحمہ اللہ امام کی ابن ماجہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ نے ایک ایک مقام پر اور مسند امام احمد رحمہ اللہ میں سات مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس حدیث شریف میں خصوصی طور پر آپ ﷺ نے عمر ابن ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھانے کے آداب کے متعلق تعلیم دی اور سکھایا کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے، اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا چاہیے، اور اپنے سامنے سے کھانا، کھانا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ پلیٹ میں ہر طرف انسان کا ہاتھ پھر رہا ہو، بلکہ اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔ کیونکہ سارا سالن ایک جیسا ہوتا ہے۔ اس میں مختلف جگہوں سے کھانے کا کوئی مطلب نہیں بنتا، ہاں اگر کسی طشت میں مختلف قسم کی چیزیں ہو تو آپ ﷺ کی بھی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مختلف جگہوں سے کھایا جا سکتا ہے اور مختلف مقامات سے کھانے کی وجہ ظاہر ہے کہ کھانے کی چیزیں ایک قسم کی نہیں بلکہ مختلف قسم کی ہیں۔[20]

پانچواں دائرہ باہر سے آئے وفود کی تعلیم:

باہر سے آئے ہوئے وفود کو تعلیم دے کر ان کو دوبارہ اپنے قبائل میں اور لوگوں کو تعلیم کے لیے بھیجنا، صحرائے عرب اور دیگر علاقوں کے لوگ مدینہ آتے تھے، اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو جاتے تو جو بنیادی دینی تعلیم تھی وہ ان کو دے دی جاتی۔ اس کے علاوہ مزید جو ضروری تعلیم ہوتی وہ بھی یہ حضرات حاصل کر لیتے تھے۔ ان کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ اپنے اپنے قبائل میں جا کر اپنے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے اور جو دینی امور ہیں ان کو بجالانے کا بندوبست کرتے۔[21]

ریاست کا تعلیمی نظام:

ریاست کا تعلیمی نظام مرتب، قابل عمل، اور ہر ایک کے دسترس میں ہونا چاہیے۔ اس کے لیے نصاب مقرر ہو ایسا نصاب جو دینی اور دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو، قابل عمل ہو، کہ اس کا سمجھنا اور مکمل کرنا آسان ہو، اور عام ہو، کہ یہ ہر شخص کے دسترس میں ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے اخراجات کسی کی تعلیم کے حصول سے مانع ہو۔

نصاب تعلیم:

عہد نبوی کا نصاب تعلیم:

بہترین تعلیمی نتائج کے اخذ کے لیے نصاب تعلیم کا مقرر اور طے ہونا ایک ناگزیر عمل ہے۔ کسی بھی ریاست کی تعلیمی سرگرمیوں کی کامیابی میں نصاب تعلیم کا کردار نمایاں ہوتا ہے۔ لہٰذا نصاب تعلیم کے تعیین کے لیے ماہرین تعلیم کی خدمت لی جائے اور ایسا نصاب تعلیم وضع کرنا چاہیے، جو دینی و دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو۔ اور اس میں جدید علوم و فنون کو شامل کیا گیا ہو اور وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ اور آپ ﷺ کے زمانے کا نصاب تعلیم بھی ان تمام ضروریات کو پورا کرنے والا تھا۔ چنانچہ عہد نبوی کے نصاب تعلیم کے حوالے سے غلام عابد خان صاحب لکھتے ہیں:

مخصوص نصابی سرگرمیوں میں مسلمانوں کے لیے قرآن وحدیث کی تعلیم تجوید القرآن، فقہ، علم حیات اور علم الانساب شامل تھے۔ جب اسلامی ریاست کے لیے سفارتی امور کو نبٹانے کی ضرورت پڑی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا حکم بھی دیا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم ملا، اور اسی طرح دوسرے مسلمانوں نے غیر ملکی زبان سیکھی۔ اور ان ممالک میں تبلیغ اسلام کو جاری رکھا۔ یثرب میں یہودیوں کی ایک ایسی درسگاہ جس کا نام بیت المدارس تھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت بھی موجود تھی۔ اس

دانشگاہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عبرانی اور دیگر علوم سیکھنے کا حکم دیا تھا۔ خوش نویسی مسلمانوں کے نصاب میں شامل کی۔ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ بڑے خوش نویس تھے۔ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی شامل تھا، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ علم کے مختلف میدانوں میں بعض صحابہ کرام نے کمال حاصل کیا اور وہ لوگ دوسرے لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے چار بڑے معلمین کو علم کی سند عطا فرمائی۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ سالم مولا حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ اور معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ تعالی عنہ شامل ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کو قرآن کے علاوہ حدیث سکھانے اور احکامات سے استنباط کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی۔[22]

ضروریات انسانی:

ریاست کا نصاب تعلیم مقرر ہونا چاہیے جو ریاست کے افراد کی دنیاوی اور دینی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو۔ دینی طور پر انسان کو جس قدر علم چاہیے ہو اس کو پورا کرنے والا ہو۔ دینی ضروریات میں انسان کے عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت شامل ہیں۔ یعنی اس نصاب کو اس طرح سے ڈیزائن کیا ہوا ہو، کہ اس میں توحید باری تعالی اور رسالت محمد ﷺ پر ایمان سے متعلق مواد شامل ہو۔ اسی طرح عبادات سے متعلق مواد شامل ہو۔ یعنی نماز، روزہ، زکوۃ اور حج سے متعلقہ مسائل کا احاطہ خواہ علم حاصل ہوتا ہو۔ اسی طرح معاملات سے متعلق مواد شامل ہو، یعنی بیع و شراء، کھیتی باڑی وغیرہ سے متعلق مسائل کا علم حاصل ہوتا ہو۔ اسی طرح معاشرت کے بارے میں لوگوں کے ساتھ اور اپنے گھر کے اندر کے لوگوں کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہے، ان لوگوں کے ساتھ اپنے کیا سلوک اختیار کرنا ہے، اس سے متعلق مواد اس نصاب میں شامل ہونا چاہیے۔

قرآن وحدیث ولغت:

سیرت النبی ﷺ کے عمل سے ہمیں پتہ چلتا ہے، کہ آپ ﷺ نے بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ایک نصاب مقرر فرمایا تھا۔ بنیادی طور پر تو نصاب کا محور قرآن پاک تھا، یعنی قرآن کو سمجھنا لوگوں کا مقصد تعلیم ہوا کرتا تھا، پھر خلفائے راشدین کے زمانے میں قرآن کے ساتھ حدیث شریف کا علم بھی شامل نصاب رہا، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں شعر و ادب بھی شامل ہوا۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے وقت کی ضرورت کے پیش نظر دیگر زبانوں کے سیکھنے کی بھی اجازت دی اور اس کا حکم بھی بعض اوقات صادر فرمایا۔ لہذا موجودہ زمانے کے اعتبار سے بھی ریاست اپنے نصاب تعلیم میں ضروری زبانوں کا احاطہ کر سکتی ہے اور یہ ایک مستحسن امر ہے۔

چنانچہ جامع ترمذی کی روایت ہے: **عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِيهِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَعَلَّمَ لَهُ كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ يَهُودَ، قَالَ: "إِنِّي وَاللَّهِ مَا آمَنُ يَهُودَ عَلَى كِتَابِي". قَالَ: فَمَا مَرَّ بِي نِصْفُ شَهْرٍ حَتَّى تَعَلَّمْتُهُ لَهُ. قَالَ: فَلَمَّا تَعَلَّمْتُهُ كَانَ إِذَا كَتَبَ إِلَى يَهُودَ كَتَبْتُ إِلَيْهِمْ، وَإِذَا كَتَبُوا إِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهُ كِتَابَهُمْ**[23]

جدید علوم:

درجہ بالا حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کو تورات سیکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں اس معاملے میں یہودیوں پر اعتماد نہیں کر سکتا کیونکہ یہودیوں کی فریب کاریاں یہاں بھی چلتی رہتی تھیں۔ رجم کے متعلق جب آپ ﷺ کو انہوں نے اپنا فیصل بنایا تھا اور آپ ﷺ نے تورات کا حکم ان سے پوچھا، تو انہوں نے کاٹ پیٹ کر تورات کا حکم آپ ﷺ کو سنایا تھا اور اصل حکم پر انہوں نے ہاتھ رکھ لیا تھا، تو اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ان پر اعتماد نہیں ہے۔ لہذا زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو تورات سیکھنے کا حکم دیا۔ اور

ظاہر ہے کہ تورات عربی میں نہیں ہے تو ضرور زید ابن ثابت نے عبرانی زبان سیکھی ہو گی اور اس کے بعد تورات کو وہ پڑھ سکے ہوں گے۔ چونکہ تورات کی زبان سیکھنا وقت کی ضرورت تھی، لہٰذا آپ ﷺ نے اس کا حکم فرمایا۔ اسی طرح ریاست کے نصاب تعلیم میں جدید علوم کو شامل کرنا چاہیے، کیونکہ یہ بھی وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے سیکھے بغیر کوئی قوم دنیا والوں کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں شریک نہیں ہو سکتی۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ ﷺ نے غزوہ خندق کے موقع پر نہ صرف خندق کا مشورہ سلمان فارسی سے لیا بلکہ اس پر فوراً عمل بھی شروع کیا۔ اب خندق ایک ایسی چیز تھی جو عرب کے لیے نئی اور جدید چیز تھی لیکن چونکہ وقت اور موقع کی ضرورت تھی تو آپ ﷺ نے اسے قبول فرمایا۔ خندق کے حوالے سے حضرت شبلی رحمہ اللہ رقم طراز ہے کہ حضرت نے یہ خبر (تمام کفار عرب کا مدینہ پر چڑھنا) سنی تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقے سے واقف تھے انہوں نے رائے دی کی کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود دی جائے۔ تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے۔

عربی چونکہ قرآن وحدیث کی زبان ہے، لہٰذا اس کے متعلقہ علوم یعنی نحو، صرف، بلاغت ومعانی بھی شامل نصاب ہوں۔ احادیث کی جانچ پرکھ کے لیے فن اسماء الرجال کو شامل کیا جائے۔ قرآن وحدیث اور فقہ وتفسیر کے ساتھ ساتھ تاریخ، فلسفہ، شعر وادب، کتابت وخطابت، نفاست وخوشنویسی وغیرہ شامل نصاب ہو۔ جسمانی ورزش کی خاطر مختلف سرگرمیاں کی جا سکتی ہیں۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے دوڑ، گھڑ سواری اور تیراکی کا اہتمام فرمایا اور نوجوان صحابہ میں اس کے مقابلے کراتے۔

قرآن پاک میں ہے **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ** [24]

"اور (مسلمانو) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے لیے تیار کرو، جن کے ذریعے تم اللہ کے دشمن اور اپنے (موجودہ) دشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لیے کوئی کمی نہیں کی جائے گی"

اس آیت کے ذیل میں مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں: یعنی مقابلہ کی قوت جمع کرو اس میں تمام جنگی سامان اسلحہ، سواری وغیرہ بھی داخل ہیں اور اپنے بدن کی ورزش فنون جنگ کا سیکھنا بھی۔ قرآن کریم نے اس جگہ اس زمانے کے مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ قوت کا عام لفظ اختیار فرما کر اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ قوت ہر زمانے اور ہر ملک ومقام کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ اس زمانے کے اسلحہ تیر، تلوار اور نیزے تھے۔ اس کے بعد بندوق توپ کا زمانہ آیا، پھر اب بموں اور راکٹوں کا زمانہ آگیا۔ لفظ قوۃ ان سب کو شامل ہے، اس لیے آج کے مسلمانوں کو بقدر استطاعت ایٹمی، قوت، ٹینک، لڑاکا طیارے اور آب دوز کشتیاں جمع کرنا چاہیے، کیونکہ یہ سب اسی قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

اصول تدریج:

تدریس میں ذہنی استطاعت کو ملحوظ نظر رکھا جائے، ایسا نہ ہو کہ ایسی چیزیں نصاب میں شامل کر دی جائے، جو پڑھنے والے کے استعداد سے بڑھ کر ہو اور ان کو سمجھنے میں دشواری کا سامنا ہو۔ لہٰذا نصاب تعلیم کی تعیین میں ذہنی استعداد کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح تعلیم وتربیت میں اصول تدریج کو سامنے رکھا جائے، کہ پڑھنے والے درجہ بدرجہ آگے کو بڑھتے جائیں۔ لہٰذا کورس اس طور پر ڈیزائن کیا جائے کہ پہلے کسی بھی فن یا موضوع سے متعلق بالکل ابتدائی بنیادی باتیں پڑھائی جائیں اور پھر سالوں کے اعتبار سے اس بنیادی باتوں میں اضافہ کر دیا جائے، اس کو مزید

وضاحت کے ساتھ پڑھایا جائے، حتیٰ کہ آخری کلاس میں پہنچنے تک پڑھنے والے کو اس موضوع سے متعلق ساری باتیں معلوم ہو چکی ہوں۔

یکساں نظام تعلیم:

ملک خداداد پاکستان میں تعلیم کی ثنویت ایک المیہ ہے، حالانکہ نظام تعلیم یکساں ہونا چاہیے۔ ابتدائی درجات میں ضروری تعلیم کا نصاب مقرر ہو، اور وہ دینی اور دنیوی علوم میں سے ہر ایک کے لیے اساس کا کردار ادا کرتا ہو۔ پھر بعد میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ہر ایک کیلئے تعلیمی جہت متعین کرنے میں آزادی حاصل ہو۔ جو جس فیلڈ کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی رکھتا ہو اس کو اختیار کرے۔ اور یہ اس صورت میں ہو گا جب ابتدائی بنیادی تعلیم یکساں ہو اور وہ دینی و عصری علوم کی ابتدائی ضروری باتوں پر مشتمل ہو۔ کیونکہ سیرت طیبہ کی مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں ایک ہی نصاب تعلیم تھا جو سب کیلئے تھا۔ اور اسکی تعلیم میں کوئی دینی، دنیوی تفریق نہیں تھی۔ بلکہ سارے لوگ ایک ہی نصاب پڑھا کرتے تھے۔

لیکن ہمارے پاکستان کا نظام تعلیم ثنویت کا شکار ہے، جس کی وجہ سے پڑھنے والوں کی دو مختلف قسم کے ذہن کے افراد تیار ہو رہے ہیں۔ جن کا آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہوتا، کوئی ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوتی۔ دینی مدارس کا فاضل جب عصری علوم کے فاضل سے ملتا ہے تو اپنے درمیان ایک بہت بڑی خلا اور فرق محسوس کرتے ہیں۔ اور فرق بھی اس قدر کہ گویا یہ دونوں کسی ایک ملک کے نہیں بلکہ دو مختلف ملکوں کے باشندے ہیں۔ جو ابھی ابھی ایک دوسرے سے ملے ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر محمود احمد غازی یکساں نظام تعلیم کو لازمی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: نظام تعلیم کی یکسانیت اور یکجہتی ملت اسلامیہ کی، یکجہتی اور یک رنگی کے لیے ایک لازمی شرط ہے۔ ایسی ہر صورت میں جس سے مسلمان دو مختلف طبقوں یا ایک سے زائد طبقوں میں تقسیم ہو جائیں وہ طبقے تعلیم کے نام پر قائم کیے جائیں، وہ طبقے کسی کی آمدنی کے نام پر قائم کیے جائیں یا رنگ اور نسل کی بنیاد پر قائم کیے جائیں، ان تمام طبقوں اور ان کی بنیاد پر الگ الگ تعلیمی، دینی اور مذہبی اداروں کا وجود اسلام کے مزاج کے خلاف اور غیر اسلامی ہے۔[25]

طریقہ تدریس سے متعلق آپ ﷺ کا طرز عمل:

- آپ ﷺ سامعین کی اکتاہٹ کا خیال رکھا کرتے تھے اور مناسب وقفوں پر خطاب فرمایا کرتے تھے۔
- آپ ﷺ اصولی تکرار سے کام لیا کرتے تھے تاکہ غبی اور ذہنی استعداد والے لوگوں تک بات پہنچ جائے۔
- آپ ﷺ گفتگو میں سوال اٹھاتے اور سامعین کے سوالات کے جوابات خندہ پیشانی سے دیا کرتے تھے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ**[26]

"اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔ یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے بھی خوب واقف ہے جو راہ راست پر قائم ہیں"

مفت تعلیم:

ایک ریاست کا نظام تعلیم اپنے افراد کے لیے مفت ہونا چاہیے، تاکہ تعلیم کے زیور سے ہر ایک آراستہ ہو سکے، ایسا نہ ہو کہ تعلیمی اخراجات کے پیش نظر کوئی تعلیم حاصل کرنے سے رہ جائے۔ آپ ﷺ نے ہر مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے۔

اور آپ ﷺ نے کتمان علم پر شدید وعید سنائی ہیں۔ آپ ﷺ سے روایت ہے جس کو سنن ابی داود میں ذکر کیا گیا ہے **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ أَلْجَمَهُ اللَّهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**[27]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس سے علم کے متعلق کوئی سوال ہوا اور اس نے چھپایا، تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائے گا" اس حدیث شریف کو امام ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے۔[28]

مذکورہ بالا حدیث شریف سے کتمان علم کی وعید واضح ہے۔ گویا اگر آپ سے کوئی شخص کچھ پوچھتا ہے تو آپ کی شرعی ذمہ داری بنتی ہے کہ آپ اس کو تعلیم دو اور منع نہ کرو۔ اور جب کتمان علم کی ممانعت ہے اور مسلمان کو علم دینا آپ کی شرعی ذمہ داری ہے تو اس تعلیم پر اجرت لینا درست نہ ہوگا بلکہ تعلیم مفت ہونی چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں تو مسلمانوں کے علاوہ جو غیر مسلم تھے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے باقاعدہ ایک نظام تھا، جس میں تعلیمی اخراجات ریاست برداشت کرتی تھی۔ غیر مسلموں کے لیے مختلف مکاتب بنائے گئے تھے، جن میں ان کو تعلیم دی جاتی تھی اور معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھی۔ اس دور میں سرکاری سطح پر قرآن مجید کے علاوہ احادیث، سیرت، غزوات، فقہ، عربی، ادب، علم الاحتساب اور کتابت وغیرہ کی تعلیم مفت ہوتی تھی، اور قرآن کریم کی تعلیم پانے والے طلبہ کے لیے باقاعدہ بیت المال سے وظائف جاری کیے جاتے تھے۔[29]

ریاست کی سطح پر تعلیم کا ایک ایسا نظام تھا کہ اساتذہ کی تنخواہیں بیت المال سے دی جاتی تھی۔ چنانچہ نجی طور پر اساتذہ علم پر معاوضہ لینے سے گریز کیا کرتے تھے اور عام طور پر معاوضہ قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے یزید بن مالک اور حارث بن ابی محمد اشعری رحمہم اللہ کو دمشق معلم مقرر کرکے ان کی تنخواہ مقرر کردی تھی یزید نے تنخواہ قبول کرلی اور حارث نے قبول کرنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ یزید نے جو کچھ کیا اس میں کوئی خرابی نہیں، اللہ تعالیٰ حارث جیسے افراد کثرت سے پیدا کرے۔[30]

رعایا کے تعلیمی اخراجات ریاست کے ذمہ ہیں۔ اس کی ایک مثال ہمیں آپ ﷺ کے زمانے کی اس موقع کی ملتی ہے جب آپ ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کو آزاد فرمالیا تھا۔ کہ جو اپنا فدیہ ادا کر سکتے تھے تو انہوں نے فدیہ ادا کرکے اپنے آپ کو آزاد کردیا تھا۔ اور جن کے پاس فدیہ کی ادائیگی کے لیے کچھ نہ تھا، تو آپ ﷺ نے ان کے ذمہ داری عائد کی تھی کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ اور ہر ایک قیدی کے ذمہ دس بچوں کو لگادیا کہ ان دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے۔ اور یہ گویا ان کا فدیہ ہوگا اور پھر یہ قید رقیت سے آزاد ہوں گے۔

صفی الرحمن مبارکپوری رقم طراز ہے:

بہر حال چونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رائے کے مطابق معاملہ طے ہوچکا تھا، اس لیے مشرکین سے فدیہ لیا گیا۔ فدیہ کی مقدار چار ہزار اور تین ہزار درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک تھی۔ اہل مکہ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے، جبکہ اہل مدینہ لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے۔ اس لیے یہ بھی طے کیا گیا، کہ جن کے پاس فدیہ نہ ہو وہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادے۔ جب یہ بچے اچھی طرح سیکھ جائیں تو یہی ان کا فدیہ ہوگا، اس موقع پر آپ ﷺ نے ان کا فدیہ تعلیم دینا مقرر کیا۔ اور بچوں سے امر تعلیم پر کوئی اُجرت نہ لی گئی، بلکہ ان کی طرف سے اُجرت کی ادائیگی کی گئی۔

لازمی تعلیم:

علم کی افادیت کے پیشِ نظر یہ امر ضروری ہے کہ تعلیم لازمی ہو اور اس میں کوئی کوتاہی قابل قبول نہ ہو۔ جب ریاست اس کے اخراجات برداشت کرے گی تو بہت سے رکاوٹیں تو اس طور پر دور ہو جائیں گی اور تعلیم حاصل نہ کرنے کا جواز کسی کے پاس باقی نہیں بچے گا۔ اس کے علاوہ اگر ذاتی طور پر کوئی شخص کند ذہن ہو تو اس کو اس کی ذہنی سطح کے مطابق تعلیم دی جائے جو ضروریات دین اور دیگر اہم باتوں سے متعلق ہو۔ لیکن کوئی شخص جو بالکل تعلیم حاصل نہ کرے یہ کسی اسلامی معاشرے میں قطعاً قبول نہیں۔ چنانچہ سید عزیز الرحمن لکھتے ہیں: اسلامی ریاست میں تعلیم لازمی اور جبری ہونی چاہیے خواندگی ایسی چیز نہیں کہ جسے عوام کی مرضی پر چھوڑا جاسکے۔ کیونکہ ناخواندہ افراد تو علم رکھتے نہیں ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ سب علم کی اہمیت کا ادراک کرسکے۔ یہ فریضہ تو ریاست کا ہے کہ ان کے سامنے تعلیم کی اہمیت اجاگر کرے اور انہیں حصول علم پر ابھارے خصوصاً اسلامی معاشرے میں ناخواندہ افراد قطعاً قابل قبول نہیں ہیں۔

جبری تعلیم:

جبری تعلیم کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لائحہ عمل کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاص طور پر خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن کریم کی جبری تعلیم کا نظام قائم کیا تھا۔ چنانچہ ابو سفیان نامی ایک شخص کو چند افراد کے ساتھ اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ قبائل میں گھوم پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جس کو قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہروں میں گشتی معلمین مقرر کیے تھے۔ اور وہ راہ چلتے لوگوں کو پکڑتے تھے، ان کے خواندگی کا اندازہ لگاتے تھے اور پھر ناخواندہ شخص کو کسی مکتب میں استاد کی تحویل میں دے دیتے تھے تاکہ وہ قرآن کریم اور دین کی ضروری تعلیم حاصل کرے۔[31]

خلاصہ:

تعلیم کے مسلمہ افادیت کے پیشِ نظر ایک ریاست کی اولین ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری نصاب تعلیم کو یقینی، پُراثر اور مفید بنانے کی بھی ہے۔ اور اس کے لیے ایسا نظام کار ہو جو ریاست کے تمام افراد کو محیط ہو اور تمام افراد کے دسترس میں ہو۔ اور ایسے مواد پر مشتمل ہو جو ریاست کے تمام افراد چاہے وہ کسی بھی مذہب اور قوم سے تعلق رکھتے ہوں کی ضروریات کو بھی پورا کرے۔ اس کا مواد عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ دور جدید کے نئے علوم و فنون کو شامل ہو۔ یہ نظام اپنی بنیادوں میں اسلامی اُصولوں پر قائم ہو۔ اور اسلامی اُصولوں کے ماہرین سے اس کو ترتیب دیا جائے۔ جو اس کے نشیب و فراز سے واقف ہوں اور اس کے رطب و یابس کو سمجھنے والے ہوں، اسلامی عقائد کی ایک کافی تشریح اس میں کی گئی ہو۔

تجاویز و سفارشات

چونکہ تعلیم کا کردار قوموں کی ترقی میں نمایاں ہوتا ہے اور تعلیم کے بغیر کسی قوم کا ترقی کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا ہے۔ اس لیے ایک ریاست کو اس کے لیے ایسے اقدامات کرنے چاہیے جو ٹھوس ہوں اور یقینی ہو۔ اس کے لیے چند سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

- نظام تعلیم ایسا ہو جو تمام ضروریات کو محیط ہو، دینی ضروریات اور دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے والا ہو۔
- ایسا نظام تعلیم ہو جو ریاست کے تمام افراد کے دسترس میں ہو اور سب کے لیے تعلیم حاصل کرنا آسان سے آسان تر ہو۔
- نظام تعلیم یکساں ہو، اس میں ابتدائی بنیادی درجات میں تفریق نہ ہو۔

- نصاب کی ترتیب کے وقت ذہنی سطح کو ملحوظ نظر رکھا گیا ہو، ایسا نہ ہو کہ لوگ اس کو سمجھنے سے قاصر ہو۔
- نصاب میں درجہ بندی کی گئی ہو، درجہ بدرجہ کسی فن کو ابتداء سے انتہا تک پہنچایا گیا ہو۔
- تعلیم مفت ہونا چاہیے یا اس قدر فیس ہو کہ ہر ایک کی گنجائش کے مطابق ہو کہ کوئی بھی تعلیم سے محروم نہ رہے۔
- خواتین کی تعلیم ضروری ہو اور نظام تعلیم کا ایک لازمی حصہ ہو۔
- بنیادی تعلیم جبری ہو، ہر ایک کو بنیادی تعلیم دینے میں ریاست ٹھوس اقدامات کرے۔
- نصاب تعلیم میں جدید علوم وفنون کو شامل کیا جائے اور عصر حاضر کے تقاضوں سے یقینی طور پر ہم آہنگ کیا جائے۔
- جسمانی ورزش سے متعلق سرگرمیاں شامل نصاب ہو۔
- غیر اسلامی یا غیر اخلاقی مواد اور سرگرمیوں سے اجتناب کیا جائے۔

حوالہ جات:

1. سورۃ الزمر، آیۃ: 9
2. سورۃ البقرہ، آیۃ: 269
3. معارف القرآن جلد اول صفحہ 641
4. صدر الدین اصلاحی، مولانا، اسلام ایک نظر میں، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1990ء
5. سورۃ نمبر 3 آل عمران آیت نمبر 164
6. سورۃ فاطر، آیۃ: 28
7. سورۃ المجادلہ، آیۃ: 11
8. جامع الترمذی: باب فضل طلب العلم، جلد 4، صفحہ 385
9. سورۃ آل عمران، آیۃ: 185
10. سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم، جلد: 4 صفحہ 39
11. سنن ابن ماجہ: المقدمۃ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، جلد 1 صفحہ 214
12. عہد نبوی میں مذہبی تعلیم کے رجحانات کا تحقیقی مطالعہ، اسلام آباد، اسلامکس، جلد 02، شمارہ 01.
13. عہد نبوی میں مذہبی تعلیم کے رجحانات کا تحقیقی مطالعہ، اسلام آباد، اسلامکس، جلد 02، شمارہ 01.
14. البخاری، کتاب العلم، جلد: 1، صفحہ: 31
15. رحمۃ للعلمین: جلد اول، طبع ششم، صفحہ 355
16. کتاب: العتق، باب العبد اذا احسن عبادۃ ربہ و نصح سیدہ، جلد: 3، صفحہ: 149، حدیث: 2547
17. عہد نبوی کا نظام تعلیم، ناشر عوامی کتب خانہ، صفحہ 109
18. عہد نبوی میں مذہبی تعلیم کے رجحانات کا تحقیقی مطالعہ، اسلام آباد، اسلامکس، جلد 02، شمارہ 01.
19. أخرجه البخاري في "صحيحه"، كتاب الأطعمة باب التسمية على الطعام والأكل باليمين (7/ 68)، رقم (5376).
20. عہد نبوی میں مذہبی تعلیم کے رجحانات کا تحقیقی مطالعہ، اسلام آباد، اسلامکس، جلد 02، شمارہ 01.
21. عہد نبوی میں مذہبی تعلیم کے رجحانات کا تحقیقی مطالعہ، اسلام آباد، اسلامکس، جلد 02، شمارہ 01.
22. عہد نبوی کا نظام تعلیم ایک تاریخی تحقیقی مطالعہ عوامی کتب خانہ صفحہ نمبر 77-78
23. أخرجه الترمذي في "الجامع"، أبواب الاستئذان والآداب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم باب ما جاء في تعليم السريانية (4/ 439)، رقم (2715).
24. سورۃ نمبر 8 الانفال آیت نمبر 60
25. پاکستان میں اسلامی نظام تعلیم کا جائزہ، پشاور اسلامیکس، جلد 11 شمارہ 2، جولائی-دسمبر 2020
26. سورۃ نمبر 16 النحل آیت نمبر 125
27. أخرجه أبو داود في "السنن"، كتاب العلم باب كراهية منع العلم (4/ 45)، رقم (3658)
28. أخرجه ابن ماجه في "السنن"، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه (1/ 243)، رقم (266)
29. الفاروق / صفحہ 442-451

30. مجلہ تعلیم / انسٹیٹیوٹ اف پالیسی اسٹڈیز اسلام اباد / شمار نمبر ستر پاکستان میں تعلیم اور نجی شعبہ / مضمون پروفیسر سید محمد سلیم تعلیم فی سبیل اللہ کا صفحہ نمبر 88

31. سید عزیزالرحمن نبوی اور آج کے زندہ مسائل صفحہ 126

8

مقالہ نگار: صدام حسین
لیکچرر ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز
یونیورسٹی آف بلوچستان کوئٹہ

تعارف:

تعلیم کو ہر مذہب اور معاشرے میں اہمیت دی جاتی ہے، تعلیم ہی کے ذریعے کسی بھی معاشرے کی ترقی اور فکری و نظریاتی سوچ تشکیل پاتی ہے اور تعلیم ہی کے ذریعے ایک صحت مند معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے ایک اسلامی ریاست کا نظام تعلیم اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ دور حاضر میں زندگی کے ہر پہلو میں اور علوم و فنون میں پہلے سے کہیں زیادہ وسعت آگئی ہے۔ اور ایک ہی وقت میں کئی نظام تعلیم موجود ہیں۔ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے اثرات کی وجہ سے مسلم معاشرہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے کمزور ہوتا جارہا ہے۔ لہذا نظام تعلیم میں ان عناصر کو رد کرنے ہوں گے جو منفی اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ اس صورتحال سے نکلنے کے لیے ایک ایسے تعلیمی نظام کی ضرورت ہے جو دور حاضر کی معاشرتی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن و سنت کی روشنی میں نظام تعلیم تشکیل دیا جائے۔

اسلام میں تعلیم کی اہمیت:

اسلام کی نظر میں تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام سے قبل تعلیم ایک خاص طبقے کے لیے تھی، اسلام وہ دین ہے جس نے بلا امتیاز امیر و غریب کے تعلیم کو کسی خاص طبقے کے لیے خاص نہیں کیا بلکہ ہر عام و خاص کے لیے تعلیم لازم قرار دی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔ (1)

"علم کی طلب ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

انسانیت کی معراج علم ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو علم کی بنیاد پر ملائکہ پر فوقیت دے کر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ علم ہی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے، اور علم والوں کے دل میں ہی خشیت الٰہی ہوتی ہے۔ علم انسان کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ علم کو اللہ تعالیٰ نے نور، ہدایت، اور روشنی قرار دیا ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ۔ (2)

"اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔ اور نہ اندھیرے اور روشنی (برابر ہو سکتے ہیں)۔"

اسلام کے آنے سے پہلے اور بعد کے ادوار کا جائزہ لیا جائے، تو مختصر وقت میں جو انقلاب آیا یقیناً اس کے پیچھے نظام تعلیم کا بہت بڑا کردار ہے۔ اسلام نے ایک ایسا منظم، کامل اور فطری نظام تعلیم عطا کیا، جس نے چند سالوں میں اندھیروں کو روشنی میں بدل دیا۔ نہ صرف خود کو بدلا بلکہ دوسری تہذیبوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا۔ اسی نظام تعلیم کو حضور اکرم ﷺ نے دوسروں کے لیے نمونہ قرار دیا، فرمایا:

وعن ابي سعيد الخدري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الناس لكم تبع وإن رجالا يأتونكم من اقطار الارض يتفقهون في الدين فإذا اتوكم فاستوصوا بهم خيرا (3)

"سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" : بے شک لوگ تمہارے تابع ہیں، کیونکہ لوگ دین

میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے زمین کے اطراف و اکناف سے تمہارے پاس آئیں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ خیر و بھلائی کے ساتھ پیش آنا۔"

تعلیم کی طرف رغبت:

اسلام نے تعلیم کی ترغیب دے کر مسلمانوں کے دلوں میں تعلیم کی ایسی تڑپ اور شوق پیدا کیا کہ بہت سے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں تعلیم کے لیے وقف کر دیں اور اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تعلیم کو بنا دیا۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

کن عالماً او متعلماً ولا تکن ثالثاً۔(4)

"عالم بن جاؤ یا متعلم بن جاؤ تیسرا کوئی کام نہ کرو۔"

حضور نبی اکرم ﷺ نے تعلیم کی ترغیب کے ساتھ عملی اقدامات بھی اٹھائے، اور مال و دولت سے زیادہ تعلیم کو اہمیت دی۔ حضور ﷺ کا تعلیم میں دلچسپی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کو مال و دولت کا فدیہ دینے کی بجائے مسلمانوں کو تعلیم دینے کا کہا گیا۔(5)

نظام تعلیم کی اہمیت:

ہر معاشرہ اپنا نظام تعلیم تشکیل دیتا ہے، جو چند اصول و ضوابط کو مد نظر رکھ کر بنایا جاتا ہے۔ نظام تعلیم کی حیثیت ایک رہبر و رہنما، انسانی دماغ اور ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتی ہے، جو کسی بھی معاشرے کو منزل تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ جس معاشرے کا نظام تعلیم جتنا منظم، مربوط اور بامقصد ہوتا ہے وہ قوم اتنی جلدی ہی اپنی منزل پالیتی ہے۔

موجودہ دور میں مغربی نظام تعلیم رائج ہے اور اسی نظام تعلیم کو اور انہی کے نصاب تعلیم کو کامیابی کا ضامن سمجھا جاتا ہے۔ مغربی نظام تعلیم کا بنیادی مقصد صرف دنیاوی زندگی گزارنے کے لیے مال و اسباب کا حصول ہے جو اسلامی نظام تعلیم کی روح کے برعکس ہے۔ سید ابو الحسن علی ندوی نے نظام تعلیم کو از سر نو ترتیب دینے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس نظام تعلیم کو از سر نو ڈھالا جائے اور اس کو امت مسلمہ کے عقائد، زندگی کے نصب العین، مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے، اور اس کے تمام اجزاء سے مادیت، خدا سے سرکشی، اخلاقی و روحانی قدروں سے بغاوت اور جسم و خواہشات کی پرستش کی روح اور اسپرٹ کو ختم کیا جائے، اور اس کے بجائے تقویٰ، انابت الی اللہ، آخرت کی اہمیت اور فکر، اور پوری انسانیت پر شفقت کی روح اس میں جاری و ساری کر دی جائے۔"(6)

اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی مقاصد:

اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی عناصر کو قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ سے بہتر انداز میں سمجھا جاسکتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ(7)

"اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔"

آیات کی تلاوت:

نبوت کے چار بنیادی فرائض میں سے پہلا فرض تلاوت آیات کو قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کا بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے۔ آیات کی تلاوت سے جہاں علوم کے بیش بہا اسرار و رموز سے آگاہی میسر آئے گی وہاں متعلم کا اپنے خالق سے تعلق بھی مضبوط ہو جائے گا۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بے

شمار نشانیاں مضمر ہیں، اسی وجہ سے قرآن مجید کی بہت ساری آیات میں کائنات کے مطالعہ کا حکم دیا گیا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔(8)

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقلوں والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔"

اسلامی تعلیمات میں تفکر و تدبر کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ غور و فکر سے ہی سوچ کے دروازے کھلتے ہیں۔ موجودہ نظام تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو تفکر و تدبر سے زیادہ رٹنا اور یادہانی کو معیار کامیابی و ناکامی بنا دیا گیا ہے، طلبہ کو عقل استعمال کرنے اور سوچ بچار کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔ اگر کوئی طالبعلم غور وفکر کرکے سوال پوچھے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔

تزکیہ نفس:

تعلیم کا دوسرا مقصد طلباء کی کردار سازی، تعمیر شخصیت، اخلاقی و روحانی تربیت اور تزکیہ نفس ہے۔ یعنی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ ان کے قلبی میلانات منکرات کی بجائے حسنات کی طرف ہوں۔ اور انسانی شخصیت کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جن احکامات پر عمل کرنے کا حکم دیا، ان پر عمل کرے، اور جن اعمال سے منع فرمایا ان سے رکے رہیں۔ موجودہ دور میں تربیت کے دعوے دار تو سارے ادارے ہیں، لیکن عملی طور پر تربیت کا فقدان ہے۔ ہمارے موجودہ نصاب تعلیم میں اسلامی تعلیمات نہ ہونے کے برابر ہیں جن تعلیمات کے تناظر میں سیرت و کردار سازی کی جاتی، اس کے برعکس اخلاقیات کو بگاڑنے والے ذرائع دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔

کتاب کی تعلیم:

کتاب سے مراد قرآن و حدیث کے بنیادی علوم کو سیکھنا، ان علوم کی باریکیوں اور نزاکتوں سے آگاہی حاصل کرکے قواعد و ضوابط بنانا۔ پھر جدید حالات اور تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان اصولوں سے مسائل کا حل تلاش کرنا، نئے قوانین تشکیل دینا، اور تحقیق کے ذریعے نئی جہتیں تلاش کرنا۔

حکمت کی تعلیم:

اسلامی نظام تعلیم کا مقصد اپنے ماننے والوں میں حکمت و دانائی، فہم و فراست، تحقیق و تخلیق، دوراندیشی اور بصیرت جیسی خصوصیات پیدا کرنا ہے، تاکہ معلومات کی روشنی میں اپنی فہم و فراست، حکمت و بصیرت اور ذہنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے جدید مسائل کا حل تلاش کرسکیں اور ہر میدان میں تحقیق کرکے ایجادات و تخلیقات کرسکیں۔ قرآن مجید میں حکمت کی اہمیت کے بارے میں فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔(9)

"وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کردیتا ہے اور جسے دانائی عطا ہوگئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔"

اعلیٰ مقاصد کا تعین:

کوئی بھی کام مقصد کے تعین کے بغیر فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔ جس عمل کا مقصد اور منزل جتنا عظیم اور واضح ہوگا وہ مقصد اتنا ہی سود مند ثابت ہوگا۔ ہر ریاست کے نظام تعلیم کے پیچھے کچھ مقاصد کارفرما ہوتے ہیں اور وہ مقاصد کسی بھی قوم کے عقائد، نظریات اور تہذیب و تمدن کو مد نظر رکھ کر تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ اسلام کا مقصد تعلیم یہ ہے کہ مظاہر کائنات پر غور و فکر کرکے خالق کائنات کی کبریائی اور صفات پر ایمان پختہ ہو جائے اور اشیاء کے مقصد تخلیق کو سمجھ کر اللہ کی رضا کے لیے اور انسانیت کے فائدے کے لیے استعمال کرنا، اپنے اخلاق اور روحانیت کو پروان چڑھانا، تاکہ ایک کامیاب انسان اور پاکیزہ و پرامن معاشرہ قیام عمل میں آئے۔ اور ایسے علم سے دور رہنا چاہیے جو انسان کے لیے فائدہ مند نہ

ہو۔ حضور ﷺ ایسے علم سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے جو نفع بخش نہ ہو۔

اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع (10)

"اے اللہ ایسے علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو نفع نہ دے۔"

جو لوگ دنیاوی مفادات مال و دولت اور ریاکاری کے مقصد سے علم حاصل کرتے ہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ **من تعلم علما مما یبتغی بہ وجہ اللہ عز وجل لا یتعلمہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ ریحھا۔** (11)

"حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ایسے علم کو جس سے اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے صرف دنیا کے چند ٹکوں کے لیے حاصل کرتا ہے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکتا۔"

مجیب الرحمٰن ندوی تعلیم کی مقصدیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج علم کی مقصدیت فوت ہو چکی ہے، علم ایک تجارت بن گیا ہے، اس کی حقیقی معنویت سے انسان عاری ہو گیا ہے، آج خالص مادی نظامہائے تعلیم اور اداروں نے انسان کو جملہ اقدار سے آزاد ایک پیشہ ور حیوان بنا دیا ہے، جو صرف مادیت کے لیے جیتا اور صبح و شام مادیت کے نت نئے بت تراشتا ہے، اور اس کی قربان گاہ پر ہر چیز بے جھجک چڑھاتا ہے، ضرورت ہے کہ آج اس مفقود شعور کو بیدار کیا جائے کہ علم کوئی پیشہ یا ہنر نہیں ہے، بلکہ انسانی زندگی کی شاہ کلید، زندگی کے صحیح سلیقہ، اعلیٰ اخلاقی اقدار و روایات، حیات انسانی کی نجات کے اصولوں کو جاننے کا نام علم ہے۔"(12)

دور حاضر میں تعلیم کا مقصد صرف مال و دولت اور عہدہ و رتبہ کا حصول سمجھ لیا گیا ہے۔ موجودہ تعلیمی نظام طلبہ کو مقصد حیات یا مشن نہیں دیتا، ہمارا موجودہ نظام زندگی کا کوئی نصب العین نہیں دیتا جسے مد نظر رکھتے ہوئے نوجوان نسل اپنے ذاتی مفادات کی قربانیاں دے سکیں، اپنے ضمیر کو زندہ رکھ سکیں، اپنی اندر اخلاقی جرات پیدا کر سکیں اور اپنے کردار کو پاک صاف بنا سکیں۔

تہذیب وثقافت کا تحفظ:

ہر نظریاتی قوم اور ریاست کی اپنی کچھ مخصوص اقدار اور روایات ہوتی ہیں، ان بنیادی نظریات کا تحفظ ریاستی استحکام اور بقاء کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ان نظریات کی بنیاد ریاست کے اعتقادات، تہذیب وثقافت، شعائر اور دینی و مذہبی روایات پر ہوتی ہے۔ ان نظریات اور اقدار کے تحفظ اور انتقال کا سب سے مؤثر ذریعہ تعلیم ہے۔ ریاستی نظریات پر مختلف اطراف سے حملے ہوتے رہتے ہیں ان نظریاتی محاذوں کی حفاظت ہمیشہ تعلیم یافتہ افراد کرتے ہیں۔ ریاست کو چاہیے اپنے نظریاتی اقدار کے تحفظ کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیمی پالیسی تشکیل دے۔ اسلام کی الگ تہذیب و ثقافت ہے جس کی حفاظت کرنا اور اگلی نسلوں تک پہنچانا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

تعلیم دینا ریاست کی ذمہ داری:

ریاست ایک سربراہ اور نگران کی حیثیت رکھتی ہے، جو اپنی رعایا کی محنت سے کمائی ہوئی دولت سے ٹیکس کی صورت میں کچھ رقم وصول کرتی ہے، جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ریاست اس ٹیکس کے بدلے رعایا کا تحفظ فراہم کرے گی اور اسے زندگی کی بنیادی سہولیات مہیا کرے گی۔ تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے، تعلیم کے لیے انتظامات کرنا ریاست کی آئینی ذمہ داری ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے سربراہ کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

عن رضي الله عنهما، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: الا كلكم راع، وكلكم مسئول عن رعيته، فالإمام الذي على الناس راع، وهو مسئول عن رعيته، والرجل راع على اهل بيته، وهو مسئول عن رعيته، والمرأة راعية على اهل بيت زوجها وولده، وهي مسئولة عنهم، وعبد الرجل راع على مال سيده، وهو مسئول عنه، الا فكلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته.(13)

"حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے (روز قیامت) اپنی اپنی رعیت کے بارے میں سوال پوچھا جائے گا۔ ایک مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے، اس سے اس کی رعایا کے بارے سوال ہو گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے، اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا۔ غلام اپنے آقا کا مال کا نگران ہے، وہ اس کے بارے میں جوابدہ ہے۔ سنو تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا۔"

بچوں کی لازمی تعلیم:

حصول تعلیم کے لیے کوئی عمر مختص نہیں ہے لیکن بچپن کی عمر تعلیم کے لیے بے حد موزوں سمجھی جاتی ہے۔ بچوں کی تربیت اور اخلاق و کردار کی نشو نما بچپن میں ہی ہوتی ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اسلامی نظام تعلیم میں بلا امتیاز عمر و جنس کے مرد و عورت پر تعلیم فرض کی گئی جس پر غیر آج بھی عمل کر رہے ہیں اور وہاں تعلیم حاصل کرنا سب پر لازم ہے، لیکن اہل اسلام نے تعلیم کو اہمیت نہیں دی اس لیے زوال کا شکار ہو گئے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے:

"بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے نقش بر آب۔"(14)

اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی تعلیم کے لیے تمام سہولیات مہیا کرنے کے ساتھ والدین پر لازمی قرار دیں، کہ وہ اپنے بچوں کو ہر صورت میں تعلیم دلائیں، اور ایک منظم نظام کے تحت ان بچوں کی نگرانی کریں۔ بچوں کی تعلیم والدین کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

حق الولد على الوالد ان يعلمه الكتابة، والسباحة والرمي۔(15)

"والد کے اوپر یہ فرض ہے کہ اولاد کو تعلیم دے اور تیر اکی و تیر اندازی سکھائے۔"

رسول اللہ ﷺ نے والدین کو بچوں کی تربیت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"کسی باپ نے اپنے بیٹے کو اچھے اخلاق سے بہتر کوئی دولت نہیں بخشی"(16)

تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی ایسی تربیت کرنی چاہیے کہ وہ اس پر عمل بھی کریں۔ احکامات پر عمل کروانے کے لیے حضور ﷺ کی یہ حدیث ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کی ترغیب دیں اور دس سال کی عمر میں ڈانٹ کر نماز پڑھوائیں۔(17)

مفت تعلیم:

انسان کے لیے جتنا کھانا پینا ضروری ہے تعلیم بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ تعلیم ہر شہری کی بنیادی ضرورت ہے، اس ضرورت کو پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ دور دراز علاقوں میں بنیادی سے لے کر اعلیٰ سطح تک تعلیمی اداروں کا قیام، طلباء کے لیے قیام و طعام کا اہتمام کرنا۔ دور حاضر

میں اسلامی مدارس میں تعلیم آج بھی مفت دی جاتی ہے۔ طلباء کے لیے تعلیم، قیام اور طعام کا انتظام کیا جاتا ہے لیکن دنیاوی تعلیم دن بدن مہنگی اور کاروبار کا ذریعہ بنتی جارہی ہے۔ تعلیم کو مکمل طور پر کمرشلائز کر دیا ہے، جہاں تعلیمی اداروں کی بنیاد مال کمانا ہوتا ہے اور تعلیم حاصل کرنے والوں کا مقصد بھی صرف مال کا حصول بن گیا ہے۔ ایسے نظام تعلیم سے صرف مالدار اور امراء ہی فیضیاب ہوسکتے ہیں، غریبوں کی دسترس سے تعلیم کا حصول مشکل ہوتا جارہا ہے، لہٰذا ریاست کو ایسا نظام تعلیم مرتب کرنا چاہیے جہاں امیر وغریب کے لیے تعلیم کے مواقع یکساں اور عام ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور میں امیر وغریب کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ مختلف وفود مدینہ میں تشریف لاتے تھے اور صحابہ کرام ان کو مفت میں اسلام کی تعلیمات سکھاتے تھے۔

وفد عبد القیس بیان کرتا ہے: "انصار ہمیں ہمارے پروردگار کی کتاب اور ہمارے نبی کی سنت کی تعلیم دیتے تھے۔"(18)

تعلیمی اداروں کا قیام:

اشاعت تعلیم کے لیے تعلیمی اداروں کا جال بچھانا اور دور دراز علاقوں میں تعلیمی ادارے قائم کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے حالات اور وسائل کے مطابق مکہ میں دار ارقم اور مدینہ میں صفہ نامی ادارے قائم کیے۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے ہر جگہ ادارے بنانا ممکن نہیں تھا، تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ تعلیم یافتہ صحابہ کرام کو مختلف علاقوں کی طرف بھیجتے، تاکہ ان کی دہلیز پر تعلیم کو پہنچایا جاسکے۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: "رسول کریم ﷺ اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ کر دیتے تاکہ وہ اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں، جس کے بعد وہ مدینہ واپس آجاتے۔"(19)

دور حاضر میں ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہر علاقے میں آبادی کے مطابق ہر سطح کے تعلیمی ادارے پرائمری، مڈل، ہائی سکولز، کالجز اور یونیورسٹیوں کا قیام یقینی بنائے۔ بچوں اور بچیوں کے لیے الگ الگ سکول کا قیام اور ان سکولوں میں قابل اساتذہ کی تقرری کی جائے۔ دور دراز علاقوں میں جہاں تعلیمی ادارے کم ہوں وہاں ٹرانسپورٹ کی سہولیات مہیا کر کے طلباء کے لیے حصول تعلیم کو آسان بنانا ریاست کی بنیادی اور آئینی ذمہ داری ہے۔

جز وقتی تعلیم کا اہتمام:

مختلف مصروفیات، ذمہ داریوں اور مجبوریوں کے پیش نظر بہت سے لوگ کل وقتی تعلیم حاصل نہیں کر پاتے، تو ریاست کو چاہیے ایسا نظام بنائے کہ کوئی شہری علم سے محروم نہ رہے۔ ریاست اپنے وسائل کو استعمال کرتے ہوئے ان لوگوں کے لیے جز وقتی کورسز تشکیل دے، اس میں طلباء کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی مجبوریوں اور وقت کا خیال رکھا جائے، تاکہ ہر شخص علم حاصل کر سکے۔ اور ایسے لوگوں کے لیے فنی کورسز بھی تشکیل دیئے جاسکتے ہیں جو کم وقت میں کسی بھی کام میں مہارت پیدا کر سکتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ ایسے لوگوں کے لیے تعلیم کا اہتمام کیسے کرتے تھے اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کتانی لکھتے ہیں:

كان يعلم كل من يتعاطى عملا احكامه وتكاليفه۔(20)

"آپ ﷺ ہر اس شخص کو جو کوئی کام کرنا چاہتا تھا، اس کے بارے میں شرعی حکم اور شرعی ذمہ داری کی تعلیم دیتے تھے۔"

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دور میں "صفہ" میں دو طرح کے منہج تعلیم مروج تھے۔ ایک وہ لوگ جو چند دنوں کے لیے تشریف لاتے، عقائد وفقہ کے ضروری مسائل سیکھ کر چلے جاتے تھے اور دوسرے وہ لوگ تھے جو مستقل طور پر وہیں رہائش پذیر تھے اور دن رات

تعلیم حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔(21)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صرف تعلیم پر نہیں لگایا، بلکہ معمولات زندگی بھی اعتدال کے ساتھ چلتے رہیں، لوگ اپنے گھر یلو کام کاج بھی کرتے تھے تجارت بھی کرتے تھے سفر بھی کرتے اس کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیم بھی جاری رکھتے تھے۔ ریاست مدینہ میں تعلیمی اداروں کا نظام العمل اس طرح مرتب کیا گیا تاکہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ فائدہ حاصل کر سکیں۔ امام بخاری ایک روایت نقل کرتے ہیں:

عن عمر قال: كنت انا وجار لى من الانصار فى بنى امية بن زيد وهى من عوالى المدينة كنا نتناوب النزول على رسول الله ﷺ فينزل يوما، وانزل يوما، فاذا نزلت جئت بخبر ذالك اليوم من الوحى وغيره واذا نزل فعل مثل ذالک۔(22)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں اور بنی امیہ بن زید کا میرا ایک انصاری پڑوسی تھا جو کہ عوالی مدینہ کا رہنے والا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باری باری ہم لوگ اس طرح حاضر ہوتے کہ ایک دن وہ آتے، اور ایک دن میں آتا تھا جب میں آتا تھا اس دن کا سبق اپنے ساتھی کو بتا دیتا تھا اور جب انکی باری ہوتی وہ آتے تو مجھے بتا دیتے۔"

ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفيه ان الطالب لايغفل فى امر معاشه ليستعين على طلب العلم، مع اخذه بالحزم فى السوال عما يقوله يوم غيبته۔(23)

"اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کو ذریعہ معاش سے غفلت نہیں ہوتی تھی کہ حصول علم میں سہولت ہو، نیز اپنی غیر حاضری کے دن والے درس کی معلومات پوری سنجیدگی و توجہ کے ساتھ اپنے ساتھی سے حاصل کرتا تھا۔"

ریاست کو چاہیے، دور جدید کے جدید ذرائع انٹرنیٹ کو استعمال میں لاتے ہوئے آنلائن کورسز ترتیب دے تاکہ وہ لوگ جو باقاعدہ تعلیم کے لیے وقت نہیں نکال پاتے، وہ اپنے گھر اور کاروبار کی جگہ پر بیٹھ کر تعلیم حاصل کر سکیں۔

تعلیمی اداروں کی نگرانی کا نظام:

تعلیمی اداروں کے قیام کے ساتھ ان کی سخت نگرانی بھی ضروری ہے۔ ریاست خرچہ کر کے تعلیمی ادارے تو قائم کر لیتی ہے لیکن بعد میں ان کی صحیح طریقے سے نگرانی نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے سکول کیٹل فارم بن جاتے ہیں اور سالوں سال اساتذہ سکول نہیں جاتے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تعلیمی اداروں کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔ مستدرک حاکم میں مسلمانوں کے پہلے تعلیمی ادارے دار ارقم کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان النبى ﷺ يسكن فيها فى اول الاسلام، وفيها يدعو الناس الى الاسلام۔(24)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں اسی مرکز میں رہتے، لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔"

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی ذمہ داریاں لگاتے تھے جو دوسرے صوبوں میں جا کر تعلیم کا معیار چیک کرتے تھے اور ان تعلیمی اداروں کی نگرانی کرتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے:

"معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے صوبہ وار درسگاہوں کا معیار تعلیم بلند کرنے کے لیے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظم تعلیمات مقرر کیا تھا۔ جو مختلف اضلاع و تعلقات میں دورہ کر کے وہاں کی تعلیم اور درسگاہوں کی نگرانی کرتا تھا۔"(25)

ذریعہ تعلیم مقامی زبان:

علم کو منتقل کرنے کے مختلف ذرائع ہیں، زبان ایک بنیادی ذریعہ تعلیم ہے، جسے مدنظر رکھے بغیر تعلیم موثر ثابت نہیں ہو سکتی۔ تعلیم کے

لیے سب سے بہترین ذریعہ مقامی زبان ہوتی ہے، لیکن ہمارے ہاں علوم کی بجائے دوسروں کی زبان کو سمجھنے میں زیادہ زور دیا جاتا ہے اور مخصوص زبانوں کے جاننے کو علم کا معیار سمجھا جاتا ہے، حالانکہ زبان ایک ذریعہ ہے، علم اور چیز ہے۔ دوسری زبانوں میں تعلیم دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہی زبان بن جاتی ہے، جس کی وجہ سے طلباء اصل مقصد حاصل نہیں کر پاتے۔ دوسری زبانیں سیکھنے میں حرج نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی عربی کے علاوہ دوسری زبانیں سیکھی جاتی تھیں لیکن ذریعہ تعلیم مقامی ہوتا تھا۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

قال زید بن ثابت: قال لی رسول اللہ ﷺ تحسن السریانیہ، انها تاتینی کتب، قال: قلت: لا، قال فتعلمتها فی سبعة عشر یوماً۔(26)

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم سریانی جانتے ہو، میرے پاس کچھ مکتوب سریانی زبان میں آتے ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ نہیں جانتا ہوں، حضرت زید فرماتے ہیں کہ پس میں نے سریانی زبان کو سترہ دنوں کے اندر سیکھ لیا۔"

دور جدید میں دنیا گلوبل ویلج بن چکی ہے، پوری دنیا کے لوگوں کا آپس میں واسطہ پڑتا رہتا ہے، اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے یا دنیاوی معاملات چلانے کے لیے دوسری زبانوں کی ضرورت بھی پڑتی ہے، تو ان ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسری زبانیں سکھانے کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔

نصاب تعلیم قومی مقاصد سے ہم آہنگ:

نصاب تعلیم، نظام تعلیم کی روح ہوتا ہے۔ نصاب کی قومی مقاصد سے ہم آہنگی اور دور جدید کے تقاضوں سے مطابقت بے حد ضروری ہے جو متعلمین کو اس قابل بنائے کہ وہ اس ترقی یافتہ دور میں معاشرتی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکیں۔ نصاب تشکیل دیتے ہوئے خواتین کے مزاج اور صلاحیتوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ ایسا نصاب تشکیل دیا جاسکے جو ان کی عملی زندگی میں معاون و مددگار ثابت ہو سکے۔

پاکستان ایک مذہبی اور نظریاتی ریاست ہے، نصاب تعلیم کو تشکیل دیتے ہوئے اسلامی اقدار و روایات کو مد نظر رکھا جائے تاکہ تعلیم کے ذریعے اسلامی معاشرے کا قیام وجود میں لایا جائے۔

جدید مضامین کی درجہ بندی:

اسلام نے صرف دینی علوم کے حصول پر زور نہیں دیا بلکہ دنیاوی علوم کے حصول کی ترغیب و ترہیب دی، کیونکہ انسانی زندگی کے مختلف پہلو ہیں ان تمام پہلوؤں کے بارے میں علم و تحقیق کر کے جملہ ضروریات کو پورا کیا جاسکے، اور انسانوں کے لیے آسانیاں پیدا کر کے ارتقاء کی منازل کو طے کیا جاسکے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مختلف علوم سیکھنے کا حکم دیا، علم الانساب سیکھنے سے متعلق فرمایا:

تعلموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم۔(27)

"کہ سلسلہ نسب کا علم حاصل کرو، تاکہ تمہارے درمیان محبت بڑھے۔"

علم المیراث سیکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

عن ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا ابا ھریرۃ تعلموا الفرائض وعلموھا فإنه نصف العلم۔(28)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" :ابوہریرہ! علم فرائض سیکھو اور سکھاؤ، اس لیے کہ وہ علم کا آدھا حصہ ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جس میں آپ نے اپنے دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف علوم سیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوہریرہ

روایت کرتے ہیں:

تعلموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم ثم انتهوا، وتعلموا من العربية ما تعرفون به کتاب الله ثم انتهوا، وتعلموا من النجوم ما تهتدون به فی ظلمات البر والبحر ثم انتهوا۔(29)

"فرمایا کہ تم علم الانساب بھی اتنا سیکھو جس سے رشتہ داریوں کو پہچان کر حق ادا کر سکو، پھر رک جاؤ، اتنی عربی زبان بھی سیکھو جس سے قرآن فہمی پیدا ہو، پھر رک جاؤ، اتنا علم نجوم بھی حاصل کرو جس سے خشکی تری کے راستے معلوم کر سکو پھر رک جاؤ۔"

تعلیم میں میرٹ کا لحاظ رکھنا:

موجودہ تعلیمی نظام میں جانچنے کا معیار امتحانات میں حاصل کردہ نمبرز، ڈگریاں، ظاہری شکل وصورت اور چرب زبانی ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام میں اس آدمی کے لیے کوئی جگہ نہیں جو عملی اور معاشرتی طور پر ماہر، قابل اور تخلیق کار ہو، بلکہ رشوت، سفارش اور اقربہ پروری کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے لوگ تعلیم میں محنت کی بجائے تعلقات بنانے اور مال و دولت کے ذریعے نوکری حاصل کرنے کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

تربیت یافتہ اساتذہ کی تقرریاں:

معلم کے لیے سب سے ضروری اپنے مضمون پر مہارت رکھنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ طریقہ تدریس کا بہتر ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ تدریس ایک فن ہے جو ہر کسی کو نہیں آتا۔ اساتذہ کی تقرریاں کرتے ہوئے رشوت اور سفارش کی بجائے ماہر اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو صحیح معنوں میں طلباء کو علم پہنچا سکیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ مختلف علاقوں کی طرف صحابہ کرام کو معلم بنا کر بھیجتے تھے جو دور دراز علاقوں میں جا کر دین اسلام کی تبلیغ کرتے اور علم پھیلاتے تھے۔ مدینہ کے وفد کی خواہش پر جب ایک معلم کو مدینہ کی طرف بھیجنا تھا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو منتخب کر کے مدینہ بھیجا اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

بعث رسول الله ﷺ معهم مصعب بن عمير رضی الله عنه وأمره ان يقرئهم القرآن، ويعلمهم الاسلام، ويفقههم فی الدين۔(30)

"رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ مصعبؓ بن عمیر کو روانہ فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں، اسلام کی تعلیم دیں اور دین کی بصیرت اور صحیح سمجھ پیدا کریں۔"

محمد عبدالمعبود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"جن لوگوں کو حضور انور ﷺ نے معلم ومدرس کی حیثیت سے تعینات فرمایا تھا ان میں سیدنا ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، جنہیں مدینہ طلب کیا اور لوگوں کو تحریر و کتابت کا فن سکھانے پر مامور فرمایا۔(31)

معلم کو ان تمام خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے جو بحیثیت معلم نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں پائی جاتی تھیں۔ اور ریاست کو چاہیے کہ اساتذہ کی تقرری کا ایسا شفاف طریقہ اختیار کرے جس میں قابل اساتذہ کا انتخاب ممکن بنایا جا سکے اور ایسے معلمین کا انتخاب کیا جائے جو شعبہ تدریس کو مجبوری کے طور پر نہ اپنا رہے ہوں بلکہ شوق اور جذبے کے تحت پڑھانا چاہتے ہوں۔

اساتذہ کے لیے ٹریننگ:

حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی تمام انسانیت کے لیے اور ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ آپ ﷺ کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔ ایک استاد کی ٹریننگ کے لیے نبی اکرم ﷺ کے طریقہ تدریس میں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں جن سے رہنمائی لے کر آج کا

استاد بھی اپنے طرزِ تدریس کو موثر اور فائدہ مند بنا سکتا ہے۔ حضور ﷺ دورانِ تدریس مختلف طریقوں سے تعلیم دیتے، جیسے عملی طریقہ سے تعلیم و تربیت دینا، باہم گفتگو اور سوال جواب کے ذریعے تعلیم دینا، بچنگ ایڈ کے طور پر نقشوں کا استعمال بھی کرتے تھے، باڈی لینگویج اور اشاروں کا استعمال فرماتے تھے اور مشکل باتوں کو سمجھانے کے لیے مثالوں سے واضح فرماتے تھے جیسے بخاری شریف میں حدیث ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول: ارایتم لو ان نھرا بباب احدکم یغتسل منہ کل یوم خمس مرات، ھل یبقی من درنہ شیء؟ قالوا: لا یبقی من دونہ شیء ،قال: فذالک مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ بھن الخطایا۔(32)

"حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو تمہارا کیا خیال ہے اگر کسی شخص کے دروازہ پر نہر جاری ہو، اور وہ دن میں پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو، کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: ایسے شخص کے جسم پر کچھ بھی گندگی نہیں ہوگی، تب آپ ﷺ نے فرمایا: بس یہی مثال دن میں پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالی اس کے ذریعہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔"

کوئی بھی شخص استاد پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اسے استاد بنایا جاتا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے طریقہ تدریس سے رہنمائی لیتے ہوئے اساتذہ کی جدید طرز پر ٹریننگ کی جائے۔ اور اساتذہ پر لازم کیا جائے کہ ہر دو تین سال بعد وہ لازمی طور پر ٹریننگ میں حصہ لیں تاکہ وہ اپنی تدریس کو اپڈیٹ اور موثر بنا سکیں۔

ابو الحسن ندوی لکھتے ہیں:

"ایک تو یہ کہ استاد کو فنِ تعلیم سے فطری مناسبت اور خداداد ذوق ہو، وہ معلم پیدا ہوا ہو، اور اگر وہ معلم پیدا نہیں ہوا تو کم از کم اس نے اپنے موضوع سے اتنی مناسبت پیدا کرلی ہو کہ اس کو انگلی پکڑ کر چلانے کی ضرورت نہ ہو۔"(33)

امتحانی نظام میں اصلاح:

نظامِ تعلیم میں امتحانات ایک جزو ہیں جو پورے نظام کے نتیجہ سے آگاہ کرتا ہے۔ دورِ جدید میں نظامِ امتحانات کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی ہے اسی کی بنیاد پر کسی بھی تعلیم یافتہ شخص کے تعلیمی معیار کو جانچا جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں ہمارا امتحانی نظام دن بدن بگڑتا جا رہا ہے، اس میں بھی بدعنوانی، رشوت، اقربہ پروری اور بددیانتی عام ہو گئی ہے، جس کی وجہ سے طلباء محنت کی بجائے رشوت اور بدعنوانی کا سہارا لیتے ہیں۔ ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے کہ نظامِ امتحانات پر نظرِ ثانی کرے اور ایک ایسا منظم لائحہ عمل طے کرے جس میں نقل، رشوت اور بدعنوانی کا بالکل خاتمہ ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے دور میں امتحانات اگرچہ پرچہ کی صورت میں نہیں لیے جاتے تھے لیکن مختلف اوقات میں آپ ﷺ سوال جواب کے ذریعے صحابہ کرام کے علم اور صلاحیت کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقھا وإنھا مثل المسلم، فحدثوني ما هي؟ فوقع الناس في شجر البوادي، قال عبد اللہ: ووقع في نفسي انها النخلة، ثم قالوا: حدثنا ما هي يا رسول اللہ؟ قال: هي النخلة.(34)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے سوال کیا، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے کبھی کسی موسم میں نہیں جھڑتے، وہ اپنی سدا بہاری و شادابی اور افادیت میں مسلمان کی طرح ہے، لوگ جنگل کے مختلف درختوں پر غور کرنے لگے کہ ایسا کون سا

درخت ہے، میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، صحابہ نے عرض کیا، اللہ کے رسول آپ ہی ارشاد فرمادیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔"

عورتوں کی تعلیم کا اہتمام:

ایک کامیاب معاشرے کے لیے خواتین کی تعلیم ضروری ہے۔ عورت معاشرے کا آدھا حصہ ہے، عورت کے بغیر کوئی بھی معاشرہ نامکمل سمجھا جاتا ہے۔ کسی بھی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں عورتوں کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر حضور نبی اکرم ﷺ نے خواتین کے لیے علیحدہ علمی مجالس کا اہتمام کیا۔

خواتین کی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے ازواج مطہرات کی تعلیم کا خصوصی انتظام کیا، جو عورتیں لکھنا پڑھنا جانتی تھیں ان کی ذمہ داری لگائی کہ وہ ازواج مطہرات کو تعلیم دیتی رہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور نبی اکرم ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے حضرت شفاء بنت عبد اللہ سے پڑھا کرتی تھیں تو شادی کے بعد حضور ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پڑھاتی رہیں۔ (35)

اسی طرح حضور ﷺ نے لونڈیوں کی تعلیم و تربیت کا حکم بھی دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ابو بردة، انه سمع اباه عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ثلاثة يؤتون اجرهم مرتين الرجل تكون له الامة، فيعلمها فيحسن تعليمها، ويؤدبها فيحسن ادبها، ثم يعتقها فيتزوجها فله اجران۔(36)

"ابوبردہ نے بیان کیا' انہوں نے اپنے والد (ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین طرح کے آدمی ایسے ہیں جنہیں دوگنا ثواب ملتا ہے۔ اول وہ شخص جس کی لونڈی ہو' وہ اسے تعلیم دے اور تعلیم دینے میں اچھا طریقہ اختیار کرے' اسے ادب سکھائے اور اس میں اچھے طریقے سے کام لے' پھر اسے آزاد کرکے اس سے شادی کرلے، تو اسے دہرا اجر ملے گا۔"

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ریاست مدینہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کی ترغیب دی، ان کی تعلیم کا اہتمام کیا اور بنفس نفیس خود ان کو تعلیم دیتے رہے۔ ان روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے علیحدہ تعلیم کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اسلامی ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے عورتوں کے لیے علیحدہ طور پر سکول، کالج اور یونیورسٹیاں بنائے جہاں عورتوں کے مزاج کے مطابق انہیں مضامین پڑھائے جائیں۔

امام بخاری نے ایک باب قائم کیا "باب عظة الامام النساء و تعلیمهن" حافظ ابن حجر نے اس کی تشریح کرتے ہوئے تعلیم کو امام وقت (حاکم) کی ذمہ داری قرار دیا ہے، کہ اجتماعی طور پر عورتوں کی تعلیم کا اہتمام کرے:

نبه بهذه الترجمة على ان ما سبق من الندب الى تعليم الاهل، ليس مختصا باهلهن، بل ذالك مندوب للامام الاعظم و من ينوب عنه۔(37)

"اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ خواتین کی تعلیم و تربیت کا استحباب صرف اپنے ہی گھر والوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ یہ مسلمانوں کے ذمہ دار و امام کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ عورتوں کی تعلیم وعظ کا انتظام کرے۔"

عورتوں کو مختلف فنون کی تعلیم:

عورتوں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اگرچہ باپ، شوہر اور بھائی پر ہوتی ہے، لیکن کچھ صورتوں میں عورتوں کو خود کمانے کی ضرورت پڑ

جاتی ہے۔اس وجہ سے عورتوں کو ایسے فنون سکھانے چاہیں جنہیں اسلامی حدود اور پردے میں رہتے ہوئے اپنے ہنر کو استعمال کر کے اپنی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

عہد نبوت میں بہت سی خواتین کا ذکر ملتا ہے جو مختلف فنون میں مہارت رکھتی تھیں۔ حضرت رفیدہ اسلمیہ فن طب وجراحی میں ماہر تھیں اور مدینہ میں ان کا دواخانہ مشہور تھا۔ شفاء بنت عبد اللہ عہد نبوت کی ان خواتین میں سے ہیں جو فن کتابت، طب اور رقیہ میں مشہور تھیں۔ حضرت شفاء ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو مختلف فنون سکھاتی تھیں۔ پہلے آپ نے حضرت ام المومنین کو فن تحریر سکھایا پھر ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا:

دخل علي النبي ﷺ، وأنا عند حفصة، فقال لي: ألا تعلمين هذه رقية النملة كما علمتيها الكتابة۔(38)

"شفاء بنت عبد اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور میں حفصہ کے پاس تھی، پس مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اسے مرض نملہ کے جھاڑ پھونک کی تعلیم کیوں نہیں دیتی، جس طرح تم نے انھیں لکھنے کی تعلیم دی ہے؟"

اسی طرح عورتوں کو جہاں دینی علوم، اور روزمرہ کے دینی مسائل کی تعلیم دی جاتی تھی، اس کے ساتھ ان کو فنون بھی سکھائے جاتے تھے جیسے گھریلو صنعتیں اور چرخہ کاتنا وغیرہ۔

دینی اور دنیاوی تعلیم میں تفریق کا خاتمہ:

اسلام کے اوائل ادوار میں دیکھا جائے تو اس وقت دینی اور دنیوی علوم میں کوئی تفریق نہیں پائی جاتی تھی، بلکہ ایک ہی مدرسہ میں دونوں طرح کی تعلیم دی جاتی تھیں اور ایک ہی شخص مختلف علوم میں مہارت رکھتا تھا۔ لیکن دور حاضر میں دونوں علوم کو ایک دوسرے کے مخالف کھڑا کر دیا گیا ہے۔ علماء مدارس تک محدود رہ گئے اور دنیوی علوم حاصل کرنے والے کالج اور یونیورسٹی تک محدود رہ گئے۔ اس کا نقصان یہ ہوا، کہ کالج اور یونیورسٹی کے طلباء نے دنیاوی علوم کے ساتھ جو رہنمائی اسلام سے لینی تھی وہ اس سے محروم رہ گئے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ ہماری پوری کی پوری تعلیم بیک وقت دینی بھی ہو اور دنیاوی بھی۔ دنیوی اس لحاظ سے کہ ہم دنیا کو سمجھیں اور دنیا کے سارے کام چلانے کے قابل ہوں اور دینی اس لحاظ سے کہ ہم دنیا کو دین ہی کے نقطہ نظر سے سمجھیں اور دین کی ہدایت کے مطابق اس کا سارا کام چلائیں۔"(39)

تعلیمی اداروں میں تحقیق:

کسی بھی معاشرے کی سمت کا تعین تعلیم یافتہ شخصیات اور تعلیمی ادارے کرتے ہیں، بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں تحقیق کا رجحان نہیں ہے، لیکن جتنا رجحان تھا اس میں بھی دن بدن کمی آتی جارہی ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وسائل کی کمی ہے اور دوسرا ترجیحات کی تبدیلی ہے۔ ریاست کو وسائل فراہم کر کے اپنی سرپرستی میں نئے نئے زاویوں پر تحقیق کروانی چاہیے۔

قرآن مجید میں بھی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ۔(40)

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔"

ہم نصابی سرگرمیوں کا اہتمام:

نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ہم نصابی سرگرمیاں بھی جسمانی، ذہنی اور روحانی صحت کے لیے بے حد ضروری ہیں۔ ریاستی سرپرستی میں تعلیمی اداروں میں غیر نصابی سرگرمیوں کا باقاعدہ انتظام ضروری ہے۔ آج کل نوجوان نسل موبائل اور انٹرنیٹ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے آؤٹ ڈور سرگرمیوں سے دور رہنے لگی ہے۔

حضور ﷺ کے دور مبارک میں مختلف غیر نصابی سرگرمیوں کا خصوصی انتظام کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ باقاعدہ صحابہ کرام کو تیر اندازی، نشانہ بازی، نیزہ بازی، دوڑ اور شہسواری کی ترغیب دیتے تھے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ کچھ نوجوانوں کو تیر اندازی کرتے دیکھا تو فرمایا:

ارموا یا بنی اسماعیل، فان اباکم کان رامیاً۔(51)

"بنی اسماعیل تیر اندازی سیکھو، تمہارے باپ اسماعیل تیر انداز تھے۔"

نظام تعلیم میں جامعیت:

انسان کا واسطہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے پڑتا ہے، جب تک ان شعبہ جات کی تعلیم اور عملی تربیت نہ ہو انسان سماجی، معاشی اور سیاسی ترقی نہیں کر پاتے، اس لیے ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جس میں جامعیت پائی جاتی ہو۔ ایسا نظام تعلیم ترتیب دینے کی ضرورت ہے جو سیاسیات، معاشیات اور معاشرت میں ترقی کا ضامن ہو۔

حضور ﷺ نے ایسا نظام تعلیم تشکیل دیا جس میں ہر شعبہ میں تربیت کی گئی۔ اور ایسے افراد تیار کیے جنہوں نے زندگی کے ہر میدان میں چاہے وہ دفاع کا میدان ہو یا دین و مذہب کا، سماجیات کا میدان ہو یا سیاسیات و اقتصادیات کا، ہر میدان میں کامیابی کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دیں۔

سفارشات:

1۔ اسلامی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا نظام تعلیم تشکیل دیا جائے جو دور حاضر کے فکری و نظری، سماجی و معاشی اور سیاسی و دینی مسائل کو حل کر سکے۔

2۔ ریاستی نصب العین، معاشرتی و مذہبی اور تہذیبی و ثقافتی اقدار و روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے نظام تعلیم تشکیل دینا چاہیے۔

3۔ ریاست مدینہ کے نظام تعلیم و تربیت کے نتیجے میں مدینہ میں امن و امان، عدل و انصاف، حسن اخلاق، بھائی چارہ، احترام انسانیت و آدمیت اور اتحاد و اتفاق قائم ہوا، جو آج بھی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

4۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے دور میں نظام تعلیم کی بنیاد اعلیٰ مقاصد پر تھی۔ تعلیم کا مقصد معرفت الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول، اخلاق و کردار اور شخصیت کی تعمیر اور صراط مستقیم کی تعلیم دی جاتی تھی، جبکہ دور حاضر میں تعلیم تو ہے لیکن مقصدیت سے خالی ہے اگر مقصد ہے بھی تو صرف مادی مفادات تک محدود ہیں۔ لہٰذا طلباء کو اعلیٰ مقاصد کے لیے تیار کرنا چاہیے۔

5۔ دور حاضر میں تعلیم اور تعلیمی ادارے بہت ہیں لیکن عمل کا فقدان ہے۔ لہٰذا تعلیم کے ساتھ طلباء کے اخلاق و کردار کی تربیت اور سیرت النبی ﷺ کے مطابق تعمیر شخصیت کی جائے۔

6۔ اسلام کے نظریہ، علم کی وسعتوں اور ہمہ گیریت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک جامع نظام تعلیم تشکیل دینے کی ضرورت ہے جو ہر شعبہ زندگی کے افراد کی اسلامی تعلیمات کے مطابق رہنمائی کر سکے۔

7۔ ریاستی سطح پر تعلیم کو حتی المقدور سستا اور مفت بنانا چاہیے، تاکہ ہر شہری تعلیم حاصل کر سکے۔

8۔ نصاب تعلیم اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل دینا چاہیے، اساتذہ کی تقرریاں میرٹ پر ہونی چاہیے، اساتذہ کے لیے ٹریننگ کا انتظام کر کے جدید طریقہ تدریس سکھانے چاہئیں۔ نظام امتحانات کو سفارش، رشوت اور نقل سے پاک کرنا چاہیے۔ اور تعلیمی اداروں میں تحقیق کے رجحان کو بڑھانا چاہیے۔

خلاصہ کلام:

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے جسے اسلام نے بہت اہمیت دی اور علم والوں کو فضیلت سے نوازا۔ علم کی ترویج کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے عملی طور پر جو اقدامات کیے وہ آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک مکمل نظام تعلیم دیا ہے جو تعلیمات نبوی ﷺ کی صورت میں آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ آج ہمارا تعلیمی نظام مکمل طور پر زوال کا شکار ہے۔ دور حاضر میں تعلیم کا مقصد مال و دولت اور عہدہ و شہرت کا ذریعہ سمجھ لیا گیا ہے۔ تعلیم کو مہنگا اور محدود کر دیا گیا ہے جہاں تک ہر شہری کی رسائی ممکن نہیں ہے۔ نصاب تعلیم اسلامی اصولوں اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں، تعلیمی اداروں میں تحقیق کے رجحان میں کمی پائی جاتی ہے۔ نظام امتحانات میں اور اساتذہ کی تقرریوں میں میرٹ کی بجائے سفارش اور رشوت کا کلچر عام ہے۔ اساتذہ کی ٹریننگ اور تعلیمی اداروں کی نگرانی پر ریاست کی طرف سے خاص توجہ نہیں دی جاتی، خواتین کو علوم و فنون کے حصول میں بہت سے رکاوٹوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ تعلیم دینا ریاست کا بنیادی فرض ہے اور ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ اسلامی ریاست کو چاہیے کہ سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوئے ایسا نظام تعلیم ترتیب دے اور ایسی پالیسیاں بنائے جو انفرادی اور اجتماعی طور پر ملک و قوم کی ترقی کا سبب بنیں۔

حوالہ جات

1۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار الرسالہ العالمیہ، 2009ء، حدیث:224، ج:1، ص:151

2۔ الفاطر، 21:34، 33

3۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1996ء، حدیث:2650 ج:4، ص:887

4۔ متقی الہندی، کنز العمال، حدیث:2872

5۔ احمد بن محمد بن حنبل، مسند احمد، عالم الکتب، بیروت، ج1، ص247

6۔ ندوی، سید ابو الحسن علی، نظام تعلیم (مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت) 2012ء، سید احمد شہید اکیڈمی یوپی، ص:34

7۔ البقرۃ:2:151

8۔ آل عمران، 3:190

9۔ البقرہ، 2:269

10۔ نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، دار الرسالہ العالمیہ، حدیث:5472، ج:8، ص:177

11۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب العلم، 2009ء، دار الرسالہ العالمیہ، ج:5، ص:505، حدیث:3665

12۔ ندوی، مجیب الرحمٰن عتیق، معلم انسانیت کا نظام تعلیم وتربیت، ص:118، نعمانی پرنٹنگ پریس، لکھنؤ، 2017ء

13۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، 2012ء، قاہرہ: دار التاصیل، حدیث نمبر:7137، ج:9، ص:171

14۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار، بیروت، ج:2، ص:164

15۔ شعب الایمان للبیہقی، حقوق الاولاد والاھلین، مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع بالریاض، ج:11، ص:136

16۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1996ء، حدیث:1952، ج3، ص503

17۔ ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، حدیث:495، ج:1، ص:133

18۔ احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، 2001ء، موسسہ الرسالہ، ج:3، ص:432

19۔ ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام تعلیم، ص:11

20۔ الکتانی، السید محمد عبد الحیی، نظام الحکومۃ النبویہ، دار ارقم بیروت، س ن، ج:1، ص:16

21۔ نعمانی، علامہ شبلی، سیرۃ النبی، ج:2، ص:89، دار المصنفین اعظم گڑھ

22۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب العلم، ج:1، ص:261، حدیث:89

23۔ عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، مکتبۃ السلفیہ، ج:2، ص:45

24۔ حاکم نیشاپوری، محمد بن عبد اللہ، مستدرک حاکم، تذکرہ ارقم بن ارقم، ج:3، ص:502

25۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ طبری اردو، ج:2، واقعات 11ھ، یمن کے عمال

26۔ احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، 2001ء، موسسہ الرسالہ، حدیث:21587، ج:35، ص:463

27۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1996ء، حدیث: 1979، ج: 3، ص: 521

28۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، 2001ء، دار الرسالہ العالمیہ، حدیث: 2719، ج: 4، ص: 23

29۔ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین، کنز العمال، حدیث: 39162، ج: 10، ص: 225

30۔ ابن ہشام، السیرہ النبویہ، العقبۃ الاولیٰ ومصعب بن عمیر، ج: ۳، ص: ۷۴

31۔ عبد المعبود، عہد نبوی میں نظام تعلیم، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور، ص: 30

32۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، 2012ء، قاہرہ: دار التاصیل، حدیث نمبر: 533، ج: 1، ص: 538

33۔ ندوی، سید ابو الحسن علی، نظام تعلیم (مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت) 2012ء، سید احمد شہید اکیڈمی یوپی، ص: 74

34۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، 2012ء، قاہرہ: دار التاصیل، حدیث نمبر: 62، ج: 1، ص: 236

35۔ بلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، 1988ء بیروت: دار و مکتبۃ الہلال، ص: 458

36۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، 2012ء، قاہرہ: دار التاصیل، حدیث نمبر: 3027، ج: 4، ص: 160

37۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، 1390ھ، مکتبہ سلفیہ، حدیث: 98، ج: 1، ص: 192

38۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب العلم، 2009ء، دار الرسالہ العالمیہ، حدیث: 3887، ج: 4، ص: 204

39۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، اسلامی نظام تعلیم، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ص: 14،

40۔ الحجرات، 6:49

41۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، 2012ء، قاہرہ: دار التاصیل، حدیث نمبر: 2916، ج: 4، ص: 101

9

مقالہ نگار: محمد عبداللہ

عنوان: ریاست کی بنیادی اصطلاحات کا مختصر جائزہ

1۔ ریاست:۔

کسی تسلیم شدہ جغرافیائی اکائی کا خود مختار سیاسی تشخص، کسی مخصوص جغرافیائی رقبے کے سیاسی طور پر منضبط لوگوں کی تسلیم کردہ سب سے بڑی تمدنی ہیئت، سرداری، امارت، راج، عمل داری، حکومت (1)۔ ریاست کی بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کا دامن عفو و درگزر سے بھرا ہوا ہوتا ہے بالکل آغوشِ مادر کی طرح، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی جغرافیائی حدود کے اندر ہر طبقہ فکر پر اپنی عملداری Rit قائم کرتی ہے اور اسے تسلیم کرواتی ہے، مشہور ضرب المثل ہے "ریاست بے ریاست نہیں ہوتی۔ یعنی حکومت کے لیے رعب اور عمل داری لازم ہے (2)۔

2۔ نظام تعلیم:۔

i۔ نظام: (System) ایک مربوط اور مستحکم طرزِ عمل کو جو منصوبہ بندی، حکمت عملی اور عمل داری کو ہر زاویے اور پہلو سے یقینی بنائے، نظام کہتے ہیں۔

ii۔ تعلیم: لغت کے اعتبار سے تعلیم کا مادہ (ع ل م) ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کا ادراک کرنا۔ اس سے باب تفعیل میں تعلیم آتا ہے۔ تعلیم کے معنی بار بار اور کثرت کے ساتھ بتانے کے ہیں تا کہ متعلم کے ذہن میں یہ راسخ ہو جائے (3)۔ انگریزی زبان کا لفظ Education لاطینی لفظ Edex بمعنی نکالنا اور Ducer-Duc بمعنی رہنمائی سے ماخوذ ہے۔ لفظی طور پر اس کے معنی معلومات کا جمع کر دینا اور مخفی صلاحیتوں کو نکھارنا۔ اصلاً یہ لفظ معلومات فراہم کرنے اور متعلم کی مخفی صلاحیتوں کو نکھارنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ کسی چیز کو جاننا، پہچاننا، حقیقت کی گہرائی کا ادراک کرنا، یقین پختہ حاصل کرنا، محسوس کرنا، محکم طور پر معلوم کر لینا۔

تعلیم کا مفہوم:۔

تعلیم کے مفہوم کے حوالے سے ابن منظور لسان العرب میں کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ **"العلم نقیض الجهل علم علماً و علم هو نفسه"** (4) علم جہالت کی ضد ہے، علم کے معنی سیکھنے سکھانے کے ہیں اور اپنے نفس کو جاننا ہے۔

جبکہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ **"العلم ادراک الشی، بحقیقة و ذلک ضربان، احدهما ادراک ذات الشی ء و الثانی الحکم علی الشی ء بو جود شی ء هو موجود له اونفی شی ء هو منفی عنه** (5)"۔ "علم کسی چیز کی حقیقت کے جاننے کا نام ہے اور علم کی دو اقسام ہیں، ان میں سے ایک چیز کا جاننا ہے اور دوسرا کسی شے پر حکم لگانا جو اس کی موجودگی کا باعث ہو وہ اس کے لیے موجود ہو یا کسی شے کا انکار جو اس کی نفی کرتا ہو"۔ اسی طرح امریکہ کے ایک معروف ماہر لسانیات علم کے مفہوم کو جاننے کے ساتھ اسے ارتقائی عمل کا بھی نام دیتے ہیں۔

"Development in knowledge, skill, ability or character by teaching, training, study or experience (6)"

"علم جاننے، آگاہی تعلیم و تربیت مطالعہ تجربے کے ذریعے معلومات، مہارت، صلاحیت و استعداد یا سیرت کے ارتقاء کا نام ہے"۔ اس خوبصورت تعبیر و تشریح کے بعد معلومات کو نسلوں کی آبیاری اور ترقی کے لیے اہل سمجھ کی سعی قرار دیتے ہوئے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مصنف کہتے ہیں۔

"It denotes an attempt on the part of the adult members of human society to shape the development of

the coming generation in accordance with its own ideals of life.(7)"

"علم کسی انسانی معاشرے کے سمجھ بوجھ رکھنے والے افراد کی ان کوششوں کا نام ہے جو وہ اپنے تصورات حیات کے مطابق آنے والی نسل کی ترقی کی تشکیل میں مثال بنتے ہیں"۔ سفیان بن عیینہ اپنے الفاظ میں عالم اور جاہل کی تعریف کو کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں **اجهل الناس من ترک مایعلم، واعلم الناس من عمل بمایعلم** (8)

انسانوں میں سب سے بڑا جاہل وہ ہے جو وہ جانتا ہو اس پر عمل نہ کرے اور انسانوں میں سب سے بڑا عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل پیرا ہو۔ علم کا مفہوم نہ صرف آگہی ہے بلکہ انسانی زندگی میں تبدیلی بھی اس کے ضمن میں آتا ہے۔ دین کی منشاء یہ ہے کہ علم عمل کے سانچے میں ڈھلے اور ایک مثبت تبدیلی ابھار کر ہو جو معاشرے میں نہ صرف بطور مثال واضح ہو بلکہ علمی ارتقاء کے میدان میں معاشرتی انقلاب کی راہ بھی ہموار کرے۔

3۔ سیرت النبیاء: اہل لغت نے سیرت کے یہ معنی بیان کیے ہیں:

۱۔ جانا، روانہ ہونا، چلنا	۲۔ طریقہ و مذہب	۳۔ شکل و صورت	۴۔ ہیئت
۵۔ حالت	۶۔ کردار	۷۔ کہانی	۸۔ سنت
۹۔ عادت	۱۰۔ طرز زندگی	۱۱۔ پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کا بیان وغیرہ	

عربی لغت کی مشہور اور مستند کتاب تاج العروس کے مطابق: السیرۃ بالکسر: الطریقۃ والھیئت (9)۔ سیرت (س کی زیر کے ساتھ) طریقہ و ہیئت (حالت) کو کہتے ہیں۔ اسی طرح المنجد کے مطابق سیرت (اس کی جمع سیر) ہیئت، سنت، طریقہ، مذہب کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے (10)۔

لفظ سیرت دراصل سار یسیر سیر و میسر سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں جانا، روانہ ہونا، چلنا، طریقہ و مذہب، سنت، ہیئت، حالت، کردار، کہانی، پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کا بیان (11)۔ اہل لغت نے سیرت کا ایک معنی سوانح عمری بھی بیان کیا ہے۔ سیرت کے ساتھ طیبہ کا لفظ پاک اور صاف کے معنوں میں آتا ہے۔ سیرت طیبہ کا مطلب ہے پاک کردار۔

سیرت کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں سرکار دوعالم، نور مجسم کے مقدس طریقوں اور آپ ﷺ کے پاکیزہ حالات زندگی کے بیان کو سیرت کہا جاتا ہے۔

موضوع کا تعارف:

کسی بھی نظریے، عقیدے اور تحریک کے پروان چڑھنے میں تعلیم کی اہمیت مسلّم امر اور زمینی حقیقت ہے۔ اگر نظریے، عقیدے اور تحریک سے وابستہ جذبات و مقاصد پاکیزہ، تعمیری، اصلاحی اور فلاحی ہوں تو ان مقاصد کے حصول کے لیے تعلیم کے نصاب کو مؤثر اور مذکورہ مقاصد سے ہم آہنگ کرنا پڑے گا ورنہ نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلے گا۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ زندگی کے جس شعبے میں بھی دلچسپی رکھتا ہے اسے اختیار کرنے کی جستجو میں اس شعبے کے ماہرین سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اس لیے اس شعبے میں کمال حاصل کرنے کے لیے اسے اس شعبے کے ماہرین کی صحبت اور عملی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روز آفرینش سے ہی انسان کی ہر شعبہ زندگی میں مکمل رہنمائی اور ہدایت کا بندوبست کر دیا ہوا ہے۔ اس انتظام کے تحت جہاں اس نے کتابوں اور صحیفوں کو نازل فرمایا وہیں ہزاروں منتخب انسانوں کو بھی نبی اور رسول کی حیثیت دے کر انسانوں کی تربیت کے لیے مبعوث

فرمایا۔ وجہ ظاہر ہے کہ رہنمائی کے لیے کتاب یعنی علم اور انسانی نمونہ دونوں ضروری ہیں۔ "لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ "۔ "تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے"۔(12)

آج ضرورت ہے ان تدبیروں کی اور نسخہ کیمیا کی جو حضور ﷺ کریم نے بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے استعمال کیا تھا۔ یہ خالق کائنات کا عطا کردہ نسخہ تھا۔ جس نے گھٹاٹوپ تاریکیوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کو روشن شاہراہ پر ڈال دیا۔ جس نے بدترین مخلوق کو بہترین خلائق میں تبدیل کر دیا اور جس نے مردوں کو مسیحاؤں کے سانچے میں ڈھال دیا چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے نبی کریم نے تعلیم و تربیت کے مربوط نظام کو برپا کیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صورت ہادی — عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا — اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا(13)

علم قرآن کی روشنی میں

ارشاد ربانی ہے

قَالَ يَآدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ(14)

ترجمہ:۔ فرمایا اے آدم ان چیزوں کے نام بتادو، پھر جب آدم نے انہیں اُن کے نام بتا دیئے فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہوں۔

سورۃ المجادلہ آیت نمبر 11 بمعہ ترجمہ(15)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ(11)

ترجمہ:۔ "اے ایمان والو جب تمہیں مجلسوں میں کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھو اللہ تمیں فراخی دے گا، اور جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ، تم میں سے اللہ ایمان داروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔"

سورۃ الرحمن 2،1 بمعہ ترجمہ (16)

اَلرَّحْمٰنُ(1) عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ(2)

ترجمہ: رحمن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر 18 بمعہ ترجمہ(17)

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ(18)

ترجمہ:۔ "اللہ نے اور فرشتوں نے اور علم والوں نے گواہی دی کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں وہی انصاف کا حاکم ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں زبردست حکمت والا ہے۔"

سورۃ آل عمران 164 بمعہ ترجمہ (20)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (164)

ترجمہ:۔ "اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا (وہ) ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

سورۃ الزمر آیت نمبر 9 بمعہ ترجمہ (19)

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (9)

ترجمہ:۔ "(کیا کافر بہتر ہے) یا وہ جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کر رہا ہو آخرت سے ڈر رہا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید کر رہا ہو، کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں، سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں۔"

سورۃ النحل آیت نمبر 43 بمعہ ترجمہ (18)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (43)

ترجمہ:۔ "اور ہم نے تجھ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے، سو اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو"۔

علم، احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں:۔

"طلب العلم فریضه علی کل مسلم و مسلمه" (21)۔

"علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔

"تعلم العلم و معلمه الناس" (22)۔

"علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ"۔

"من سلک طریقاً یلتمس فیه علماً سهل الله له به طریقاً الی الجنته" (23)۔

"جو شخص ایسی راہ اختیار کرے جس سے اسے علم حاصل ہو تو اس کی بدولت اللہ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دے گا"۔

"من خرج فی طلب العلم هو فی سبیل الله حتی یر جع" (24)۔

"جو علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے وہ اللہ کی راہ (جہاد) میں ہے جب تک واپس نہ آئے"۔

"من یرید الله به خیراً یفقه فی الدین" (25)۔

"جس شخص کے واسطے اللہ تعالیٰ بہتری چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے"۔

"لن یشبع المومن من خیر یسمعه حتی یکون منتهاه الجنة" (26)

"ایماندار آدمی نیک باتیں سیکھنے سے سیر نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کا انجام جنت میں ہوتا ہے"۔

مقصد ریاست اور نظام کی بنیاد:

اس نکتے کو سمجھنے کے لیے کسی عبقری دماغ کی ضرورت نہیں ہے کہ ریاست کے اندر معاشی، معاشرتی، اقتصادی، عمرانی اور تعلیمی، جس

بھی نظام کی بنیاد رکھی جائے گی وہ اس نصب العین، سوچ اور فکر کی عکاس ہو گی جس کے تحت وہ ریاست معرض وجود میں آئی ہو گی۔ تعلیم کا عمل تخلیق انسان کے ساتھ ہی اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب ابھی کسی ریاست کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ وعلم ادم الا سماء کلھا۔ بلکہ انسان علم کے ذریعے تہذیب وتمدن تک پہنچا اور اس نے اپنے ماحول پر قابو پالیا۔ علم کیسا ہونا چاہیے یا علم کیا ہے؟ اس کی تعریف اپنے ماحول اور حالات کے مطابق کی جاتی رہی ہے۔ "ایک صوفی اچھی تعلیم اسے قرار دے گا جس میں روح کی غذا میسر آئے اور دنیادار کے نزدیک تعلیم سے مراد وہ دولت ہے جو اس کے وجود کو تقویت دے" (27)۔

اگر ہم مختلف اقوام عالم کے تعلیمی نظاموں کا مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تعلیم کے پس منظر میں ان اقوام کے ماضی کے تجربات، حال اور مستقبل کی ضروریات اور امنگیں کار فرما نظر آتی ہیں۔ "ہم ماضی کے بوجھ کو اپنے شانوں سے اٹھا کر اس طرح نہیں پھینک سکتے جس طرح ایک مزدور اپنے بوجھ کو پھینک دیتا ہے کیونکہ اس کا اثر ہمارے رگ وپے اور قلب ودماغ میں خون کی طرح سرایت کر چکا ہے" (28)۔

تعلیم سے ماورائے تعلیم میں جھانکنے کے لیے ہم ایتھنز اور اسپارٹا کے نظام تعلیم کا جائزہ لیتے ہیں:

اسپارٹا کی ریاست کو اس وقت کے حالات کے تحت ایسے افراد کی ضرورت تھی جو ریاست کی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں۔ اس لیے ان کے نظام تعلیم کی بنیاد فوجی تربیت پر تھی۔ اس نظام تعلیم کو اس طرح ترتیب دیا گیا۔

1۔ ابتدائی درجہ: سات سال تک بچہ ماں کی گود میں گزارتا اور پھر بچے کو حکومت اپنی نگرانی میں 18 سال کی عمر تک تعلیم دیتی، اس درجہ میں جذبہ حب الوطنی کو بیدار کیا جاتا اور سخت فوجی تربیت سے گزارا جاتا۔

2۔ کیڈٹ کورس: 18 سے 20 سال کی عمر کیڈٹ کورس کے لیے مخصوص تھی اس میں سخت جسمانی مشقت اور اسلحہ کے استعمال کی تربیت سے گزارا جاتا۔

3۔ فوجی خدمات: 20 سال کی عمر میں فوجی خدمات کے لیے انتخاب کیا جاتا۔

4۔ باقاعدہ شہری: 30 سال کی عمر میں باقاعدہ شہری بنایا جاتا۔ اس عمر میں شادی ہوتی لیکن اب زیادہ وقت تربیت دینے پر گزرتا۔ ہر شہری بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے پابند ہوتا۔

دوسری مثال ایتھنز کی ہے جس میں بچوں کو جنگ اور امن دونوں کے لیے تیار کیا جاتا۔ تعلیم میں نوجوان میں ایک متوازن شخصیت بروئے کار لانے کی کوشش کی جاتی۔ طلبہ کی مکمل صحت میں ذہنی، جسمانی، اخلاقی اور جمالیاتی پہلوؤں کی آسودگی کا خیال رکھا جاتا۔

1۔ ابتدائی تعلیم: ماں کی گود میں اخلاقیات اور جمالیات کی تعلیم سے بہرہ مند کیا جاتا ہے۔

2۔ ثانوی تعلیم: ثانوی تعلیم کے تمام مدارس سرکاری ہوتے تھے۔ 15 سے 16 سال کی عمر تک ثانوی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس درجہ کے نصاب میں جسمانی تربیت شامل تھی۔

3۔ فوجی تعلیم: 18 سال کے نوجوان کو مزید 2 سال سپاہیانہ زندگی سے گزارا جاتا۔

4۔ اعلی تعلیم: اعلی تعلیم میں فلسفہ، سائنس، اخلاقیات، سیاسیات، قانون، جغرافیہ، طب اور دیگر علوم پڑھائے جائے۔ لڑکیوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی۔

یہ دو مثالیں واضح کرتی ہیں کہ ریاست اپنے حالات، سوچ اور نصب العین کو سامنے رکھ کر نظام تعلیم اور اس کی جزئیات کی تصور کشی کرتی ہے۔ اسپارٹا کا نظام تعلیم محض فوجی تھا جس میں افراد کی انفرادیت کو کوئی دخل نہیں تھا جبکہ ایتھنز کے نظام تعلیم میں افراد کی انفرادیت کی بھی

تربیت دے کر مملکت کے بہترین شہری بنائے جاتے۔

اب آپ ذرا تھوڑا سا تدبر اور غور و فکر فرمائیں، ایک ایسی ریاست جو کہ خالصتاً اس نظریہ کے ساتھ وجود میں آئی ہو کہ ہم زمین کا یہ ٹکڑا اس لیے حاصل کر رہے ہیں کہ اس میں اسلام کے بتائے ہوئے زرّیں اصولوں کے مطابق ہر شعبہ زندگی میں انھیں نافذ العمل بنا سکیں تو اس کے لیے جناب نبی مکرم ﷺ کی زندگی سے بڑھ کر کہاں ان امر و ضوابط کا عملی نمونہ میسر آ سکے گا۔ اور اگر یہ ریاست انھی اصولوں کو اپنے لیے مشعل راہ بناتی ہے تو اس میں وہ حق بجانب ہے۔ بیشتر اس کے کہ ہم نبوی منہج کی روشنی میں ریاست کے نظام تعلیم پر بحث کریں یہ بات قرین انصاف ہوگی کہ ہم اسلام سے قبل اور مابعد مغرب و مشرق کے جدید اسکالرز کے نظام تعلیم کا تقابلی جائزہ لے لیں۔

اسلام سے قبل دنیا کا فلسفہء تعلیم

عہد نبوی سے پہلے عرب میں کسی باقاعدہ نظام تعلیم کا سراغ نہیں ملتا، صرف زبانی تعلیم اور اس کے چند اداروں کا سراغ ملتا ہے۔ جن میں یہودی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جس کسی نے بھی اسلام سے قبل کے ادیان کا مطالعہ کیا، یا ان کی مقدس کتب کو پڑھا، علم کی اہمیت کے حوالے سے اسلام کی عظمت پر اس کا ایمان بڑھ گیا۔ عہد نامہ جدید کے اسفار مقدسہ پڑھ ڈالیں یہ ممکن نہیں کہ عقل، فکر، نظر، برہان، حکمت یا ان سے مشتق دوسرے الفاظ یا اس مفہوم کو واضح کرنے والے اور الفاظ نظر سے گزریں(29)۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یہودی سموال بن عادیا اور نصرانی شعراء کے دیوان ملتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے ایک بیت المدارس قائم کر رکھا تھا جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا(30)"۔ عربوں کے متعلق معلومات کے جو ذرائع ہیں ان میں ان کے شعراء کا کلام، آثار قدیمہ، توریت، انجیل اور قرآن ہیں (31)"۔ عربوں کی لکھی ہوئی جن تحریروں کا سراغ ملتا ہے ان میں جنگ بسوس کے موقع پر لکھا جانے والا مہلہل کا قصیدہ ہے(32)"۔ سبعہ معلقات ہیں(33)۔ ابن قتیبہ کی روایت کے مطابق قبیلہ ہذیل میں ایک مدرسہ تھا، جہاں بچیاں سبق پڑھنے جاتی تھیں، بازار عکاظ میں ہر سال ادبی چرچہ ہوتا تھا۔ غیلان بن سلمہ ثقفی ہفتہ میں ایک دن علمی و ادبی مجلس قائم کرتا تھا۔ مکہ معظمہ کے ورقہ بن نوفل نے توریت و انجیل کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، دار الندوہ مشاورت اور قصہ گوئی کا مرکز تھا(34) لیکن باقاعدہ کوئی تعلیمی نظام موجود نہ تھا۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیلات تاریخ العرب قبل الاسلام میں ملتی ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ میرا دعویٰ ہے اسلام سے پہلے عام تعلیم کا کوئی تصور کسی بھی تہذیب میں رائج نہیں تھا، تعلیمی مراکز صرف عبادت خانے تھے اور ان میں تعلیم مخصوص افراد کو دی جاتی تھی۔ یورپ میں صرف اعلیٰ رتبہ کے ان افراد کو تعلیم دی جاتی تھی جو کلیسا سے وابستہ ہوتے تھے(35)۔ اسی طرح ہندو مذہب میں تعلیم صرف برہمن حاصل کر سکتا تھا(36)۔

فلسفہ تعلیم مغرب و مشرق کے مفکرین کی نظر میں

مقالے کے اس حصے میں ہم اس بات پر بحث کریں گے کہ مغرب کے قدیم اور جدید ذہن اور مشرقی مفکرین نے تعلیم کو کن کن زاویوں اور پرتوں سے سمجھنے کی کوشش کی۔ مغربی مفکرین میں درج ذیل کے نظریات تعلیم مشہور ہوئے۔

غیر مسلم مغربی مفکرین تعلیم

1۔ روسو(1712-1778) Rousseau

جین جیک روسو 1712ء میں جنیوا میں پیدا ہوا۔ ایک ہفتے کے بعد اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کا والد آئزک ایک گھڑی ساز تھا، غربت کی وجہ سے وہ اپنے بیٹے کے لیے تعلیم کا بندوبست نہ کر سکا۔ چنانچہ ابتدائی تعلیم اس نے خود ہی اپنے بیٹے کو دی۔ 10 سال کی عمر میں اس کا والد ایک مقدمہ میں ماخوذ ہو گیا۔ اس کے چچا برنارڈ نے اسے بوسے کے مدرسے میں داخل کرا دیا۔ لیکن روسو کا دل تعلیم میں نہ لگا۔ 1741ء میں روسو

پیرس جا پہنچا۔ ان دنوں بھی پیرس علوم و فنون کا گہوارہ تھا۔ یہاں اس نے جان روک، پوپ اور نیوٹن جیسی شہرہ آفاق شخصیات کا مطالعہ کیا۔ 1749ء میں روسو نے ایک مقابلہ بعنوان "علوم و فنون کی ترقی نے اخلاق پر اچھا / برا اثر ڈالا ہے" میں حصہ لیا۔ اس نے علوم و فنون کو اخلاقیات کا قاتل قرار دیا اور اول انعام حاصل کیا اس سے اس کے حوصلے بلند ہوگئے اس نے تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا۔ اس کی شہرہ آفاق تصانیف درج ذیل ہیں۔

1۔ معاشرے میں عدم مساوات کی ابتداء
2۔ معاہدہ عمرانی(Social Contract)
3۔ اقرار نامہ(Confession)
4۔ ایمیل(Emile)

روسو کی شہرہ آفاق تصنیف ایمیل (Emile) پانچ جلدوں پر مشتمل ہے جس میں اس نے تعلیمی نظریات وخیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کی ابتداء وہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"Everything is good as it comes from the hands of the creator, but degenerates in the hands of man."

"خالق کی تخلیق حسین اور معصوم ہوتی ہے لیکن جب یہ انسان کے ہتھے چڑھتی ہے تو اپنا فطری حسن و معصومیت کھو دیتی ہے"۔ روسو کا دور مطلق العنانی کا دور تھا۔ حکومت صرف شاہی خاندان کی تعلیم کا اہتمام کرتی تھی۔ روسو نے انفرادیت کی آواز اٹھائی، یہ معاشرہ کے جبر و تشدد اور فرسودہ رسوم و رواج کے خلاف ایک تحریک بن گئی۔ بقول نپولین "اگر روسو نہ ہوتا تو فرانس میں کبھی انقلاب نہ آتا"۔

روسو کا فلسفہء تعلیم :

روسو کا نظریہ، نظریہ فطریت کہلاتا ہے جو مادیت پر مبنی ہے۔ اس کی سوچ کے مطابق کائنات محض ایک مشین کی مانند ہے جو مسلسل اپنا کام کر رہی ہے۔ انسان بھی مادہ ہے اور کائنات کی مشین کا ایک پرزہ۔ کائنات خود انسان کے گیسوؤں کو سنوارتی اور پھول کی حنابندی کرتی ہے۔ اس کا یہ خیال تھا کہ انسان خود خراب نہیں ہوتا بلکہ تمام برائیوں کی جڑ معاشرہ ہے۔

روسو کے نظریات کچھ اس طرح تھے:

1۔ معاشرہ تفریق پیدا کرتا ہے اس لیے اسے تباہ و برباد کر دینا چاہیے۔ اور سب کو نیچر کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔

2۔ امیر غریب کا خون چوس رہا ہے۔ امیر غریب کو بے سہارا چھوڑ کر تماشہ دیکھتا ہے اس لیے حکومت کا فرض ہے کہ تمام بچوں کے لیے بلا تفریق تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے۔

3۔ تعلیم زندگی کے لیے تیاری کا نام نہیں ہے بلکہ تعلیم زندگی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس لیے بچے کو فطرت کی آغوش میں جانے دو تاکہ زندگی اور تعلیم ہم معنی ہو کر بچے کی فطرت تباہ نہ کریں۔

4۔ تعلیم وہی ہے جو بچے کی فطری صلاحیتوں کو اُبھار کر پروان چڑھائے۔

5۔ انسان معاشرتی حیوان ہے۔ انسان، انسان سے برائیاں سیکھتا ہے اس لیے بچے کو نیچر کے دامن میں پہنچا دو۔

6۔ مروجہ تعلیم میں ایسے مضامین پڑھائے جاتے ہیں جو بچے کو آئندہ زندگی کے لیے تیار کریں۔ وہ کہتا ہے کہ کل کا کسے پتا؟ بچے کا آج کل کے لیے تباہ نہ کرو۔ اسے فطرت کی آغوش میں دے کر آج اور کل سے بے نیاز ہو جاؤ۔

7۔ روسو نے تعلیمی عمل کی چار منزلیں مقرر کی ہیں۔ پہلی منزل ابتداء سے 5 سال تک عرصہ پر محیط ہے۔ دوسری 5 سے 12 سال تک، تیسری منزل 12 تا 15 سال پر محیط ہے، اور چوتھی 15 تا 20 سال مقرر ہے۔ وہ ایمیل نام کے ایک تصوراتی لڑکے کو پیش کر کے اپنی پوری تعلیمی اسکیم پیش کرتا ہے۔

روسو کا نصاب تعلیم :

روسو نے منفی تعلیم (Negative Education) کا تصور پیش کیا۔ اس تعلیم میں وہ بچے کو جذبات و احساسات اور اس کے فطری تقاضوں کی تکمیل چاہتا ہے۔ منفی تعلیم سے اس کی مراد ہے کہ مروجہ تعلیم کے خلاف تعلیم دی جائے۔ مروجہ تعلیم میں بچے کو دماغی کام کرنے، اخلاقی تربیت اور لکھنا پڑھنا تجویز کیا جاتا ہے وہ منفی تعلیم کی تعریف یوں کرتا ہے۔

میرے نزدیک منفی تعلیم سے ایسی تعلیم مراد ہے جو براہ راست تعلیم دینے کی بجائے ان اعضاء کو مناسب تربیت دے جو حصول علم کے آلات ہیں۔ منفی تعلیم نیکی کا درس نہیں دیتی بلکہ بدی سے روکتی ہے۔ صداقت کا سبق نہیں پڑھاتی بلکہ غلط روی سے روکتی ہے۔ وہ بچے کا مزاج ہی ایسا بنا دیتی ہے کہ سن شعور تک آتے آتے وہ خود بخود سچائی کی راہوں پر چلنے لگتا ہے۔

2۔ پستالوزی (1746-1827) (Pestaloziz)

پستالوزی 1746ء میں سوئٹزر لینڈ کے مشہور شہر "زیورچ" میں پیدا ہوا۔ والد کا سایہ بچپن ہی سے سر سے اٹھ گیا۔ والدہ نے تعلیم و تربیت پر توجہ دی۔ زیادہ وقت عورتوں میں گزارنے کی وجہ سے پستالوزی میں نسوانی خصوصیات پیدا ہو گئیں۔ کالج کی زندگی میں اسے ملک کی سیاسی، سماجی، معاشی، اقتصادی، ثقافتی، تہذیبی اور تعلیمی خرابیوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ روسو کی کتاب ایمیل کا مطالعہ کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ عوام کے مصائب و آلام کو اور ملک سے سیاسی، سماجی اور معاشی خرابیوں کو دور کر کے آزادی، مساوات اور انصاف کو تعلیم کے ذریعے ہی فروغ دیا جا سکتا ہے۔ اس نے معلم بن کر معاشرے کی خرابیوں کو دور کرنے کا عزم کیا اس نے بیر (barr) میں سوئٹزر زمین خرید کر اس کا نام نیوہاف (Neuhalf) رکھا۔ اس میں انقلاب فرانس سے لاوارث ہونے والے بچوں کو رکھا۔ انھیں تعلیم کے ساتھ زراعت، سوت کاتنے، کپڑا بننے اور دوسرے ہنر کی تربیت دی جاتی تھی۔ اس نے نیوہاف کے بعد برگ ڈارف (BurgDarf) اور وردن (Verdun) میں سکول کھولے۔ مگر یہ سکول پستالوزی کے تجرباتی تدریس اس کی ناپختگی کی بھینٹ چڑھ گئے۔

پستالوزی کا فلسفہ و تعلیم

1۔ پستالوزی، روسو سے متاثر تھا اور روسو کے فلسفہ تعلیم کو عملی شکل دینے کی کوشش کی۔ افلاطون کے فلسفہ کو ارسطو جیسے ہونہار شاگرد نے دوام بخشا اسی طرح اگر روسو کو پستالوزی میسر نہ آتا تو یقیناً روسو کا فلسفہ بھی کتابوں ہی کی زینت بنا رہتا۔

2۔ پستالوزی نے بچے کو پودے سے تشبیہ دے کر نامیاتی نشو نما (Organic Development) کا تصور پیش کیا۔ اس کا خیال ہے کہ بچے میں بالیدگی کی قوت موجود ہے والدین اور اساتذہ کو اس کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے مواقع فراہم کرنے چاہئیں۔

3۔ وہ دل، دماغ اور جسم کو ایک وحدت قرار دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ یہ ایک ہی ہستی کے لازمی حصے ہیں۔ بہترین طریقہ تدریس وہی ہے جس میں تینوں کی نشوونما پر توجہ دی جائے۔

4۔ بہتر معاشرہ کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ تینوں پر یکساں توجہ دی جائے اور تینوں پہلوؤں میں توازن، یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کی جائے اگر اس کے برعکس ہوا تو صرف ایک پہلو ترقی کر پائے گا جو معاشرہ میں عدم توازن کا باعث بنے گا۔

5۔ پستالوزی بچے کو شاہ بلوط کے بیج سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ اس میں پنپنے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ والدین اور اساتذہ کو مالی کی طرح مٹی، پانی اور تراش خراش پر توجہ دینی چاہیے۔

پستالوزی نے روسو ہی کی طرح ایک دیہاتی عورت کی زندگی پر افسانوی کتاب لکھی۔ کتاب کا نام لیونارڈ اور جو ٹروڈ (Leonard and Gertedue) تھا اس کی دوسری کتاب بگلوں کے گانے (Swan Songs) طریقہ تدریس پر روشنی ڈالتی ہے۔

طریقہ تدریس :

پستالوزی کے نزدیک سب سے اچھا طریقہ فطری ہے۔

1۔ اس میں سابقہ **معلومات** (Previous Knowledge) کا خیال رکھنا چاہیے۔

2۔ آسان سے مشکل کی طرف (From simple to complex)

3۔ معلوم سے نامعلوم کی طرف (From known to unknown)

4۔ مقرون سے مجرد کی طرف (From concrete to abstract)

5۔ ابتدائی تعلیم کا مقصد بچے کو معلومات اور استعداد بہم پہنچانا نہیں ہے بلکہ اس کی سمجھنے کی قوت کو ترقی دینا ہے۔

پستالوزی تدریسی معاونات (Audio & Visual Aids) پر زور دیتا ہے تاکہ قوت مشاہدہ ترقی کرے اور الفاظ کا ربط مشاہدہ کے لوازمہ Content سے ہو۔

3۔ ڈاکٹر جان ڈیوی (1859-1952) (Dr. John Dewey)

ڈاکٹر ڈیوی 1859ء میں ریاست ورمونٹ میں برلنگٹن کے مقام پر پیدا ہوا۔ صرف 20 سال کی عمر میں ورمونٹ یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔ جان ہاکسن یونیورسٹی سے فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی 1884ء سے 1894ء تک مشیگن اور چیکو یونی ورسٹیز میں فلسفہ کی تعلیم دی اور 1894ء میں شکاگو یونی ورسٹی میں فلسفہ کے شعبہ کے صدر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس عرصہ میں انھوں نے یونیورسٹی میں ابتدائی سکول کھولا اور اپنے افکار و نظریات کو عملی شکل دی۔

ڈیوی کا فلسفہ تعلیم :

جان ڈیوی کا فلسفہ عملی اور تجرباتی ہے۔ اس کے نزدیک فلسفہ کوئی نظریہ نہیں ہے بلکہ زندگی کے مسائل کا حل ہے۔ ڈیوی نے فلسفہ کو زندگی کے قریب کر دیا۔ ڈیوی نے تعلیم کی تعریف یوں کی ہے۔

"Educaiton is the reorganisation, reconstraction and re-orientation of experinces"

تعلیم تجربات نو کا نام ہے۔ تعلیم زندگی کی تیاری نہیں ہے بلکہ تعلیم ہی زندگی ہے۔ تعلیم فرد کی تمام صلاحیتوں کی نشوونما ہے تاکہ وہ اپنے ماحول اور مقاصد کو اپنے قابو میں کر کے نئی اقدار تخلیق کر سکے۔

1۔ تعلیم زندگی ہے، تعلیم اور زندگی در حقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہے۔

2۔ تعلیم نشوونما کا نام ہے۔ نشوونما کی خاصیت بچے کی سرشت اور گھٹی میں موجود ہے۔

3۔ تعلیم تجربات نو کا نام ہے۔ تعلیم تجربے کا نام ہے اور تجربات سے گزر کر ہی پختہ ہوتا ہے۔

4۔ تعلیم سماجی سرگرمی کا نام ہے۔ بچہ سماج یا معاشرے کے ذریعے ہی نشوونما حاصل کرتا ہے۔ ڈیوی تعلیم کو معاشرتی تسلسل کا نام دیتا ہے اور تعلیم کو معاشرے سے ہم آہنگ کرتا ہے۔

مسلم مفکرین اور نظام تعلیم:

1۔امام غزالیؒ (1111ء۔1059ء)

حجتہ الاسلام امام غزالی کا نام ابو حامد محمد ابن محمد غزالی ہے۔ آپ 1059ء میں ایران کے ضلع طوس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم سوت کاتا کرتے تھے۔ اسی نسبت سے آپ کو غزالی سے منسوب کیا جاتا ہے۔

آپ مذہب شافعی کے آئمہ میں سے ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد 78 تک ہے۔ جن میں سے "احیاء العلوم فی الدین، مشکوٰۃ الانوار، المنقذ من الضلال، تہافۃ الفلاسفہ اور کیمیائے سعادت" پختہ خیالات کو پیش کرتی ہیں۔ ان میں دینی رنگ نمایاں ہے اور اسلامی فکر و عقائد کی حقانیت پر یقین ملتا ہے۔ ان کے دلائل معقول ہیں اور ان میں اجتہادی شان نظر آتی ہے۔ ان کی تحریروں سے صاف پتا چلتا ہے کہ اپنے عہد کے سیاسی اور علمی منظر نامے سے مطمئن نہیں تھے (37)۔

امام غزالی اور علوم کی تقسیم :

امام غزالی اچھے یا برے علوم، شرعی اور غیر شرعی علوم میں تمیز کرتے ہیں۔ شرعی علم جو انبیاء سے حاصل ہوتا رہا ہے ان میں عقل و تجربہ کا کوئی عمل دخل نہیں۔ غیر شرعی علوم، عقل و تجربہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں زمانے کے ساتھ ساتھ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ ان علوم میں بعض فرض عین ہیں اور بعض فرض کفایہ۔

غزالی اپنے دور کے مروج علوم میں سے کسی کو بھی فرض عین نہیں سمجھتے، ان کا خیال ہے کہ فقہ شرعی مضمون نہیں ہے بلکہ یہ اصول سیاست میں سے ہے۔ اسی طرح فقیہ صرف قانون سیاست کا ماہر ہوتا ہے۔

آپ کے دور میں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام پر زور دیا جاتا تھا اور ریاضی، طب اور صنعتی علوم کو نظر انداز کیا جاتا تھا۔ آپ نے ان تمام علوم میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی اور ان سب کو فرض کفایہ کا نام دے کر علوم محمود میں شامل کیا۔ احیاء العلوم کے مقدمہ میں وہ سارے علوم کو ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں لیکن آداب متعلم کی بحث میں دینی اور غیر دینی علوم کی تقسیم کر کے دینی علوم کو فوقیت دیتے ہیں۔

"وہ سارے علوم جو انسانی فلاح اور مسلم معاشرے کے قیام و بقا کے لیے ضروری ہیں۔ فرض کفایہ ہیں۔ ان کے ذہن میں فلاح دین کا ترقی پسندانہ تصور تھا۔"

انھوں نے علوم کو، محمود، مذموم اور مباح میں تقسیم کیا۔

1۔ محمود) علوم شرعی) فرض کفایہ: تفسیر، حدیث اور فقہ

2۔ محمود (علوم غیر شرعی) فرض کفایہ: ریاضی، طب اور صنعتی علوم

3۔ مذموم : جادو اور شعبدہ بازی

4۔ مباح : تاریخ، ادب، شاعری وغیرہ

امام غزالی استاد کے لیے تیاری سبق لازمی قرار دیتے ہیں، متعلمین سابقہ معلومات کا دائرہ وسیع کریں، آسان سے مشکل کی طرف طلباء کو لے کر آئیں، مانیٹر کا تعین، محبت و ہمدردی، طلبہ کی صلاحیتوں کا اندازہ لگانا، جسمانی تعلیم، نصاب تعلیم کا تعین، اور تعلیم نسواں کے لیے بچوں کے لیے قرآن و حدیث کے ساتھ امور خانہ داری کو بھی شامل کرتے ہیں۔

2۔علامہ ابن خلدون (1406ء۔1332ء)

ابن خلدون 1332ء میں تیونس میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام عبد الرحمان تھا اور والد کا نام محمد۔ قرآن پاک حفظ کیا اور ساتوں قرآت کے

ساتھ پڑھا، موطاء اور صحیح بخاری کی تکمیل کی۔ سترہ برس کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا۔ بیس برس کی عمر میں امیر تیونس کے سیکرٹری مقرر ہوئے لیکن ریشہ دوانیوں کی وجہ سے انھیں وطن چھوڑنا پڑا اور مصر پہنچ گئے وہاں جامعہ الازہر میں فقہ کی تعلیم دینے لگے۔

ابن خلدون علوم کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اول وہ علوم جو کسی کے واسطے سے اس تک پہنچتے ہیں۔ ان کو عامہ علوم تقلید کا نام دیتے ہیں مثلاً علوم شرعیہ، دوم ایسے علوم جو انسان اپنے غور و فکر سے حاصل کرتا ہے مثلاً غیر شرعیہ علوم۔

3۔ شاہ ولی اللہ (1762ء۔1703ء)

آپ دہلی کے قریب موضع پھلت میں فاروقی نسل کے ایک بزرگ شاہ عبدالرحیم کے ہاں 1703ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام قطب الدین تھا لیکن نیک خصلتوں کی بنا پر ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوئے 15 سال کی عمر تک تمام مروجہ علوم کی تحصیل کر لی۔ آپ کے والد بزرگ عہد اورنگزیب کے مشہور علماء میں شمار ہوتے تھے ان سے تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور کلام کی تعلیم حاصل کر کے سترہ سال کی عمر میں مدرسہ رحیمیہ دہلی میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دینے لگے۔

شاہ صاحب نے دیکھا کہ قرآن کی تعلیم ناظرہ تک محدود ہو گئی ہے، طلبہ کا زیادہ وقت فلسفہ، منطق اصراف و نحو، علم الکلام اور علم اللغات پر صرف ہوتا ہے۔ وہ غیر ضروری مباحث میں الجھ کر اصل مقصد کو فراموش کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے قرآن فہمی کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے فارسی زبان (جو اس وقت برصغیر کے مسلمانوں کی زبان تھی) میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا جو 1738ء میں چھپ گیا۔ جب روایتی علماء کو اس کا علم ہوا تو تلواریں کھینچ کے میدان میں آگئے اور اسے قرآن کی بے حرمتی قرار دیا۔ بعض سوانح نگار لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب کو جان کا خطرہ لاحق ہو گیا اور آپ کو کچھ عرصہ کے لیے دہلی سے جانا پڑ گیا (38)۔

شاہ صاحب کی تعلیمات اور قرآن فہمی کی کاوشوں سے برعظم کے مسلمانوں کو نہ صرف امید کا راستہ مل گیا بلکہ دینی حمیت اور سیاسی بیداری میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ احیائے دین کے لیے آپ نے اپنی جان اور قلم وقف کر دیا تھا۔ آپ نے شریعت و طریقت کے معرکوں کو ختم کر کے صراط مستقیم کی راہ دکھائی۔ ان کی مخلصانہ محنت کے نتیجے میں مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنی بگڑی بنانے کے لیے کوشاں ہو گئے۔

4۔ سرسید احمد خان (1898ء۔1817ء)

سرسید احمد خان 17 اکتوبر 1817ء میں دہلی کے ایک با اثر خاندان میں پیدا ہوئے۔ یہ خاندان دربار دہلی سے وابستہ تھا۔ آپ بھی کچھ عرصہ دربار سے منسلک رہے لیکن پھر آپ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کر لی۔ 1841ء میں منصفی کا امتحان پاس کر کے منصف بن گئے۔ 1857ء کی جنگ آزادی نے مسلمانوں کو آسمان سے زمین پر پٹخ دیا۔ حکومت چھن گئی۔ قوم کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے ہم وطن بھی درپے ہو گئے۔ مسلمانوں کی ہر چیز میں عیب نظر آنے لگا۔ یہ حربے قوم کو مایوس اور احساس کمتری میں مبتلا کرنے کے لیے کیے جا رہے تھے۔ مسلم قوم میں کوئی معزز نہیں رہا تھا۔ ان کی آنکھوں نے دہلی میں مسلمانوں کی درس گاہوں اور مسجدوں کو تباہ ہوتے دیکھا تھا۔ محمد بن تغلق کی اولاد کو گھاس کھودتے اور نواب خلیل اللہ خان شاہجہانی کے پوتوں کو بیر دباتے دیکھا گیا تھا (39)۔

ان واقعات نے سرسید احمد خان کو رنج زدہ کر دیا۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو نئے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے نئی حکمت عملی اپنانے پر زور دیا۔ آج مسلمانوں کو اپنے آباء و اجداد کی تیز اور جوشیلی طبیعت کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ ان اوصاف حمیدہ کی ضرورت ہے جس نے اس تیز اور جوش والی طبیعت کو ان کے زمانے کے لوگوں پر غلبہ دیا تھا۔ جب سلطنت ہمارے ہاتھ میں تھی اس وقت ترقی کی دوسری صورت تھی مگر زمانہ موجود میں ترقی کی دوسری صورت ہے۔ (40)

سرسید احمد خان چاہتے تھے کہ مسلمان جدید علوم سے بہرہ ور ہو کر انگریز دشمنی کو ختم کریں اور دوسری طرف ہندوؤں کا مقابلہ بھی حصول علم کے بغیر ممکن نہیں۔ حکومت انگریز سرکار کی تھی۔ حکومت صرف ایسے اداروں کو مالی امداد دیتی تھی جس میں ذریعہ تعلیم انگریزی ہو۔ اس دور میں حکومت کی سرپرستی کے بغیر کسی ادارے کا زندہ رہنا معجزہ سے کم نہیں تھا۔ انھوں نے حکومت کا اعتماد بحال کرنے کے لیے "بائبل کی تفسیر" لکھی۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ عیسائی اور مسلمان آسمانی مذاہب ہیں اس لیے پادری اسلام پر لایعنی اعتراضات سے باز رہیں کیونکہ اس طرح آسمانی مذاہب کی توہین ہوتی ہے۔ رسالہ "طعام اہل کتاب" لکھ کر مسلمانوں کو عیسائیوں کے قریب کرنے کی کوشش کی۔ عیسائیوں کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔ اہل کتاب کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔ تفسیر قرآن انیسویں صدی کے فلسفے اور سائنس کی روشنی میں کی گئی۔ علمی حلقوں میں سرسید کی مخالفت کی وجہ یہی تفسیر تھی۔ اس میں مغربی فکر کے مطابق تاویلات کی گئیں اور مغربی تہذیب کا احترام اور بالادستی ملحوظ رکھی گئی۔

سرسید احمد خان کا فلسفہ تعلیم :

سرسید احمد خان کی مختصر تحریریں اور تصانیف 15 جلدوں میں محفوظ ہیں۔ ان سے آپ کا فلسفہ تعلیم سمجھا جا سکتا ہے۔

1۔ قومی نظریہ تعلیم:

سرسید احمد خان دو قومی نظریہ کے بانی تصور کیے جاتے ہیں، جنگ آزادی تک سرسید احمد خان کے پیش نظر برصغیر کی دو بڑی قوموں ہندو و مسلم کی فلاح و بہبود تھی۔ لیکن جب اسی معرکہ کے بعد ہندوؤں نے سارا ملبہ مسلمانوں پر ڈال دیا تو سرسید احمد خان نے اپنی تمام تر کوششیں صرف مسلمانوں کے لیے وقف کر دیں۔

1886ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی جس کا مرکزی دفتر علی گڑھ میں تھا۔ اس کانفرنس کا مقصد ملک کے طول و عرض میں علی گڑھ جیسے ادارے قائم کرنا تھا۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو جامعہ ملیہ دہلی، سندھ مسلم کالج، اسلامیہ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج پشاور جیسے ادارے دیئے جن سے مسلم زعماء تعلیم حاصل کر کے میدان عمل میں نکلیں اور ہندوؤں کی تمام سازشیں بے اثر کر کے رکھ دیں۔

2۔ تعلیمی منصوبہ:

سرسید احمد خان نے انگلستان میں کیمبرج یونی ورسٹی دیکھی اور اس سے بڑے متاثر ہوئے(15)۔ یہ اقامتی یونی ورسٹی ہے۔ ہر طالب علم کے لیے یونی ورسٹی کی حدود میں رہنا ضروری تھا۔ طلبہ ایک میز پر ناشتہ کرتے، ایک ہی جگہ دوپہر کا کھانا کھاتے، شام کی چائے مل کر پیتے اور رات کے کھانے پر میز پر بیٹھتے۔ ان کا لباس بھی ایک سا ہوتا تھا۔

اقامتی یونیورسٹی میں استاد اور طالب علم کا بڑا قریبی تعلق ہوتا ہے۔ (اقامتی ادارے کی بنیاد (Foundation) سب سے پہلے ریاست مدینہ میں پڑی۔) سرسید احمد خان نے 24 مئی 1875ء کو ایک سکول کی بنیاد رکھی، جو ترقی کر کے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج بن گیا۔ سرسید یہ چاہتے تھے کہ یہاں ایسے طالب علم تیار کیے جائیں کہ جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے عملی زندگی میں قدم رکھیں تو ایک ہاتھ میں سائنس ہو اور دوسرے ہاتھ میں قرآن۔ ان کے سر پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا تاج ہو۔ سرسید نے کالج کے احاطے میں شاندار مسجد تعمیر کرائی۔ دارالعلوم دیوبند سے مولانا عبد اللہ انصاری کو بلا کر ناظم دینیات مقرر کیا۔ مولانا شبلی نعمانی کو فارسی کا اور پروفیسر آرنلڈ کو فلسفے کا پروفیسر مقرر کیا(41)۔

عثمانیہ دور خلافت

ترک میں اعلیٰ تعلیم کے طالب علم گاؤن (Gown) پہنتے تھے اور ان کی پشت پر جیب ہوتی تھی۔ مخیر حضرات خوش دلی سے اس میں

اپنا حصہ ڈال دیتے تھے، جس سے وہ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کر لیتے تھے۔ طلبہ قومی اثاثہ ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنا سرمایہ کاری ہے(42)۔

3۔ تعلیم وتربیت:

سرسید احمد خان تعلیم اور تربیت کو دو جداجدا چیزیں خیال کرتے تھے ان کے نزدیک جو کچھ انسان کے اندر ہے اسے باہر لانا تعلیم دینا اور اسے کسی لائق بنانا اس کی تربیت کرنا ہے۔

4۔ استاد اور شاگرد کے باہمی تعلقات:

سرسید احمد خان طلبہ کو اپنے بچے سمجھتے تھے، ان کے نزدیک مسلمان بچوں کی تعلیم وتربیت قومی بقا اور قومی تشخص کے لیے ضروری ہے۔ علی گڑھ کی خوش قسمتی تھی کہ یورپین اساتذہ بھی طلبہ سے محبت اور خلوص سے پیش آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ طلبہ بھی اساتذہ کو والدین کا مقام دیتے تھے اور کالج کو ماں کہا کرتے تھے۔

5۔ تعلیم نسواں:

سرسید احمد خان تعلیم سے سماجی تغیر لانا چاہتے تھے اس لیے مسلمان مردوں اور عورتوں کو یکساں طور پر پوری تعلیم دینے کے علمبردار تھے۔

6۔ نصاب تعلیم:

سرسید احمد خان نے پنجاب کے دورے میں کہا عزیز بچو! اگر تم آسمان کے تارے بھی بن گئے لیکن مسلمان نہ رہے تو تم ہمارے کسی کام کے نہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں عالی شان مسجد اور نماز کی پابندی اس بات کی نفی کرتی ہے کہ وہاں کا ماحول طلبہ کو دین سے بے گانہ کر دیتا ہے۔ نصاب میں دینیات، ادب، ریاضی، طبیعات، فنی تعلیم، انجینئرنگ، حیوانیات، نباتیات، کیمیا، اور طبقات الارض کی تعلیم دی جاتی تھی۔

7۔ طریقہ تدریس:

علی گڑھ کا عام نظم، کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرز پر تھا۔ متعدد سوسائیٹیاں بنائی گئی تھیں۔ کیمبرج کی طرز پر یونین کلب قائم تھا۔ مباحثوں میں اساتذہ اور خود سرسید احمد خان بھی حصہ لیتے تھے۔ کلب کے ذریعے اردو، انگریزی میگزین شائع ہوتے تھے۔

تعلیم اور تربیت دونوں پر توجہ دی جاتی تھی۔ اس نظام نے محمد علی جوہر، قائداعظم محمد علی جناح، عبدالرب نشتر، لیاقت علی خان اور علامہ اقبال جیسی شخصیات کو جنم دیا۔ آج بھی تعلیم بری نہیں ہے بلکہ تربیت کے اندر خامیاں موجود ہیں۔

5۔ علامہ سر محمد اقبال(1938ء-1877ء)

اقبال کے آباؤ اجداد کا تعلق کشمیر سے تھا۔ آپ 1877ء میں شیخ نور محمد کے ہاں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا۔ سیالکوٹ میں شمس العلماء مولوی میر حسن نے فارسی اور اردو میں ملکہ پیدا کیا تو لاہور میں پروفیسر آرنلڈ نے فلسفہ میں یکتائے زمانہ بنادیا۔ اقبال نے اپنے بے شمار خطبات میں مسلمانان ہند کے لیے زندگی اور امید کا پیغام دیا۔ علامہ نے "علم الاقتصاد، میٹا فزکس آف پرشیا، بانگ درا، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، بال جبریل، ضرب کلیم، ارمغان حجاز، اسرار خودی، شکوہ، جواب شکوہ" تحریر کیں۔ یہ کتب اردو اور فارسی میں ہیں۔ اسلوب بیان اور طرز استدلال میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔

اقبال اور نظام تعلیم:

اقبال نے یورپ میں تعلیم پائی، ملک اور بیرون ملک کے تعلیمی نظام کو بہ نظر غائر دیکھا۔ چند سال خود بھی پروفیسر رہے۔ اس طرح اپنے اشعار اور خطبات میں بہت کچھ کہا۔

1۔ذہنی غلامی:

ہمارے نوجوان انگریزی تعلیم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھیں اپنی تاریخ اور ثقافت میں کیڑے نظر آنے لگے۔ اسلامی قدروں کو پس پشت ڈال کر مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو گئے۔ اس ذہنی مغلوبیت نے ہمارے طلبہ سے تحقیق و جستجو کا ملکہ چھین لیا۔ ہمارے طلبہ لکیر کے فقیر بن کر رہ گئے۔

تجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی　　　　کہ ظاہر میں تو آزاد ہے باطن میں گرفتاری

2۔خودی کی موت:

مغرب کی تعلیم نے ہمارے نوجوان کو تشکیک کی راہوں پر لاکھڑا کیا ہے۔ اس سے وہ خود اعتمادی سے محروم ہو گیا ہے۔ اور ذہنی غلامی اور انتشار میں مبتلا ہو گیا ہے۔ مغربی تعلیم لا الہ کا درس تو دیتی ہے لیکن الا اللہ تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر دیتی ہے۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا　　　　کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

3۔مادہ پرستی:

اسلام دین و دنیا کی تفریق نہیں کرتا۔ جہاں مادی اور روحانی اقدار ساتھ ساتھ چلی ہیں۔ لیکن مغرب مادہ پرستی میں مبتلا ہے اور اس نے روحانیت کو رخصت کر دیا ہے اس لیے یہ معاشرہ خود غرض بن کر رہ گیا ہے۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے　　　　قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

4۔بے مقصد تعلیم:

مغرب نے ہمیں ایسا بے مقصد نصاب تعلیم دیا ہے جس سے نہ تو مسلمان نوجوان میں اعلیٰ اقدار جنم لیتی ہیں اور نہ ہی مغرب جیسی علوم و فنون میں تحقیق و کھوج لگا سکتے ہیں۔

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی　　　　موسیقی و صورت گری و علم نباتات

5۔فلسفہ گوسفندی:

مغربی تعلیم نے ہمارے شاہین بچوں کو مو سا بنا دیا ہے۔ مسلمان شاہین بچوں کو کرگس کے ماحول میں رکھ کر اپنے اجداد کی خوبیوں سے محروم کر دیا ہے۔ لارڈ میکالے کا نظام تعلیم صرف ایسے افراد پیدا کرنا چاہتا ہے جو رنگ اور نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں مگر سوچ و فکر کا انداز مغربی ہو۔ انگریز کے خیر خواہ ہوں اور اپنے نفع نقصان کی فکر نہ کریں۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے　　　　سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

علامہ اقبال نے تربیت خودی کے تین مراحل بیان کیے ہیں۔

1۔اطاعت خداوندی

2۔ضبط نفس

3۔نیابت الٰہی

اقبال نے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کو تازہ کیا اور قرآن و رسول کی اتباع کی دعوت دی۔ اقبال نے فرد اور معاشرہ دونوں کو اہمیت دی اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ اقبال فرد کو نظریاتی بنیادوں پر استوار کر کے اسلام کی مرکزیت سے جوڑنا چاہتے ہیں۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں — موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر — ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اقبال تعلیم کے ذریعے خود اعتمادی، جرأت مندی، خودی، عشق، شجاعت، صداقت، عدالت اور تحقیق و جستجو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایسا نصاب تعلیم ہو جو نوجوان کو اسلامی تمدن کا راستہ دکھائے اور فرنگی تہذیب سے نجات دلائے۔

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے تابع رہنا چاہیے"۔

علم بے عشق است از طاغوتیاں — علم با عشق است از لاہوتیاں

یہ تھے وہ مغربی غیر مسلم اور مشرقی مسلم مفکرین کی تعلیمی نظام کے متعلق خیالات۔ ظاہر ہے یہ افکار کہیں راہ راست پر تھے اور کہیں بالکل تاریکیوں کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے۔ دنیا کو ایک ایسے نظام تعلیم کی رہنمائی درکار ہے جو ہر طبقہ فکر کے لیے ہو، مذہب و سوچ اور نسلی و لسانی سے بالاتر ہو کر ہر انسان کی فلاح چاہ رہی ہو اور ظاہر ہے اس کے لیے جناب رسول مکرم ﷺ کے دامن سے زیادہ عافیت کہاں میسر آسکے گی۔

معلم کائنات ﷺ کا عالمگیر پیغام

اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی ہدایت کے لیے انبیاء و رسل کی بعثت اور کتب و صحائف کے نزول کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا تھا (پہلے نبی و رسول حضرت آدم علیہ السلام اور آخری حضرت محمد ﷺ تھے) اس کا اختتام کتاب ہدایت پر اور ذات رسالت مآب پر ہوا۔ چودہ سو سال پہلے مکہ کی بے آب و گیاہ صحرا اور سنگلاخ وادیاں آمنہ کے لعل کے نور نبوت سے روشن ہوئیں۔ پھر یہی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیلیں، حضور ﷺ آمد کا مقصد قرآن کی زبان میں خالق بیان فرماتے ہیں۔ **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ** (43)۔

ترجمہ: "اللہ وہ ہے کہ جس نے حضور ﷺ کو ہدایت کے ساتھ بھیجا تاکہ آپ کا دین تمام دینوں پر غالب آجائے"۔

فطرت کے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کا سلسلہ جاری کیا۔ کیونکہ اس عالم رنگ و بو میں انسان کی گمراہی کے خارجی اور داخلی اسباب موجود ہیں۔ ساتھ ہی قدرت نے انسان کی فطرت میں دین اسلام کی قبولیت کی صلاحیت رکھی تاکہ وہ اپنی اس فطری صلاحیت کو بروئے کار لا کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ اگر انسان کی فطرت اس صلاحیت سے خالی ہوتی تو انسان کبھی دولت ایمان سے شرف یاب نہ ہوتا۔ حیوان اس فطری قوت سے محروم ہے اس لیے وہ دین کے اخلاقی ضابطے قبول کرنے سے عاجز ہے۔ اگر تربیت کے تمام اصول یکے بعد دیگرے کسی حیوان پر آزمائے جائیں تب بھی وہ حیوان ہی رہے گا کیونکہ قبولیت دین کی صلاحیت اس کے اندر موجود ہی نہیں اور یہیں سے انسان حیوان سے ممتاز ہوتا ہے (44)

حدیث قدسی ہے:

"میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا پھر شیاطین انھیں ان کے دین سے ہٹا لے گئے۔ میری حلال کردہ چیزوں کو ان کے لیے حرام کر دیا اور انھیں میری ذات میں شریک ٹھہرانے کا حکم دیا جس کی کوئی شرعی بنیاد نہیں"۔ (45)

فرائض منصب نبوت:

قرآن حکیم نے رسالت مآب کے چار فرائض منصبی نہایت توضیح و تفصیل کے ساتھ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۲۹،

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (129)

"اے ہمارے رب! اور ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب اور دانائی سکھائے اور انہیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے"۔

اگر ہم ان مذکورہ فرائض پر غور کریں تو ان سب میں ایک منطقی ترتیب نظر آئے گی نیز یہ ایک نظام تعلیم و تربیت کی بنیاد رکھنے کے لیے ہوگا۔

1۔ تلاوت آیات　　2۔ تعلیم کتاب

3۔ تعلیم حکمت و دانائی　　4۔ تزکیہ نفس

تلاوت آیات:

تلاوت آیات کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہونے والی آیات کو مطلقاً پڑھنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ ۔

"اے محبوب پڑھو جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی ہے"(47)

چنانچہ مکہ میں اکابرین قریش کو قرآن سنانا اور اس کی تعلیم کو قبول کرنے کی دعوت دینا آپ کا معمول تھا۔ آپ مسجد حرام میں عین خانہ کعبہ کی دیواروں کے سایہ میں بلند آواز سے تلاوت فرماتے تاکہ قرآن کا پیغام قریش کے کانوں میں پڑ جائے۔ بعض لوگ آپ سے بحث میں الجھتے تو آپ ان کو بھی قرآن کی آیات سنا کر اس کی تعلیم سے آگاہ فرماتے اور اللہ کی نشانیوں کو کھول کھول کر لوگوں پر واضح کرتے۔

تعلیم کتاب:

کتاب کا ایک مفہوم وحی آسمانی اور اس پر مشتمل کتاب ہے ذالک الکتاب لاریب فیہ کتاب کا دوسرا مفہوم قانون شریعت ہے۔ تعلیم سے مراد کسی کو بڑے اہتمام سے سکھانا ہے۔ اس اہتمام کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی کتاب سنائی اور پڑھائی جائے تو اس کو ہر پہلو سے واضح کیا جائے۔ سننے والوں کے کچھ سوالات ہوں تو ان کو جواب مہیا کیے جائیں۔ ان کی جانب سے اعتراض پیدا ہو تو اس کو دور کرنے کے لیے وضاحتیں پیش کی جائیں۔ اس کے اندر کچھ معانی ہوں جن کی طرف سرسری طور پر توجہ نہ ہوئی ہو تو ایسے معانی کھولے جائیں اور مخاطبین پوری طرح مطمئن کیے جائیں۔

تعلیم کتاب کے اس فریضہ کو ادا کرتے ہوئے حضور ﷺ نے تمام عبادات واصطلاحات وضو، صلوۃ، زکوۃ، حج و طواف و عمرہ وغیرہ کی عملی شکل متعین فرمائی اور امت کو اس کی تربیت دی۔ اسی طرح احکام شرعیہ جو قرآن میں اصولی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ان پر عمل کر کے ان کی تفصیلی شکل واضح فرمائی اور امت کو ان کا یہی طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا اسی کا نام سنت رسول ہے (48)۔

تعلیم حکمت:

حکمت سے مراد عقل و دانش کی وہ پختگی ہے جس سے صحیح فکر اور صحیح عمل وجود میں آتا ہے۔ آسمانی ہدایت میں جس طرح احکام شریعت دیے جاتے ہیں اسی طرح اس میں زندگی کا صحیح فلسفہ اور ہر ضروری معاملات میں درست فکر بھی واضح کی جاتی ہے۔ حکمت اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے اور نبی اکو اس کا معلم بنایا گیا ہے۔ آپ نے اس حوالہ سے اپنی حیثیت یوں بیان فرمائی ہے۔ **انما انا قاسم والمعطی ہو اللہ**، حکمت کی تعلیم کا طریقہ عقل کی تربیت اور کردار کی تعمیر ہے۔ کسی کو حکمت منتقل کرنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کی بکثرت مشق کرائی جائے۔ فہم کے لیے روشنی مہیا کی جائے اور غور و فکر اور تعقل و تدبر کی عادت ڈالی جائے۔

رسول اللہ ﷺ قرآن پر غور و فکر اور تدبر کی تربیت فرماتے۔ صحابہ کرام ؓ کی مجالس میں ان سے ایسے سوالات کرتے جن سے وہ سوچنے پر مجبور ہوں اور ان میں قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو مثال کے طور پر آپ نے ایک مرتبہ صحابہ ؓ سے پوچھا کہ وہ کون سا درخت ہے جو ایک بندہ مومن کی طرح ہے لوگ صحرا کے درختوں پر غور کرنے لگے لیکن آپ نے فرمایا کہ کھجور کا درخت ایک مومن کی مثال ہے۔

حضور ﷺ نے کئی چیزوں کی حکمت اسی طرح تمثیلات کی مدد سے سمجھائی، مثلاً آپ نے صحبت صالح کے فوائد عطر فروش کے پاس جانے اور بری صحبت کے نقصانات ایک لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھنے کے اثرات کی مدد سے سمجھائے (49)۔

تزکیہ نفوس:

رسول اللہ ﷺ کے تمام مذکورہ فرائض تلاوت آیات، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا اصل مقصود تزکیہ نفوس ہے جو تمام انبیاء کی بعثت اور جدوجہد کا حقیقی مقصد ہوتا ہے۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

تزکیہ کے معنی پاک وصاف کرنے کے ہیں آپ کا یہ صف پہلے دو اوصاف سے الگ ہے۔ یہ پاک وصاف کرنا آیات الٰہی کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد نبی اکی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کی تعلیم و تربیت پند و نصائح، حسن اخلاق اور تبلیغ و دعوت کی تاثیر سے برے اچھے اور بد نیک بن جاتے ہیں (50)۔

خالد مسعود لکھتے ہیں: تزکیہ ایک وسیع الاطراف عمل ہے اس میں زندگی کا ہر پہلو خواہ ظاہری ہو یا باطنی، عقلی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا اجتماعی وسیاسی، زیر بحث آتا ہے۔ اس میں اس بات کی تربیت ہوتی ہے کہ انسان کا رویہ صحیح علم پر مبنی ہو۔ وہ ایسے کام کرے جن سے اس کو اپنے پروردگار کا قرب حاصل ہو سکے اور وہ دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہو۔ اس میں معاملات کی اصلاح اور کنبہ و خاندان، معاشرہ اور قوم سب کے ساتھ درست فہم پر تعلقات کی تعمیر کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ تزکیہ کے عمل سے نکلنے کے بعد ایک انسان کامل وجود میں آتا ہے اور پیغمبر اسی طرح کے انسان کامل تیار کرتے ہیں جن کے دم قدم سے یہ دنیا قائم ہے (51)۔

مقاصد تعلیم:

اب ہم ان مقاصد پر بحث کرتے ہیں جو مختلف اقوام تعلیم کی وساطت سے حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

ہر قوم کے کچھ نہ کچھ مقاصد زندگی ہوتے ہیں جن کی تکمیل تعلیم سے ہی ممکن ہے جب مقاصد زندگی ہر قوم کے الگ ہوں گے تو مقاصد تعلیم بھی جدا ہوں گے۔ قوموں کا نظریہ حیات بھی گردش ایام کے اثرات سے بدلتا رہتا ہے۔ فاتح قوم کا نظریہ حیات حکمرانی اور رموز جہانبانی ہوتا ہے جبکہ محکوم قومیں اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے حاکم کے اشاروں پر چلتی ہیں۔ اس طرح ایک ہی ملک کے اندر دو نظام تعلیم مختلف مقاصد کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔

ہندوؤں کا مقصد حیات بت پرستی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آواگون کے نظریہ کی ترویج ہے جبکہ مسلمان توحید و رسالت کے ساتھ حیات بعد الممات کے قائل ہیں اس طرح دو مختلف نظریہ حیات جنم لیتے ہیں اور ان دو مخالف نظریات سے مختلف مقاصد تعلیم سامنے آتے ہیں۔

اسلام ایسی تعلیم تجویز کرتا ہے جو انسان کو بیک وقت زمین کی خلافت اور جنت الفردوس کی مالک بناتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمان اس تعلیم کے ذریعے روم و فارس کے حاکم بنے اور رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقام پر فائز ہو کر جنت کے مالک بن گئے۔ اسلام میں ایک طرف تو خالق و مخلوق کے تعلق کا ذکر ہے اور دوسری طرف سماجی امن وسلامتی لانے کی ہدایت ملتی ہے وہ شخص جو اسلام پر یقین رکھتا ہے اس کے لئے ان دو باتوں کا جاننا اور ماننا ضروری ہے۔ کلام پاک میں مومن کے لئے یہی کہا گیا ہے کہ وہ نمازیں قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ میری دانست میں یہی دو اساسی صفات

ہیں جو ایک مومن کو ایک انسان سے ممیز کرتی ہیں۔ اس میں ایک صفت مومن کا رشتہ خدا سے باندھتی ہے اور دوسری صفت مومن کو دوسرے انسانوں سے وابستہ کرتی ہیں (52)۔

اسلام میں تعلیم و تربیت کا بنیادی مقصد اللہ کا صالح بندہ بنانا ہے تاکہ وہ اللہ کے احکامات کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور وہ سب ایک نفس یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کئے گئے ہیں اس طرح بنیادی طور پر سب خدا کا کنبہ ہیں۔ قبیلے اور ذاتیں تو تعارف کے لئے ہیں۔

خداوند تعالیٰ ہی سب کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ یہ ساری کائنات اس نے انسان کے لئے بنائی ہے اس کی چیزیں ہمارے پاس امانت ہیں ہمیں ان کا استعمال اس کی مرضی کے مطابق کرنا چاہیے۔

انسان اس زمین پر خدا کا نائب ہے۔ اسے خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنی ہے جس خطہ میں بستا ہے اسے امن و آشتی کا گہوارہ بنانا ہے۔ اس زمین میں جو خزانے قدرت نے رکھے ہیں ان سے بھرپور فائدہ اٹھانا، سب کو اس میں شریک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اس کے اندر وہ صلاحیتیں اور قوتیں ودیعت فرمائی ہیں جن سے دوسری مخلوق عاری ہے تعلیم سے ان فطری قوتوں اور صلاحیتوں کی نشوونما کرنا مقصود ہے تاکہ انسان کی تخلیق کا مقصد پورا ہو سکے۔

اسلام تعلیم کے لئے مندرجہ ذیل مقاصد کا تعین کرتا ہے:

۱۔ عرفان خداوندی

۲۔ معرفت نفس

۳۔ اسلامی نظریہ حیات کا علم

۴۔ مقصد حیات اور اخروی زندگی

۵۔ انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن

۶۔ روحانی، جسمانی اور ذہنی نشوونما

۷۔ حصول رزق حلال

۸۔ معاشرے کی اقتصادی، سماجی، سائنسی اور فنی ضروریات کی تکمیل

۹۔ فرد کی تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا

اسلام کی نظر میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد انسانی پیدائش کے منشا کو پورا کرنا۔ اخلاق حسنہ سے آپ آراستہ ہونا اور دوسروں کو آراستہ کرنا۔ نہ جاننے والوں کو سکھانا، بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا حق کو پھیلانا اور باطل کو مٹانا ہے (53)۔

عہد نبوی میں تعلیم و تدریس کے مراکز:

یہ وہ مراکز فیض ہیں جہاں انسانیت کے مفید ترین افراد تیار کیے جاتے تھے۔ جس قدر قرآن نازل ہوتا صحابہ کرامؓ نبوی رہنمائی میں اس کا مذاکرہ کرتے، عقائد میں پختگی پیدا کی جاتی، مکارم اخلاق سے شخصیت سنواری جاتی۔ ویسے تو معلم اعظم ﷺ خود اپنی ذات میں ایک متحرک درس گاہ تھے، جدھر جاتے وہاں تزکیہ اور پاکیزگی کا ماحول بن جاتا۔ آپ کی ہر ادا، تکلم، عبادت، معاملہ، سونا، جاگنا ہر ہر ارشاد خداوند قدوس کے حکم کے تابع تھا۔ تاہم چند درس گاہیں جہاں اوصاف حمیدہ کے حامل افراد تیار ہوتے تھے درج ذیل ہیں۔

1۔ مکی درس گاہیں :

1۔ درس گاہ مسجد ابو بکر (54)

2۔ خواتین کی درسگاہ بیت فاطمہ بنت خطاب (55)

3۔ دار ارقم کا تعلیمی و تربیتی مرکز

یہ تعلیم و تربیت کی مرکزی درس گاہ تھی۔ کوہ صفا کے اوپر اس مکان سے نور نبوت کی تعلیمی و تربیتی ضیاپاشیاں چہار جانب کو منور کیے ہوئے تھیں۔ ہجرت تک یہ مکان تربیت کا مرکز رہا۔ یہیں سے دعوت اسلام کا فریضہ بھی سرانجام ہوتا تھا۔

2۔ مدنی مراکز تعلیم و تربیت :

مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری ہوتی ہے تو یہاں تعلیم و تعلم کو مرکزی حیثیت مل جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں **فان المدنیه فتحت بالقرآن**(56)۔ آپ کے بھیجے ہوئے مربین و معلمین بالخصوص حضرت مصعب بن عمیرؓ نے تعلیم قرآن کو ہر گھر پہنچا دیا۔

1۔ درس گاہ بنی زریق: یہاں کے اہم استاد و مربی حضرت رافعؓ تھے۔ (57)

2۔ مسجد قبا: مدینہ سے متصل ہی قبا کی بستی تھی جہاں مہاجرین صحابہ بھی اکٹھے ہوگئے۔ ان کو حضرت سالمؓ قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس نے میری امت میں سالم جیسا قاری و عالم پیدا کیا۔

3۔ حضرت سعد بن خیثمہ کا مکان: قبیلہ بنی اوس کے حضرت سعد بن خیثمہ کا مکان خالی تھا جہاں مہاجرین صحابہ پڑھتے پڑھاتے تھے۔

4: تعلیم گاہ نقیع الخضمات: یہ مرکز تعلیم و تربیت مدینہ سے 2 میل کے فاصلے پر ایک شاداب علاقے میں واقع تھا۔ یہاں حضرت سعد بن زرارہ کا مکان اسی تعلیم و تربیت کے لیے ہمہ وقف تھا۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں مسجد نبوی میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی۔ ممکن ہے ان کے بیٹھنے کی جگہ الگ الگ ہو لیکن اس مقام پر، جہاں رسول اللہ ﷺ تقریر فرماتے، دونوں کے لیے بیک وقت استفادہ کرنے کا امکان تھا۔ اس سے استنباط کیا جاسکتا ہے کہ سکول و کالج میں اس طرح کا انتظام کیا جاسکے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی نشستیں جدا جدا ہوں تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

نبوت سے قبل اہل مکہ کا لکھنے اور پڑھنے سے متصف ہونا بھی ثابت ہے۔۔۔۔۔ سیرت کی کتب میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ درج ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ کی ہمشیر کے پاس قرآن حکیم کی بیسویں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ ہجرت سے 4،3 سال قبل دائرہ اسلام میں آئے (58)۔

رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ میں مسلمان ہونے والے اہل مدینہ کو اس وقت تک نازل شدہ قرآن شریف کا ایک تحریری نسخہ بھی دیا تھا جسے وہ اپنے محلے کی مسجد میں باواز بلند پڑھا کرتے تھے (59)۔

جنگ بدر کے قریشی قیدیوں میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے مگر اپنی رہائی کے لیے فدیہ مال نہ دے سکتے تھے، ان کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ معاہدہ کیا کہ وہ دس دس لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔ اس معاہدے کے تحت بے شمار مسلمانوں نے لکھنے اور پڑھنے کی مہارت حاصل کرلی۔ (60)

طبری کے بیان کے مطابق حضرت معاذؓ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے جب یمن بھیجا تو ان کا فریضہ یہ تھا کہ ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں اور ایک کمشنری سے دوسری کمشنری میں جائیں اور وہاں تعلیم کا انتظام کریں۔ اس کے یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے تقرر کے وقت، ان کو جو ہدایت نامہ دیا گیا، اسے بھی تاریخ نے محفوظ کرلیا۔ اس میں ہمیں ٹیکس، انتظامی معاملات اور عدل و انصاف وغیرہ کے متعلق

ہدایات کے علاوہ یہ الفاظ بھی ملتے ہیں کہ لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کرو۔ گویا گورنر کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ اپنے دائرہ عمل (Jurisdiction) کے اندر رہنے والوں لوگوں کی تعلیم کا انتظام کرے(61)۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ مدینے میں عہد نبوی میں نو مساجد تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے محلے کی مسجد میں اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کریں۔ سب کے سب مرکزی مسجد میں نہ آیا کریں، کیوں کہ اس طرح طالب علموں کی تعداد بڑھ جانے کا اندیشہ تھا، جس سے سب کی تعلیم متاثر ہوتی اور ناکافی اساتذہ کے باعث بچوں کو تعلیم پانے کا موقع نہ مل سکتا۔ شاید مسافت اور حمل و نقل کا بھی مسئلہ تھا۔ تعلیم دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ لوگوں کو باہر بھی بھیجا کرتے تھے(62)۔

"صفہ جسے موجودہ زبان میں رہائشی جامعہ (Residential University) کہتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ صفہ میں تعلیم پانے والے طالب علم دو قسم کے ہوتے تھے کچھ تو وہ تھے جو شہر میں رہتے تھے اور پڑھ کر چلے جاتے تھے، لیکن کچھ ایسے تھے جن کا کوئی گھر نہیں تھا اور وہ رات بھی وہیں گزارتے تھے۔ ان کی تعداد ظاہر ہے گھٹتی بڑھتی رہی ہوگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ان کے گزر بسر کا کیا انتظام تھا اور کس طرح کھاتے پیتے تھے؟ آنحضرت ﷺ ان کے لیے سرکاری خزانے سے امداد فرماتے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فیاضی کے سبب ان کو مختلف اشیاء ملتیں، ایک اور چیز کا بھی پتا چلتا ہے کہ یہ لوگ دوسروں پر بوجھ بننے کی بجائے خود محنت کرکے اپنا سد رمق حاصل کریں اور باقی پورا وقت علم کے حصول میں صرف کریں(63)"۔

طریقہ تدریس:

نبی کریم ﷺ نے نظام تعلیم کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کرنے اور اسلامی مقاصد تعلیم کے حصول کے لیے جو طریقہ تدریس اپنایا وہ جامع تھا۔ آپ عالمگیر معلم تھے اس لیے آپ نے اپنے اس منصب کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اصحاب کی ایسی تربیت کی کہ مکہ کے بے آب و گیاہ صحرا نوردو دنیا کے لیے مینارۂ ہدایت ثابت ہوئے۔

باہمی گفتگو اور سوال و جواب دلکش انداز:

رسول اللہ ﷺ باتوں باتوں میں بہت سی ضروری معلومات بہم پہنچا دیتے تھے۔ یہ طریقہ بہت ہی دلچسپ، سادہ فطری اور مفید ہے۔ طلبہ نہایت بے تکلفی سے اپنا مطلب بیان کر دیتے ہیں۔ معلم کو ان کی مشکلات اور ان کے خیالات و جذبات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے میں آسانی رہتی ہے اور ان کی اصلاح و تربیت کا فطری موقع ہاتھ آتا ہے(64)۔ آنحضرت محمد اپنی بات بہتر طور پر ذہن نشین کرانے کے لیے کبھی تبادلہ خیال کے طرز کو اختیار فرماتے، کبھی سوال و جواب کے انداز میں گفتگو کرتے۔ اس سے کئی فائدے حاصل ہوتے۔ تمام موجود صحابہ پوری طرح متوجہ رہتے۔ وہ گفتگو میں دلچسپی لیتے۔ انہیں غور و فکر کرنے کا موقع ملتا۔ جس کی وجہ سے ان کی صلاحیت نکھرتی۔ اس طرح سوال و جواب کے ذریعہ حقائق کو بہت ہلکے پھلکے انداز میں ذہنوں میں بٹھا دیا جاتا۔ البتہ لغو اور لایعنی سوالات سے یا تو مناسب انداز میں منع فرمادیتے یا صرف نظر کر جاتے۔ غیر متعلق سوال ہوتا تو بات ختم کرنے کے بعد علیحدہ سے جواب ارشاد فرماتے۔ یہ طریقہ بہت مفید ہے۔ ضروری ہے کہ سوالات مختصر اور جامع ہوں۔ واضح الفاظ میں پوچھے جائیں تاکہ مخاطب اچھی طرح سمجھ جائیں(65)۔ آنحضور ﷺ سوال و جواب کے انداز میں صحابہ کرامؓ کے فکر و عمل کو کس طرح جلا بخشتے، اس کی چند مثالیں یہاں پر درج کی جارہی ہیں۔

1۔ ایک بار آنحضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ کے سامنے نہر بہہ رہی ہو اور کوئی شخص روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس پر کوئی میل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ اس پر ذرا بھی میل باقی نہیں

رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی حال پانچوں نمازوں کا ہے کہ اللہ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے (66)۔

2۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ؐ سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے کہ پتے درختوں پر سے گر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی، اس کے پتے اور بھی گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں جیسے یہ پتے درخت سے گر رہے ہیں (67)۔

3۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی اکرم ؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا ایک درخت ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور اپنی خوبیوں کے لحاظ سے وہ مسلمان آدمی کی طرح ہے (یعنی سراپا خیر ہی خیر ہے) بتاؤ وہ کون درخت ہے؟ صحابہ کرامؓ جنگلات کے درختوں کے بارے میں غور کرنے لگے ابن عمرؓ فرماتے ہیں میرے دل میں آرہا تھا وہ کھجور کا درخت مگر شرم کی وجہ سے چپ رہا۔ آخر کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود ہی عرض کیا اللہ کے رسول! آپ (ﷺ) ہی ہمیں بتا دیجیے کہ وہ کونسا درخت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے (68)۔

2۔ مناسب مواقعوں کی تلاش اور ان سے استفادہ:

آنحضور ﷺ اپنے صحابہؓ کی تربیت کے لیے بہتر مواقع کی تلاش میں رہتے۔ آپ ﷺ کو جب بھی کوئی موقع ملتا۔ آپ ﷺ اس کو ضائع نہ ہونے دیتے بلکہ اس سے پورا فائدہ اٹھاتے۔ ایک بار رسول خدا ؐ کے پاس کچھ قیدی آئے۔ قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کے پستانوں سے دودھ ٹپک رہا تھا۔ اسے قیدیوں میں ایک بچہ نظر آیا۔ اس نے شدت جذبات اور فرط محبت میں اس بچہ کو گود میں اٹھالیا۔ اسے اپنے پیٹ سے چمٹالیا اور اپنا دودھ پلایا، آنحضور ﷺ نے محسوس کیا کہ اس عورت کے جذبہ محبت سے صحابہؓ بہت متاثر ہیں۔ آپ ﷺ نے اس تاثراتی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: اگر اس عورت کو اختیار دے دیا جائے تو کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: خدا کی قسم یہ عورت ایسا نہیں کرسکتی۔ اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا: یہ عورت اپنے بچے پر جتنی مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔ جب اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے محبت سے فضا کو رقت آمیز دیکھا تو اللہ کی محبت، رحم و کرم کو صحابہ کے ذہنوں میں جاگزیں کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اس موقع سے کس طرح فائدہ اٹھایا اور سوال و جواب کے انداز میں اس حقیقت کو اس طرح ذہن نشین کیا کہ یہ منظر لوگ تادم آخر نہ بھول پائے ہوں گے بلکہ ہر ملاقاتی اور شناسا سے اس واقعہ کو بیان کر کے اللہ کے رحم و کرم کی بے پناہی کا تذکرہ کرتے رہے ہوں گے۔ آیئے، اس سلسلہ میں ایک دوسرے واقعہ پر غور کرتے چلیں۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک بکری کا بچہ مرا ہوا پڑا ہے۔ ایسے مقام سے آدمی بہت تیزی سے گذر جاتا ہے۔ غالباً صحابہ کرامؓ بھی اس گھناؤنے منظر سے بہت تیزی سے گزرنا چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کے ان جذبات کو محسوس کر لیا۔ آپ نے اس کیفیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور دنیا کی بے وقعتی کو اس انداز سے صحابہؓ کے ذہنوں میں بٹھایا کہ پھر دنیا کی ظاہری جگمگاہٹ ان کی نظروں کو کبھی بھی اپنی طرف نہ پھیر سکی (69)۔

ایک مربی کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ کبھی بھی مناسب موقع پر نہ چوکے۔ والدین اپنے بچوں، اساتذہ اپنے شاگردوں، امیر اپنے مامورین کی تربیت کے لیے موقع کی تلاش میں رہیں۔ اگر کوئی بات ذہن نشین کرانے کے لیے ذرا سا بھی بہانہ مل جائے تو اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک گاؤں سے واپسی پر مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کو دونوں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ وہاں چھوٹے کانوں والا ایک مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے کان پکڑے اور فرمایا تم میں سے کون

مردہ بچہ کو ایک درہم میں خریدنے کے لیے تیار ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا: ہم کسی بھی قیمت پر اس کو خریدنا نہیں چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے کسی کام کا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی کان چھوٹے ہونے کا عیب اس میں تھا اور اب تو یہ مردہ ہے۔ اس لیے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم! یہ بچہ تمہاری نظر میں جتنا بے وقعت ہے، دنیا اللہ کی نظر میں اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے(70)۔

3۔ جامع الکلام اور فضول گفتگو سے اجتناب:

تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں آپ کی ایک خاص حکمت یہ بھی رہی ہے کہ زیادہ لمبی بات، اکتا دینے والے وعظ سے گریز فرماتے۔ مختصر سے مختصر الفاظ میں اپنے مدعا کو بیان کرنے کی کوشش کرتے تاکہ سننے والے کے ذہن میں بات اچھی طرح بیٹھ جائے اور اگر آدمی ازبر کرنا چاہے تو آسانی سے ازبر کر سکے۔ چنانچہ احادیث میں بہت سے آپ ﷺ کے جملے ایسے ملتے ہیں جو الفاظ کے اعتبار سے بہت مختصر ہیں۔ مگر ان میں معانی کا ایک سمندر پنہاں ہے۔ اصطلاح میں اس طرح کے کلمات کو جوامع الکلم کہا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی گفتگو جامع کلمات کے ساتھ ہوتی (الفاظ کی بہ نسبت معانی زیادہ ہوتے) آپ ﷺ کا کلام جدا جدا ہوتا نہ اس میں کوئی زائد فضول بات ہوتی اور نہ (ایسی) کمی ہوتی (کہ مطلب نہ سمجھ آسکے) مثال کے طور پر ہم چند جوامع الکلم یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں نپی تلی بات کو کس کس انداز سے کہنا چاہیے۔

۱۔ خیر الامور عوازمها شر العمی عمی القلب۔

ترجمہ: بہترین معاملہ وہ ہے جس کا عزم کر لیا گیا ہو۔ سب سے برا اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔

۲۔ خیر العلم ما نفع الید العلیا خیر من الید السفلیٰ۔

ترجمہ: بہترین علم وہ ہے جو نفع بخش ہو۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

۳۔ شر الندامة یوم القیامة۔

ترجمہ: قیامت کے روز لاحق ہونے والی پشیمانی سب سے بڑی پشیمانی ہوگی۔

۴۔ خیر الغنی غنی النفس

ترجمہ: بہترین مالداری دل کی مالداری ہے۔

۵۔ الشباب شعبة من الجنون

ترجمہ: نوجوانی پاگل پن کا ایک دور ہے۔

۶۔ المرء مع من احب

ترجمہ: انسان کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھے گا۔

۷۔ کل معروف صدقة

ترجمہ: ہر ایک نیکی صدقہ ہے۔(71)

یہ چند جوامع الکلام ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضور ﷺ مختصر الفاظ میں بے پناہ معانی کو سمو دیتے تھے۔

4۔ مناسب حد تک غصہ و سزا:

ہم نبی کریم ﷺ کے طریق تربیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو سیرت پاک میں ایسی بہت سی مثالیں سامنے آتی ہیں کہ آپ ﷺ نے بوقت

ضرورت تیور بدل کر بھی بات کی اور زجر و توبیخ سے بھی کام لیا۔ اصلاح و تربیت کی خاطر آپ ﷺ نے ترک تعلق بھی کیا اور اس کا حکم بھی دیا اور اس سلسلہ میں اصول متعین فرما دیا: ایمان کا مضبوط ترین رشتہ یہ ہے کہ اللہ کے لیے دوستی کی جائے، اللہ کے لیے دشمنی کی جائے، اللہ ہی کی خاطر محبت ہو، اور اللہ ہی کی خاطر ناراضگی ہو۔ اگر ضرورت متقاضی ہو تو اصلاح و تربیت کے لیے زجر و توبیخ اور ترک تعلق بھی ایمان کی علامت اور اسلام کا منشاء ہے (72)۔

نبی کریم ﷺ حتی الامکان نرمی، محبت و دل سوزی، پیار و ہمدردی کے جذبات سے سرشار ہو کر نصیحت فرماتے۔ مگر جب حالات سختی اختیار کرنے کا تقاضا کرتے تو آپ سختی سے بھی کام لیتے۔ کبھی چہرے کے تیور بدل لیتے، کبھی آواز کو بلند فرمالیتے، کبھی سخت لب و لہجہ اختیار فرماتے، کبھی ترک کلام اور ترک تعلق اختیار کر لیتے اور جب معاملہ حدود و تعزیرات کا آتا تو بلا کسی رعایت کے اسلامی حدود و تعزیرات بھی نافذ فرماتے۔ چنانچہ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے کوئی انتقام نہیں لیا ہاں، مگر حدود اللہ کی پامالی پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر اللہ کے حدود کو پامال کیا جاتا تو آپ ﷺ سب سے زیادہ غضب ناک ہو جاتے۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اپنے نفس کے لیے کوئی انتقام لیتے نہیں دیکھا، مگر یہ کہ اللہ کے کسی حق کی پامالی کی جاتی تو ایسی صورت میں آپ لوگوں میں سب سے زیادہ غضب ناک ہوتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک بار ہم تقدیر کے مسئلے پر جھگڑ رہے تھے۔ آنحضور ﷺ جھگڑے کو سن کر باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ ہم پر اتنا ناراض ہوئے کہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے انار کے دانے آپ ﷺ کے رخساروں پر نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ کیا میں اسی کی خاطر بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ بھی جب اس معاملہ میں لڑے تو ہلاکت سے نہ بچ سکے (74)۔

5۔ محبت فاتح عالم:

تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں حضرت محمد ﷺ محبت، پیار اور دل سوزی کا لب و لہجہ اپناتے۔ آپ ﷺ کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آواز مخاطب کے دل میں اترتی چلی جاتی۔ آپ ﷺ کا انداز اس قدر خیر خواہانہ اور اس قدر شیریں ہوتا کہ مخاطب مجال سرتابی نہ کر سکتا اور آپ ﷺ کی بات کو نہایت خوش دلی سے عملی جامہ پہنانے کے لیے تیار ہو جاتا۔

آپ ﷺ کی محبت و ہمدردی محض زبان ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ سر تاپا محبت تھے۔ لوگوں کے دکھ درد میں بذات خود شریک ہوتے، مصائب میں ان کی دل جوئی کرتے، خوشی کی تقریبات میں شرکت کر کے ان سے اپنی قربت کا اظہار فرماتے۔ ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے، اظہار محبت کے لیے مصافحہ اور معانقہ بھی کرتے، بعض اوقات پیشانی چوم لیتے، محبت آمیز بے تکلفی میں کبھی کبھی احباب کو مختصر ناموں سے پکارتے۔ حضرت عائشہؓ کو کبھی عائش کہہ کر پکارتے۔ کبھی حضرت ابو ہریرہؓ کو صرف اباہر کے نام سے پکارتے۔ محبت و ہمدردی پیدا کرنے والے الفاظ اور جملے استعمال کرتے۔ حضرت انسؓ کو پیار سے یاذاالاذنین (دو کانوں والے) کہہ کر خطاب کرتے۔ ایک بار عبد اللہ بن بشیر کی والدہ نے ان کے ہاتھ آنحضور ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر کچھ انگور بھیجے۔ حضرت عبد اللہؓ راستے میں کھا گئے۔ بعد میں اصل معاملہ کھلا تو آپ ﷺ پیار سے عبد اللہ کا کان پکڑ کر کہتے یاغدر یاغدر (او دھوکہ باز، او دھوکہ باز (76)۔

6۔ ذہنی استعداد کے مطابق بات کرنا اور علم نفسیات کا اطلاق:

رسول اکرم ﷺ ایک ماہر تعلیم تھے اور ایک ماہر تعلیم اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ جو بات وہ کہنا چاہتا ہے آیا وہ مخاطبین کی ذہنی استعداد کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس بات کا بڑا خیال فرماتے تھے کہ اگر ایک شخص نیا مسلمان ہوا ہے اور دوسرا قدیم الاسلام تو

دونوں کو سمجھانے میں فرق رکھیں تاکہ دونوں اپنی ذہنی استعداد کے مطابق سمجھ سکیں۔ یہی فرق آپ ﷺ ایک شہری اور ایک دیہاتی کی تعلیم میں ذہنی استعداد کو مد نظر رکھ کر روا رکھتے(77)۔

رسول اللہ ﷺ گفتگو برتاؤ اور ہر چیز میں لوگوں کے مراتب اور ان کی نفسیات کا پورا خیال رکھتے۔ آپ ﷺ کو مردم شناسی میں کمال حاصل تھا۔ ہر شخص کی خوبیوں اور اس کے کمزور پہلوؤں پر آپ ﷺ کی گہری نظر ہوتی۔ ہر شخص کے مزاج اور طبیعت کا گہرا مطالعہ کرتے۔ ہر معاملہ میں ان کے مزاج اور ساخت کا خیال رکھتے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھا کہ سننے والے کی استعداد کیا ہے۔ آپ ﷺ بات سمجھانے کی کوشش کرتے وہ ایک اچھے معلم کی طرح سامع کا نفسیاتی جائزہ لیتے تھے۔ اس کے ذہنی پس منظر، اس کی استعداد اور اس کے مزاج کو سامنے رکھ کر گفتگو کرتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے استعداد و عقل کو نظر انداز کیا ہو اور کبھی ایسا نہیں رہا کہ سامع نے آپ ﷺ کی بات کو نہ سمجھا ہو یا غلط سمجھا ہو(78)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بنی فزارہ کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے سیاہ بچے کو جنم دیا اور میں پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے جواب ہاں! آپ ﷺ نے پوچھا ان کے کیا رنگ ہیں؟ اس نے کہا سرخ۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں سیاہی مائل بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کہاں سے آگیا؟ کہنے لگا ان کی اصل نسب میں کہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بھی کہیں اصل نسب کا اثر ہوگا(79)۔ ہر مربی کو ان کی روشنی میں اپنے زیر تربیت افراد کی نفسیات و مزاج کو سمجھنا ان کے حالات و کوائف کے مطابق بات کو سمجھانا از حد ضروری ہے۔

7۔ مثالوں اور تشبیہات سے وضاحت:

نبی کریم ﷺ وعظ و نصیحت کرنے اور اپنی بات کو ذہن نشین کرانے اور موثر بنانے کے لیے بسا اوقات ایسی چیزوں سے تشبیہ دیتے اور مثالوں میں ایسی چیز کو پیش کرتے جو لوگوں کے مشاہدہ میں رہتیں تاکہ آپ ﷺ کی بات واضح ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مومن مومن کا آئینہ ہے۔ یہاں آپ ﷺ نے ایک مومن کو دوسرے مومن کے لیے آئینہ سے تشبیہ دی ہے اور اس تشبیہ کے ذریعہ آپ ﷺ نے سننے والے کے ذہن میں موثر انداز میں یہ بات ذہن نشین کرا دی کہ ایک مومن کے لیے دوسرا مومن آئینہ کی طرح ہے۔ آئینہ صرف اسی وقت آدمی کے عیب کو ظاہر کرتا ہے جب آدمی آئینے کے سامنے ہو۔ اگر آدمی سامنے نہ ہو تو آئینہ میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی طرح سے ایک مومن دوسرے مومن کی کمی صرف اسی کے سامنے بتاتا ہے پیٹھ پیچھے نہیں کہتا۔ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس تشبیہ سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک مومن کی خوشی یا غم کو دوسرے مومن کے چہرے پر پڑھا جانا چاہیے۔ اگر ایک مسلمان بھائی کے چہرہ پر غم و افسردگی کے آثار ہیں تو دوسرا بھائی بھی اس غم میں شریک نظر آنا چاہیے اور اگر ایک مسلمان بھائی کے چہرہ سے مسرت و شادمانی ٹپک رہی ہے تو دوسرے مسلمان بھائی کے چہرے پر بھی مسرت و شادمانی کی چمک ہونی چاہیے۔ آنحضور ﷺ نے اس مختصر سی تشبیہ کے ذریعہ مخاطب اور سننے والے کو کتنا کچھ دیا ہے اور مسلمانوں کے باہمی تعلق کی کتنے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی(80)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی مثال کھیتی کی طرح ہے کہ جسے ہوا مسلسل جھکولے دیتی رہتی ہے۔ اسی طرح مومن کو مسلسل مصائب پہنچتے رہتے ہیں اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے کہ معمولی ہوا سے نہیں ہلتا اور آخر کار (آندھی میں) جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے(81)۔

ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے جیسے ایک جسم۔ اگر اس جسم کا کوئی حصہ بھی تکلیف میں مبتلا ہو تو وہ اپنے سارے جسم میں تکلیف محسوس کرے گا(82)۔

مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت کرنے، پیار کرنے اور رحم کرنے کے سلسلہ میں ایک جسم کی طرح ہے، اگر جسم کا کوئی حصہ بیمار ہوتا ہے تو باقی جسم تکلیف اور جاگنے میں اس کے شریک ہوتے ہیں۔

8۔ شگفتہ مزاجی:

نبی کریم ﷺ جب مسکراتے یا خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک روشن روشن نظر آنے لگتا۔ حضرت کعب بن مالکؓ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے۔ آپ ﷺ غزوہ سے واپس تشریف لائے۔ منافقوں نے عدم شرکت کے بہانے بنائے۔ لیکن تین صحابہ کرام جن میں حضرت کعبؓ شامل تھے اپنی کوتاہی کا اعتراف کرلیا۔ پچاس راتوں کی مسلسل تکلیف کے بعد ان کی توبہ کی قبولیت پر مشتمل آیات نازل ہوئیں۔ حضرت کعبؓ کو خوشخبری ملی فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ حضرت کعبؓ کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائے۔ حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ انور روشن ہو جاتا گویا کہ آپ ﷺ کا چہرہ چاند کا ٹکڑا ہے (83)۔ حضرت عبد اللہ بن حارثؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہیں دیکھا (84)۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی بھی ہمارے پیارے نبی ﷺ کو اس قدر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کے حلق کا کوا نظر آتا، آپ ﷺ صرف مسکرایا کرتے تھے۔ حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے صرف مسکرایا کرتے تھے (85)۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے اسلام قبول کیا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے رہا اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ مجھے مسکرا کر دیکھا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے سواری کی ضرورت ہے مجھے اونٹ پر سوار کروا دیجئے۔ آپ ﷺ نے (بطور مزاح) اس سے فرمایا: میں تو تجھے اونٹ کے بچے پر سوار کروں گا۔ اس شخص نے پریشان ہو کر کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں اونٹ کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا بڑے اونٹ کو بھی تو اونٹنی نے جنا ہے۔ یعنی یہ بھی اونٹ کا بچہ ہی ہے (86)۔

اس مزاح کو جن لوگوں نے سنا ہوگا۔ یقیناً وہ مسکرائے بلکہ ہنسے بغیر نہ رہ سکے ہوں گے۔ مگر آنحضور ﷺ کا مقصد محض ہنسنا ہنسانا نہیں تھا بلکہ اس آدمی کی ذہنی تربیت کرنا مقصود تھی۔ اس کے ذہن کو سوچنے اور غور و فکر کرنے کے لیے آمادہ کرنا تھا نتیجہ اخذ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا۔ یہ بات واضح کر کے کہ اونٹ خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے۔ کتنے ہی بوجھوں کو لادے پھرے۔ وہ پھر بھی اونٹنی کا بچہ ہی رہتا ہے۔ دراصل اس انداز سے ایک کم ذہین آدمی کے لیے ذہانت کی صلاحیت پیدا کرنا تھی۔

9۔ ابریشم کی طرح نرم:

تعلیم و تربیت کے لیے نرمی ضروری ہے۔ جس طرح نرمی اور شفقت سے انسان کے ذہن میں جگہ پاتی ہے اس طرح سختی سے نہیں پاتی۔
حضرت عائشہؓ رسول اکرم ﷺ کی حدیث روایت کرتی ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور تمام کاموں میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت کا ایک وصف یہ تھا کہ آپ اس میں ہمیشہ نرمی اور حلم سے کام لیتے تھے۔ آپ نے کبھی سخت لہجہ اور درشت رویہ اختیار نہیں کیا۔ اس کی گواہی حضرت انسؓ نے یوں دی ہے کہ میں بچہ تھا اور ہر وقت آپ ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا۔ بچپنے کی وجہ سے بے دھیانی اور حکم عدولی بھی ہو جاتی تھی لیکن حضور ﷺ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی میرے ساتھ غصے سے بات کی (87)۔

ہم جناب رسول اکرم ﷺ کے طریق تربیت پر جب غور کرتے ہیں تو احادیث سے یہ بات واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ رسول

اللہ ﷺ تعلیم و تربیت اور اصلاح و تزکیہ کے سلسلہ میں نہ شدت کی روش اختیار فرماتے تھے اور نہ ہی دوسروں کو اس کی اجازت دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی شخصیت لوگوں کے لیے نہایت دلکش اور محبوب تھی کیونکہ آپ ﷺ کبھی بھی طاقت سے زیادہ ان پر بار نہیں ڈالتے تھے۔ آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمایا: "اپنے آپ کو اتنے ہی عمل کا مکلف بناؤ جس کی طاقت اور سکت تمہارے اندر موجود ہو۔ اس لیے کہ اللہ نہیں اکتاتا مگر تم اکتا جاؤ گے"۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "دین آسان ہے جو شدت کا رویہ اپنائے گا وہ مغلوب ہو جائے گا اس لیے سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو"۔

تعلیم و تربیت کے سلسلے میں نرمی و آسانی کو اختیار کرنا اور سختی سے اجتناب کرنا کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا تو انھیں نصیحت فرمائی: "نرمی کرنا، سختی نہ کرنا، خوش خبری سنانا، متنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا، باہمی اختلاف سے بچنا"۔

نبی کریم ﷺ اس بات کا اہتمام فرماتے کہ اسلامی تعلیمات کو آسان تر بنا کر پیش کیا جائے تاکہ صحابہ کرامؓ نہایت خندہ پیشانی سے ان تعلیمات کو اپنا سکیں اور اپنی زندگی میں انھیں عملی جامہ پہنا سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے اسی طرح یہ اس کے نزدیک پسندیدہ امر ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے" (88)۔

10۔ امید و حوصلہ:

نبی کریم ﷺ اصلاح و تربیت، دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں قنوطیت اور مایوسی کے بجائے امید و رجا کو اہمیت دیتے تھے۔ اپنے اصحابؓ کی حوصلہ افزائی فرماتے، ان کی ہمت بندھاتے اور سخت سے سخت حالات بھی روشن پہلو کو اجاگر کرتے۔ ایک بار حضرت خباب بن الارت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! راہ اسلام میں ہمیں ستایا جا رہا ہے، شدید ترین ایذائیں پہنچائی جا رہی ہیں۔ کیا آپ ﷺ ہمارے لیے دعائیں نہیں کریں گے، کیا آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ سے مدد طلب نہیں کریں گے؟ ان کی یہ شکایت سن کر آنحضرت نے فرمایا: تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں جن کی ہڈیوں سے گوشت اور پٹھوں کو لوہے کی کنگھیوں سے چھیل دیا گیا۔ ان میں سے کسی کے آری سے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ وہ ان تکلیفوں کو برداشت کرتے تھے لیکن اپنے دین سے منحرف نہیں ہوتے تھے۔ اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا۔ یہاں تک کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا لیکن اسے راستہ میں خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا! البتہ اپنی بھیڑ بکریوں پر بھیڑیوں کا اندیشہ ہوگا۔ یہ سب کچھ ہو کر رہے گا لیکن تم لوگ جلد بازی کر رہے ہو!

مکہ کے پر آشوب حالات کا تصور کیجئے۔ جہاں صحابہ کرامؓ پر مصائب و آلام کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ ان کربناک حالات میں جب رسول اللہ ﷺ سے شکایات کی جاتی ہے تو پہلے آپ انبیاءؑ اور ان کے ماننے والوں پر کیے گئے مظالم کا تذکرہ کرکے صحابہؓ کی ڈھارس بندھاتے ہیں اور مستقبل میں کامیابی و کامرانی کا مژدہ سناتے ہیں!

ایک بار کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ سے حضور ﷺ نے کعبہ کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ غور کیجئے کی دور میں حالات کتنے سخت اور ناساز گار تھے مگر آپ ﷺ نے ان تاریک ترین حالات میں شمع امید کو ان الفاظ سے فروزاں کیا: "ایک دن آنے والا ہے جب یہ کنجی ہمارے ہاتھ میں ہوگی اور ہم جسے چاہیں گے اس کے حوالے کر دینگے"۔

آیئے غزوہ خندق کے واقعہ پر بھی غور کرتے چلیں۔ اسلام دشمن طاقتوں نے متحدہ محاذ بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کر دینے کا منصوبہ

بنایا۔ تمام عرب قبائل اور یہودی طاقتوں نے مجتمع ہو کر مدینے پر حملہ کی تیاری مکمل کر لی۔ ذرا غور کیجئے۔ مخالفین کا ٹڈی دل لشکر، خندق کی کھدائی کا مرحلہ، رفقاء کی قلت، بے سروسامانی کی انتہا، فاقہ کشی کا عالم، منافقین کے ہمت شکن عذرات، مدینہ میں یہودیوں کی سازشوں کے اندیشے، انسانی حوصلوں کو دبا دینے والی اس پیچیدہ صورت حال میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ خندق کھودنے میں منہمک رہے۔ مگر پھر بھی مایوسی و ناامیدی کا دور دور تک کوئی نشان نہیں۔ رسول خدا کی عزیمت و ہمت، نشاط و شگفتگی اور بلند ہمتی و بلند حوصلگی، صحابہ کرامؓ کے لیے مہمیز کا کام کر رہی ہے۔ خندق کی کھدائی کے دوران کچھ سخت چٹانیں صحابہ کرامؓ سے نہیں ٹوٹ پاتیں۔ رسول خدا کدال سنبھال کر ضرب لگاتے ہیں۔ پہلی ضرب لگا کر فرمایا کہ یمن میرے لیے فتح ہو گیا۔ دوسری ضرب لگا کر فرمایا شام اور المغرب میرے لیے سرنگوں ہو گئے، تیسری ضرب لگا کر فرمایا خطہ مشرق (ایران) فتح ہو گیا (89)۔

11۔ آسانیوں سے مشکل کی طرف سفر:

رسول اللہ ﷺ دعوت و تربیت کے سلسلہ میں تدریج کا اہتمام فرماتے تھے۔ کبھی بھی مخاطب پر ہدایات کو یکبارگی نہ لادتے بلکہ اپنے مخاطب کی صلاحیت اور طاقت کے مطابق سے تھوڑے تھوڑے احکام کا پابند بناتے۔ واقعہ یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں تدریج ایک فطری اور ضروری چیز ہے۔ اگر تدریج کا خیال نہ رکھا جائے تو اصلاح و تربیت کا کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔ زیر تربیت افراد کی خوبیوں اور خامیوں کا اچھی طرح تجزیہ کر کے ایک ایک خامی کو دور کرنا چاہیے اور ایک ایک خوبی کو پروان چڑھانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ کسی کی تمام خامیاں یک لخت ختم ہو جائیں تو یہ خام خیال ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کا نزول ۲۳ سالوں کے درمیان جستہ جستہ ہوا۔ اسی طرح سے اسلامی احکام و تعلیمات کا نفاذ یک لخت نہیں کیا گیا بلکہ تدریج و ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ میں جو کردار پروان چڑھا اس کی مثال کسی دوسری تحریک میں نہیں ملتی۔ آنحضور ﷺ تدریج کا کس درجہ خیال رکھتے تھے اس کا اندازہ اس نصیحت سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا کہ تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی طرف جا رہے ہو تو پہلے ان کو اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر رات اور دن میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے مالداروں پر زکوۃ فرض کی ہے کہ وہ ان کے مالداروں سے وصول کر کے ان ہی کے غریبوں میں تقسیم کی جائے گی۔ اگر وہ اسے بھی مان لیں تو خبردار ان کے اچھے مالوں کے لینے سے بچنا اور ہمیشہ مظلوم کی فریاد سے بچنے کی کوشش کرنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ اس روایت سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دین کو لوگوں کے لیے کس طرح آسان اور قابل قبول شکل میں پیش کیا جاتا ہے (90)۔

12۔ پردہ پوشیاں:

اپنے ساتھیوں کے ساتھ حسن ظن رکھنا، ان کی لغزشوں کی تاویل کر لینا، معمولی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دینا کسی بھی جماعت یا تحریک کے لیے ضروری ہے۔ کسی کی تربیت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اس کے ساتھ حسن ظن اور خوش گمانی سے کام نہ لیا جائے۔ سوء ظن کے ساتھ نہ کبھی کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ سیرت اور کردار کی تعمیر جیسے عظیم کام کے لیے ضروری ہے کہ اپنے زیر تربیت افراد کے سلسلے میں ہر قسم کی بدگمانی کے ذرا سے شائبہ کو بھی شامل ہونے کی اجازت نہ دی جائے اور اگر غلطی واضح ہو کر سامنے آ جائے تو حتی الامکان حسن ظن سے کام لے کر، خوبصورت تاویل کر کے اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک مربی کی نگاہ اگر کسی کی کوتاہی کی جانب اٹھے تو اس طرح سے اٹھے جیسے ایک طبیب کی نگاہ کسی بیمار کی طرف اٹھتی ہے نہ کہ اس طرح جیسے کسی آئی جی کی نگاہ چور کی طرف اٹھتی ہے۔ ایک صحابی شراب پینے کے روگ میں مبتلا ہو گئے۔ ایک

سے زائد بار شراب پینے کی حالت میں ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ ہر بار ان پر مار پڑتی، سزا دی جاتی، لیکن ہر بار شیطان شراب کی لت بن کر ان پر غالب آجاتا اور وہ پھر شراب پی لیتے۔ پھر آنحضور ﷺ کے پاس ان کو لایا جاتا انہیں سزا دی جاتی مگر وہ پھر شراب پی لیتے۔ ایسا کئی بار ہوا۔

13۔ گھل مل جانا:

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں عام سماجی رابطہ سے بڑا کام لیا۔ آپ ﷺ نے اپنے تعلقات کو صرف ضابطہ کی حد تک محدود نہ رکھا بلکہ تمام انسانوں سے عموماً اور اپنے اصحاب سے خصوصاً بہت قریبی ربط وضبط رکھا۔ رسول خدا امقام نبوت پر فائز ہونے کے باوجود عوامی حلقوں سے گہرا رابطہ رکھتے تھے۔ معاشرہ کے افراد سے ذاتی اور نجی تعلقات رکھتے تھے۔ لوگوں کے کام آتے ان کی مدد کرتے ان کو اچھے مشوروں سے نوازتے اور اس طرح پورے معاشرہ میں باہمی محبت اور ربط وضبط کی فضا بنائے رکھتے جو کسی بھی معاشرہ کے ارتقاء کے لیے ضروری ہے۔ آپ ﷺ لوگوں سے کٹ کر نہ رہتے بلکہ ان میں گھل مل کر رہتے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے سفر میں ان کے ساتھ کھانا پکانے کے لیے لکڑیاں چنتے، مسجد کی تعمیر ہوتی تو آپ ﷺ خود بھی پتھر چن چن کر لاتے۔ خندق کی کھدائی کا موقع آیا تو آپ ﷺ نے بھی کدال سنبھالی اور صحابہؓ کے ساتھ خندق کھودی۔ جنگ کا موقع ہوتا تو صحابہؓ کے ساتھ آخر وقت تک شریک رہتے۔ اپنے رفقاء کے غم اور خوشی کو اپنا غم اور خوشی سمجھتے اور ان کے غم اور خوشی میں شریک ہوتے، ان کے دکھ درد کو بانٹ لیتے، مصیبت زدوں کا سہارا بنتے۔ پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے، ٹوٹے دلوں کو جوڑتے، غم زدوں کے زخموں پر مرہم رکھتے، اپنے حسن سلوک اور سچی مسکراہٹوں سے لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرتے۔

ایک بار بچوں کے پاس سے گزر ہوا تو ان کو سلام کیا۔ ایک مرتبہ عورتوں کے پاس سے گزرے تو انہیں بھی سلام کیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور گھر سے نکلتے ہوئے گھر کے افراد کو سلام کرتے۔ کوئی ساتھی کئی دن کے بعد ملتا تو اس سے معانقہ بھی کرتے۔ کبھی کبھی پیشانی چوم لیتے۔ رخصت کرتے ہوئے دعا میں یاد رکھنے کی درخواست کرتے۔ احباب سے مصافحہ بھی کرتے اور اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچتے جب تک دوسرا ہاتھ نہ کھینچ لیتا۔ کسی کو کوئی پیغام پہنچانا ہوتا تو سلام ضرور کہلاتے۔ احباب اور رشتہ داروں کو ہدیے دیتے۔ ان کے ہدیے بھی شکریہ کے ساتھ قبول کرتے اور فرماتے: ہدیہ دینے اور لینے سے محبت بڑھتی ہے۔ مجلس میں جاتے تو کنارے ہی بیٹھ جاتے، کندھوں کو پھلانگ کر آگے نہ بڑھتے۔ اپنے لیے کسی خاص مقام کا انتخاب نہ کرتے اور نہ ہی صحابہؓ کو اجازت دیتے کہ وہ آپ ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوں! مجلس میں جو موضوع چل رہا ہوتا اسی میں شریک ہو جاتے، الگ سے کوئی موضوع نہ چھیڑتے۔ کسی کی بات کو کبھی نہ کاٹتے، کہنے والے کی پوری بات سنتے اور اسے اطمینان بخش جواب دیتے۔ کوئی پکارتا تو ہمیشہ لبیک (حاضر ہوں) کہتے۔

14۔ ٹھہرا ٹھہرا اور قابل فہم انداز کلام:

جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے تا کہ سامع پوری طرح مستفید ہو اور اگر ضرورت پڑتی تو آپ ﷺ بات کو دہراتے تا کہ سمجھنے میں کمی نہ رہ جائے۔ کسی سے اس وقت تک استفادہ ممکن نہیں جب تک ایک ایک لفظ نہ محفوظ ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے یہی طریق منقول ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی عادت تھی کہ بات بڑی فصاحت اور وضاحت کے ساتھ فرماتے۔

رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں بعض اوقات سامعین کی تعداد زیادہ ہوتی اور ہر فرد تک بات پہنچانا مشکل ہوتا، یہ احساس رہتا کہ بعض افراد بات نہیں سمجھ پائیں گے اس لیے رسول اکرم ﷺ اپنی بات کو تین دفعہ دہراتے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اہم بات کو (حسب ضرورت) تین مرتبہ دہراتے تھے تا کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

حضرت عروہؓ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب گفتگو کرتے تو درمیان میں وقفہ کرتے، بات

کھول کر بیان کرتے تاکہ ان سے سننے والا محفوظ کر سکے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری طرح لگاتار کلام نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ واضح اور الگ الگ الفاظ کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے کہ ساتھ بیٹھنے والا بآسانی یاد کر لیا کرتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بات کرتے اور اگر کوئی گننے والا گنتی کرے تو شمار کر سکے۔ ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر اصل بات یہ تھی کہ کسی طرح مسئلہ سمجھایا جا سکے۔ وہ خود بات کو دہراتے، گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے، ایسا بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سائل کی بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ اور اس کے بیان سے زیادہ مفصل طور پر بیان کیا ہے(93)۔

15۔ واضح کلام:

آپ ﷺ شروع سے آخر تک منہ بھر کر کلام فرماتے یعنی گفتگو ابتداء سے انتہا تک خوب ٹھہری ٹھہری ہوتی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ جملے کا آغاز تو صاف صاف الفاظ کے ساتھ ہوتا اور جملے کے آخری کلمات نوک زبان سے کٹتے ہوئے حروف کے ساتھ ادا ہوتے ہوں۔

16۔ نقشوں کی مدد سے سمجھانا:

رسول اکرم ﷺ کے طریقہ تربیت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ جو چیزیں محض زبانی طور پر سمجھانے سے سمجھ نہ آتی، بلکہ عملی طور پر سمجھانے کی ضرورت ہوتی، آپ ﷺ وہ چیزیں عملی طور پر سمجھاتے، چنانچہ بچوں کی تربیت کے پیش نظر ان کو اپنے ساتھ کھانے پر بٹھاتے تاکہ کھانے پینے کے عملی آداب سیکھ جائیں۔ ایک بار ابن ابو سلمہؓ اپنے بچپن میں آپ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ ان کا ہاتھ پلیٹ میں کبھی ادھر پڑتا، کبھی ادھر کیونکہ وہاں دوسرے لوگ موجود نہیں تھے اور بروقت ٹوکنا بھی زیادہ بہتر تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے فی الفور ابن ابو سلمہؓ کو متنبہ کیا مگر منفی انداز میں نہیں بلکہ نہایت پیار بھرے لب ولہجہ اور مثبت انداز میں فرمایا۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ نے صرف اسی کوتاہی پر نہیں ٹوکا۔ بلکہ کھانے کے بنیادی آداب بیان فرمائے کہ ابن ابو سلمہؓ کو یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ آپ ﷺ میری غلطی پر مجھے ٹوک رہے ہیں بلکہ وہ یہ سمجھے کہ مجھے کھانے کے آداب بتا رہے ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ نے پہلے دوسرے آداب بتائے اور آخر میں یہ ادب بیان فرمایا کہ پلیٹ میں اپنی طرف سے کھانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچہ (جب کھانا کھاؤ تو سب سے پہلے) اللہ کا نام لیا کرو اور اپنی طرف سے کھایا کرو(94)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے چند لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ درمیانی لمبی لکیر تو آدمی کی امید کی ہے اور یہ (دوسری لکیر جو پہلی 6 لکیر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں) اس کی موت ہے پس اس دوران کہ آدمی اپنی امیدوں میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ اچانک یہ قریبی لکیر (یعنی اس کی موت) آجاتی ہے(95)۔

حاصل کلام:

انسانی معاشرے میں علم اور اخلاق سے ہی ترقی ممکن ہے چاہے وہ دنیاوی ہو یا اخروی کامیابی۔ علم کی خوبصورتی اس میں ہے کہ وہ ایک نظام میں پرویا ہوا ہو، شتر بے مہار نہ ہو اس پر اخلاقیات کا دربان چوکیداری کر رہا ہو۔ علم کی کوئی حد مقرر نہیں ہے جو علوم بھی انسانیت کو دنیاوی و اخروی فلاح، کامیابی اور سکون کی طرف لے کر جا سکیں ان کا حصول روحانی اور مادی دونوں فوائد کو سمیٹنے کے لیے امت مسلم کے افراد کے ذمے ہے۔ علوم میں خاص طور پر عصری اور فنی علوم حاصل کرنا اور دیگر ترقی یافتہ اقوام کے علوم کا مطالعہ کرنا، دیگر اقوام کی ترقیات سے سبق سیکھنا سیرت رسول اللہ ﷺ بھی انہیں ضروری اور جائز قرار دیتی ہے۔

ہمارے تعلیمی ادارے یا دیگر مراکز بچوں یا بڑوں کی اخلاقی تربیت کے حوالے سے کوئی بھی تعلیمی نظام نہیں رکھتے جس سے بچوں میں

سچائی، دیانت داری، ایمانداری، ہمدردی، رواداری، صبر و برداشت، عزم و حوصلہ جیسے اوصاف پیدا ہو پاتے۔ بچہ بڑی بڑی کتابیں پڑھ لیتا ہے، بڑی بڑی ڈگریاں لے لیتا ہے لیکن اخلاق درست نہیں ہوتے، جھوٹ بولتا ہے، بے ایمانی کرتا ہے، بد دیانت ہوتا ہے، تنگ نظر اور انسان کش جذبات کا حامل بن جاتا ہے۔ لہذا اس اہمیت کے پیش نظر سیرت رسول یہ نظام مہیا کرتا ہے کہ اپنی نسلوں کو اخلاقی تربیت دیں تاکہ وہ معاشرے میں ایک کامیاب انسان بن سکیں اور اخروی سعادت سے بہرہ مند ہو سکیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اسلام کی آفاقی اور ہمہ گیر تعلیمات کو نظام تعلیم کے تدریسی ڈھانچے کے اندر سمو دیا جائے تاکہ تربیت کا ایک ایسا نظام تعلیم بن سکے جس کے حصول کے بعد طلبا، اگر ڈاکٹر ہوں تو ایک مسلمان ڈاکٹر اگر انجینئر ہوں تو ایک مومن انجینئر، اگر تاجر ہیں تو ایک دیانت دار تاجر، اگر معلم ہو تو ایک مشفق استاد۔

مسجدیں سب کو بلاتی ہیں بھلائی کی طرف

آئیں نہ آئیں پکارے تو سبھی جائیں گے

تجاویز و سفارشات:

1۔ ماں کی گود پہلی درسگاہ ہوتی ہے۔ گھر کا ماحول خوشگوار بنائیں، پاکیزہ بھی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا مظہر بھی۔

2۔ خوشگوار ماحول میں گھر کے بڑوں کی آراء میں شفقت و محبت ہو، اس طرح فرد کی قوت فیصلہ بہتر طور پر نشوونما پا سکے گی۔

3۔ تاریخ اسلام کی اہم شخصیات کی زندگیوں کو نصاب تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ حضرت علی نے محض 10 سال کی عمر میں اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا یہ بات بچوں کے لیے مشعل راہ بن سکتی ہے۔ محمد بن قاسم نے سترہ سال کی عمر میں سندھ فتح کر لیا، امام بخاری 10 سال کی عمر تک حدیث کی کئی کتابوں کے حافظ تھے، مولانا مودودیؒ نے محض 23 سال عمر میں الجہاد فی الاسلام جیسی معرکۃ الآرا کتاب لکھ دی۔

4۔ ایسی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے جو افراد کو کاہلی، بے کاری، آرام پسندی سے بچا کر مثبت تعمیری سرگرمیوں، مطالعہ، تیراکی اور ہنر مند کھیلوں کا ذریعہ بنیں۔

5۔ معاشرے کا ہر فرد اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے، خصوصاً علما، اساتذہ اور بزرگ افراد کیونکہ ان سے غیر رسمی طور پر تعلیم و تربیت حاصل ہو جاتی ہے۔ معاشرے کے ایسے افراد چلتی پھرتی یونیورسٹیاں اور کالجز ہوتے ہیں۔

6۔ پورے ملک میں جامعات، تعلیمی اداروں، عصری علوم اور فنی علوم کے اداروں کا جال بچھایا جائے۔

7۔ ہمیں ہنگامی تعلیمی پالیسی (Educatoinal Emergency) کی ضرورت ہے۔

8۔ ہر شہری کا حق ہے خواہ وہ کسی بھی عمر کا ہو، کسی بھی مذہب اور رنگ و نسل سے تعلق رکھتا ہو کہ اسے تعلیم کے مراکز تک رسائی کے یکساں مواقع میسر آ سکیں۔

9۔ پبلک لائبریرین (Public Libraries) کا قیام، جو پہلے سے قائم ہیں ان کا فعال بنانا، وہاں مفید اور حقیقی تعلیمی سرگرمیوں کو فروغ دینا۔

10۔ قومی بجٹ کا وافر حصہ تعلیم کے لیے وقف کرنا جو ترقی یافتہ ممالک کی شرح کے مطابق ہو۔

11۔ حکومتی سطح پر غیر رسمی تعلیمی مراکز مثلاً مساجد، ریڈیو، ٹی وی کو اسلامی نظام تعلیم سے ہم آہنگ کرنا۔

12۔ اساتذہ کی کردار سازی کرنا اور انھیں جدید ٹیکنالوجی سے متعارف کروانا اور انھیں اس قابل بنانا کہ وہ مستقبل کے ایسے معمار تیار کریں جو ملک و ملت اور دین کے جاں نثار ثابت ہوں۔

13۔ بچوں اور نوجوان خواتین کے لیے ماہانہ بنیادوں پر محلے کا کوئی گھر مختص کر کے درس و تدریس و بنیادی مسائل سے آگاہی کے لیے تربیتی لیکچرز کا اہتمام کرنا۔

الحمد للہ رب العالمین

مصادر و مراجع

1۔ قومی انگریزی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد پاکستان، 2۔ فیروز اللغات اردو، نیا ایڈیشن، فیروز سنز لاہور۔

3۔ اسلامی نظریہ حیات ص 421 پروفیسر خورشید احمد۔ شعبہ تصنیف و تالیف کراچی جامعہ 1982، 4۔ لسان العرب۔ ابن منظور۔ مادہ علم، جلد 4، ص 3083، دار المعارف، قاہرہ، 5۔ الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مطبوعہ مصر، 1324 ص 343،

Thorndike Bamhart c comprehnsion Desk Dictionary Newyork P263, 1958-6

Encyclopedia Britannica, P964 V877, 1768-7

8۔ سنن دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمان، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص 106، ج احدیث نمبر 330، 9۔ تاریخ العروس جلد 3، ص 872

10۔ المنجد، 11۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 11، 12۔ القرآن، 13۔ الطاف حسین حالی، 14۔ القرآن۔ سورۃ البقرہ 33، 15۔ القرآن سورۃ المجادلہ 11، 16۔ القرآن سورۃ الرحمن 261، 17۔ القران سورۃ آل عمران 18، 18۔ القرآن سورۃ آل عمران 164، 19۔ القرآن سورۃ الزمر 9، 20۔ القرآن سورۃ النحل 43، 21۔ سنن ترمذی کتاب العلم حدیث نمبر 2636، 22۔ سنن بیہقی 28، 23۔ صحیح مسلم کتاب الذکر و الدعا حدیث نمبر 2699، 24۔ سنن ترمذی، کتاب العلم حدیث نمبر 2647، 25۔ الجامع صحیح البخاری کتاب العلم حدیث نمبر 71، 26۔ سنن ترمذی، کتاب العلم حدیث نمبر 2886، 27۔ فلسفہ اور تاریخ التعلیم، پروفیسر نذیر احمد تشنہ، مسز کشور اقبال، گلوب پبلشرز، لاہور ص 19، 28۔ پاکستان کا تعلیمی تناظر ص 14 پروفیسر ظفر حسین خان مکتبہ فریدی کراچی، 29۔ رسول اکرم اور تعلیم، ڈاکٹر یوسف القرضاوی (ترجمہ) لاہور 2009 ص 11، 30۔ عہد نبوی کا نظام تعلیم، ڈاکٹر حمید اللہ، ماہنامہ نقوش، ادارہ فروغ اردو لاہور 1993، ص 117، 31۔ سورۃ الانبیاء، آیت نمبر 107، 32۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین، ادب الجاہلی، (ترجمہ) مطبوعہ دہلی 1946 ص 64، 33۔ متعدد زبانوں میں شائع شدہ قصیدے، یاسر جواد، لاہور 2010، 34۔ عہد نبوی کا نظام تعلیم، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ماہنامہ نقوش ادارہ فروغ اردو 1983، ص 116، 35۔ مولوی نور احمد، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے (ترجمہ) فیروز سنز کراچی 1971، ص 100، 36۔ Benjamin. Encyclopedia & Hinduism 1983, vol. 1 P2301، 37۔ تعلیم اور فلسفہ تعلیم ڈاکٹر قاضی عبید کفایت اکیڈمی کراچی، 38۔ موج کوثر، محمد اکرام شیخ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، 39۔ سرگزشت پاکستان، ڈاکٹر صادق علی گل، عزیز بکڈپو لاہور، 40۔ تعلیم اور فلسفہ تعلیم ڈاکٹر قاضی عبید کفایت اکیڈمی کراچی، 41۔ تحریک پاکستان پروفیسر محمد اسلم، ریاض برادرز، اردو بازار لاہور، ص 60، 42۔ فلسفہ اور تاریخ التعلیم پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ۔ خالد بک ڈپو، اردو بازار لاہور، 43۔ القرآن، سورۃ الصف آیت نمبر 9، 44۔ صحیح ابن حبان، کتاب الرقاق، باب الخوف والتقوٰی، 45۔ اسلام کا ترویجی تعلیمی اور تدریسی نظام، ممتاز احمد عبداللطیف، ص 14، 46۔ القرآن سورۃ الجمعہ آیت نمبر 2، 47۔ القرآن سورۃ العنکبوت آیت نمبر 45، 48۔ حیات رسول اللہ، خالد مسعود، دار التذکیر، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور، ص 573، 49۔ حیات رسول اللہ، ایضاً ص 574، 50۔ سید سلمان ندوی، سیرت النبی، الفیصل پبلیشرز، اردو بازار لاہور 1991، 51۔ حیات رسول اللہ، خالد مسعود، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ص 576، 52۔ تعلیم اور فلسفہ تعلیم، ڈاکٹر قاضی عبداللہ کفایت اکیڈمی کراچی، 53۔ مسلمانوں کا نظام تعلیم، پروفیسر سعید احمد رفیق ص 53، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان کراچی، 54۔ الجامع الصحیح البخاری، کتاب الکفالہ۔ باب جوار ابی بکر الصدیق فی عہد رسول، 55۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 325، 56۔ وفا الوفا، اخبار المصطفیٰ، جلد 2، صفحہ 28، 57۔ طبقات ابن سعد، جلد 2، ص 58، 30۔ الجامع الصحیح البخاری، امامۃ العبد و المولی، 59۔ حیات محمد احمد حسین ہیکل، ص 96، بک کارنر جہلم، 60۔ خطبات بہاول پور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص 272،

ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 61۔ حیات محمد، محمد حسین ہیکل، ص 96، بک کارنر جہلم، 62۔ خطبات بہاول پور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ص 272، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 63۔ ایضاً۔ ص 272، 64۔ ایضاً۔ ص 269، 65۔ فن تعلیم و تربیت، افضل حسین، اسلامک پبلیکیشنز لاہور 2008 ص 83، 66۔ ایضاً۔ ص 84، 67۔ صحیح الجامع البخاری، حدیث فضائل اعمال، مولانا محمد زکریا کتب خانہ فیضی ص 299، 68۔ رواہ احمد بالاسناد، حدیث فضائل اعمال۔ مولانا محمد زکریا۔ کتب خانہ فیضی ص 296، 69۔ الجامع صحیح البخاری 1 جلد 1، ص 14، 70۔ رسول اللہ بطور معلم ترجمہ مولانا حبیب حسن، درخواستی کتب خانہ کراچی ص 43، 71۔ صحیح المسلم، 72۔ رسول خدا کا طریقہ تربیت، مولانا سراج الدین ندوی، لاہور 2008، ص 16، 73۔ الطبرانی، 74۔ ایضاً، 75۔ جامع ترمذی، 76۔ صحیح البخاری، امام محمد بن اسمٰعیل بخاری، 77۔ سنن ابی داؤد، 78۔ رسول اکرم کے طریقہ تعلیم کی خصوصیات، ڈاکٹر اکرم جان قاسمی، السیرۃ کراچی، مئی 2003، ص 179، 79۔ انسان کامل، ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل ناشران، لاہور 2002، ص 217، 80۔ الزوائد، جلد 1، ص 219، 81۔ رسول خدا کا طریق تربیت، مولانا سراج الدین ندوی، لاہور 2008، ص 52، 82۔ مشکوٰۃ ص 135، 83۔ صحیح مسلم جامع ترمذی، مسند احمد حنبل، / اصول کافی، 84۔ صحیح بخاری، حدیث 4418، 85۔ جامع ترمذی حدیث 3647، شمائل ترمذی 218، 86۔ شمائل الترمذی رقم 217، 87۔ الترمذی، فی الشمائل ص 88، 17۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل باب من خلقہ، 89۔ الصحوۃ الاسلامیہ، 90۔ محسن انسانیت، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران، اردو بازار لاہور، 91۔ دعوت اسلامی اور اس کے اصول و آداب، محمد فاروق خان، اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ص 28، 92۔ ریاض الصالحین، الامام ابی زکریا یحییٰ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، 1989، 93۔ اخلاق و اقدار، ڈاکٹر نثار احمد پراچہ، المحمد پبلی کیشنز ص 33، 94۔ فتح، جلد 1، ص 241، 95۔ صحیح بخاری، و مسند احمد حنبل، 96۔ مشکوٰۃ شریف ص 449

10

مقالہ نگار

ڈاکٹر خولہ علوی

پرنسپل جامعہ ریاض الحدیث للطالبات راجووال، دیپالپور، اوکاڑہ

ریاست :(State)

یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے "حکومت، راج، بادشاہت، سرداری" وغیرہ۔ اس کا وجود اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول اور ان کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"(1)"

"بے شک ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اور میزان عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو سکیں۔"

صاحب "تیسیر القرآن" مولانا عبد الرحمن کیلانی "میزان" کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"میزان سے مراد ناپ تول کے پیمانے بھی ہیں۔ تاکہ لوگوں کو ان کے حقوق پورے پورے ادا کیے جا سکیں اور نظام عدل کو قائم کرنے کے تقاضے اور ہدایات بھی جو کتاب و سنت میں تفصیل سے مذکور ہیں۔۔۔ یہ تینوں چیزیں ہر رسول کو عطا کی گئیں، جو کہ نظام عدل کے قیام اور اللہ کے دین کے نفاذ اور فتنہ و فساد کے قلع قمع کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔"(2)

دیگر کئی مقامات (مثلاً سورۃ الانبیاء: 105؛ سورۃ الحج: 42؛ سورۃ النور: 55؛ سورۃ ص: 26 وغیرہ) پر بھی اللہ تعالیٰ نے حکمرانوں کو دینی نظام کے نفاذ کا حکم دیا ہے۔

ریاست کی تشکیل میں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ "مذہب" اور "تعلیم" کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک اسلامی ریاست کا آئین اور دستور قرآن و سنت ہی ہوتے ہیں۔

نظامِ تعلیم:(Educational system)

اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے Kenneth M. Smith اور David N. Wilson لکھتے ہیں

The educational system refers to the network of institutions, policies and practices that provide formal education to individuals within a society.(2)

"تعلیمی نظام سے مراد اداروں، پالیسیوں اور طرز تعلیم کا وہ مربوط تسلسل ہے جو معاشرے کے افراد کو باضابطہ تعلیم فراہم کرتا ہے۔"

نظام تعلیم ہی وہ نظم و ضبط فراہم کرتا ہے جس کی بدولت ایک فرد تعلیم حاصل کرنے کے بعد خاص مہارت اور قابلیت حاصل کرتا ہے، اپنے لیے کوئی معزز اور باوقار پیشہ اختیار کرتا ہے اور اپنے فرائض بحسن و خوبی سرانجام دیتا ہے۔

ایک مضبوط، مستحکم اور ترقی یافتہ معاشرے کے لیے بامقصد اور جامع نظام تعلیم ناگزیر ہوتا ہے اور بہترین نظام تعلیم وہ ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت کی کامیابیوں کے لیے تیار کرے۔

تعمیر معاشرہ (Society building) میں تعلیم بہت اہم کردار کی حامل ہوتی ہے۔ یہ انسانی زندگی کا بہت اہم اور بنیادی معاملہ ہے۔ یہ انسان کو علم، مہارت اور کردار کی تعمیر (Character building) میں مدد فراہم کرتی ہے۔ اس کے ذریعے انسان اپنی صلاحیتوں کا بہترین استعمال کر کے سماج کا ایک نافع شہری اور بہترین امتی بن سکتا ہے۔

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں نظام تعلیم کے بنیادی خدوخال:(Basic Features)

قرآن وسنت اور سیرت النبی ﷺ ایک جامع اور کامل نظام زندگی ہے جس میں ہر شعبے کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ نظام تعلیم کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل رہنمائی ملتی ہے:

1۔ تصور تعلیم

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے علوم کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

(1) فرض عین

(2) فرض کفایہ

وہ شرعی علوم، بنیادی تصورات زندگی جن پر انسان کے عمل وکردار کی اٹھان ہوتی ہے۔ ان کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا۔ اس لحاظ سے توحید، رسالت، قرآن پر ایمان، تقدیر، آخرت پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، یعنی ایمانیات کا بنیادی علم ہر مسلمان شہری پر حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور اسلامی ریاست کے لیے اس کا اہتمام بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ اس طرح عمل زندگی سے متعلق ارکان اسلام کا بنیادی علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس معنی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ(3)

"علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"

اس کے علاوہ دیگر وہ تمام شرعی علوم جو تخصص کا درجہ رکھتے ہوں، فرض کفایہ ہیں۔ نیز وہ علوم جو تمدن کے ارتقاء کے لیے ضروری ہوں، ان کا سیکھنا اور حاصل کرنا بھی اس حد تک ضروری ہے جس سے معاشرے کی ضروریات پوری ہو جائیں۔

اس معنی میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ"(4)

"حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے"

2۔ تعلیم کے مقاصد واہداف:

ارشاد ربانی ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (5)

"جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

اس آیت کی رو سے انبیائے کرام کے نبوی مشن میں کتاب اللہ کی تلاوت سکھانا، قرآن وسنت کی تعلیم اور تدبر اور تزکیہ نفس شامل ہیں۔ اور دیگر وہ تعلیم دینا بھی جو لوگ نہیں جانتے تھے۔ (6)

تعلیم کے بنیادی اہداف و مقاصد درج ذیل ہیں۔

1۔ علم کا حصول

2۔ اخلاق و کردار کی تعمیر

3۔ سماج کی خدمت

4۔ امت مسلمہ کے لیے نافع امتی بننا

اسلامی نظام تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ ایسا مسلمان اور مومن تیار کرنا چاہتا ہے جو مقصد زندگی سے واقف ہو، اس کا مقصود و مطلوب رضائے الہی ہو، وہ اللہ تعالی کے احکامات کے مطابق زندگی گزارے اور آخرت کی ابدی کامیابی اس کا مشن ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا میں اخلاق و کردار کی تعمیر کے ذریعے صحت مندانہ، کامیاب، فعال، متحرک اور باہمت زندگی گزارے۔

ایسی شخصیت کی تشکیل اور اخلاق کی تعمیر (Character building) اسی وقت ممکن ہے، جب تعلیم کے ساتھ تربیت سازی مسلسل جاری ہو اور نتیجتاً ایک بہترین اور باعمل مسلمان کا کردار سامنے آئے۔ ایسے لوگوں کی تشکیل سے ایسا صالح، تعلیم یافتہ، مہذب اور متمدن معاشرہ نمو پاتا ہے جو دنیا کی امامت اور قیادت (leadership) کے قابل ہوتا ہے اور دنیا میں اپنا بہترین کردار ادا کرتا ہے۔

؎ سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

3۔ تعلیم میں وحدت کا تصور

دین اسلام خود وحدت پر مبنی نظام حیات ہے۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی فکر و عمل اور دین و دنیا کی وحدت اپنی اعلیٰ ترین صورتوں میں دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں سیرت مبارکہ میں نظام تعلیم بھی وحدت افکار پر مبنی ملتا ہے۔ وہ دین و دنیا میں کوئی تفریق نہیں کرتا اور سیکولرزم کی نفی کرتا ہے۔ گو تعلیم کے مختلف مراحل اور تخصصات کے لحاظ سے درجہ بندی اور مقامات تدریس مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن عملی و فکری وحدت پھر بھی برقرار رہتی ہے۔ مغربی استعمار کے قبضے میں جانے سے پہلے کے تقریباً بارہ سو سال تک مسلمانوں کا نظام تعلیم موحد رہا ہے، اور مسلم نظام تعلیم کا مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں تقسیم ہو جانا یہ مغربی استعمار کی خواہش یا اس کے خلاف رد عمل کا نتیجہ ہے، جب کہ مسلمان اپنی خود مختاری کھو چکے تھے اور اس صورت حال کا جاری رہنا بھی دراصل مغربی استعمار کی کوششوں، سازشوں اور خواہشوں ہی کا نتیجہ ہے۔(7)

4۔ طبقاتی تعلیم کا خاتمہ

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل مختلف تہذیبوں میں تعلیم و تعلم پر مختلف طبقات کی اجارہ داری تھی، یا تعلیمی عمل مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ آپ ﷺ نے امیر و غریب میں تفریق کیے بغیر یکساں تعلیم کے مواقع فراہم کیے۔

بلکہ معاشرے کے امیر طبقے نے تعلیمی عمل میں امتیازی شان کا مطالبہ کیا تو قرآن مجید نے دو ٹوک اعلان کر دیا

لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ(8)

"اور ان لوگوں کو دور نہ کرو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ کے شان نزول میں واضح طور پر موجود ہے کہ سرداران قریش نے اپنے لیے مخصوص نشستوں کا مطالبہ کیا، تو اس پر اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ربانی ہدایات ارشاد فرمائیں:(9)

بدقسمتی سے اس وقت ملک عزیز بہت بری طرح طبقاتی نظام تعلیم میں تقسیم ہے۔ اس کا خاتمہ وقت کی اشد ضرورت ہے۔

5۔ اہمیت تعلیم

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں متعدد حوالوں سے تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ چند آیات واحادیث ملاحظہ ہوں:

1۔ قرآن مجید کی رو سے اہل علم کا مقام ومرتبہ باقی لوگوں سے ممتاز ہے، ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ(10)

"آپ کہہ دیجئے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟"

2۔ اہل علم درجات میں بلندیوں پر فائز ہیں

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ(11)

"اللہ تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم کے درجات بلند کرے گا۔"

3۔ اہل علم ہی حقیقی خشیت رکھتے ہیں

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ(12)

"بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں، بے شک اللہ بڑا زبردست، بڑا مغفرت کرنے والا ہے"

4۔ علم میں اضافے کے لئے دعا کا حکم دیتے ہوئے فرمایا

وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا(13)

"اور دعا کیجئے کہ میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔"

۔۔نبی ﷺ کا فرمان ہے:

خيرُكُم مَن تعلَّمَ القرآنَ وعلَّمَهُ(14)

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔

۔۔نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے

وإنَّ الملائكةَ لتضعُ أجنحتَها رضًا لطالبِ العلمِ . وإنَّ العالِمَ ليستغفرُ له من في السماواتِ ومن في الأرضِ . والحيتانُ في جوفِ الماءِ(15)

بیشک فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان وزمین کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی مغفرت طلب کرتی ہیں

6۔ تعلیم میں اخلاص

تعلیم کا مقصد صرف دنیاوی علم کا حصول، دنیاوی مفادات اور کامیابیاں حاصل کرنا نہیں، بلکہ انسان کو دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کرتے ہوئے اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی کے لیے تیار کرنا ہے۔

۔رسول اللہ ﷺ تعلیم میں اخلاص پر خصوصی توجہ دلاتے، ارشاد نبوی ﷺ ہے

من تعلَّم علمًا مما يبتغى به وجهُ اللهِ تعالى . لا يتعلَّمُه إلا ليُصيبَ به عرَضًا من الدنيا لم يجِدْ عَرْفَ الجنةِ يومَ القيامةِ . يعني ريحَها(16)

"جس شخص نے ایسا علم صرف دنیاوی مقصد کے لیے سیکھا، جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا"

۔ حصول علم کو آپ ﷺ نے جنت کا زینہ قرار دیا:

"مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ" (17)

"جو علم حاصل کرنے کے ارادہ سے کہیں جائے، تو اللہ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان (ہموار) کر دیتا ہے"

7۔ تعلیم میں وسعت

تعلیم کے دائرہ کار میں دینی اور دنیاوی علوم دونوں شامل ہونے چاہئیں۔ اور ان پر انسان کو دسترس حاصل کرنی چاہیے۔

8۔ طریقہ تعلیم میں تنوع

قرآن و سنت سے ہمیں تعلیم کے طریقہ کار کے بارے میں بھی رہنمائی ملتی ہے۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کو مختلف طریقوں سے تعلیم دیتے تھے، جن میں وعظ و نصیحت، درس، خطابات، گفتگو، ڈسکشن، مباحثے، اور عملی تربیت اور عملی مظاہرے وغیرہ شامل ہیں۔

9۔ اسالیب تعلیم اور وسائل تعلیم میں تنوع

سیرت النبی ﷺ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر وہ ذریعہ استعمال کیا جو تعلم کے لیے مفید ہو:

ا۔ آپ ﷺ نے قربانی میں عیوب بیان کرتے ہوئے اپنے دست مبارک کی چار انگلیوں سے اشارہ کیا (18)

2۔ اہل ایمان کی باہمی محبت و مودت کو ظاہر کرنے کے لیے ایک ہاتھ کی مبارک انگلیوں کو (قینچی کی طرح) دوسرے دست مبارک انگلیوں میں پیوست کیا۔ (19)

3۔ صراط مستقیم کی وضاحت کرتے ہوئے زمین پر لکیروں سے نقشہ بنایا۔ (20)

4۔ ختم نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے محل کی مثال بیان فرمائی۔ (21)

10۔ معلمین اور اصحاب علم کی تعظیم و تکریم

سیرت النبی ﷺ کے قائم کردہ نظام تعلیم میں اساتذہ اور علماء کو خاص عزت اور مقام و مرتبہ دیا گیا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

11۔ تعلیم اور تزکیہ، تعلم و عمل ساتھ ساتھ

سیرت النبی ﷺ سے ہمیں طلباء کی تربیت کے بارے میں بھی رہنمائی ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے طلباء کو علم کے ساتھ ساتھ تربیت و تزکیہ اور اخلاق و کردار کی بھی مکمل تربیت دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دس آیات سے تجاوز نہیں کرتے تھے، جب تک ان کا فہم اور ان پر عمل کی تربیت حاصل نہیں کر لیتے تھے۔

12۔ ہم نصابی سرگرمیاں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مفید کھیل کھیلتے، نبی کریم ﷺ مشاہدہ کرتے۔

13۔ ہر مناسب وقت اور جگہ میں تعلیم

نبی اکرم ﷺ تعلیم دینے کے لیے کسی خاص وقت یا جگہ کا انتظار نہیں فرماتے تھے بلکہ

ا۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے آدھی رات کے وقت مسجد میں صحابہ کرام کو نصیحت کی۔ (22)

2۔ ایک دفعہ رات کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو گھر میں تہجد کے وقت تعلیم دی۔(23)
3۔ ایک دفعہ ایک میت کی تدفین کے وقت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو قبرستان میں وعظ و نصیحت کی۔
4۔ ایک خاتون کو اس کے گھر میں تعلیم دی(24)

14۔ مسجد بطور مرکزِ تعلیم

نبی اکرم ﷺ نے مسجد نبوی کو بطور تعلیمی مرکز استعمال کیا، اور اصحاب صفہ کے لیے بطور رہائش گاہ بھی استعمال کیا۔ یہ متفرق مقاصد کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ اس سے سادگی، کفایت شعاری اور تعلق باللہ کی مضبوطی کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ بہت سے اخراجات کی بچت ہوتی ہے، اس کی وجہ سے اللہ کا ڈر دلوں میں رہتا ہے۔ دینی تعلیم کے اصول کی طرف رغبت رہتی ہے۔

15۔ گھر بطور مرکزِ تعلیم

مکی دور میں بالخصوص مقامی حالات کی بنا پر بعض گھروں کو تعلیمی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، ان گھروں میں سر فہرست فاطمہ بنت خطاب اور دار ارقم دکھائی دیتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے مکی دور کے مشکل ترین حالات میں خانہ کعبہ کے قریب ایک صحابی حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں "دار ارقم" کے نام سے ایک خفیہ مدرسہ قائم فرمادیا۔ یہ مکہ مکرمہ میں اسلام کا پہلا تعلیمی و تربیتی ادارہ اور اجتماعی درس گاہ تھی۔

محمد بن جریر طبری دار ارقم کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَكَانَتْ دَارُهُ عَلَى الصَّفَا، وَهِيَ الدَّارُ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَكُونُ فِيهَا فِي أَوَّلِ الإِسْلَامِ وَفِيهَا دَعَا النَّاسَ إِلَى الإِسْلَامِ فَأَسْلَمَ فِيهَا قَوْمٌ كَثِيرٌ.

"حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر کوہ صفا پر واقع تھا، آغاز اسلام میں رسول اکرم ﷺ اسی گھر میں رہا کرتے تھے، یہیں آپ ﷺ لوگوں کو دعوت اسلام دیا کرتے تھے، اور یہاں پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔"(25)

ابن سعد نے بھی دار ارقم کے بارے میں یہی بیان کیا ہے۔(26)

معلوم ہوتا ہے کہ مکی دور میں "دار ارقم" تعلیمی و تربیتی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کا بھی مرکز تھا۔ جہاں صحابہ کرام کے لیے قبول اسلام کے بعد تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔

16۔ مستقل تعلیمی ادارے کا قیام

اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے "باقاعدہ" طور پر جس مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی تھی، وہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں خاتم النبیین ﷺ کی زیر قیادت "صفہ" کے نام سے قائم ہوئی۔ جس نے بعد میں "انٹرنیشنل یونیورسٹی" کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس میں طلباء کو تعلیم و تربیت کے ساتھ عملی زندگی کے لیے ذہنی و جسمانی محنت و مشقت اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے برضا و رغبت تیار کیا جاتا تھا۔

نظام تعلیم کے اجزاء

1۔ معلم :(Teacher)

استاد کا کردار انتہائی اہم ہوتا ہے جس کی وجہ سے طلبہ صحیح تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہیں۔ وہ ملک و ملت کا رہنما اور اقوام کی تقدیر بدل دینے والی تعلیم دینے پر قادر ہوتا ہے اور طلبہ کو صحیح راستے پر گامزن کرتا ہے۔

پروفیسر ثریا بتول علوی صاحبہ رقم طراز ہیں کہ

"انسان سازی میں اگرچہ نصاب تعلیم اور تعلیمی اداروں کا بھی گہرا اثر ہوتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر اس کا اہم ستون استاد ہی ہے۔ وہ پورے نظام تعلیم کا محور و مرکز ہے۔ نصاب تعلیم اسی نے پڑھانا ہے۔ اس لیے جس طرح چاہے پڑھائے گا۔ اگر استاد اپنی اہمیت و ذمہ داری محسوس کرلے، اگر اس کو اپنے مقام سے آگاہی ہو اور اس کو احساس ہو کہ وہ اول و آخر مسلمان ہے اور اس نے اسلامی انقلاب کے لیے نسل نو کو تیار کرنا ہے، تو وہ ہر قسم کے حالات میں بھی آنے والی نسل نو کی بے پناہ قوتوں کو اسلام کے لیے مسخر کر سکتا ہے۔"(27)

2۔ متعلم :(Student)

اسلام کی پہلی مذہبی ریاست مدینہ ایک ایسی انقلاب آفریں، پڑھی لکھی، منفرد اور رول ماڈل ریاست بن گئی تھی، جس کے لوگوں کو لکھنے پڑھنے کا شوق اور شعور انتہا کی حد تک تھا، اور جو وحی کے نزول کے منتظر رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ صحابہ کرام کے اس ذوق و شوق کی مکمل حوصلہ افزائی اور بہترین رہنمائی فرمائی تھی۔

دینی مدارس کے طلبہ و طالبات، معلمین و معلمات، مبلغین و مبلغات، حفاظ و حافظات، قراء و قاریات، خطباء کرام، علماء کرام، مفتیان دین اور مشائخ عظام وغیرہ اصحاب صفہ اور علوم نبوی کے وارث و امین ہیں۔ اور دینی مدارس اور جامعات اسلام کی پہلی یونیورسٹی "صفہ" کی شاخیں (Branches) ہیں۔

امام مالک کا قول ہے کہ

"بستیاں تلواروں سے فتح ہوئیں اور مدینہ قرآن مجید سے فتح ہوا۔"(28)

اس لیے نبی مکرم ﷺ اعلیٰ ترین اور کامل معلم تھے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بہترین طلبہ تھے، جنہوں نے تعلیم و تربیت کا اعلیٰ ترین اور بے مثال معیار قائم کیا۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والے تمام مسلمان ظاہری و باطنی طور پر بدل گئے، اور حیرت انگیز طور پر مکمل طور پر تبدیل ہو گئے۔ یہ مسلمان نبی اکرم ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تشکیل کردار سے بھٹی میں تپ کر کندن بن گئے اور دنیا کو بہترین ہیرے اور رول ماڈل ملے، جنہوں نے اپنی زندگیاں بدلنے کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر بھی بہترین خدمات سر انجام دیں اور تاریخ انسانی میں امر ہو گئے۔

مسجد نبوی مختلف سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ اہل علم ایک طرف چبوترے پر علم حاصل کر رہے ہیں، تو دوسری طرف جہادی دستے تیار کر کے روانہ کیا جا رہے ہیں۔ ایک طرف نبی اکرم ﷺ عدالتی فیصلے کر رہے ہیں، تو دوسری طرف غیر ملکی سفیروں سے ملاقات فرما رہے ہیں۔ انھیں مسجد نبوی میں ٹھہرا رہے ہیں، تو دوسری طرف غزوہ بدر کے جنگی قیدیوں کے لیے آزادی کے بدلے ان پڑھ صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی شرط رکھی جاتی ہے۔ کبھی مسجد نبوی دینی، تعلیمی، سماجی اور معاشرتی مسائل کے حل کا منظر پیش کرتی ہے۔

3۔ نصاب :(Syllabus)

حضور ﷺ نے تعلیم کے لیے قرآن و سنت پر مبنی ایک واضح اور جامع نصاب بیان کیا جو دینی اور دنیاوی دونوں علوم پر مشتمل تھا۔ ایک اسلامی ریاست کا آئین، دستور اور تعلیمی نظام اور اس کا نصاب مکمل طور پر اسلامی ہونا چاہیے۔ نظام تعلیم بامقصد، سلیس، سہل اور جامع خصوصیات پر مشتمل اور جدید و قدیم طریقہ ہائے تدریس پر مبنی ہونا چاہیے، کہ صرف رٹہ لگانے کے بجائے سیکھنے، یاد رکھنے اور اپنے عمل میں ڈھالنے پر طلبہ کی بھرپور توجہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ طلبہ کو حسب مزاج اور حسب ضرورت مختلف فنون اور ہنر بھی سکھانے چاہئیں۔ ایک ریاست کو نبی معلم ﷺ

کے تعلیمی نظام سے رہنمائی حاصل کر کے ایک مثالی نظام تعلیم مرتب کرنا اور پڑھانا چاہیے۔

4۔ذریعہ تدریس

سیرت النبی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ مادری زبان میں ہی تعلیم ہونی چاہیے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے اہل عرب کی تعلیم کے لیے انہی کی زبان استعمال کی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ہر پیغمبر کو اپنی قوم کی زبان میں تعلیم دینے کے لیے مبعوث کیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۔(29)

البتہ دیگر مقاصد کے لیے ضرورت کی ہر زبان سیکھنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔ جیسا کہ حضرت زید کو رسول اللہ ﷺ نے زبان سیکھنے کا حکم دیا۔(30)

5۔طریقہ تدریس:

تعلیم حاصل کرنے اور تعلیم دینے کا طریقہ کار بہت اہم ہے۔ حضور ﷺ نے تعلیم کے لیے مختلف طریقے استعمال فرمائے۔ چند طریقے درج ذیل ہیں:

1۔ وعظ و نصیحت، تقریر، درس، لیکچر، خطاب
2۔ گفتگو، مکالمہ،
3۔ ڈسکشن، مباحثہ،
4۔ عملی تربیت اور مظاہرے (Demonstrations)
5۔ سوال وجواب
6۔ اشارات
7۔ مثالیں
8۔ نقشے

عمر، مزاج، نفسیات اور کلاس کے اعتبار سے مختلف طریقہ تدریس استعمال کرنا طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو طریقہ تدریس سکھاتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ(31)

ترجمہ: "دعوت دیں اپنے رب کے رستے پر، حکمت اور عمدہ طریقے سے، نصیحت کے ذریعے اور ان سے بحث کریں بہترین طریقے سے۔"

صفہ جیسی عظیم اور منفرد درس گاہ آج تک نہ کوئی بنا سکا ہے نہ بنا سکے گا۔

نظام تعلیم کے لیے ریاست کے اقدامات

ریاست کا فرض ہے کہ وہ قرآن و سنت پر مبنی ایسا نظام تعلیم قائم کرے جو مندرجہ بالا اصولوں پر مبنی ہو۔

1۔ تمام مسلمان مرد و زن بشمول بچوں، نوجوانوں، بڑوں، معذوروں اور غیر مسلموں کے لیے ابتدائی تعلیم لازمی اور مفت بنانا۔ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند غریب اور ضرورت مند طلبہ کے لیے وظائف اور مالی امداد کا انتظام کرنا

2۔ نظام تعلیم کے لیے حسب ضرورت بجٹ رکھنا اور تعلیمی اداروں کو بہتر سہولیات اور وسائل و ذرائع سے آراستہ مناسب کرنے کے لیے رقوم کا انتظام کرنا۔

3۔ تعلیمی نصاب سیرت النبی کی روشنی میں مرتب کرنا اور وقتاً فوقتاً از سر نو جائزہ کر کے، اسے جدید تقاضوں کے مطابق update کرتے رہنا۔

4۔ اساتذہ کی تدریسی و فنی تربیت نبی اکرم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں کرنا اور انہیں مختلف جدید و قدیم طریقہ تدریس سے روشناس کروانا، اساتذہ کے لیے ریفریشر کورسز کا اہتمام کراتے رہنا۔

5۔ علم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت و تزکیہ کرنا اور انہیں اخلاق و کردار کی بلندیوں تک پہنچانا۔

۶۔ہم نصابی سرگرمیوں کے لیے فنڈز اور سہولیات مہیا کرنا مثلاً ورزش اور کھیلوں کے ساتھ ساتھ تقریری، تحریری اور کوئز مقابلے، مباحثے، بیت بازی وغیرہ۔

اسلامی نظام تعلیم کی چند خصوصیات:

ریاستی نظام تعلیم کو ان چند بنیادی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔

1۔ لازمی تعلیم:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔ (32) "علم کا حصول ہر ایک پر فرض ہے"

مزید فرمایا: **خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ** (33) "تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔"

2۔ مفت تعلیم:

اسلام مفت تعلیم کا قائل ہے۔ عہد نبوی میں تعلیم سب کے لیے مفت تھی اور تربیت بھی لازم تھی۔ لوگوں کو تعلیم کی طرف مائل کرنے اور اس کے حصول کا شوق دلانے کے لیے تعلیم کی سہولت سب کو مہیا تھی۔ خلفائے راشدین کے دور میں بھی تعلیم مفت اور سب کے لیے مہیا رہی۔ بعد کے ادوار میں بھی طویل عرصہ تک تمام اسلامی ریاستوں میں تمام لوگوں کے لیے تعلیم کی سہولت مفت مہیا تھی۔ علماء، خطباء، مدرسین اور واعظین کی تنخواہیں حکومت کی طرف سے مقرر تھیں۔ اور انہیں معاشرے میں بہت زیادہ توقیر اور تکریم حاصل تھی۔

نبی اکرم ﷺ نے ہر مسلمان عالم پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے۔ اسلامی معاشرے میں علماء کے ایک جماعت ایسے شروع ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ یعنی ان کی تعلیم وتربیت کرے۔

اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے علم چھپانے (کتمان علم) پر سخت وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"ما من رجل یحفظ علماً فیکتمہ، إلا اتی بہ یوم القیامۃ ملجماً بلجام من النار۔" (34)

ترجمہ: "جو شخص بھی علم دین یاد رکھتے ہوئے اسے چھپائے، تو اسے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنا کر لایا جائے گا۔"

3۔سب کے لیے تعلیم:

اسلامی ریاست میں سب کے لیے بنیادی دینی تعلیم کی فراہمی کا اہتمام ہونا چاہیے۔ عموماً مساجد کے اندر بچوں کے لیے نماز کا عملی طریقہ سکھانے کے ساتھ ساتھ ناظرہ قرآن مجید بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نماز کی دعائیں، صبح وشام کے اذکار، نماز جنازہ پڑھنے کا عملی طریقہ سکھایا جاتا ہے اور دعائیں بھی یاد کروائی جاتی ہیں۔

علمائے کرام اور فقہاء دین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے کم از کم اس حد تک آراستہ ہونا ضروری ہے کہ وہ پاکی وناپاکی اور حلال وحرام میں تمیز اور فرق کر سکیں۔ یہ ان کے دینی فرائض میں شامل ہے۔ اور اسلامی ریاست اور مسلمانوں کی مذہبی قیادت اپنی ذمہ داری سمجھتی ہے کہ وہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ضروری دینی تعلیمات دلوانے کے لیے تمام ممکنہ کوششیں کریں اور مختلف قابل عمل اقدامات پر عمل پیرا ہوں۔

4۔ تعلیم اطفال:

اسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت پر نہایت زور دیا ہے اور ان کے لیے مختلف احکامات بیان فرمائے ہیں۔ بارگاہ نبوی میں چھوٹے اور بڑے بچے حاضر

ہوتے تھے جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل تھے۔ آپ ان کی طرف توجہ کرتے، ان کی دلجوئی فرماتے اور ان کی تربیت کرتے۔ نبی اکرم ﷺ صرف بڑوں کے لئے ہی شفیق اور مہربان نہیں تھے، بلکہ بچوں سے بھی بے حد محبت فرماتے تھے اور ان سے شفقت سے پیش آتے تھے۔

خاتم النبیین ﷺ نے والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ۔" (35)

"حسن ادب سے بہتر کسی باپ نے اپنے بیٹے کو تحفہ نہیں دیا۔"

انسان اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے، اس میں سب سے بہتر عطیہ اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔ اس میں غفلت اور کوتاہی والدین کے لیے گناہ جاریہ اور آخرت میں مؤاخذہ کا سبب بن سکتی ہے۔ اسی لیے ارشاد ربانی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ.(36)

"اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ اس پر سخت اور طاقتور فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ انہیں جو حکم دیا جائے وہ کر گزرتے ہیں۔"

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَإِنَّمَا۔ أَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ۔(37)

"ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔"

والدین نے اپنے لیے اور اپنی اولاد دونوں کے لیے جہنم سے بچنے کی فکر کرنی ہے، اس لیے والدین ان کی بچپن سے ایسی تربیت کریں کہ ان میں ایمان، دینی شعور پختہ ہو، قرآن و سنت سے محبت ان کی گھٹی میں رچی بسی ہو۔ وہ بڑے ہو کر زندگی کے جس میدان میں بھی کام کریں، ایمان اور اعمال صالحہ سے ان کا تعلق قائم و دائم اور مضبوط تر ہوتا رہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"تم علم حاصل کرو، اگر تم قوم میں سب سے چھوٹے ہو تو کل دوسرے لوگوں میں (علم کی وجہ سے) تم بزرگ بن جاؤ گے۔" (38)

اس لیے حضور اکرم ﷺ نے اس کی بھی بڑی تلقین فرمائی ہے۔ بچپن میں ذہن دنیا دارانہ سوچ سے خالی اور حافظہ قوی ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت حسن بصری کا قول ہے:

"بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے نقش بر آب۔" (39)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔" (40)

رسول اکرم ﷺ نے بچوں کی تربیت کے حوالے سے والدین کی مکمل رہنمائی فرمائی۔ آپ ﷺ خود اس کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اس کی بے شمار مثالیں کتب حدیث و سیرت میں موجود ہیں۔ حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ "میں جب چھوٹا تھا تو رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کھانا تناول کرتے ہوئے میرا ہاتھ برتن میں اِدھر اُدھر چلا جاتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "اے لڑکے! اللہ کا نام لو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔" (41)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

ایک روز رسول اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف فرما تھے۔ میری والدہ نے مجھے پکارا "ادھر آؤ تمہیں ایک چیز دوں گی۔" نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: "تم نے اسے کیا دینا ہے؟" والدہ نے عرض کیا کہ "کھجور دینا چاہتی تھی" نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سنو اگر تم اسے کچھ نہ دیتی تو تمہارے حق میں (نامہ اعمال میں) یہ ایک جھوٹ لکھا جاتا۔" (42)

5۔ نوجوانوں کے لیے تعلیم :

انبیاء پر ایمان لانے اور اہل حق کا ساتھ دینے میں نوجوان طبقہ عموماً پہل کرتا ہے۔

نوجوان کسی بھی تحریک کا ہراول دستہ ہوتے ہیں، اور ریاست کی تشکیل، بقا و سلامتی اور استحکام کے لیے بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ریاست میں ابتدائی تعلیم سب کے لیے لازمی اور مفت ہونی چاہیے۔ پھر باصلاحیت طلبہ کے لیے ریاست کو ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا مزید انتظام کرنا چاہیے اور غریب اور مستحق طلبہ کے تعلیمی اخراجات بھی برداشت کرنے چاہیے۔"

سید ابو الاعلیٰ مودودی اسلامی نظام تعلیم کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ

"میرے نزدیک یہ تعلیم ہر بچے کو ملنی چاہیے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، البتہ اس کے مدارج میں صلاحیتوں کے لحاظ سے فرق کیا جانا چاہیے۔ اس کو ابتدائی حد تک جبری اور کم از کم ثانوی حد تک سب کے لیے بالکل مفت ہونا چاہیے، اور آگے کے مدارج میں خاص صلاحیت رکھنے والے نوجوانوں کی کفالت بھی ریاست کو کروانی چاہیے۔" (43)

اگر بچوں اور نوجوانوں کی احسن طریقے سے دینی تعلیم و تربیت کی جائے تو وہ امامت و قیادت کی بہترین ذمہ داریاں سر انجام دیتے ہیں۔ عقیدہ توحید کی آبیاری، عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالت کی حفاظت میں نوجوان عموماً "سابقون الاولون" میں شامل رہے ہیں۔

برصغیر میں نوجوان غازی علم الدین نے گستاخی رسول پر مبنی کتاب چھاپنے کی وجہ سے اس کے ہندو ناشر راج پال کو توہین رسالت کے جرم کی پاداش میں قتل کر دیا۔ جس کا نتیجہ خود اس کی اپنی شہادت بن گیا۔ علامہ اقبال نے اسے خود لاہور کے مشہور قبرستان میانی شریف میں لحد میں اتارتے ہوئے یہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ

"ہم دیکھتے ہی رہ گئے اور ترکھانوں کا لڑکا بازی لے گیا" (44)

مغربیت اور مغربی افکار و نظریات سے آج کا دنیاوی تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ بری طرح متاثر ہے۔ اور وہ اپنے دین کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہے، اور الحاد و لادینیت اور کفر و شرک کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے۔ ان کی رہنمائی اور تربیت کرنا بہت اہم ہے۔

مفکر اسلام مولانا ابو الحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ

"وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کے اساسیات اور اس کے نظام اور حقائق اور نظام محمدی کا وہ اعتماد واپس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقہ کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے جس میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقل و ذہن کو اسلام پر پورا مطمئن کر دیا جائے۔" (45)

6۔ خواتین کی تعلیم:

خواتین سماج کا نصف حصہ ہیں اور معاشرے پر اثر انداز ہونے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہیں۔ معاشرہ کی اصلاح خواتین کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک خاتون کے راہ راست پر آنے سے بعض اوقات پورا خاندان، برادری حتیٰ کہ معاشرہ دین، نیکی اور تقویٰ کی راہوں پر گامزن ہو جاتا ہے۔

لہٰذا نبی کرم ﷺ نے شروع سے خواتین کی تعلیم وتربیت اور ان کی اصلاح پر زور دیا۔ آپ ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن خواتین کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ عیدین کے موقع پر خواتین سے بھی خطاب فرماتے تھے اور انہیں احکام ومسائل سکھاتے تھے۔ صحابیات ازواج مطہرات کے پاس آکر ان سے بھی مسائل پوچھتی تھیں اور ان کے ذریعے دینی تعلیم حاصل کرتی اور تربیت پاتی تھیں۔

ے جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن   کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

نبی اکرم ﷺ نے نبوت کی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے سب سے مصروف زندگی گزاری لیکن اپنی تمام بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ ہمیشہ حسن معاشرت سے پیش آئے۔ انہیں تعلیم بھی دی اور احسن طریقے سے ان کی تربیت بھی فرمائی۔ ازواج مطہرات کو خواتین کی رہنمائی کے لیے بہترین طریقے سے تیار کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بیٹیوں کو بھی وقت دیا، ان کی تعلیم وتربیت فرمائی اور ان کے ساتھ بہترین معاملات فرمائے۔

ے نبوت ختم ہے تجھ پر، رسالت ختم ہے تجھ پر   ترا دیں ارفع واعلیٰ، شریعت ختم ہے تجھ پر ﷺ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ سلسلہ مزید وسیع ہوا اور خواتین کے باقاعدہ الگ مدارس قائم ہوئے۔ ان کے دور میں خواتین کے لیے بھی لازمی تعلیم رائج ہو گئی تھی۔ اسلام میں مخلوط تعلیم منع ہے۔ لہٰذا صرف جامعات کی سطح پر نہیں بلکہ پرائمری کے بعد ہر درجے اور مرحلے میں طلباء وطالبات کے ادارے الگ الگ ہونے چاہئیں، جن میں پڑھانے والے اساتذہ بھی علی الترتیب مرد اور خواتین ہوں۔ اور دیگر غیر نصابی عملہ بھی مرد اور خواتین پر مشتمل ہو، تاکہ طالبات اور خواتین اساتذہ کو پردہ وحجاب اور شرم وحیا کے معاملے میں مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

رسول اکرم ﷺ نے بچوں کی پرورش وپرداخت اور حفاظت وتربیت کا ذمہ دار والدہ کو بناتے ہوئے فرمایا:

الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ (46)

"عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد کی نگران کار ہے۔"

اولاد پر شفقت ورحمت کرنے اور ان کی بہترین تعلیم وتربیت کے معاملے میں نبی اکرم ﷺ نے قریش کی خواتین کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

"خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإبل صَالِحُ نِسَاءِ قريش أَحْنَاهُ على ولد فی صغره وأرعاه على زوج فی ذات يده۔"(47)

"اونٹوں کی سوار بہترین خواتین قریش کی نیک خواتین ہیں، جو اولاد پر بچپن میں انتہائی مہربان اور نرم ہوتی ہیں اور شوہر کی ملکیتی اشیاء کی دیکھ بھال کرنے والی ہوتی ہیں۔"

عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ

قائل: محمد حافظ بن ابراہیم فہمی

"الام مدرسة اذا اعددتها اعددت شعبا طيب الاعراق".

"ماں ایک مدرسہ ہے۔ اگر اسے تیار کرو گے، تو تم ایک پوری با اخلاق قوم تیار کرو گے۔"

ماؤں کے عظیم کردار اور تعلیم وتربیت میں محنت ومشقت کی وجہ سے نپولین نے بھی کہا تھا کہ

"تم مجھے بہترین مائیں دو میں تمہیں بہترین قوم دوں گا۔"

نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث (کا مفہوم) ہے کہ

مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ ، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔(48)

"اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو، جب وہ سات سال کے ہو جائیں۔ (یعنی ان کی تربیت کرو اور انہیں نماز کا عادی بناؤ) اور جب وہ دس سال کے ہو

جائیں تو (نماز میں کوتاہی کرنے پر) انہیں مارو۔ اور دس سال کی عمر میں ان کے بستر الگ کر دو۔"

اب بچوں کو وقتاً فوقتاً رمضان کے روزے بھی رکھوانے چاہییں تاکہ بلوغت سے قبل وہ روزہ رکھنے کے عادی بن جائیں۔

ماؤں کے ساتھ ساتھ خواتین اساتذہ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی اولاد اور طلبہ کو انبیائے کرام کے واقعات، صحابہ کرام، تابعین اور اسلامی شخصیات سے متعارف کروائیں۔ ان کی زندگیوں سے بہترین واقعات بچوں کو سنائیں اور ان کے دلوں میں ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا کریں۔ تاکہ بچوں میں دینی و اسلامی جذبات و احساسات پروان چڑھیں اور نئی نسل اسلامی تعلیمات کے عملی نمونہ (Role models) اور قابل فخر مسلمان بن سکیں۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی اسلامی نظام تعلیم اور متعلم کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ

"جو نمونے کی شخصیت ایک مدرسے کو پیدا کرنی چاہیے، اس کی خصوصیات صرف چار اسلامی اصطلاحوں میں بیان کی جاسکتی ہیں: مومن ہو، مسلم ہو، متقی اور محسن ہو۔ ان اصطلاحوں کو آپ جتنے زیادہ وسیع معنوں میں لیں گے، شخص مطلوب اتنا ہی زیادہ جامع کمالات ہو گا۔ تنگ معنوں میں لیں تو صنعتی ترقی کی باتیں اور اس ترقی میں موجودہ تہذیب وتمدن کے فاسق وفاجر کھلاڑیوں سے مسابقت کا خیال چھوڑ دیں، پھر ان شاءاللہ پاکستان وہندستان کی ہر مذہبی درس گاہ میں آپ کو نمونے مل جائیں گے۔ "(49)

7۔ تعلیم بالغاں:

اسلام تعلیم کے لیے وقت یا عمر کی کوئی قید مقرر نہیں کرتا۔ اگر انسان کو ابتدائی دور میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ ملے تو وہ بلوغت کے بعد یا بڑی عمر میں تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔

صحابہ کرام میں ایسے صحابہ بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں، جنھوں نے نہ صرف بڑی عمر میں علم حاصل کیا، بلکہ مرتبہ کمال کو پہنچے۔ بعض لوگ قرآن کریم بڑی عمر میں حفظ کرتے ہیں، اور یہ مبارک سلسلہ آج بھی جاری ہے اور یہ قرآن کریم کی برکت وسعادت ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے :

"تم لوگ سردار بنائے جانے سے قبل علم حاصل کرو۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ نے تو بڑی عمر میں علم حاصل کیا ہے۔"

8۔ معذوروں کی تعلیم:

اسلامی معاشرے میں معذوروں کی تعلیم وتربیت پر بھی خصوصی توجہ کی گئی ہے۔ اور معذوروں اور مظلوموں کی دادرسی کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر وہ اپنی معذوری کے ساتھ کچھ کمائی کرنے کے قابل ہوں، تو ان کے لیے خصوصی طور پر آسانیاں فراہم کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور اگر وہ کمانے کے قابل نہ ہوں، تو ان کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کرنے کا حکم ہے، جیسے دور فاروقی حکومت میں تمام معذور افراد کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر تھا۔

معذور لوگ زندگی کی دوڑ میں اپنی پیدائشی اور مستقل مجبوریوں کی بنا پر پیچھے رہ جاتے ہوتے ہیں مثلاً بینائی، سماعت اور گویائی سے محروم، دماغی طور پر مفلوج یا گل اور مجنوں، دائمی امراض میں مبتلا افراد وغیرہ۔

قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ جن میں سائلین، ضرورت مند، مساکین اور کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کی تلقین کی گئی ہے، ان میں معذور لوگ بھی شامل ہیں۔

سورۃ عبس کے شان نزول میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ کی خدمت میں دین

کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اشراف قریش، مکہ کے سرداروں کی وجہ سے ان سے کچھ بے توجہی برتی اور اللہ تعالی کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اس کے بارے میں تنبیہ فرمائی اور وارننگ دی۔ اور سورۃ عبس نازل فرمائی جس کی ابتدائی چند آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔(50)

بعد میں جب حضرت ابن ام مکتوم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان سے بہت عزت واکرام سے پیش آتے اور فرماتے:

"خوش آمدید اے وہ شخص جس کے بارے میں رب نے مجھے متوجہ فرمایا۔"

سردار عرب وعجم نے کئی غزوات میں اپنی جگہ انہی نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور انہیں نیابت کی ذمہ داریاں سونپیں۔

9ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے معذوروں کے بارے میں جہاد میں شریک لوگوں سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "تمہارے پیچھے مدینہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، کہ تم جس وادی کو بھی طے کرتے ہو اور جس راستے پر بھی چلتے ہو، تمہارے ساتھ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں۔" صحابہ کرام نے سوال کیا "یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جب کہ وہ مدینہ میں بیٹھے ہیں؟" نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: "عذر نے انہیں وہاں روک دیا ہے۔"(51)

مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم معذوروں سے بھی حسن سلوک کرنے اور بوقت ضرورت ان کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک غیر مسلم بوڑھے نابینا ذمی کو بھیک مانگتے دیکھا۔ (غیر مسلم جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہتے ہوں اور جزیہ ادا کرتے ہوں، اہل ذمہ کہلاتے ہیں۔ اسلامی حکومت ان کے عوض میں ان کی جان ومال، عزت وآبرو کی اسی طرح حفاظت کرتی ہے جیسے مسلمانوں کی کرتی ہے)۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہودی ہے، آپ نے اس سے پوچھا: "تمہیں کس چیز نے اس حالت تک پہنچایا؟" اس نے جواب دیا: "جزیہ، ضرورت اور بڑھاپے نے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اتنا کچھ دیا جو اس کی ضروریات کے لیے کافی تھا، پھر آپ نے بیت المال کے خزانچی کو کہلا بھیجا کہ "اس شخص اور اس جیسے دوسرے اشخاص کی طرف توجہ کرو، خدا کی قسم، یہ انصاف کی بات نہیں کہ ہم ان کی جوانی کی کمائی کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں دھتکار دیں۔"(52)

اگر یتیموں کے والی اور غلاموں کے مولی ﷺ کے معذور افراد کے بارے میں احکامات اور سنتوں پر عمل پیرا ہوا جائے تو معذور لوگ بھی زندگی کی بنیادی ضروریات اور سہولیات سے بہتر استفادہ کر سکتے ہیں۔

9۔ غیر مسلموں کی تعلیم:

اسلام ایسے مثالی انسانی سماج کا تصور پیش کرتا ہے جس میں مختلف مذاہب کے لوگ اپنے مذہبی عقائد اور احکامات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ امن وسکون سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

اسلام غیر مسلموں کو بھی ان کے پورے حقوق دیتا ہے اور ان کی تعلیم وتربیت پر توجہ کرتا ہے۔ ان کے مذہبی معاملات ان کے مذہبی احکامات کے مطابق حل ہوتے ہیں۔ نکاح، طلاق، شادی بیاہ کے مخصوص معاملات وغیرہ ان کے اپنی شریعت کے مطابق ہی حل ہوتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

"وہ ہم میں سے نہیں ہے جو ظلم میں اپنے قبیلے کی حمایت کرتے ہوئے مارا جاتا ہے۔"(53)

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے حقوق کا تحفظ کریں، اچھے ہمسایوں کی طرح رکھ رکھاؤ، اخلاق ولحاظ اور رواداری کا

رویہ رکھیں۔ کیونکہ اسلام کسی بھی قسم کے تعصب کو پسند نہیں کرتا۔

اسلامی احکامات کے مطابق غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی ممنوع ہے۔ دوسرے مذاہب کے جھوٹے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے بھی باز رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم نے یہاں تک تاکید فرمائی ہے، کہ اگر بت پرست تک تمہاری پناہ میں آجائیں تو ان کی حفاظت کرو اور انہیں قرآن وسنت کا پیغام پہنچاؤ۔ ممکن ہے کہ اس سے پہلے انہوں نے اسلام کے احکامات نہ سنے ہوں، اور اس طرح ان کے کانوں تک حق بات پہنچ جائے۔ (54)

10۔ تخصصات (Specializations):

قران وسنت کی بنیادی تعلیم سب کو حاصل کرنی چاہیے۔ سب صحابہ کرام قران وسنت کی تعلیم سے متصف تھے، لیکن چند صحابہ کرام کو مختلف علوم اور میدانوں میں مختلف لحاظ سے مہارت حاصل تھی۔ احادیث میں ان کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

آج کا دور تخصصات کا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اعلی تعلیم اور خاص موضوعات پر تخصصات (Specialization) کی اہمیت ہمیشہ رہی ہے۔ خود قرآن حکیم میں اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ. (55)

"پھر کیوں نہ نکلے ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کر سکیں۔"

اس آیت میں "تخصص فی الفقہ" کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے لیے علماء اور مبلغین کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. (56)

ترجمہ: "تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے۔"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی اقدس ﷺ کے حکم سے صرف 15 دنوں میں عبرانی زبان سیکھ لی تھی۔ (57)

یہود سے خط وکتابت وغیرہ کے لیے نبی اکرم ﷺ نے انہیں عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَاَفْرَضُهُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَاَقْرَؤُهُمْ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ" (58)

"حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں، اور فرائض (میراث) کے سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت ہیں، اور سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔"

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآنی علوم میں ممتاز تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں دعا دی تھی کہ

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. (59)

"اے اللہ! اسے دینی سمجھ بوجھ عطا فرما۔"

عکرمہ فرماتے ہیں کہ

"ابن عباس رضی اللہ عنہ صحابہ میں سب سے زیادہ علم قرآن رکھتے تھے۔" (60)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدمات کے درست فیصلے کرنے، یعنی قضاۃ میں امتیاز حاصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "ہمارے سب سے بڑے قاضی حضرت علی اور سب سے بڑے قاری ابی (بن کعب) رضی اللہ عنہما ہیں۔" (61)

"علم تفسیر فقہ "یعنی فقہ کی سمجھ بوجھ میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے ماہر تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود انہیں فرمایا تھا کہ "تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔"

حضرت عبد اللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ "تم قرآن چار آدمیوں سے سیکھو۔ ایک ام عبد کے بیٹے (یعنی سیدنا عبد اللہ بن مسعود) سے اور آپ ﷺ نے ان ہی سے شروع کیا اور ابی بن کعب سے اور سالم مولی ابو حذیفہ سے اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے۔"(62)

جن کے معلم خود ہی معلّم ﷺ تھے تو وہ متعلمین کس قدر قابل اور فہم فراست والے بن گئے تھے!

لکھتا ہوں خونِ دل سے یہ الفاظ احمریں بعد از رسول ہاشمی ﷺ کوئی نبی نہیں

تلک عشرۃ کاملۃ.(63) اسلامی نظام تعلیم کی یہ دس مختلف خصوصیات ہیں۔ جو اچھے نظام تعلیم میں ہونی چاہیں۔

اسلامی اور عصری نظام تعلیم:

اسلامی تعلیمی نظام بہت خوبصورت اور جامع ہے۔ علم و عمل دونوں کا حسین مرکب اور امتزاج ہے۔ دین و دنیا کی بھلائیاں اور کامیابیاں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ابتدا میں صرف دینی تعلیم اہم اور ناگزیر تصور کی جاتی تھی۔ اسلامی نظام تعلیم اور دینی مدارس نے تعمیر معاشرہ میں اہم ترین کردار ادا کیا تھا۔ پھر وقت کے ساتھ تعلیم کو بھی دینی اور دنیاوی تعلیم میں تقسیم کر دیا گیا۔ دنیاوی تعلیم یافتہ لوگوں کو ماڈرن اور کامیاب جب کہ دینی تعلیم یافتہ صالح لوگوں کو پسماندہ سمجھا جانے لگا۔ لیکن در حقیقت تعلیم وہی ہے جس کی ابتدا آسمانوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور جس کی انتہا "صفہ "میں ہوئی، جو انسان کو رب تعالی کا فرمانبردار اور "خلیفۃ فی الارض" بننے کا رنگ ڈھنگ اور ہنر سکھاتی ہے۔ جو انسان کو اپنے مقصد زندگی سے آگاہ رکھتی ہے، اس کے حصول میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہے، اور اسے رب سے جوڑنے کا باعث بنتی ہے۔

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

عام حالات میں کوئی ایسی نماز نہیں ہوتی جس کی امامت کے لیے امام نہ ملے۔

کوئی اذان ایسی نہیں ہوتی جس کے لیے مؤذن نہ ملے۔

کسی کو یہ مسئلہ نہیں ہوتا کہ اذان اور نماز کے لیے مؤذن اور امام موجود نہیں۔

کوئی جنازہ ایسا نہیں ہوتا جسے پڑھانے کے لیے امام نہ ملے۔

کسی کو شکایت نہیں ہوتی کہ بچے کو حفظ کروانے کے لیے کوئی حافظ و قاری نہیں ملتا۔

کسی کو مسئلہ نہیں ہوتا کہ بچے کو دینی علوم سکھانے کے لیے کوئی عالم نہیں ملتا۔

الحمدللہ کہ دینی مدارس اسلامی نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی سرانجام دینے میں مکمل طور پر کامیاب ہیں اور ہمیشہ کامران رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔

ماہ رمضان میں مساجد میں نماز تراویح کی ادائیگی کے لیے لوگوں کو حافظ نہیں ڈھونڈنا پڑتا، بلکہ خود حافظ کو مسجد ڈھونڈنی پڑتی ہے۔ مساجد میں بھی حافظ نماز تراویح کی امامت کرواتے ہیں اور کثرت تعداد کی وجہ سے جابجا گھروں میں بھی حفاظ کرام تراویح کی امامت کرواتے نظر آتے ہیں۔ اور

مساجد کے ساتھ ساتھ گھروں میں بھی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

بقول شاعر

؎ یہ علم و ہنر کا گہوارہ، تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے ۔۔۔ ہر پھول یہاں ایک شعلہ ہے، ہر سرو یہاں مینارہ ہے۔

کہسار یہاں دب جاتے ہیں، طوفاں یہاں رک جاتے ہیں ۔۔۔ اس کاخ فقیری کے آگے، شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں۔

عابد کے یقیں سے روشن ہے، سادات کا سچا صاف محل ۔۔۔ آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا، اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ اسلامی مدارس کل بھی آباد تھے، آج بھی آباد ہیں اور قیامت تک شاد و آباد رہیں گے ان شاء اللہ۔ لیکن ہمارے مسلمان حکمرانوں نے اس سلسلہ میں وہ کردار ادا نہیں کیا جو ان پر فرض تھا۔ اور موجودہ حالات میں اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ اور تربیتی نظام کے ذریعے جو کچھ وہ کر سکتے تھے، انہوں نے وہ ذمہ داری ادا نہیں کی۔ مغرب سے ان کی ذہنی مرعوبیت اور خوف و ہراس کی کیفیت تا حال جاری ہے اور وہ انگریزی اور مغربی تعلیم اور مغربی اقدار و روایات کو اہمیت دیتے ہیں لیکن یہ نہایت افسوسناک اور خطرناک صورتحال ہے۔

؎ یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا ۔۔۔ افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

موجودہ نظام تعلیم میں عصری تعلیم حاصل کرنے والے کس طرح کے اخلاق و کردار کے حامل بن رہے ہیں؟

انگریزوں کا دیا ہوا (لارڈ میکالے کا) جو نظام تعلیم یہاں رائج ہے، اس کے زیر اثر پرورش پا کر جو نسلیں اٹھ رہی ہیں، وہ مغربی قوموں کے عیوب سے تو ماشاءاللہ پوری طرح آراستہ ہیں۔ مگر علم و آگاہی، فکر و تدبر، نظم و ضبط، فرض شناسی و وفاداری اور مستقل مزاجی جیسی صفات سے بالکل تہی دامن ہیں جو کسی قوم کی تشکیل (Nation building) اور مادی و روحانی تعمیر و ترقی کے لیے نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

حکیم الامت علامہ محمد اقبال کا فرمان ہے:

؎ خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر ۔۔۔ لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ۔۔۔ کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ہمارے اسلامی نظام تعلیم اور دینی مدارس کی بہت واضح کامیابی یہ ہے کہ بیرون ممالک سے مسلمان یہاں آکر دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اور ہمارے دنیاوی تعلیمی اداروں کی ناکامی یہ ہے کہ لوگ دنیاوی تعلیم کے حصول کے لیے خود بیرون ممالک جاتے ہیں۔

؎ عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے ۔۔۔ قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش

ہمارے ایک استاد محترم بجا طور پر کہا کرتے تھے:

"اگر استاد کے ہاتھ میں بائبل ہو لیکن وہ چاہے تو طلبہ و طالبات کو قرآن مجید پڑھا سکتا ہے اور اگر استاد کے ہاتھ میں قرآن ہو لیکن وہ چاہے تو قرآن کے نام پر طلبہ و طالبات کو بائبل پڑھا سکتا ہے۔"

حکیم الامت علامہ محمد اقبال مرحوم نے سپین سے واپس آکر مذہبی تعلیم، دینی مدارس کی اہمیت اور علمائے کرام کے کردار کے حوالے سے یہ حکیمانہ باتیں بیان فرمائیں کہ:

"ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو۔ اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟" جو کچھ ہوگا، میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے، تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں ہوا۔ مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا، اسلام کے

پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔"(64)

ے یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم اک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

قدرت اللہ شہاب نے برصغیر میں علماء کے کردار کو بھرپور سراہتے ہوئے اپنے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

"یہ ملا ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان کہیں نام کے مسلمان، کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت و سالم و برقرار ہے، برصغیر کے مسلمان ملا کے اس احسان عظیم سے کس طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے جس نے کسی نہ کسی طرح ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔" (65)

ہم خواتین نبی اکرم ﷺ اور ازواج مطہرات اور صحابیات کے نقش قدم پر چلنے کا عزم صمیم کرتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات نے صنف نازک کے لیے ہر سو آسانیاں، مسکراہٹیں اور مسرتیں عام کر رکھی ہیں، تو ہم اسلامی نظام تعلیم کے نفاذ کے لیے تمام ممکنہ تعاون اور معاونت کے لیے تیار ہیں اور اپنے بچوں اور اپنے طلبہ کو بھی تیار کرنے کا عہد و پیمان کرتی ہیں!

آئیں!!! ہم آغاز کریں اور دامے، درمے، قدمے، سخنے اس مہم میں اپنا حصہ شامل کرتے رہیں۔

آئیں!!! اس عظیم سفر کا آغاز کر دیں۔

کہ ہمیں اپنے نبی کی ہر چیز ہی کتنی محبوب ہے!

ے کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں ﷺ

حوالہ جات:

1۔ سورۃ الحدید:25

2۔ "Comparative Education: An Introduction to the Theory, Practice, and Policy of Global Education" by David N. Wilson and Kenneth M. Smith

2۔ کیلانی، عبد الرحمن، تفسیر "تیسیر القرآن"، (مکتبہ السلام، وسن پورہ، لاہور) ج4، ص123، 2022ء

3۔ القزوینی، ابو عبد اللہ محمد بن یزید الربعی، سنن ابن ماجہ، (مکتبہ دار السلام، ریاض 2005ء) کتاب السنۃ، بَابُ: **فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ**، رقم الحدیث:224

4۔ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن سورہ، سنن ترمذی، (مکتبہ دار السلام، ریاض 2005ء)، **کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ**، رقم الحدیث:2687

5۔ سورۃ البقرہ:151

6۔ کیلانی، عبد الرحمن، ج1، ص123

7۔ غازی، ڈاکٹر احمد محمود احمد، محاضرات تعلیم (زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، دسمبر 2014ء) ص18، غازی، ڈاکٹر محمود احمد (خطبات وتقاریر)، مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم مرتب: ڈاکٹر سید عزیز الرحمن، (الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ) دسمبر 2005، ص105

8۔ سورۃ الانعام:52

9۔ القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، (مکتبہ دار السلام، ریاض 2005ء) **كِتَاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ، باب فِي فَضْلِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ**، رقم الحدیث:2413

10۔ سورۃ الزمر:9

11۔ سورۃ المجادلہ:11

12۔ سورہ فاطر:28

13۔ سورہ طٰہٰ:114

14۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، (مکتبہ دار السلام، ریاض 2005ء)، **كِتَاب فَضَائِلِ الْقُرْآنِ، بَابُ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ**، رقم الحدیث:5027

15۔ صحیح ابی داؤد، كِتَاب الْعِلْمِ، باب الْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، رقم الحدیث:3641، سنن ترمذی، **کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْفِقْهِ عَلَى الْعِبَادَةِ**، رقم الحدیث:2682

16۔ ابوداؤد، **كِتَاب الْعِلْمِ، باب فِي طَلَبِ الْعِلْمِ لِغَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى**، رقم الحدیث:3664، سنن ابن ماجہ، **کتاب السنۃ، بَابُ الِانْتِفَاعِ بِالْعِلْمِ وَالْعَمَلِ بِهِ**، رقم الحدیث:252

17۔ سنن ترمذی، **کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ طَلَبِ الْعِلْمِ**، رقم الحدیث:2646

18۔ السجستانی، ابو داؤد سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، (مکتبہ دار السلام، ریاض 2005ء)، **كِتَاب الضَّحَايَا، باب مَا يُكْرَهُ مِنَ الضَّحَايَا**، رقم الحدیث: 2802

19۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الأَدَبِ، بَابُ تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا**، رقم الحدیث: 6026

20۔ مسند احمد: 4142

21۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الْمَنَاقِبِ، بَابُ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ ﷺ**، رقم الحدیث: 3535

22۔ صحیح بخاری، **كِتَاب مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ، بَابُ السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ**، رقم الحدیث: 600

23۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الْعِلْمِ، بَابُ الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ**، رقم الحدیث: 115

24۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الِاعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، بَابُ تَعْلِيمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّتَهُ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، مِمَّا عَلَّمَهُ اللَّهُ، لَيْسَ بِرَأْيٍ وَلَا تَمْثِيلٍ**، رقم الحدیث: 7310

25۔ الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، (نفیس اکیڈمی، کراچی)، اپریل 2004ء، ج 13، ص 230

26۔ اسد الغابہ، ابن سعد، المستدرک تذکرہ ارقم بن ابی ارقم، (دار صادر، بیروت)، ج 3، ص 502

27۔ علوی، پروفیسر ثریا بتول، استاد: ملت کا محافظ، (تنظیم اساتذہ پاکستان (خواتین ونگ) لاہور)، جنوری 2021ء، ص 95

28۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، البانی 4/326، حدیث 1847، امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: یہ مرفوع حدیث کے طور پر موضوع ہے امام مالک کے قول سے ثابت ہے العلل للدارقطنی: 15/ص 57، سوال: 3828۔

29۔ سورۃ ابراہیم: 5

30۔ سنن ترمذی، کتاب الاستئذان والآداب عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ السُّرْيَانِيَّةِ، رقم الحدیث: 2715

31۔ سورۃ النحل: 125

32۔ سنن ابن ماجہ، **کتاب السنۃ، بَابُ: فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ**، رقم الحدیث: 224

33۔ صحیح بخاری، **كِتَاب فَضَائِلِ الْقُرْآنِ، بَابُ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ**، رقم الحدیث: 5027

34۔ سنن ابی داؤد، **كِتَاب الْعِلْمِ، باب كَرَاهِيَةِ مَنْعِ الْعِلْمِ**، رقم الحدیث: 3658، سنن ترمذی، **کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي كِتْمَانِ الْعِلْمِ**، رقم الحدیث: 2649

35۔ سنن ترمذی، **کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الْوَلَدِ**، رقم الحدیث: 1952

36۔ سورۃ التحریم: 6

37۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الْجَنَائِزِ، بَابُ مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ**، رقم الحدیث: 1385

38۔ ابن قتیبہ، عیون الاخبار، (دار الکتب العلمیہ، بیروت)، ج 2، ص 123

39۔ ایضاً

40۔ سنن ترمذی، **کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي إِمَاطَةِ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ**، رقم الحدیث: 1958

41۔ سنن ابی داود، **كِتَاب الْأَطْعِمَةِ، باب الأكل باليمين**، رقم الحدیث:3777؛ سنن ترمذی، **كِتَاب الْأَطْعِمَةِ، باب الأكل باليمين**، رقم الحدیث:1857

42۔ سنن ابی داود، **كِتَاب الْأَدَبِ، باب فِي التَّشْدِيدِ فِي الْكَذِبِ**، رقم الحدیث:4991

43۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی، رسائل و مسائل، (اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، منصورہ، لاہور) ج4، ص38

44۔ حامد میر، اقبال، قائداعظم اور غازی علم دین، روزنامہ جنگ، 1 نومبر 2012ء، ادارتی صفحہ

45۔ ندوی، ابوالحسن علی، نیا طوفان اور اس کا مقابلہ، (مطبع نامی پریس، لکھنؤ، انڈیا)، 1959ء، ص32

46۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الْعِتْقِ، بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ، وَقَوْلِهِ عَبْدِي، أَوْ أَمَتِي**، رقم الحدیث:2554؛ صحیح مسلم، **كِتَاب الْإِمَارَةِ، باب فَضِيلَةِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ وَعُقُوبَةِ الْجَائِرِ وَالْحَثِّ عَلَى الرِّفْقِ بِالرَّعِيَّةِ وَالنَّهْيِ عَنْ إِدْخَالِ الْمَشَقَّةِ عَلَيْهِمْ**، رقم الحدیث:1829

47۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الْأَحْكَامِ، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ**، رقم الحدیث:7138

48۔ سنن ابی داود، **كِتَاب الصَّلَاةِ، باب مَتَى يُؤْمَرُ الْغُلَامُ بِالصَّلَاةِ**، رقم الحدیث:495

49۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، ص39

50۔ سنن ترمذی، **كتاب تفسير القرآن عن رسول الله ﷺ، باب وَمِنْ سُورَةِ عَبَسَ**، رقم الحدیث:3331

51۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الشَّهَادَاتِ، بَابُ مَنْ أَمَرَ بِإِنْجَازِ الْوَعْدِ**، رقم الحدیث:2684

52۔ ابن قدامہ، المغنی: ج8، ص209، ابو یوسف، کتاب الخراج، ص150

53۔ النسائی، احمد ابن شعیب ابن علی ابن بحر ابن سنان ابن دینار النسائی، سنن نسائی، (مکتبہ دارالسلام، ریاض 2005ء)، **کتاب تحریم الدم، بَابُ: قِتَالُ الْمُسْلِمِ**، رقم الحدیث:4114

54۔ سورۃ التوبہ:6 55۔ سورۃ التوبہ:122 56۔ سورۃ آل عمران:104

57۔ سنن ترمذی، **كتاب الاستئذان والآداب عن رسول الله ﷺ، باب مَا جَاءَ فِي تَعْلِيمِ السُّرْيَانِيَّةِ**، رقم الحدیث:2715

58۔ صحیح بخاری، **كِتَاب فَضَائِلِ الصحابة، بَابُ مَنَاقِبُ سَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ**، رقم الحدیث:3758

59۔ صحیح بخاری، **كِتَاب الْوُضُوءِ، بَابُ وَضْعِ الْمَاءِ عِنْدَ الْخَلَاءِ**، رقم الحدیث:143

60۔ الصابونی، محمد علی، **التبيان فی علوم القرآن**، (عالم الکتب، بیروت) 1985ء، ج7 ص68

61۔ عسقلانی، ابن حجر، تہذیب التہذیب، (عالم الکتب بیروت)، ج7، ص337

62۔ صحیح بخاری، **كِتَاب فَضَائِلِ الصحابة، بَابُ مَنَاقِبُ سَالِمٍ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ**، رقم الحدیث:3758

63۔ سورۃ البقرہ:196

64۔ معینی، سید عبدالواحد، مقالات اقبال، (طفیل آرٹ پرنٹرز، لاہور)، 1982ء، ص189

65۔ شہاب نامہ، قدرت اللہ شہاب، (ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، انڈیا)، 2003ء، ص335

11

مقالہ نگار: **ڈاکٹر حفصہ نسرین**

انچارج شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور

ابتدائیہ:

اولیں وحی **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ** تعلیم کی اہمیت اور اس کے مقام پر دلالت کے لیے کافی وشافی ہے۔ پھر آپ ﷺ کا فرمان مبارک **انما بعثت معلما** اس حکم ربی کی تصدیق وتوثیق کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے تاریخ عالم میں جو عدیم النظیر انقلاب برپا کیا بلاشبہ وہ ایک تعلیمی تحریک ہی تو ہے جس سے افراد کی ذہنی وقلبی کیفیت، ان کی شخصیت میں ایسا تغیر آیا جس نے نہ صرف اس کرہ ارض پر زندگی بسر کرنے کا ایک نظام، اقدار اور مقاصد عطا کیے، بلکہ ایک نئے خاندان، نئے نظام، نئے معاشرے، نئی ریاست اور نئی تہذیب بنا ڈالی۔ صدیوں پر محیط تاریخ اسلامی شاہد ہے کہ جب تک حضور ﷺ کے وضع کردہ نظام تعلیم کا تتبع کیے گئے ایسے افراد اور ادارے وجود میں آئے جو امت کی ترقی اور سطوت کا سبب بنے، اور جب اس نظام کو ترک کر دیا گیا، زوال ومحکومی اس کا مقدر رہی۔ آج امت مسلمہ زبان حال سے اپنے زوال کی دہائی دے رہی ہے۔

کسی قوم یا ریاست کا تعلیمی نظام قوم کی تشکیل وتعمیر اور اس کی بقا واستحکام میں کیا اہمیت رکھتا ہے، اس کے ادراک کے لیے یہ تاریخی مثال ہی کفایت کرتی ہے، کہ جہاں جہاں یورپی اقوام نے نوآبادیات قائم کیں وہاں نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کو کلیتہً تبدیل کر دیا، تاکہ وہ قوم کبھی محکومی و غلامی سے آزاد ہو ہی نہ پائے۔ برصغیر میں انگریزوں نے مقامی نظام تعلیم کی جس طرح بیخ کنی کی۔ مدارس بند کر دیے، عربی وفارسی کا قلع قمع کر دیا نہ صرف عربی بلکہ سنسکرت کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ برطانوی سرکار کے پاس تعلیم پر خرچ کرنے کے لیے ایک لاکھ روپیہ تھا جس کے بارے میں لارڈ میکالے کے الفاظ برائے ملاحظہ ہیں۔

"I think it is clear that .... we are free to employ our funds as we chose, we ought to employ them in teaching what is best worth knowing, that english is better worth knowing than Sanscrit or Arabic...[1]"

اور اس نئے نظام تعلیم اور طرز تعلیم کا مقصد بھی میکالے نے بصراحت بیان کر دیا

"We must at present do our best to form a class who may be interpreter between us and the millions whom we govern, class of persons Indian in blood and colour, but English in taste, in opinions, in morals and in intellect[2]."

یہ امر غور طلب ہے کہ یہودی پروٹوکولز میں تعلیمی پروگرام اور نصاب پر خاص توجہ کیوں دی گئی ہے۔ مثلاً

"لوگ نظریات سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور انھیں ہمیشہ حرز جان بنائے رکھتے ہیں۔ وہ ان نظریات کو تعلیم ہی کے ذریعے اپناتے ہیں جو ہر عمر کے افراد کو مختلف طریقوں سے فراہم کی جاتی رہی ہے، لیکن ہم اپنے مفادات کے پیش نظر، فکر وخیال کی ہر آزادی کو ختم کر دیں گے جس کا رخ ہم عرصہ دراز سے ان موضوعات وتصورات کی طرف موڑتے رہے ہیں جو ہمارے لیے مفید تھے۔[3]"

"ہمارے قواعد وضوابط کو جامہ عمل پہنانے سے قبل آپ کو ان لوگوں کے کردار کا بھی جائزہ لینا ہوگا جن میں رہ کر آپ کو کام کرنا ہے۔ عوام کو جب تک از سر نو ہمارے نصاب کے مطابق زیور تعلیم سے آراستہ نہیں کیا جائے گا ان قواعد وضوابط

[جو غیر یہود کے لیے وضع کیے گئے] کا سب پر یکساں اطلاق ممکن نہیں ہوگا"[4]۔

"ہم تمام اجتماعی قوتوں کو (ماسوائے خود کے) ختم کر دیں گے۔ اس پروگرام کی پہلی سیڑھی یونیورسٹیاں ہیں۔ ہم اسی مقصد کے لیے از سر نو تنظیم کریں گے"۔[5]

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

دریں حالات ہر اسلامی ریاست اور بطور خاص پاکستان، جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا، کے نظام تعلیم کو سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ڈھالنے کی اشد ضرورت ہے۔ وزارت مذہبی امور کی جانب سے اس اہم موضوع پر تحقیقی کام کرانا مستحسن اقدام ہے اور وقت کی ضرورت بھی۔ آئندہ صفحات میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کے خدوخال پیش کیے جا رہے ہیں۔

عہد نبوی و مابعد اسلاف کا نظام تعلیم - ایک اجمالی جائزہ

جس دین کا آغاز ہی پڑھنے کے حکم سے ہوا، اس میں تعلیم اور نظام تعلیم کی اہمیت اور نوعیت کیا ہوگی موضوع تفصیل اور حوالہ جات کا چنداں محتاج نہیں۔ اسلام میں اولین مدرسے کی حیثیت دار ارقم کو حاصل ہے۔ آدمی وہاں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حکمت و دانائی اور تزکیے کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے[6]۔ اس مدرسے کا نصاب قرآن کریم تھا جو تمام علوم کا جامع ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ[7]

اور

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ[8]

جوں جوں اسلام پھیلتا گیا آپ ﷺ معلمین مقرر فرماتے چلے گئے۔ دور دراز علاقوں سے جب کوئی آکر اسلام قبول کرتا تو آپ ﷺ ان کو تعلیم دیتے، اور باقاعدہ حکم فرماتے کہ جا کر اپنے لوگوں کو سکھاؤ۔ مدینہ منورہ میں جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا، تو یہ سلسلہ تعلیم پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہوا۔ مختلف قبائل کے وفود آکر اسلام قبول کرتے اور آپ ﷺ واپسی پر کسی تجربہ کار صحابی کو ان کے ساتھ بطور معلم بھیج دیتے[9]۔ بئر معونہ کا سانحہ عظیم بھی آپ ﷺ کے اسی معمول کی ایک مثال ہے۔ ستر صحابہ کو معلم بنا کر نجد کی طرف بھیجا گیا۔ راستے میں انھیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ آپ ﷺ اس واقعے پر اتنے حزین تھے کہ ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھتے رہے[10] بعض اوقات کسی کو گورنر یا حاکم مقرر کرتے تو تعلیم کی ذمہ داریاں بھی ذاتی طور پر اس کے سپرد کر دی جاتیں۔ عمروؓ بن حزم کو جب یمن کا گورنر مقرر کیا گیا تو ان کو خاص تاکید کی گئی کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم کا بندوبست کریں اور اس کی نگرانی کریں۔

نوزائیدہ اسلامی ریاست کا اولین باقاعدہ مدرسہ صفہ تھا۔ یہ عالم اسلام کی پہلی اقامتی یونیورسٹی تھی۔ جس نے نامور صحابہ کرام کی جماعت پیدا کی۔ اس مکتب میں محض قرآن و سنت کی تعلیم ہی نہیں تھی، بلکہ معاشرہ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و سانحات سے شناسائی بھی کرائی جاتی۔ یہ درس گاہ بیک وقت علمی و تربیتی، فکری و اعتقادی تھی جس میں معاشرت، سیاست، فوجی تربیت، امور انساب، لسانیت و اخلاقیات سبھی کچھ سکھایا جاتا تھا۔ انھیں کتابت بھی سکھائی جاتی تھی۔ کتابت میں یہاں استاد کا درجہ حضرت عبادہؓ بن صامت کو حاصل تھا، اس فریضے کی ادائی پر انعام کے طور پر انھیں ایک کمان بھی دی گئی تھی[11] یہ جگہ دنیا کا بہترین مکتب تھی جسے بہترین مربی میسر آئے۔

اس کے علاوہ بھی آپ ﷺ نے تعلیم و تعلم کے لیے ہر ممکنہ اقدام کیا۔ ایک اہم مثال اسیران غزوہ بدر کی ہے۔ جن میں سے جو لوگ فدیہ

نہیں دے سکتے تھے انھیں مسلمان بچوں کو کتابت و قراءت سکھا کر آزادی کا پروانہ ملنے کی نوید سنادی گئی[12]۔ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں تعلیمی سرگرمیوں اور نظام تعلیم کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

عہد خلافت راشدہ میں بھی یہ سلسلہ اسی توجہ سے جاری و ساری رہا۔ بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ کا عہد ایک زریں مثال ہے۔ جنہوں نے تعلیم کو جبری قرار دیا۔ جگہ جگہ، شہر شہر مدرسے بنوائے۔ مدرسین کا تقرر کیا۔ پھر وقتاً فوقتاً انھیں نصاب تعلیم سے متعلق ہدایات بھی جاری فرماتے رہتے۔[13]

اسلامی ریاست کی تعلیمی حکمت عملی کے خط و خال اور سیرت النبی ﷺ

صغر سنی سے تعلیم لازم و جبری اور قابل تحصیل ہو:

فرمان رسول اکرم ﷺ ہے:

طلب العلم فریضۃٌ علی کل مسلم و مسلمۃ[14]

اور یہ سلسلہ صغر سنی میں ہی شروع ہو جانا چاہیے۔ بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے اور علم حاصل کرنے کا یہ بہترین دور ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے۔

"بچپن میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے، جیسے پتھر پر نقش، اور بڑھاپے میں تعلیم حاصل کرنا ایسے ہے جیسے نقش بر آب"[15]

آپ ﷺ نے والدین کو بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے"[16]

اور

"آدمی کا اپنے بیٹے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے"۔[17]

سو تعلیم کی تحصیل اور فراہمی لازم ہے، لہٰذا ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم کے حصول کو جبری قرار دے، اسے لوگوں کی ذاتی رائے اور پسند ناپسند پر نہیں چھوڑا جا سکتا، اور لوگوں کے لیے اس امر کو ممکن اور آسان بنائے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکیں۔ جب ہر عمر کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے، ہر نو مسلم پر مختلف علوم کا جاننا لازم تھا جس کے لیے مختلف افراد اور تعلیمی ادارے سرگرم تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خاص طور پر خانہ بدوش بدوؤں کے لیے قرآن مجید کی جبری تعلیم کا انتظام قائم کیا تھا[18] اور اس کے لیے گشتی تعلیمی دستے بھی مقرر کر رکھے تھے، جو لوگوں کی تعلیمی صلاحیت کا جائزہ لیتے اور ضرورت کے مطابق ایسے افراد کو اساتذہ کے سپرد کرتے۔

یہ اسلام ہی کا تخصص ہے کہ اس نے تعلیم کو ہر ایک کے لیے لازمی قرار دیا ہے۔ دیگر مذاہب میں جہاں اور بہت سی اجارہ داریاں قائم تھیں وہاں تعلیم کے میدان پر اجارہ داری بھی شامل تھی۔ مثلاً قبیلہ قریش کے صرف 17 لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ سینٹ پال نے مسیحیت کی ترویج کی تو اس نظام کے گرجاؤں میں ایک عام آدمی نہیں جا سکتا تھا۔ ہندوؤں کے ہاں بلا ارادہ بھی کوئی شودر وید کا اشلوک سن لیتا تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا۔ اسلام نے تعلیم و تعلم کی نہ صرف گنجائش و رعایت رکھی بلکہ اسے فرض قرار دیا۔

پھر ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیمی حکمت عملی وضع کرتے ہوئے تعلیم کے لیے بجٹ مختص کرے، جس سے غریب و نادار افراد بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکیں۔ عہد رسالت مآب اور عہد خلافت راشدہ میں مفت تعلیم کا تصور عام تھا۔ آپ ﷺ نے ہر مسلم عالم پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ دوسروں تک علم پہنچائے[19] اور اسی لیے کتمان علم پر شدید وعید کی گئی ہے۔ فرمایا

"جس سے علم کے متعلق کوئی سوال ہوا اور اس نے اسے چھپایا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے آگ کی لگام پہنائیں گے"[20]۔

فرمایا "جیسے تیرے مال میں دوسروں کا حق ہے، ویسے ہی تیرے علم میں دوسروں کا حق ہے"[21] بعد کے ادوار میں بھی تعلیم مفت رہی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف مکاتب قائم کیے، جن کے معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔ قرآن، احادیث، سیرت و غزوات، فقہ، ادب عربی، علم الانساب، کتابت وغیرہ کی تعلیم مفت ہوتی تھی، اور قرآن پاک کی تعلیم پانے والوں کے لیے وظائف کا بھی انتظام تھا[22] حکومتی اہتمام کے علاوہ نجی طور پر اساتذہ تنخواہ لینے سے گریز کرتے تھے اور عام طور پر معاوضہ قبول نہیں کرتے تھے۔

ملک پاکستان میں پائے جانے والے شدید معاشی بحران اور عالمی سطح پر زمینی حقائق کے پیش نظر علماء و اساتذہ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ بالکل مفت تعلیم دیتے رہیں، ناممکن العمل ہے کیونکہ ضروریاتِ زندگی تو سبھی کی ہیں۔ دریں حالات یہ حکومت ہی کی ذمہ داری ہے کہ مختلف مدات میں بجٹ کی رقم مختص کرتے ہوئے مفت تعلیم، نیز نہایت سستی تعلیم کی فراہمی کو یقینی بنائے۔

❖ مقصدیت:

دنیا کی ہر شے کی تخلیق کے پیچھے، ہر نظام ہر پالیسی کے پس پشت کوئی مقصد کوئی محرک کارفرما ہوتا ہے۔ نظام تعلیم جیسا اہم ترین نظام مقصدیت سے عنقا کیسے ہو سکتا ہے، اور جب بات ہو اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کی یعنی ایک ایسی قوم و ملت کے تعلیمی نظام کی جس کی اپنی ایک جداگانہ شناخت، ایک تہذیب اور سب سے بڑھ کر ایک واضح نصب العین حیات ہے تو اس نظام کی اساس و بنیاد ایک واضح مقصد پر رکھی جانی چاہیے۔ مودودیؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں "مجھے ایسی کوئی قوم معلوم نہیں ہے جس نے اپنا نظام تعلیم خالصتاً معروضی بنیادوں پر قائم کیا ہو، جو اپنی نسلوں کو بے رنگ تعلیم دیتی ہو اور اپنے ہاں ایسے غیر جانب دار نوجوان پرورش کرتی ہو جو تعلیم سے فارغ ہو کر آزادی سے یہ فیصلے کریں کہ انھیں اپنی قومی تہذیب کی پیروی کرنی ہے یا کسی دوسری تہذیب کی؟"[23] سو اسلامی ریاست نظام تعلیم کی اولین اکائی "مقصد" ہے۔ وہ مقصد قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ [24]

"میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"

اسلامی ریاست کا ہر نظام اور نظام تعلیم بالاولیٰ اسی دائرے یعنی "عبدیت" کو محیط ہوگا۔ قرآن کریم میں انبیائے کرام کے قصے بغرض موعظت و نصیحت پیش کیے گئے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کے آخری وقت کی منظر کشی یوں ملتی ہے کہ اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں یعنی تمام نسل کو جمع کر کے ان سے پوچھ رہے ہیں **"ما تعبدون من بعدی"**[25] "میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے"۔

عبادت میں صرف سر جھکانا، سجدہ کرنا، نماز پڑھنا ہی نہیں، بلکہ عبادت کے معنی ہیں اطاعتِ مطلقہ، خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے حکم پر چلنا، اس کے اشارے کو دیکھنا اور اس کے قانون کو جاننا اور اس کی شریعت کی پیروی کرنا"[26] گویا اکل و شرب، نشست و برخاست، بود و باش، خانگی و عائلی حیات، معیشت و سیاست ہر معاملہ حیات میں قرآن و سنت کا اتباع ہی عبدیت ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے نظام تعلیم کی تشکیل ایسی ہی ہونی چاہیے کہ وہ متعلمین کو "عبدیت" کے تقاضے اور ان کی تکمیل کے طریقے سکھائے، جس کے لیے آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ کفایت کرتا ہے۔ تو مدارس و مکاتب [گویا جملہ تعلیمی اداروں] کا قیام در حقیقت اسی دینی، ایمانی، اعتقادی، عملی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تسلسل رکھنے کے لیے ہے اگر ان [اداروں] کے سامنے یہ مقصد نہیں ہے تو انھوں نے اپنی اہمیت و افادیت، کو اپنا کام نہیں سمجھا۔[27]

اللہ رب العزت نے اسلامی ریاست کا مطلوبہ تصور علم و نظام تعلیم اور مقصدِ حیات کا شعور اولین وحی میں بیان فرمادیا ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ [28]

گویا مقصدیت کے حامل علم کی سمت اور اس کا دائرہ متعین کر دیا گیا ہے۔ اس میں مرکزی کردار خالق ارض و سما کا ہے سرچشمہ وہی ہے علم، زندگی، تہذیب و تمدن کے لیے اور اصل علم وہی ہے جو اس نے دیا۔ خیر و شر کے پیمانے وہی ہیں جو اس نے طے کیے۔ تاہم اہم ترین بات یہ ہے کہ علم و تعلم کی جہتوں کا تعین بھی کر دیا گیا ہے۔

1- رب کی دی ہوئی ہدایت کے بارے جاننے، سیکھنے اور سمجھنے کی سعی۔

2- خلق جو تمام کائنات کے نظام طبعی پر مشتمل ہے۔

3- علق جو طبعی و مادی کے ساتھ انسانی وحیاتیاتی دنیا کو محیط ہے۔

4- قلم جو انسان اور کائنات کے وسائل کے عمل و تعامل کے نتیجے میں رونما ہونے والے وسائل، ٹیکنالوجی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ قلم ہی سے تاریخ رقم ہوتی ہے جو انسان کے لیے عبرت و موعظت اور بیش بہا اسباق کا مخزن ہوتی ہے۔ قلم ہی تہذیبوں کے آثار کا محافظ ہوتا ہے۔

اسلامی ریاست کا نظام تعلیم ان چاروں کو محیط ہے، یعنی رب کی عطا کردہ ہدایت کی روشنی میں ان میادین سے متعلق علم کی تحصیل کی جائے جس کا مقصد یہ ہو کہ انسان عبدیت کے تقاضوں کی تکمیل کر سکے، گویا شروع سے ہی مقصدیت کی حامل تعلیم بچوں کو دی جائے وہ دنیا و مافیہا سے متعلق سب کچھ جانیں اور سیکھیں لیکن اس ادراک کے ساتھ کہ "الف" سے اناز ہوتا ہے جس کا کوئی خالق ہے اور جس کے ہم بھی پابند ہیں۔ اولین اسلامی ریاست میں دی جانے والی تعلیم کا مقصد اور غرض و افراد کو ذمہ دار اور با عمل بنانا تھا۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں

کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ [29]

قرآن کریم میں مومنوں کے اوصاف یوں بیان کیے گئے ہیں:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ [30]

علما و مفسرین کے مطابق "امانت اور عہد" کی جامع توضیح کچھ یوں ہے:

"امانت کا لفظ جامع ہے ان تمام امانتوں کے لیے جو خداوند عالم نے، معاشرے یا افراد نے کسی شخص کے سپرد کی ہوں اور عہد و پیمان میں وہ سارے معاہدات داخل ہیں جو انسان اور خدا کے درمیان، یا انسان اور انسان کے درمیان یا قوم اور قوم کے درمیان استوار کیے گئے ہوں"[31]

گویا اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام ایسا ہونا چاہیے جو افراد کو یوں با عمل، باشعور اور ذمہ دار بنائے کہ ان کے قلوب و اذہان میں اپنی ذات، اپنے رشتوں ناتوں، افراد معاشرہ، اپنے وسائل، عہدوں، اثر و رسوخ، ماحولیات سبھی سے متعلق اپنی ذمہ داریوں اور مسؤلیت کا تصور راسخ ہو۔ جب وہ عملی زندگی میں قدم رکھیں تو ان امانتوں کی ادائی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوں اور عملاً استعداد و مہارت کے حامل۔ بہت تلخ ہی سہی لیکن حقیقت یہی ہے کہ فی الحال ہماری صورت حال کچھ ایسی ہی ہے

ہم کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے
پیدا ہوئے بی اے کیا نوکر ہوئے پھر مر گئے

❖ **دین و دنیا کا امتزاج:**

تمام سائنسی و عمرانی علوم کی بنیادیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ ایسی ہی راہنمائی احادیث مبارکہ میں بھی ملتی ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام ایسا نہیں ہو سکتا جس میں اسلامیات ایک مضمون کے طور پر شامل ہو اور باقی علوم اس سے یکسر الگ۔ ریاست مدینہ کے نظام تعلیم کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں دنیا و دین کی تعلیم کے مابین کوئی تفریق و دوئی نہیں پائی جاتی۔ کہتے ہیں

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ معاملہ صرف سیاست کا نہیں علوم کی جملہ شاخیں اس سے منسلک ہیں۔ ریاست مدینہ کے تعلیمی نظام کی طرف رجوع کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مسلمان واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی بھی اور ماہر شریعت بھی[32]۔ چنانچہ اسلامی ریاست کا نظام تعلیم ایسا ہونا چاہیے جو متعلمین کو اپنے نفس، کائنات، ارض و سماء، دنیا و مافیہا پر تفکر و تدبر کی ممیز دے۔ وہ اپنے آپ اور اپنے گرد و پیش کی ہر شے کو الہامی ہدایت کی روشنی میں سمجھے اور اس دنیا میں اپنے مقام اپنی حیثیت کا ادراک کر کے ایک فعال زندگی بسر کرے۔ وہ خواہ سیاست دان ہو دنیا بھر کے سیاسی نظاموں کو پڑھے سمجھے اور پھر اسلام کے سیاسی نظام کو پوری روح کے ساتھ سمجھ کر اس کے مطابق نظام ریاست چلانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ ماہر معیشت ہے تو اسلامی معاشیات کا نفاذ کرے اور دنیا کو اس کے فوائد و ثمرات دکھائے۔ قاضی بنے تو اسلام کے عدیم النظیر نظام عدل و انصاف کو رائج کرے۔ عہد فاروقی سے ایک زریں مثال برائے ملاحظہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حکم دے رکھا تھا کہ بازار میں کوئی ایسا شخص کاروبار نہ کرے جو علم فقہ نہ جانتا ہو۔ وہ ایسے لوگوں کو سزا دیتے تھے جو فقہ نہ جاننے کے باوجود بازار میں بیٹھیں[33] تو گویا تاجر ہے بازار میں کاروبار کر رہا ہے لیکن ماہر فقہ بھی ہے۔ دین و دنیا کا خوبصورت امتزاج اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام ہی کا خاصہ ہے۔

❖ **معاشی بقاء و استحکام کی ضمانت:**

حضور نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد جو چند اولین اقدام کیے، ان میں سے ایک بازار کا قیام تھا۔ معیشت کسی بھی ریاست کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی کمزوری ریاست کی کمزوری ہے۔ ریاست کی غیر و حمیت اور اس کی عزت نفس اسی صورت محفوظ رہ سکتی ہے جب وہ کسی کی دست نگر نہ ہو۔ معاشی طور پر خود کفیل ہو۔ لہذا اس قومی عزت و وقار کا تحفظ صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ریاست معاشی طور پر مستحکم ہو

جھکا دے گا تیری گردن کو یہ خیرات کا پتھر
جہاں میں مانگنے والوں کے اونچے سر نہیں ہوتے (آتی عثمانی)

غربت اور معاشی محتاجی ایسی بری چیز ہے کہ ایمان جیسی انمول شے کی بقا کو بھی اس کے سبب خطرات لاحق ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

کاد الفقر ان یکون کفرا[34]

سو اسلامی ریاست تعلیمی نظام کی تشکیل میں اس اہم پہلو پر خاص توجہ دی جانی چاہیے، کہ ایسی تعلیم دی جائے جو پیشہ ورانہ مہارتوں کی حامل ہو۔ ملازمت پیشہ افراد تیار ہوں تو اپنے کام کے ماہر ہوں۔ لیکن زیادہ اہمیت اس امر کو دی جانی چاہیے کہ کاروبار، تجارت اور Enterprenurship کو فروغ دینے کے لیے خاص تعلیمی نصاب اور حکمت عملی وضع کی جائے۔ اسے پڑھایا جائے۔ فرمان رسول اکرم ﷺ کے مطابق اقتصاد کے دس میں سے نو حصے تجارت میں ہیں۔ لہذا کاروبار کو فروغ دینے کے لیے تعلیمی نظام میں خاص تبدیلیوں کی

ضرورت ہے اور مملکت خداداد پاکستان جیسے ملک میں جو قرضوں کی دلدل میں گھرتا چلا جا رہا ہے، یہ کام اور بھی ضروری ہے۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنا کام کرنے کی تحریص دی خواہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا ہی کیوں نہ ہو۔

❖ **حفظانِ صحت و جسمانی طاقت:**

فرمان رسول اکرم ﷺ ہے **المومن القوی خیر من المومن الضعیف**[35]

"طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے"۔ اور ایمان کی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مومن کے دل میں تمنائے شہادت ہو۔ جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ جسمانی طور پر صحت مند اور قوی ہو۔ لہٰذا ابتدائی سطح سے اعلیٰ مدارج تعلیم تک حفظان صحت و قوت کے حصول کو لازمی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں جیتی جاگتی مثال اسرائیل میں میٹرک کی سطح کی سند کے حصول کے لیے عسکری تربیت لازمی ہے۔ وہاں تیر اندازی بھی سکھائی جاتی ہے، نشانہ بازی بھی کچھ سیکھ کر اس میں مہارت تامہ ثابت کر کے طالبعلم کو سند لینے کا مستحق تصور کیا جاتا ہے اور ساری دنیا دیکھ رہی ہے کہ اسرائیل نے دنیا پر کس طرح پنجہ 'استبداد گاڑ رکھا ہے۔

یہ اصول ریاست مدینہ کا تھا۔ آپ ﷺ نے تیر اندازی، گھڑ سواری، نیزہ بازی، دوڑ وغیرہ سیکھنے کی خاص ہدایت فرمائی۔ فرمایا:

ان القوۃ الرمی ان القوۃ الرمی ان القوۃ الرمی[36]

"تیر اندازی قوت ہے۔ تیر اندازی قوت ہے تیر اندازی قوت ہے"

حضرت عمر فاروقؓ نے اہل شام کے نام پہ فرمان جاری کیا تھا

"تیر اندازی بھی کرو اور گھڑ سواری بھی کرو اور گھوڑوں پر سوار ہو کر تیر چلانے کی مشق کرو۔ مجھے گھڑ سواری کے مقابلے میں تیر اندازی زیادہ پسند ہے۔"[37]

تیر اندازی نہایت طاقت اور توجہ کے انتہائی ارتکاز (Focus) کا متقاضی فن ہے۔ معاصر حالات کے تناظر میں ہمیں سمجھ آنی چاہیے کہ اسرائیلی اپنے بچوں کو تیر اندازی کیوں سکھاتے ہیں۔

اسی طرح گھڑ سواری کا معاملہ ہے۔ حضرت عمرؓ فاروق لوگوں کو تاکید فرماتے کہ اپنے بچوں کو گھوڑوں پر [بالخصوص بغیر زین کے] اچھل کر سوار ہونا سکھائیں۔"[38]

معاصر تحقیقات کے مطابق تیراکی جسم کو قوی بنانے میں اساسی اہمیت کی حامل ہے، حتیٰ کہ عمل تنفس کی بہترین فعالیت کی ضامن بھی۔ فرمان رسول اکرم ﷺ ہے:

"ہر چیز لہو و لعب ہے جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو سوائے چار چیزوں کے (1) آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیل؛ (2) گھوڑے کو سدھانا؛ (3) دو اہداف کے درمیان چلنا؛ (4) تیراکی سیکھنا اور سکھانا[39]۔ حضرت عمرؓ فاروق اپنی رعیت کو تاکید فرماتے کہ "اپنے بچوں کو تیراکی سکھاؤ[40]۔ عرب میں اس شخص کو الکامل کا لقب دیا جاتا تھا جو تیراکی اور شاعری میں ماہر ہوتا تھا۔[41]

معاصر عالمی منظر نامے میں امت مسلمہ کی بقا کے لیے اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ حفظان صحت اور قوت و طاقت کو طلبا یا افراد معاشرہ کی ذاتی صوابدید اور پسند ناپسند پر نہ چھوڑا جائے، اور جب تک طلباء ان کے امتحان پاس نہ کریں ان کو اسناد جاری نہ کی جائیں۔ عصر حاضر میں جسم کی لچک و طاقت میں اضافے، اعصاب کی مضبوطی، ارتکاز توجہ اور حاضر دماغی و چستی سکھانے کے جتنے بھی طریقے متداول ہیں وہ اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کا باقاعدہ حصہ ہونے چاہئیں۔ نیز نافع اور طیب غذا کے متعلق شعور و آگاہی دینا اور نقصان دہ (Junk) غذا، جس کا استعمال عام ہے، کے مضرات

سے آگاہی بھی نصاب کا حصہ ہونی چاہیے۔

❖ **تخصص کا اہتمام:**

عصر حاضر میں تخصص(Specilaization) پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اسے مہارت کی ضمانت تصور کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل حضور کے وضع کردہ تعلیمی نظام کا خاصہ ہے۔ آپ ﷺ جس طرز پر علوم کی سرپرستی فرماتے تھے، اس سے تخصص کا رجحان اور اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کسی بھی فن یا شعبہ علم سے متعلق تعلیم کی تحصیل کے لیے اس کے ماہر استاد کی جانب رجوع کا زریں اصول آپ ﷺ نے ہی سکھایا۔ مثلاً فرمایا

خذوا القرآن من اربعة؛ من عبد اللہ بن مسعود، و سالم، و معاذ، و ابی بن کعب[42]

ایک مرتبہ ایک صحابی بیمار ہوگئے۔ آپ ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تمھارے محلے یا قبیلے میں کوئی طبیب ہے؟ جواب میں دو نام بتائے گئے تو فرمایا ان میں سے جو ماہر تر ہو اسے بلاؤ[43]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تخصص کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

اسی طرح ایک حدیث مبارکہ کے مطابق **"من تطب ولا یعلم منه طب، فهو ضامن"**[44]

"جس شخص کو علم طب سے کوئی واقفیت نہیں اگر وہ علاج کرے تو (نقصان ہونے کی صورت میں) خود ذمہ دار ہوگا"

لہٰذا تعلیمی نظام اس نوعیت کا ہونا چاہیے جس میں ماہرین اور متخصصین پیدا ہوں۔ ہمارے اسلاف کی میراث یہی ہے۔ حضرت عمرؓ فاروق کے دور سے اس کی زریں مثالیں ملتی ہیں مثلاً وہ مختلف مفتوحہ ممالک کے جغرافیائی سروے کرنے کے لیے ماہرین کی جماعتیں بھیجتے رہتے تھے۔ اسی طرح کی ایک رپورٹ حضرت عمروؓ بن العاص نے بھیجی۔ وہ اس قدر جامع و تفصیلی تھی کہ حضرت عمرؓ پکار اٹھے "اے ابن عاص، اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے تو ایسی روداد بنا بھیجی ہے جیسے میں خود مصر کو دیکھ رہا ہوں۔ "ڈاکٹر محمود احمد غازی اس کی بابت لکھتے ہیں "مشہور فرانسیسی اخبار لے فگارو نے اس رپورٹ کا ترجمہ شائع کیا تھا اور لکھا تھا کہ اس کو بلاغت، جامعیت اور واقفیت کے ایک اعلیٰ نمونے کے طور پر تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ "[45] آج ہمیں ایسے ہی متخصصین چاہئیں۔

❖ **عصری تقاضوں کا شعور اور ہم آہنگی:**

آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ اللہ سے علم نافع کا سوال کیا کرو۔ آپ ﷺ دعا مانگا کرتے

اللھم انی اسئلک علماً نافعاً[46]

اسی نافع علم میں سے ایک شاخ دنیا میں بحیثیت امت مسلمہ اپنے مقام، امت کو درپیش تحدیات اور ان کے تدارک کا شعور ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ[47]

"یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کی ملت کا اتباع نہیں کروگے۔"

"ملت "میں صرف دین نہیں کلچر، شعائر، تہذیب سبھی کچھ شامل ہے۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی "یہ بات جب تک ہماری پالیسی کا حصہ نہیں ہوگی تب تک ہماری کوئی پالیسی کامیاب نہیں ہوگی"[48]۔ تعلیمی پالیسی کو بھی استثناء نہیں ہے۔ اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کو ایسا ہونا چاہیے جو طلباء و عصری تقاضوں اور چیلنجز سے شناسا کرے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر طرح تیار اور لیس کرے۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے اس کی کافی وشافی مثالیں ملتی ہیں۔ آپ ﷺ کے درباری کاتب، جو معاہدات اور دیگر اہم خط وکتابت کیا کرتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ تھے۔ انھوں نے

اپنے شوق سے اور بروایت دیگر حکم رسول پر مدینہ منورہ آنے جانے والوں سے فارسی اور حبشی زبانیں سیکھیں۔ ایک بار یہود کا ایک مقدمہ دربار گاہ رسالت مآب میں پیش ہوا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ عبرانی زبان جاننے والا کوئی قابل اعتماد شخص ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ کے حکم پر حضرت زیدؓ نے چند ہفتوں کی قلیل مدت میں عبرانی سیکھی[49]۔ پھر مختلف غزوات میں اس وقت کے جدید ترین ہتھیار مثلاً منجنیق، دبابہ وغیرہ کے استعمال کے شواہد[50] یہ سمجھانے کے لیے کافی ہیں کہ امت کو ہر دور میں معاصر ہتھیاروں سے لیس ہونا چاہیے۔ آج مغرب کے مسلسل تسلط، برتری اور استیلا کے اسباب و عوامل میں تمام تاریخی اسباب کے ساتھ ساتھ اصل اور بنیادی کردار مغرب کی اعلیٰ اور پیچیدہ ٹیکنالوجی، مستحکم اقتصادیات، فوجی طاقت، عالمی میڈیا اور قومی ذرائع ابلاغ پر برتری کا ہے۔[51]

تاریخ اسلام کے افق پر ایسے متعدد درخشاں ستارے موجود ہیں جنھوں نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق اور درپیش محاذوں پر اپنی استعداد میں مسلسل بڑھوتری کا سلسلہ جاری رکھا۔ پھر وہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہوں، جنھوں نے قلیل فوج کے ساتھ اپنی تکنیکوں سے بیت المقدس فتح کیا اور جو اپنے اوپر قاتلانہ حملے کے بعد دشمن کی طرف آئے ہوئے تیروں اور اپنے تیروں کا موازنہ کرتے رہے[52]۔ یا سلطان محمد فاتح ہوں جنھیں جب بھی کسی نئی جنگی ایجاد کا علم ہوتا وہ فوراً اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے اور اس سے کماحقہ استفادہ کرنے کی بھرپور کوشش کرتے[53]۔ یا پھر وہ سلطان ٹیپو ہوں، جنھوں نے امرت محل میں ایسے تنومند بیلوں کی افزائش نسل کی جو انتہائی برق رفتاری سے کٹھن راستوں پر چلتے ہوئے توپ خانوں اور اسلحے کو اگلے مورچوں تک پہنچا دیتے۔[54]

ہمارے دشمن نے ہمیشہ ہمیں عسکری طور پر بے دست و پا رکھنے کی کوشش کی، خواہ وہ صلیبیوں کا عہد تھا[55] یا پھر بہادر شاہ ظفر کے ساتھ انگریز کا معاہدہ جس میں شہزادوں کی عسکری تربیت پر پابندی لگائی گئی تھی[56]۔

آج ہمیں اپنے تعلیمی نظام کو ان سارے امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ساری زندہ زبانوں کا علم بھی چاہیے۔ سائنس و ٹیکنالوجی، عسکریات غرضیکہ ہر میدان میں پوری طرح آگاہ و شناسا اور مستعد۔ ہمیں دشمن کے ہتھکنڈوں سے آگاہی کی ضرورت ہے جس نے سوشل میڈیا پر لغویات میں مشغول کر کے ہمیں بے ہوش کر دیا ہے۔

❖ تشکیل سیرت:

۔۔۔ ایک بنیادی چیز جو نظام تعلیم میں ملحوظ رہنی چاہیے، وہ یہ ہے کہ محض کتابیں اور علوم و فنون سکھا دینے سے ہمارا کام نہیں چل سکتا۔ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے ایک ایک نوجوان کے اندر اسلامی کریکٹر پیدا ہو۔ خواہ وہ سائنٹسٹ ہو خواہ وہ علوم عمران ہو خواہ وہ سول سروس کے لیے تیار ہو رہا ہو، جو بھی ہو اس کے اندر اسلامی ذہنیت اور اسلامی کریکٹر ضرور ہونا چاہیے اور یہ اسی صورت ممکن ہے کہ یہ مقصد کردار سازی ہمارے نظام تعلیم کی حکمت عملی کی تیاری میں پیش نظر رکھا جائے۔[57]

❖ تمام طبقات معاشرہ کے لیے تعلیم کے مواقع:

1- **معذوروں کے لیے تعلیم:** حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کو آنجناب ﷺ نے اپنی غیر موجودگی میں حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کو مدینہ منورہ یعنی اسلامی ریاست میں اپنا قائم مقام مقرر فرما کے ایک بظاہر معذور فرد کو یہ اعزاز بخش دیا کہ وہ کسی سے کم نہیں، اور تمام معذوروں کو بھی وہ قدر و منزلت عطا فرما دی کہ زندگی کے کسی میدان میں بھی وہ باقی افراد سے کم تر نہیں[58] لہٰذا حکومت کی تعلیمی پالیسی میں معذور افراد کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔ مثلاً نابینا بچوں / افراد کے لیے brail کتب کا انتظام کیا جائے جو حکومت مفت انھیں فراہم کرے۔ اسی طرح ہر قسم کی معذوری کی رعایت سے ان خصوصی افراد کے لیے پیشہ ورانہ تعلیم کا انتظام بھی حکومت کی تعلیمی پالیسی کا

لازمی حصہ ہونا چاہیے، تاکہ یہ لوگ نہ صرف خود محتاجی سے بچیں بلکہ ایک بوجھ بننے کی بجائے معاشرے کا عضو فعال بن کر اپنا مکمل تعاون و اشتراک کر سکیں۔

ii- **خواتین کی تعلیم:** خواتین کی تعلیم گو اب عام ہے اور چند علاقوں کے علاوہ ان کی تعلیم پر کوئی قدغن نہیں ہے تاہم موجودہ نظام تعلیم (مخلوط نظام تعلیم) پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ سیرت النبی کی روشنی میں جب تعلیمی نظام تشکیل دینے کی بات ہو گی تو اس نظام میں لامحالہ خواتین کے تعلیمی ادارے مردوں سے الگ ہوں گے۔ جہاں وہ بہ سہولت تعلیم حاصل کر سکیں۔ آنجناب ﷺ نے اسی مقصد کے پیش نظر خواتین کے لیے الگ دن اور الگ مقام کا تعین فرمایا تھا[11] حضرت عمرؓ کے عہد میں خواتین کے باقاعدہ الگ مدرسے قائم ہوئے اور خواتین کے لیے بھی جبری تعلیم رائج ہو گئی تھی۔[60]

تاہم ایک اہم ترین نکتہ نصاب اور تربیت و تدریس کی سطح پر محتاج توجہ ہے۔ آج کی بچی کل کی ماں ہے۔ اس کے اپنے خیالات و نظریات بچوں کو لامحالہ متاثر کریں گے۔ وہ اسی عکس میں ڈھل کر جوان ہوں گے جس میں ماں شعوری یا لاشعوری طور پر ان کو ڈھالے گی۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق نے ایک رات گشت کے دوران ماں بیٹی کی گفتگو سنی، بیٹی ماں کو کہہ رہی تھی کہ دودھ میں پانی نہ ملائیں عمرؓ نہیں دیکھ رہے خدا تو دیکھ رہا ہے۔ اس بیٹی کے کردار سے حضرت عمرؓ فاروق اس قدر متاثر ہوئے کہ اسے اپنی بہو بنالیا اور ان کی یہی بہو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی نانی تھیں[11]۔ ماں کا کردار اس قدر اہم ہے۔

تو بچیوں کی تربیت اسی انداز میں کی جانی چاہیے کہ کل جس نسل کو وہ پروان چڑھائیں وہ غیور، بہادر، خود کفیل، ذمہ دار اور باعمل مسلمانوں پر مشتمل ہو۔ خواتین خواہ ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ، وکیل، سیاستدان کچھ بھی بنیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ کام ان کے اس فطری وظیفہ کی ادائی کی راہ میں حائل نہ ہو جس کے نتیجے میں ان کے قدموں تلے جنت آجاتی ہے۔ کوئی بھی ایسی تعلیمی ترقی یا Career جو ماں کے فریضے کی کماحقہ ادائی کی راہ میں حائل ہو وہ نہ تو مدینۃ النبی کے تعلیمی نظام کے مطابق ہے اور نہ ایک صالح اسلامی معاشرے کے لیے نافع۔ لہٰذا خواتین کی تعلیم میں اس نکتے پر خاص توجہ مرکوز کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

iii- **غیر مسلموں کی تعلیم:** گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی مانند غیر مسلموں اور قیدیوں تک کے لیے جبری تعلیم رائج ہو چکی تھی۔ لہٰذا تعلیم سب کا حق ہے۔ ریاست میں آباد غیر مسلموں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کا مساوی حق حاصل ہے البتہ وہ اپنے نصاب کے معاملے میں آزادی رکھتے ہیں۔ اس کی رخصت اور اجازت آپ ﷺ نے میثاق مدینہ میں غیر مسلموں کو دی ہے۔[62]

❖ اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام میں انگریزی کا مقام:

انگریزی عالمی زبان ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار ممکن ہی نہیں۔ نیز ایک مسلمان کی اپنی ذمہ داری بطور داعی ادا کرنے کے لیے انگریزی زبان میں مہارت رکھنا ضروری ہے۔ لیکن یہ امر ملحوظ رہنا بھی اشد ضروری ہے کہ زبان صرف زبان نہیں ہوتی اس کے ساتھ ایک پوری تہذیب اور اس قوم کی نفسیات منسلک ہوتی ہے۔ جسے جدید محاورے میں Ethos کہا جاتا ہے۔ لہٰذا انگریزی زبان کو بطور ذریعہ تعلیم (Medium) مسلط کرنا اس مقصدیت کے خلاف ہے جو قرآن و سنت کا مطلوب و مقصود ہے۔ سائنس اور جدید علوم کی تحصیل کے لیے اسے لازم بھی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن عمومی طور پر اس کا اطلاق سیرت النبی سے ماخوذ تعلیمی پالیسی کی روشنی میں نہیں ہو سکتا۔ کوئی بامقصد قوم اغیار کی زبان میں ڈگریاں لے کر تیار نہیں ہو سکتی۔[63]

لہٰذا ایسے متبحر علماء اور ماہرین فن نصاب سازی کے ذمہ دار ہونے چاہئیں جو اس امر کا تعین کر سکیں کہ انگریزی کو کس حد تک نصاب کا حصہ

بناتا ہے۔

نصاب سازی۔ چند تجاویز:

ابتدائی تعلیم:

1- لہذا ابتدائی تعلیم ایک بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جس پر اعلیٰ تعلیم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، لہذا اسلام کا نظام تعلیم جس مقصدیت کا حامل ہے اس کی تخم ریزی ابتدائی تعلیم کی سطح سے ہونی چاہیے۔ صغر سنی میں قوت مشاہدہ بہت تیز ہوتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بچے اپنے ماحول اور گرد و پیش میں پائی جانے والی ہر شے سے متعلق بہت سوالات کرتے ہیں، نیز اسی عمر میں سیکھی ہوئی باتیں النقش فی الحجر ہوتی ہیں، لہذا اسلامی ریاست کی نصاب سازی ایسی ہونی چاہیے کہ اس عمر سے ہی اسلام کی مقصدیت کی حامل تعلیم بچوں کو دی جائے وہ دنیا ومافیہا سے متعلق سب کچھ سیکھیں اور جانیں لیکن اس ادراک کے ساتھ کہ "الف" سے انار ہوتا ہے جس کا کوئی خالق ہے جس کا حکم اس کائنات میں جاری و ساری ہے اور جس کے ہم بھی پابند ہیں۔"[1]

2- اسلام کے اخلاقی نظریات و تصورات اسی عمر سے نصاب میں شامل کیے جائیں اور ان کو پڑھانے والے استاد بھی باعمل، باکردار صحیح العقیدہ افراد ہوں، جن چیزوں کو سیرت النبی میں برا کہا گیا انھیں برا، اور جنھیں اچھا سمجھا گیا انھیں اچھا ہی پیش کیا جائے، سکھایا جائے، اچھائی کی جانب رغبت و تشویش اور برائی سے نفرت اور بیزاری پیدا کی جائے۔ یہ کام نہایت آسانی سے انھی اسباق و دروس میں قرآن و سیرت کے عقائد و نظریات شامل کر کے کیا جاسکتا ہے۔ ایک سادہ کہانی کی صورت جھوٹ، بددیانتی خیانت، بدعہدی، قماربازی، شراب وغیرہ کے برے نتائج دکھا کر ان کے بارے میں نفرت پیدا کی جاسکتی ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ نصاب سازی اور اساتذہ کا انتخاب نہایت احتیاط سے اسلامی حکمت عملی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔

3- جب ہم ایک ریاست کے تعلیمی نظام کو سیرت النبی کے مطابق ڈھالنے کی بات کرتے ہیں، تو اس کے ابتدائی تعلیمی نصاب میں اسلام کے بنیادی حقائق اور ایمانیات شامل ہونا ضروری ہیں، انھیں ایک کورس کی صورت بھی پڑھایا جاسکتا ہے جو کہ فی الحال مروج بھی ہے یعنی "اسلامیات" کے عنوان سے ایک کتاب لیکن احسن طریقہ یہ ہے کہ یہ ہر مضمون میں روح تعلیم کے طور داخل و شامل ہوں۔ ہر مسلمان بچے کے دل میں توحید، رسالت، آخرت، قرآن کی حقانیت، شرک، کفر و الحاد سے نفرت، دہریت سے نفرت کے عقائد پوری طرح بٹھا دیے جائیں اور یہ تلقین ایسے طریقے سے ہونی چاہیے کہ بچہ یہ محسوس نہ کرے کہ کچھ دعوے اور ممکنات ہیں جو اس سے منوائے جا رہے ہیں بلکہ اسے محسوس ہو کہ یہی کائنات کی مسلمہ حقیقتیں ہیں جن کو جاننا اور ماننا صرف اس کی دنیا و عقبیٰ کے لیے بہت ضروری ہے، بلکہ انھیں جانے بغیر اس کی زندگی درست ہو ہی نہیں سکتی۔

4- معاشرتی زندگی کے تمام طور اطوار، اکل و شرب، نشست و برخاست، آمد و رفت، بود و باش کے تمام طریقے اور آداب سنت مطہرہ سے اسوہ رسول اکرم ﷺ سے ماخوذ ہوں جنھیں نصاب میں شامل کیا جائے اور بچے کے دل میں جاگزیں کیا جائے۔

ثانوی تعلیم / ہائی سکول (High School Level)

اس سطح پر نصاب میں عربی زبان لازما شامل ہونی چاہیے، تاکہ بچے قرآن و سنت سے براہ راست استفادے کی اہلیت بتدریج حاصل کرتے چلے جائیں۔ ایک تعلیم یافتہ مسلمان کو براہ راست عربی ماخذ اسلام سے استفادہ کا اہل ہونا چاہیے۔

ثانوی درجے پر دوسرا اہم ترین باقاعدہ مضمون قرآن کریم ہونا چاہیے۔ اس کی روزانہ تعلیم لازما ہونی چاہیے۔

تیسرا اہم مضمون عقائد اسلامی کا ہونا چاہیے جس میں تمام بنیادی عقائد اسلام کو مع دلائل پیش کیا جائے۔ سکھایا جائے، یہ بتایا جائے کہ ان عقائد کا انسان کی عملی زندگی سے کیا ربط ہے ان کو ماننے یا نہ ماننے کے کیا اثرات ہیں۔ ان پر ایمان لانے کے اخلاق و عملی تقاضے کیا ہیں۔

ایک تعلیم یافتہ مسلمان کے اعمال صرف اس بنا پر نہیں ہونے چاہئیں کہ اس کے آباء و اجداد بھی یہی کرتے رہے ہیں، بلکہ اس کے پاس ان کے ٹھوس دلائل ہونے چاہئیں کہ اس کے عقائد و اعمال کے اصل اسباب و وجوہات کیا ہیں۔ پھر شخصی اور معاشرتی زندگی، خاندان اور تمدنی معاشرت، لین دین وغیرہ کی مبادیات ضرور اس تعلیم کے آخری مراحل یعنی میٹرک تک کے بچے کو آجانی چاہیے۔

اعلیٰ تعلیم:

خواہ طلباء کسی بھی شعبہ علم کی تعلیم حاصل کر رہے ہوں چند مضامین ان کے نصاب کا لازمی حصہ ہونے چاہئیں۔

1- قرآن مجید جو ابتدائی سطح سے پڑھتے پڑھتے اس سطح تک انھیں اس لائق ہونا چاہیے کہ ترجمے کے قرآن سمجھ سکیں۔

2- حدیث کا ایک مختصر مجموعہ جو اسلام کے بنیادی عقائد، اصول، اخلاقی تعلیمات رسول اکرم ﷺ اور سیرت کے اہم پہلوؤں پر مشتمل ہو۔

3- اسلامی طرز حیات کا ایک جامع نقشہ جس میں اسلام کی اعتقادی بنیادوں سے لے کر عبادات، اخلاق، معاشرت، تہذیب و تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست، صلح وجنگ ہر پہلو کو وضاحت سے بیان کرے۔ معقول و مدلل طریقے سے تاکہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان اپنے دین کو اچھی طرح سمجھ لے اور جس شعبہ زندگی میں بھی آگے کام کرے روح اسلام کے ساتھ کرے۔[65]

اختصاصی تعلیم:

یعنی کسی ایک شعبہ علم میں مہارت و کمال حاصل کرنا۔ اس سطح پر بھی قرآن و سنت کو یوں شامل نصاب ہونا چاہیے کہ طالب علم جس مضمون میں بھی تخصص کے لیے زیر تعلیم ہو اس مضمون سے متعلقہ آیات قرآنیہ، احادیث رسول، اسوۂ رسول اور پھر اس میدان علم میں نامور مسلمان مشاہیر کے تذکرے بھی شامل نصاب ہوں۔ کوئی قانون پڑھ رہا ہے تو اس کے نصاب میں فقہ اسلامی اور ریاست مدینہ کے قوانین لازماً شامل ہوں۔

چند لازمی مضامین:

مجموعی طور پر چند مضامین ایسے ہیں جو ہر سطح تعلیم پر شامل نصاب ہونا ضروری ہیں مثلاً

1- عربی زبان، تاکہ امہات مصادر اسلامی سے استفادہ کی اہلیت و استعداد پیدا ہو۔

2- علوم قرآن جو ہر مضمون کی مناسبت سے تخصص میں بھی شامل ہوں، نیز یہ پرائمری سے اعلیٰ سطح تک درجہ بدرجہ قرآن، تفسیر، تاریخ و فن تفسیر جیسے مباحث سے بھی آشنا ہوں۔

3- علوم حدیث: ہر شعبہ حیات سے متعلق احادیث ہر سطح کے طلبا کو درجہ بدرجہ پڑھائی اور سکھائی جائیں۔

تاریخ: جو قوم اپنی تاریخ سے ناآشنا ہو اس کا جغرافیہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہذا پرائمری سطح سے تخصص کی سطح تک تاریخ اسلام حسب استعداد طلباء شامل نصاب ہونی چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے شروع ہونے والا تاریخ اسلام کا سفر جبکہ تخصص کے مرحلے تک پہنچے تو وہ اس خاص مضمون میں مسلمانوں کی خدمات اور کارناموں اور دنیا پر ان کے اثرات پر مشتمل ہو۔

4- تقابل ادیان: ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو یہ جاننا لازم ہے کہ دنیا میں کون کون سے مذاہب ہیں۔ ان کی تعلیمات اور مقدس متن کیا ہیں۔ ان کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں اور سیرت النبی کی روشنی میں ہمیں کرہ ارض پر رہتے ہوئے ان مذاہب کے متبعین کے ساتھ کس طرح رہنا ہے۔

5- انگریزی زبان: اس کو بطور مضمون پڑھایا جانا چاہیے۔ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو انگریزی کی اتنی شد بد تو ہونی چاہیے کہ وہ اسے سمجھ سکے، بول

سکے اور پڑھ سکے۔ یہ ایک عالمی زبان ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز بالخصوص داعیوں مبلغوں اور اسلام کا عملی دفاع کرنے والوں کے لیے انگلش کتب کے مطالعے اور اس کے بہترین جواب تحریر کرنے کی استعداد کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے آپ ﷺ کے حکم پر وہ سب زبانیں سیکھیں جن سے اس وقت آپ ﷺ کو واسطہ پڑتا تھا۔

اختتامیہ:

گزشتہ صفحات میں امہات کتب سیرت اور خلافت راشدہ وما بعد سے چند مستند امثلہ کی روشنی میں اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کے خط و خال پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ملک پاکستان کے تعلیمی نظام کو بہت بڑی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں رائج تعلیمی نظام ہنوز انگریزوں کے متعین کردہ نوآبادیاتی نصاب تعلیم کا چربہ ہے۔ اس میں تاحال کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی سوائے اس کے کہ اسلامیات کا مضمون شامل نصاب ہو گیا، تاہم امتداد زمانہ کے ساتھ عربی و فارسی جن میں ہماری علمی میراث پائی جاتی ہے، نصاب سے خارج ہوتی جارہی ہیں۔ فی الوقت ہم ان اشعار کے عین مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا　　　　شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ　　　　کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

معاصر نظام تعلیم مقصدیت کے عنصر سے بالکل عاری ہے۔ اپنی آئیڈیالوجی کی قندیل روشن نہیں، تعلیمی معیار پست، کام بیگاری طرز کا، اخلاقی تصور غائب نظم ڈھیلا۔ دوسری طرف اسی ملک میں واقع مشنری سکولوں کا معیار بظاہر بلند نظر آتا ہے لہٰذا زیادہ تر لوگ اپنے بچوں کو وہیں پڑھانا چاہتے ہیں۔ ان تمام مشنری اداروں کے اندر چرچ موجود ہیں۔ نرسری اور پلے گروپ(Play Group) کے بچوں کو کلاسوں کے بعد کچھ دیر چرچ میں بٹھایا جاتا ہے۔ بنیادی نظریہ و مقصد حیات کے دھندلے تصور کے حامل بچے عیسائیت کی تعلیمات کے حامل اداروں میں رہ کر با مقصد، غیور مسلمان کیسے بن سکتے ہیں! کل پاکستان کے مستقبل کی باگ دوڑ ان اداروں میں پروردہ لوگ ہاتھوں میں لیں گے، تو آج جو بعد ملت کے عوام اور اس کے لیڈروں میں ہے وہ پچیس برس بعد کئی گنا بڑھ جائے گا"۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری ریاست کا تعلیمی نظام سیرت النبی کی روشنی میں وضع کیا جائے۔ اسی کا تتبع ہر میدان حیات میں امت کی بقا کا ضامن ہے۔ نیز اسی کے مطابق ہم اپنی آئندہ نسلوں کو اس طرح تیار کر سکتے ہیں کہ وہ ہر محاذ پر دنیا کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں اور حضور کی خلافت و نیابت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

تجاویز و سفارشات:

1- تعلیم کو ایک مقدس فریضہ سمجھا جائے، کاروبار نہیں لہٰذا کمرشلائزیشن بند کی جائے۔
2- نصاب سازی کا کام متبحر علماء کی جماعت، جو علوم اسلامی و علوم جدیدہ سے بہرہ ور ہو، سے کرایا جائے۔
3- اساتذہ کے لیے وقتاً فوقتاً ریفریشر کورس کرائے جائیں۔
4- اساتذہ کو مالی تحفظ فراہم کیا جائے۔
5- تعلیم و تربیت کے لیے گھر کو بنیادی ادارہ بنایا جائے اور باقی ادارے اپنے اپنے وقت پر اس میں پورا حصہ ڈالیں۔
6- ریاست کو تعلیم کی مد میں سب سے زیادہ بجٹ مختص کرے اور تعلیم کی مفت یا کم از کم ارزاں فراہمی کو یقینی بنائے۔

حوالہ جات:

[1] Bill Ashcroft, Ganeth Griffiths and Hellen Tiffin, The Post colonial studies Reader, London, 1995, p: 430

[2] Ibid

[3] ڈاکٹر ای مارسڈن، یہودی پروٹوکولز، ت محمد یحییٰ خان، (لاہور نگارشات، 2019ء)، پروٹوکول:16، ص198

[4] ایضاً، پروٹوکول:9، ص:158

[5] ایضاً، پروٹوکول:16: ص196

[6] محمد رسول اللہ، مدیر محمد زکریا رفیق، (لاہور بزم اقبال، 2022)، ج:6، ص: 215 بعد

[7] الانعام:38

[8] النحل:89

[9] تمام کتب سیرت میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

[10] مسلم حجاج بن قشیری، جامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الکتب الستہ، (ریاض دارالسلام 2000ء)، ح:677

[11] ابوداؤد سلیمان اشعث، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ (ریاض دارالسلام، 2000ء)، ح:3416

[12] ابن سعد، الطبقات الکبری، ج:2، ص:111

[13] الصلابی علی محمد، فصل الخطاب فی سیرۃ عمر بن الخطاب، (دمشق، دار ابن کثیر، طبع ثانی 2009ء)، ص182۔210۔

[14] ابن ماجہ ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستہ، (ریاض دارالسلام، طبع اول 2000ء)، ح:224

[15] ابن قتیبہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم، عیون الاخبار، (بیروت، المکتب الاسلامی، س ن) ج:2، ص123

[16] ترمذی ابو عیسیٰ محمد بن سورۃ، جامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ، (ریاض، دارالسلام طبع اول 2000ء) ح:1959

[17] ایضاً، ح:1958

[18] شبلی نعمانی، الفاروق، کراچی دارالاشاعت، طبع اول 1991ء، ج:2، ص:264

[19] ترمذی، جامع، ح:2678

[20] ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستہ، (ریاض دارالسلام، 2000ء)، ح:3685

[21] الدارمی عبد اللہ بن عبد الرحمن، سنن الدارمی، (کراچی قدیمی کتب خانہ س ن) ح:390

[22] الصلابی علی محمد، عمر بن الخطاب، (دمشق، دار ابن کثیر، طبع دوم، 2009ء)، ص:175۔210

[23] مودودی سید ابو الاعلیٰ، اسلامی نظام تعلیم، (م ن، س ن) ص:12

[24] الذریٰت:56

25 البقرۃ:133

26 الندوی ابوالحسن علی، نسل نو کے ایمان وعقیدہ کی فکر کیجیے، (لکھنؤ، طبع اول1997ء)، ص15

27 ایضاً

28 العلق:5-1

29 مودودی، اسلامی نظام تعلیم، ص13

30 المومنون:8

31 دیکھیے مثلاً ابوالسعود محمد بن، تفسیر ابی السعود، (بیروت دار احیاء التراث العربی، س ن) ج:6، ص125؛ قرطبی ابو عبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، (بیروت موسسۃ الرسالہ، 2006ء) ج:15، ص:15

32 شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، (لاہور ادارۂ اسلامیات، طبع اول2002ء)، ج:2، ص:424

33 ترمذی، جامع، ح:487

34 نسائی ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ، (ریاض، دارالسلام، 2000ء) ح:1348

35 احمد بن حنبل، مسند، (قاہرہ دارالحدیث، طبع اول1995ء)، ح:8611

36 سیوطی جلال الدین ابو عبدالرحمن بن ابی بکر، الدرالمنثور فی التفسیر الماثور، (قاہرہ مرکز ہجر للبحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ، 2003ء) ج:7، ص160

37 متقی الھندی علی بن حسام الدین، کنزالعمال فی السنن والاقوال، (بیروت موسسۃ الرسالہ س ن) ح:41883

38 ایضاً، ح:41884

39 البانی، سلسلۃ الصحیحۃ، ح:2914

40 احمد، مسند، ح:6369

41 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج:3، ص:393

42 بخاری، جامع الصحیح، ح:4999

43 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ،

44 البانی ناصر الدین، سلسلۃ الصحیحۃ، (دارالمعارف للنشر والتوزیع، س ن)، ح:635

45 غازی محمود احمد، محاضرات تعلیم، (لاہور الفیصل2014ء)، ص:123

46 ابن ماجہ، سنن، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ (ریاض دارالسلام طبع اول2000ء) ح:925

47 البقرہ:120

48 محمود احمد غازی، خطبات کراچی، (کراچی دار العلوم و التحقیق 2012ء) ص: 43

49 المسعودی ابو الحسین بن حسین، تجبیہ الاشراف، (قاہرہ دار الصاوی س ن)، ص 257

50 امہات سیرت میں اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

51 غازی محمود احمد، اسلام اور مغرب تعلقات (لاہور الفیصل 2007ء)، ص 26

52 دیکھیے التمش، داستان ایمان فروشوں کی، (لاہور 2010ء)، بحو اضح عدیدہ۔

53 محمد مصطفی صفوت، سلطان محمد فاتح، ت شیخ محمد احمد پانی پتی، (لاہور کتاب میلہ، 2018ء) ص 15

54 عطش درانی، میسور کا شیر، (اسلام آباد (انٹرنیشنل بک فاؤنڈیشن جون 2017ء)، ص 140

55 التمش، داستان ایمان فروشوں کی، ج: 3، ص 411

56 William Dalryample, The Last Mughal,(UK, 2006), p: 401

57 ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام تعلیم، ص: 16

58 دیکھیے کتب سیرت

59 بخاری ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل: الجامع الصحیح، مشمولہ موسوعہ الکتب الستۃ (ریاض دار السلام، طبع اول 2000ء)، ح: 7310

60 ابن سعد، الطبقات الکبری، ج: 3، ص 64

61 عبد اللہ بن عبد الحکم، سیرۃ عمر بن عبد العزیز، (عالم الکتب س ن)، ص 24

62 ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ، (بیروت دار النفائس، 1985ء)، ص 59

63 غازی محمود احمد، محاضرات تعلیم، ص 123

64 مودودی، اسلامی نظام تعلیم، ص: 18

65 مودودی، اسلامی نظام تعلیم، ص: 24

66 نعیم صدیقی، تعلیم کا تہذیبی طریقہ، (لاہور، الفیصل، 2009ء)، ص: 57

12

مقالہ نگار: ثمرین اختر

Abstract:

The educational system of a Muslim state, founded on the values discussed in Sirat al-Nabi (ﷺ), acknowledges a comprehensive approach to teaching that comprises religious instruction along with secular knowledge. The life of the Prophet Muhammad (ﷺ) provides a foundation on which educational approaches in Islamic societies have been based. Central to this framework is the emphasis on seeking knowledge as a religious duty, encapsulated in the famous Hadith: "*Seeking knowledge is obligatory upon every Muslim*". Referring to the archetype of Muslim state's education system, which is based on Sirat al-Nabi (ﷺ), we observe the emergence of intellectual curiosity, critical thinking and moral development. It is a reflection of the Qur'anic imperative to reflect on the signs of creation that encourage insight and discovery leading to the different sciences. This educational model is based on a principle of balance in both religious and secular subjects, and therefore learners will be able to impact their surroundings in a constructive manner. Like this, the education system is imitated by the prophetic model of compassion, justice, and inclusivity that leads to tolerance and understanding in diverse communities. It inculcates the values of service to others and promotes humanity that accord with the Prophet's (ﷺ) guidance on charity and mercy. On the whole, the education system of a Muslim state guided by the conduct of the Prophet (ﷺ), aims to produce personalities who are enlightened intellectually, good morally, and conscious of the social issues, thereby contributing to the development of humanity in accordance with Islamic principles.

Keywords: *Education, Humanity, Peace, Sirat, Stability, Strategies.*

تمہید

دین اسلام میں تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسلام کا تعلیمی نظام مختلف مراحل میں تیار ہوا ہے جو مسلم معاشروں میں ثقافتی، فکری اور سماجی وسیاسی حالات کا آئینہ دار ہے۔ روایتی اسلامی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ خاتم النبیین نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں سیکھنے سے لے کر علم پر زور دینے تک سے لگایا جاسکتا ہے۔ قرآن متعدد بار مومنوں کو علم حاصل کرنے اور اللہ کی مخلوق کی نشانیوں کا حوالہ دینے کی یاددہانی کرتا ہے۔[1] قرون وسطیٰ کو اسلامی تہذیب کا سنہرا دور سمجھا جاتا ہے، جس کا بنیادی فوکس سیکھنے، تحقیق اور علم کی ترسیل پر تھا۔ اسلامی سنہری دور (8ویں سے 14ویں صدی) وہ دور ہے جس میں تعلیم کے مشہور مراکز جیسے کہ ہاؤس آف وزڈم بغداد اور القرویین یونیورسٹی فیز، مراکش قائم ہوئے۔ سمر کے آس پاس کا خطہ ریاضی، فلکیات، طب اور فلسفہ جیسے متنوع شعبوں میں بنیادی اختراعات کی آماجگاہ بن گیا۔[2] ان ادوار میں اسلامی تعلیم کو ایک ایسا نظام سمجھا جاتا تھا جس میں دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے علوم وفنون شامل تھے۔ اس میں ریاضی، فلکیات، طب اور ادب کے مطالعہ کے علاوہ

قرآن پاک، حدیث، فقہ، کلام اور عربی کے اسباق شامل تھے۔[3] اس طرح کے مضامین پڑھنے سے، طلباء ایک اچھی تعلیمی تکنیک حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے، جس سے ان کی سوچنے سمجھنے، استفسار کرنے اور نقد کرنے کی قابلیت میں اضافہ ہوا۔ ابتدا میں اسلامی نظام تعلیم کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ زیادہ تر علم کی زبانی ترسیل ہی رائج تھی۔ مسلم اسکالرز علم کو زبانی طور پر لیکچرز اور مباحثوں کے ذریعے منتقل کرتے تھے۔[4] سلطنت عثمانیہ نے ایک مکمل تعلیمی نظام شروع کیا، جس میں مختلف قسم کے اسلامی علم اور عصری علوم کو اکٹھا کیا گیا، جامع تعلیمی پروگرام پیش کیے گئے جن میں دنیاوی اور روحانی دونوں قسم کے قانون تھے۔[5]

اسلامی تعلیم میں سیرت النبی ﷺ کی اہمیت

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ اسلامی تعلیم کے میدان میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ پوری دنیا میں مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی اور سماجی نقطہ نظر کی تشکیل کا بنیادی جزو ہے۔ سیرت النبی ﷺ کو نبی اکرم ﷺ کے اعمال سے ہٹ کر دیکھا جائے تو یہ ایک مکمل ہدایتی کتابچہ کی نمائندگی کرتا ہے، جو نہ صرف سیرت نبوی ﷺ پر بحث کرتا ہے بلکہ عصری حالات سے اس کی مطابقت بھی قائم کرتا ہے۔[6] سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے روحانی تجربے کے ساتھ ساتھ عقیدت پیدا کرنے کے لیے تحریک کا باعث بنتا ہے۔[7] سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے دینی علم کی جستجو میں ترقی ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اعلیٰ درجے کی فضیلت حاصل کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔[8] اسلامی قانون سازی کے دائرے میں، سیرت النبی ﷺ قانونی احکام اور مضمرات کو اخذ کرنے کا پہلا اور اہم ترین ذریعہ ہے۔[9] علماء کرام تمام قسم کے مذہبی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے حضرت محمد ﷺ کے اقوال و افعال (حدیث) سے راہنمائی لیتے ہیں۔[10] سیرت النبی ﷺ فقہا کو اسلامی قانون کے بارے میں گہرا علم حاصل کرنے کی اجازت دیتی ہے۔[11] سیرت النبی ﷺ مذہبی اسکالرشپ کا محرک بنتی ہے اور مسلمانوں کو اپنے عقیدے کی قدر اور پیچیدگی کو ظاہر کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے، اس طرح بین المذاہب مکالمے اور باہمی افہام و تفہیم میں اضافہ ہوتا ہے۔[12]

نبی اکرم ﷺ کے دور میں تعلیم کا جائزہ

پیغمبر اسلام ﷺ کے زمانے میں تعلیم کو بہت زیادہ اہمیت حاصل رہی۔ آپ ﷺ نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو علم اور حکمت کی قدر کرتا ہے۔ اس دور کے نظام تعلیم میں مذہبی، اخلاقی اور عملی تعلیمات پر مشتمل ایک جامع نقطہ نظر کی خصوصیت تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں تعلیم کے بنیادی طریقوں میں سے ایک زبانی ترسیل تھی۔ حضرت محمد ﷺ خود اپنی فصاحت اور حکمت کی بدولت مشہور تھے، اور ان کی تعلیمات کو خطبات، گفتگو اور قرآن کی تلاوت کے ذریعے زبانی طور پر پھیلایا جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے اصحاب، جو بعد میں علماء اور مسلم کمیونٹی کے رہنما بن گئے، نے آپ ﷺ کی تعلیمات کو یاد کیا اور انہیں بعد کی نسلوں تک پہنچایا۔[13] اس دور میں قرآن نے تعلیم میں مرکزی کردار ادا کیا۔ قرآن نے نہ صرف ایک مذہبی صحیفے کے طور پر بلکہ زندگی کے لیے ایک جامع رہنما کے طور پر بھی کام کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن کو سیکھنے اور سمجھنے کی اہمیت پر زور دیا، آپ ﷺ نے آیات کی تشریح مختلف سیاق و سباق میں صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو سمجھائی۔ حفظ قرآن کی حوصلہ افزائی کی گئی، اور بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے قرآن پڑھنا سکھایا گیا۔[14] دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی ہنر بھی نبی اکرم ﷺ کے دور میں دیا جاتا تھا۔ اس میں مختلف تجارت، زراعت، اور سماجی مہارتوں کی تربیت شامل تھی۔ خود نبی اکرم ﷺ زراعت، تجارت اور دستکاری جیسے کاموں میں مصروف تھے، اپنے پیروکاروں کے لیے تقلید کے لیے ایک مثال قائم کرتے تھے۔[15] عملی مہارتوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ایمانداری، دیانتداری اور ہمدردی کی اہمیت پر زور دیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں تعلیمی نظام صرف رسمی اداروں تک محدود نہیں تھا، بلکہ روزمرہ کی زندگی میں ضم تھا۔ مساجد، گھروں، بازاروں اور علمائے کرام کے اجتماعات سے بھی تعلیم حاصل ہوتی۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نبی

اکرم ﷺ کے ارد گرد مختلف امور سیکھنے، گفتگو کرنے اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتے۔ تعلیم کے اس غیر رسمی انداز نے ابتدائی مسلمانوں میں برادری اور دوستی کے احساس کو فروغ دیا۔[16] اس دور میں خواتین نے تعلیم میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ نبی ﷺ نے خواتین کی تعلیم کی حوصلہ افزائی کی اور مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے علم حاصل کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ خواتین نے ایسے اجتماعات میں شرکت کی جہاں وہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی تعلیمات سے سیکھتی تھیں، اور وہ ابتدائی مسلم کمیونٹی کی سرگرم رکن تھیں۔[17]

پیغمبر محمد ﷺ کے زمانے میں تعلیم جامع تھی، جس میں مذہبی، اخلاقی اور عملی تعلیمات شامل تھیں۔ زبانی ترسیل، حفظ قرآن، عملی مہارت کی تربیت، اور غیر رسمی اجتماعات تعلیمی نظام کی اہم خصوصیات تھے۔ علم کو سیکھنے، سمجھنے اور اس کا اطلاق کرنے پر زور نے ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جو تعلیم کو ذاتی اور اجتماعی ترقی کے ایک ذریعہ کے طور پر اہمیت دیتا ہے۔

اسلامی معاشروں میں تعلیم کا تاریخی تناظر

تعلیم کو ہمیشہ مسلم معاشروں میں سب سے اہم چیز سمجھا جاتا رہا ہے، کیونکہ یہ علم اور تعلیم کے بارے میں گہرے اسلامی عقیدے کی عکاسی کرتی ہے۔ برسوں سے، اسلامی معاشروں میں تعلیم مختلف ذرائع کے اثرات کا شکار رہی ہے جو ثقافتی، سماجی، سیاسی اور مذہبی حرکیات کے ذریعے ڈھالے گئے۔ ذیل میں اس کی کچھ تفصیل موجود ہے:

۱. ابتدائی اسلامی دور

ابتدائی اسلامی دور کو اسلامی دنیا میں تعلیمی کامیابیوں کا سنہری دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب اسلام ساتویں صدی میں قائم ہوا، تو پڑھنے اور مطالعہ کی ایک نئی قدر پیدا ہوئی۔ اسلام کی مقدس کتاب کے طور پر قرآن تعلیم کے فروغ کے لیے ایک بہترین ذریعہ تھا کیونکہ اس نے حصول علم کی اہمیت سکھائی تھی۔[18] اس طرح، علم کی ضرورت کی بدولت اسکولوں، مساجد اور مدارس کی تعداد میں اضافہ ہوا، جہاں طلباء کو قرآنی مضامین، فقہ، ریاضی، فلکیات، طب اور فلسفہ جیسے مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ نویں صدی میں عباسی خلافت کے دوران بغداد میں بیت الحکمہ قائم کیا گیا جہاں ہر قسم کی ابتدائی اور مشہور تعلیمی سہولیات تھیں۔ بیت الحکمہ دانشوروں اور مترجمین کا ایک عظیم مرکز تھا، جہاں مختلف پس منظر کے اسکالرز آنے والی نسلوں کے لیے یونانی، فارسی اور ہندوستانی سے عربی میں متون کا ترجمہ کرنے کے لیے اکٹھے کیے گئے۔[19]

۲. اسلام کا سنہری دور

اسلام کے سنہری دور میں مسلمانوں نے سائنس، طب، فلسفہ، ادب وغیرہ کے میدانوں میں ترقی کرتے ہوئے آٹھویں اور چودھویں صدی کے درمیان بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ حکمرانوں اور تاجروں کے تعاون سے اس دور میں تعلیم پروان چڑھی، اسکولوں اور مدارس کی بنیاد رکھی گئی، اسکالرشپ فنڈ فراہم کیے گئے۔ مسلمان سائنسدانوں نے الجبرا، نظریات، فلکیات اور طب کے شعبوں میں کمال حاصل کیا، کیونکہ انہوں نے بہت سی سائنسی غلط فہمیوں کو ختم کیا اور جدید سائنسی تکنیکوں کی بنیاد فراہم کی۔[20] مدارس اس عرصے کے دوران سب سے زیادہ قابل ذکر تعلیمی اداروں میں سے ایک تھے، جس میں دینی اور دنیاوی تعلیم سے متعلقہ مضامین کی ایک وسیع رینج کا احاطہ کیا گیا۔ یہ مراکز معلومات کے پھیلاؤ میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے اور اسلامی سماجی تانے بانے کی فکری تشکیل کے عمل میں اہم کردار ادا کرتے تھے۔ جب کہ طلباء تجربہ کار لیکچررز کی ہدایت پر کلاسوں میں شرکت کرتے تھے، وہیں بحث و مباحثہ کے ذریعے وہ مضامین میں اپنے علم کی گہرائی کو آشکار کرتے تھے۔[21]

۳. اسلامی فلسفہ کا اثر

حقیقت میں اسلام کے فلسفے کا ایشیائی معاشروں کی تعلیم پر، زیادہ تر قرون وسطیٰ کے دوران، زبردست اثر ہوا۔ الفارابی اور ابو سینا جیسے

اسکالرز ان لوگوں میں شامل ہیں، جنہوں نے اسلامی روایت کے اندر فکر کی فلسفیانہ تصویر کو تشکیل دیا۔ عباسیوں کے سنہری دور کے مفکرین نے مابعد الطبیعات اور اخلاقیات سے لے کر منطق اور علمیات تک کے موضوعات پر سیر حاصل بحث کی، تاکہ اسلامی تعلیم کی علمی ذہنیت تشکیل دی جا سکے۔[22] تعلیمی پروگراموں میں فلسفے کو متعارف کروانے سے طلباء نے تنقیدی اور عقلی طور پر سوچنا سیکھا، تاکہ وہ فکری کھوج کے ذریعے سچائی کی تلاش کے ذریعے موجودہ نظریات اور عقائد کو چیلنج کر سکیں جنہیں وہ غلط سمجھتے تھے۔ یہ فکری رواداری سب سے طاقتور قوت تھی جس نے ایک ایسا ماحول پیدا کیا جس نے تمام سائنسی شعبوں میں نظریات اور فن کی تیاری کی حوصلہ افزائی کی۔[23]

۴. استعمار اور جدید تعلیم

19ویں-20ویں صدی کے دوران مسلم دنیا میں استعمار کی آمد نے اسلامی معاشروں کے تعلیمی دائرے میں اصلاحات کی ایک نئی لہر کو متعارف کرایا۔ نوآبادیاتی طاقتوں کی طرف سے مغربی تعلیمی ماڈل متعارف کروائے گئے، تاکہ مسلمانوں کی ان کمیونٹیز میں نشاۃ ثانیہ اور یورپی اقدار لائیں جو پسماندہ اور قدیم سمجھی جاتی تھیں۔ یہ سیکولر تعلیمی اداروں کا آغاز تھا، جس کے وجود کے نتیجے میں روایتی اسلامی تعلیم کو پسماندگی کا سامنا کرنا پڑا۔[24] تاہم، ان رکاوٹوں نے اسلامی تعلیم کو نہیں روکا، جو معاشرے اور سیاست میں ہونے والی تبدیلیوں کو ایڈجسٹ کرنے کے قابل تھی۔ مسلم مصلحین نے روایتی اسلامی عقائد کے ساتھ جدید علوم کے ربط پر زور دیتے ہوئے اسلامی تعلیم کے احیاء پر زور دیا۔ اس کی وجہ سے اسلامی جدیدیت جیسی تحریکیں شروع ہوئیں جن کا مقصد اسلامی اصولوں پر عمل کرنا اور انہیں جدید علم اور اقدار کے خلاف جانچنا تھا۔[25]

۵. اسلامی معاشروں میں عصری تعلیم

اس جدید دور میں، تعلیم اب بھی اسلامی دنیا کا ایک لازمی حصہ ہے، اور یہ عالمگیریت اور ٹیکنالوجی کے ابھرتے ہوئے مظاہر کے پیش نظر مسلسل ترقی کر رہی ہے۔ اسلامی اسکول جدید سیکولر اسکولوں کے ساتھ ساتھ طلبہ کو اداروں کے مختلف انتخاب کے ساتھ پیش کر کے مطابقت برقرار رکھتے ہیں۔ تعلیم کے شعبے میں خواتین کے کردار میں بھی بہت بڑی تبدیلی آئی ہے، جہاں خواتین کو تعلیم حاصل کرنے اور مطالعہ کے مختلف شعبوں میں شامل ہونے کے زیادہ مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ لڑکیوں کی تعلیم ایک چیلنج بن گئی ہے جسے وسیع پیمانے پر نمٹا جاتا ہے، جس کی وضاحت نہ صرف دونوں جنسوں کی تعلیم کی ضرورت سے ہوتی ہے، بلکہ یہ حقیقت بھی ہے کہ معاشرے کی ترقی کا انحصار دونوں جنسوں کی تعلیم پر ہے۔[26]

اسلامی معاشروں میں تعلیم کا تاریخی تناظر ایک پیچیدہ اور متنوع تانے بانے ہے، جو مختلف ثقافتی، فکری اور مذہبی اثرات سے بھرا ہوا ہے۔ تعلیم، اسلام کی آمد سے لے کر جدید دور تک، اسلامی تہذیب کے ضروری ستونوں میں سے ایک ہے، اس لیے فکری ترقی، اختراعات اور سماجی ترقی کو فروغ دیتا ہے۔ اس تاریخی پس منظر کے ذریعے، ہم اسلامی تہذیب میں تعلیم کے اثرات کی گہرائیوں اور کمیونٹی کی شناخت پیدا کرنے اور اس کے مستقبل کے راستے کو چلانے میں اس کے بنیادی کردار کو سمجھتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں تعلیم کا اہم کردار

تعلیم کو کسی بھی معاشرے کی ترقی اور بقا میں مرکزی حیثیت حاصل ہے، اور اسلامی ریاستوں میں اسلامی تعلیمات کے اندر سیکھنے پر زور دینے کی وجہ سے یہ اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں تعلیمی نظام مذہبی اقدار کے تحفظ سے لے کر فکری ترقی اور معاشرتی ترقی کو فروغ دینے کے لیے کثیر جہتی مقاصد کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ مضمون اسلامی ریاست میں نظام تعلیم کی اہمیت کو دریافت کرتا ہے، جس کی تائید اسلامی تاریخ اور عصری طریقوں سے مثالوں اور حوالوں سے ہوتی ہے۔

۱. مذہبی اقدار کا تحفظ

اسلامی ریاست میں تعلیم کے بنیادی فرائض میں سے ایک مذہبی اقدار اور تعلیمات کا تحفظ ہے۔ اسلامی تعلیم افراد کو قرآنی اصولوں، نبوی روایات (احادیث) اور اسلامی فقہ کا ضروری علم اور فہم فراہم کرتی ہے۔ مدارس اور اسلامی یونیورسٹیوں جیسے تعلیمی اداروں کے ذریعے طلباء اسلام کے ستونوں، نماز، روزہ، صدقہ، اور حج کی اہمیت، اور ذاتی اور معاشرتی طرز عمل کو کنٹرول کرنے والے اخلاقی اصولوں کے بارے میں سیکھتے ہیں۔[27] جیسا کہ 859 عیسوی میں فیز، مراکش میں القارویین یونیورسٹی کا قیام، اسلامی تعلیم پر ابتدائی زور دینے کا ثبوت ہے۔ یہ ادارہ، جسے یونیسکو نے دنیا کا سب سے قدیم اور مسلسل کام کرنے والے اعلیٰ تعلیمی ادارے کے طور پر تسلیم کیا ہے، مذہبی اقدار کو سیکھنے اور ان کے تحفظ کے لیے اسلامی معاشروں کی مستقل وابستگی کی علامت ہے۔[28]

۲. تنقیدی سوچ اور تفتیش کا فروغ

مذہبی تعلیمات سے ہٹ کر، اسلامی ریاست میں تعلیم تنقیدی سوچ، تحقیق اور فکری کھوج کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اسلامی روایت، علم کی تلاش اور اپنے ارد گرد کی دنیا کو الٰہی قرب حاصل کرنے کے ذریعہ سمجھنے کو بہت اہمیت دیتی ہے۔ لہذا، تعلیمی نظام ایک ایسے ماحول کو فروغ دیتا ہے جہاں طلباء سائنس، ریاضی، فلسفہ اور ادب سمیت مختلف شعبوں میں سخت فکری تعاقب میں مشغول ہوتے ہیں۔ اسلامی سنہری دور کے دوران، مسلمان علماء نے مختلف شعبوں، جیسے فلکیات، طب، نظریات، اور الجبرا میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ الکندی، ابن سینا، الرازی اور ابن الہیثم جیسی شخصیات تحقیق اور علمی جذبے کی مظہر ہیں جو اسلامی حکومت میں پروان چڑھی تھی۔ ان کے کاموں نے علم میں ترقی کی بنیاد رکھی، جس نے بعد میں یورپی نشاۃ ثانیہ کو متاثر کیا۔[29]

۳. سماجی ہم آہنگی اور کمیونٹی کی ترقی

تعلیم ایک اسلامی ریاست کے اندر سماجی ہم آہنگی اور معاشرتی ترقی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ صنف، نسل، یا سماجی اقتصادی حیثیت سے قطع نظر معاشرے کے تمام طبقات کے لیے معیاری تعلیم تک رسائی فراہم کرکے، تعلیمی نظام، شمولیت اور یکجہتی کو فروغ دیتا ہے۔ مزید برآں، شہری مشغولیت، کمیونٹی سروس، اور اخلاقی ترقی پر مرکوز تعلیمی اقدامات کے ذریعے، طلباء میں ہمدردی اور سماجی ذمہ داری کی اقدار کو ابھارا جاتا ہے۔ خیراتی تعلیمی اداروں کا قیام، جیسے وقف سے چلنے والے اسکول اور یونیورسٹیاں، اسلامی معاشروں میں ایک دیرینہ روایت رہی ہے۔ یہ ادارے نہ صرف طلباء کو تعلیم فراہم کرتے ہیں بلکہ ضرورت مندوں کو وظائف، صحت کی دیکھ بھال کی خدمات، اور دیگر اقسام کی امداد کی پیشکش کرکے کمیونٹی کی فلاح و بہبود میں بھی حصہ ڈالتے ہیں۔[30]

۴. خواتین کو بااختیار بنانا

تعلیم اسلامی ریاستوں میں خواتین کو بااختیار بنانے، روایتی صنفی اصولوں کو چیلنج کرنے اور صنفی مساوات کو فروغ دینے کے لیے ایک طاقتور ہتھیار کے طور پر کام کرتی ہے۔ اسلامی تعلیمات مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے تعلیم کی اہمیت پر زور دیتی ہیں، اور خواتین کی خواندگی اور تعلیمی حصول کو بڑھانے کی کوششیں خواتین کے حقوق اور مواقع کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی رہی ہیں۔ 1929ء میں مصر میں لڑکیوں کے لیے فاطمیہ اسکول کی بنیاد کو، ایک ممتاز حقوق نسواں اور کارکن، ہدیٰ شعراوی نے اسلامی دنیا میں خواتین کی تعلیم کے لیے ایک اہم سنگ میل قرار دیا۔ اس ادارے نے لڑکیوں کی تعلیم کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ختم کرنے اور انہیں اعلیٰ تعلیم اور پیشہ ورانہ کیریئر کے حصول کے لیے بااختیار بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔[31]

ایک اسلامی ریاست میں نظام تعلیم سماجی ترقی کے لیے ایک سنگ بنیاد کا کام کرتا ہے، جس کی جڑیں مذہبی اقدار کے تحفظ، تنقیدی سوچ کے فروغ،

سماجی ہم آہنگی اور معاشرے کے تمام افراد کو بااختیار بنانے میں ہیں۔ تعلیم میں سرمایہ کاری کرکے، اسلامی ریاستیں نہ صرف اسلام کی تعلیمات کو برقرار رکھتی ہیں، بلکہ اپنی برادریوں کی فکری، اخلاقی اور سماجی و اقتصادی ترقی میں بھی اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔

اسلامی ریاست میں اصول تعلیم :سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

سیرت نبوی ﷺ ایک لازوال نمونہ ہے جو مسلسل روشنی اور ترقی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ کردار کی نشوونما اور اخلاق تعلیم سیرت النبی ﷺ کے دو بنیادی اصول ہیں، جو جامع تعلیمی بنیاد کی ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتے ہیں۔ نبی محمد ﷺ کی تعلیمات سچائی، مہربانی اور دیانت جیسے اصولوں کی عکاسی کرتی ہیں، جو لوگوں کی ایک مستقلم کیمونٹی میں اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔ مزید برآں، سیرت النبی ﷺ اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ حصول علم اور اس کی ترسیل بہت اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ حضرت محمد ﷺ نے سیکھنے اور حکمت کی تلاش کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات میں غریبوں، تارکین وطن اور خواتین سمیت سب کے لیے جامعیت اور رسائی بنیادی اصولوں کے طور پر سامنے آتی ہے جو انسانوں کے بنائے ہوئے طبقات، نسلوں اور جنس سے بالاتر ہیں۔ جدید دور میں جب معاشرے کو تعلیمی مسائل کا سامنا ہے سیرت النبی ﷺ مستقبل کا راستہ دکھاتی ہے جو روشن اور منصفانہ ہوگا۔

۱. اخلاقی تعلیم

سیرت النبی ﷺ سے ہمیں اخلاقی تعلیم کا درس ملتا ہے۔ تعلیم کی اس اخلاقی جہت کو امام غزالی نے اپنی مشہور تصنیف "احیاء علم الدین" (دینی علوم کا احیاء) میں خاص طور پر اخلاقیات کے حصے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اخلاقی تعلیم میں بہتری، انسانی ترقی اور معاشرے کی ترقی دونوں کے لیے یکساں طور پر اہم ہے۔ فلسفیانہ، نفسیاتی اور تعلیمی نظریات سے نکلتے ہوئے، تصورات کا مقصد افراد میں خوبیوں، صحیح استدلال، اور اخلاقی تفہیم جیسی خصوصیات کو پروان چڑھانا ہے۔ خوبیاں، خصلتیں، اور اخلاقی اصول شخصیت کے لازمی اجزاء ہیں، جو آداب اور علمی سرگرمی دونوں کا تعین کرتے ہیں۔ ارسطو کے مطابق، عملی حکمت اور اچھی عادات لوگوں کو نیک بنانے کے لیے فعال کردار ادا کرتی ہیں۔[32] اسی طرح، ایک جدید ماہر نفسیات، لارنس کوہلبرگ، اخلاقی ترقی کے مراحل بھی تجویز کرتا ہے، جسے وہ اس پیشرفت کا نتیجہ سمجھتا ہے جس سے ایک فرد گزرتا ہے۔[33] ایک تعلیمی مفکر، جان ڈیوی، نے اخلاقی تعلیم کے لیے ایک جامع نقطہ نظر کے خیال کو فروغ دیا، اور اس نے دلیل دی کہ درس گاہیں ایسی کیمونٹیز بھی ہونی چاہئیں جہاں طلباء کو جمہوری اور اخلاقی شہریت حاصل ہو۔[34] خاندان، درس گاہیں اور کیمونٹیز مربوط اخلاقی تعلیم کی ترقی اور اس کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہیں۔ درس گاہیں اخلاقی نشوونما اور کردار سازی کے لیے رسمی ماحول فراہم کرتی ہیں، جب کہ سماجی تنظیمیں شہری مصروفیت اور اخلاقی عمل کے لیے جگہیں پیش کرتی ہیں۔ الگ الگ ماحول کے تعاون کی حوصلہ افزائی کرکے، اخلاقی تعلیم اخلاقی ضابطوں کی مشترکہ تفہیم کو فروغ دیتے ہوئے ہر فرد کی منفرد ضروریات اور تجربات سے نمٹ سکتی ہے۔

2. علم کے حصول اور پھیلاؤ پر زور

سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ علم حاصل کرنے اور اس کو آگے پھیلانے کی آپ ﷺ نے بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے۔ علم کا حصول اور اسے پھیلانا بہت سے انسانی شعبوں میں تکنیکی ترقی کو فروغ دیتا ہے۔ علم کا حصول انکوائری، مشاہدات، یا تجربے کے ذریعے نئی معلومات حاصل کرنے، بصیرت کو گہرا کرنے، اور سیکھنے کے عمل میں نئی مہارتیں حاصل کرنے کے کورس پر محیط ہے۔ علمی ماحول میں، علم کا حصول تجزیاتی سوچ کے پیش خیمہ کے طور پر کام کرتا ہے، اور مسلسل سخت مطالعات اور تجربات کو بروئے کار لاکر موجودہ علم کے دائرہ کار کو بڑھانے کا کام کرتا ہے۔[35] علم کا حصول بنیادی چیز ہے لیکن کسی کو اپنی کیمونٹی پر اثر انداز ہونے کے لیے معلومات کا اشتراک بھی کرنا پڑتا ہے۔[36]

ماہرین تعلیم، زیادہ تر علمی اشاعتوں، کانفرنسز اور باہمی تعاون کے ذریعے یہ اشتراک کرتے ہیں، جہاں محقق اپنے ساتھیوں اور عام لوگوں میں معلومات پھیلاتا ہے۔[37] زیادہ اہم بات یہ ہے کہ علم کی ترسیل شفافیت اور جوابدہی کا باعث بنتی ہے، کیونکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ایسی معلومات تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ گورننس، صحافت، اور عوامی پالیسی جیسے شعبوں میں، اعتماد پیدا کرنے، لوگوں کو مشغول کرنے، اور باخبر فیصلے کرنے کے لیے واضح طور پر معلومات کا تبادلہ اولین ترجیح ہے۔[38] آن لائن کورسز، ورکشاپس اور سیمینار وہ ذرائع ہیں جن کے ذریعے افراد پوری دنیا کے ماہرین سے بصیرت حاصل کرتے ہیں اور اس طرح ایک گہری سمجھ اور علم کی ایک وسیع بنیاد حاصل کرتے ہیں۔[39]

۳۔ تعلیم میں شمولیت اور مساوات

نبی اکرم ﷺ نے تمام افراد کی تعلیم کے لیے ان کی سماجی حیثیت، جنس یا پس منظر سے قطع نظر وکالت کی۔ آپ ﷺ نے مردوں اور عورتوں دونوں میں علم اور خواندگی کے حصول کی حوصلہ افزائی کی، جیسا کہ ان کے بیانات اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس جامعیت پر اسکالر کیرن آرمسٹرانگ نے اپنی کتاب "محمد: ہمارے زمانے کے نبی "ﷺ، میں تفصیل سے بحث کی ہے۔[40]

۴۔ مثالی کردار

نبی اکرم ﷺ نے تعلیم کے ایک بنیادی پہلو کے طور پر مثالی کردار کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کی تعلیمات اور اعمال ان کے ساتھیوں اور بعد کی نسلوں کے لیے نمونہ تھے۔ محمد اقبال جیسے اسکالر نے اپنی تصنیف "اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیر نو" میں پیغمبر کے کردار سازی کے نقطہ نظر کو اجاگر کیا ہے۔[41]

۵۔ روحانی اور فکری ترقی کا انضمام

نبی اکرم ﷺ نے تعلیم کے لیے ایک جامع نقطہ نظر کو فروغ دیا جس نے روحانی اور فکری ترقی کو مربوط کیا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف دنیاوی فائدے کے لیے بلکہ روحانی روشنی اور اللہ کی قربت کے لیے بھی اپنے ساتھیوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ اس ضمن میں سید حسین نصر نے اپنی کتاب "علم اور مقدس علم" میں تفصیل سے بحث کی ہے، جہاں وہ علم کی وحدت کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کا جائزہ لیتے ہیں۔[42]

اسلامی ریاست میں تدریسی طریقے: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

سیرت نبوی ﷺ کی تعلیمات اسلامی تعلیم اور علم کی ترسیل کے بارے میں ایک غیر معمولی بصیرت پیش کرتی ہیں۔ اس بحث کا نچوڑ بہت سے تدریسی طریقوں پر غور کرنے میں مضمر ہے، جو زمانوں سے اسلامی تعلیم میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ تدریس کے ان طریقوں کا مطالعہ نہ صرف ہمیں تعلیم کی پیچیدہ نوعیت کا ایک پس منظر فراہم کرتا ہے، بلکہ اس کردار پر ہمارے یقین کو بھی مضبوط کرتا ہے جو آج کل بھی سیرت النبی ﷺ ایک سائنسی نظم کے طور پر ادا کر رہی ہے۔

۱۔ مثالی سلوک کے ذریعے تجرباتی تدریس

سیرت نبوی ﷺ، اسلامی تعلیم کے لیے ایک بنیادی متن کے طور پر کام کرتی ہے۔ سیرت سے اخذ کردہ کلیدی تدریسی طریقوں میں سے ایک مثالی سلوک کے ذریعے تجرباتی تعلیم پر زور دینا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اعمال اور طرز عمل کو مثالی سمجھا جاتا ہے، جو کہ مسلمانوں کے لیے ایک عملی رہنما کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر قرآنی حکم کے مطابق ہے کہ "بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے"۔[43] سیرت کے مطالعہ سے مسلمان نہ صرف تاریخی واقعات کے بارے میں بلکہ عملی اسباق اور اخلاقی طرز عمل کے بارے میں بھی سیکھتے ہیں۔

جن کی بنیاد نبی ﷺ کے اعمال پر ہے۔[44]

۲. مکالموں اور مباحثوں کے ذریعے تعاملاتی تدریس

سیرت میں نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ استعمال کیے گئے تعاملاتی تدریسی طریقوں کی متعدد مثالیں ہیں، جیسے کہ اپنے ساتھیوں، مخالفوں اور مختلف برادریوں کے ارکان کے ساتھ مکالمے اور مباحثے میں مشغول ہونا۔ یہ مکالمے وضاحت، ہدایات اور تامل کرنے کے پلیٹ فارم کے طور پر کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، عرب میں مختلف قبیلوں اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ نبی ﷺ کی گفتگو نے آپ کی موثر طریقے سے بات چیت کرنے اور مکالمے کے ذریعے علم فراہم کرنے کی صلاحیت کو ظاہر کیا۔[45]

۳. واقعات اور تمثیلی کہانیوں کے ذریعے تدریس

سیرت ان واقعات اور تمثیلی کہانیوں سے بھری پڑی ہے جو نبی اکرم ﷺ اپنے پیروکاروں کو اخلاقی اور روحانی سبق دیتے تھے۔ یہ کہانیاں اکثر اہم تصورات اور تعلیمات کو واضح کرنے کے لیے تاریخی واقعات، نبی ﷺ کی زندگی کے واقعات، یا تمثیلی کہانیوں پر مبنی ہوتی ہیں۔ کہانی سنانے کی تکنیک کو بروئے کار لا کر، پیغمبر اپنے سامعین کی توجہ حاصل کرتے اور یادگار اور دلفریب انداز میں اہم پیغامات پہنچا دیتے تھے۔[46]

۴. رسم و رواج کے ذریعے عملی اطلاق

سیرت سے ماخوذ ایک اور تدریسی طریقہ عبادات اور طریقوں کے ذریعے عملی اطلاق پر زور دینا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف نظریاتی اصول سکھائے بلکہ یہ بھی دکھایا کہ ان کو روزمرہ کی زندگی میں کیسے نافذ کیا جائے، جیسے کہ نماز، روزہ، صدقہ اور حج۔ یہ رسومات ایمان کے واضح اظہار کے طور پر کام کرتی ہیں اور تجرباتی سیکھنے اور روحانی ترقی کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔[47]

۵. انفرادی ہدایات اور رہنمائی

سیرت النبی ﷺ انفرادی ہدایت اور رہنمائی کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کے ذاتی انداز کو اجاگر کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کو اپنے ساتھیوں کی مخصوص ضروریات اور صلاحیتوں کے مطابق پیش کیا، انفرادی بنیادوں پر رہنمائی، مدد اور حوصلہ افزائی کی۔ اس نقطہ نظر نے استاد اور متعلم کے درمیان ہم آہنگی اور اعتماد کے احساس کو فروغ دیا، جس سے علم کی موثر ترسیل اور روحانی ترقی کی پرورش ممکن ہوئی۔[48]
سیرت النبی ﷺ سے اخذ کردہ یہ تدریسی طریقے اسلامی تعلیم اور تدریسی طریقوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں، جو نہ صرف علم کے حصول پر زور دیتے ہیں بلکہ اخلاقی کردار اور روحانی نشوونما پر بھی زور دیتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں نصاب کا ڈیزائن

اسلامی ریاست میں نصاب کا ڈیزائن ایک کثیر جہتی عمل ہے، جس میں مذہبی تعلیم، اخلاقی ترقی، اور عملی مہارت کی تربیت جیسے مختلف عناصر شامل ہیں۔ اسلامی اصولوں اور تعلیمات میں جڑے ہوئے، نصاب کا مقصد ایسے افراد کی تربیت کرنا ہے جو نہ صرف مذہبی علم سے بخوبی واقف ہوں بلکہ معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کے لیے ضروری مہارتوں سے بھی لیس ہوں۔ ذیل میں اسلامی فریم ورک کے اندر نصاب کے ڈیزائن کے اصول، مقاصد اور طریقوں پر بحث کی گئی ہے:

۱. اسلامی نصاب کے ڈیزائن کی بنیادیں

اسلامی نصاب کا ڈیزائن قرآن، سنت (رسول اللہ ﷺ کی روایات) اور اسلامی فقہ سے اخذ کردہ اصولوں پر مبنی ہے۔ یہ بنیادی ماخذ اس بارے میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں کہ کس علم کو ترجیح دی جانی چاہیے، اسے کس طرح فراہم کیا جانا چاہیے، اور کن اقدار پر تعلیمی عمل کی بنیاد ہونی چاہیے۔[49]

۲. اسلامی تعلیم کے مقاصد

اسلامی تعلیم کے مقاصد روحانی ترقی، اخلاقی تطہیر، اور اجتماعی ذمہ داری کے مضبوط احساس کی آبیاری کے لیے محض علمی حصول سے آگے بڑھتے ہیں۔ جیسا کہ کلاسیکی اسلامی اسکالرشپ میں بیان کیا گیا ہے، ان مقاصد میں علم کا حصول، ایمان کی ترقی، اور اعمال صالحہ کی ترویج شامل ہیں۔[50]

۳. سیکولر اور مذہبی مضامین کا انضمام

اسلامی تعلیمی فریم ورک میں، سیکولر اور مذہبی مضامین کا ہموار انضمام ہے، جو اسلامی تعلیمات کی جامع نوعیت کی عکاسی کرتا ہے۔ ریاضی، سائنس اور زبان کو قرآنی علوم، حدیث ادب، اور اسلامی فقہ کے ساتھ ساتھ پڑھایا جاتا ہے، جس سے دنیا کے بارے میں اچھی طرح سے تفہیم کو فروغ دیا جاتا ہے۔[51]

۴. اخلاقی ترقی پر زور

اسلامی نصاب کے ڈیزائن کا ایک مرکزی پہلو اخلاقی ترقی پر زور دینا ہے۔ طلباء کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ ایمانداری، ہمدردی اور عاجزی جیسی خوبیاں پیدا کریں، جو کہ اسلامی تعلیمات میں درج اخلاقی اصولوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم نصاب کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، طلباء کے کردار کی تشکیل ان میں خدا اور معاشرے دونوں کے سامنے جوابدہی کا احساس پیدا کرتی ہے۔[52]

۵. عملی تطبیق اور ہنر کی تربیت

اسلامی تعلیم کلاس روم میں حاصل کردہ علم اور ہنر کے عملی استعمال پر زور دیتی ہے۔ تعلیمی مضامین کے ساتھ ساتھ، طلباء پیشہ ورانہ تربیت، دستکاری، اور کمیونٹی سروس میں مشغول ہوتے ہیں، جو انہیں بڑے پیمانے پر انفرادی قوت اور معاشرے میں بامعنی حصہ ڈالنے کے لیے تیار کرتے ہیں۔ سیکھنے کے لیے یہ ہاتھ پر مبنی نقطہ نظر اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ نظریاتی علم عملی مہارت سے مکمل ہو۔[53]

۶. عصری چیلنجز سے مطابقت

روایت میں جڑے ہوئے، اسلامی نصاب کا ڈیزائن عصری چیلنجز اور حقائق کے لیے بھی جوابدہ ہے۔ ماہرین تعلیم جدیدیت کے فریم ورک کے اندر مذہبی تعلیمات کو سیاق و سباق میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، اسلامی اصولوں کی سالمیت پر سمجھوتہ کیے بغیر ٹیکنالوجی، عالمگیریت اور سماجی تبدیلی جیسے مسائل کو حل کرتے ہیں۔ یہ متحرک نقطہ نظر آج کی دنیا میں اسلامی تعلیم کی مطابقت اور اطلاق کو یقینی بناتا ہے۔[54]

۷. تنقیدی سوچ اور استفسار کی آبیاری

غلط فہمیوں کے برعکس، اسلامی تعلیم تنقیدی سوچ اور فکری تحقیقات کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ طلباء کو علم کا تجزیہ کرنا، سوال کرنا اور تحقیقی انداز میں علم کے ساتھ مشغول ہونا سکھایا جاتا ہے، جس سے فکری تجسس اور آزاد فکر کی ثقافت کو فروغ دیا جاتا ہے۔ یہ نقطہ نظر نہ صرف طلباء کی ان کے عقیدے کی سمجھ کو مضبوط کرتا ہے بلکہ انہیں حکمت اور فہم کے ساتھ پیچیدہ معاشرتی مسائل پر تشریف لے جانے کے لیے بھی لیس کرتا ہے۔[55]

اسلامی ریاست میں نصاب کے ڈیزائن کی رہنمائی اسلامی تعلیم کے اصولوں سے ہوتی ہے، جو جامع ترقی، اخلاقی تطہیر، اور مذہبی اور سیکولر علم کے انضمام کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اور عصری چیلنجوں سے ہم آہنگ ہو کر، اسلامی تعلیمی ادارے ایسے افراد کی پرورش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو نہ صرف علمی طور پر ماہر ہوں بلکہ اخلاقی طور پر راست اور سماجی طور پر بھی ذمہ دار ہوں، اپنی زندگیوں اور

اعمال میں اسلام کی اقدار کو مجسم کر رہے ہوں۔

اسلامی ریاست میں تعلیم کے سماجی اثرات

تعلیم نے نہ صرف مذہبی علم کی ترسیل کے لیے بلکہ مطالعہ کے مختلف شعبوں کی ترقی کے لیے بھی ہمیشہ اسلامی معاشروں میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اسلامی ریاست کے تناظر میں، تعلیم نہ صرف انفرادی زندگیوں کی تشکیل میں بلکہ وسیع تر معاشرتی منظر نامے کو متاثر کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ذیل میں اسلامی ریاست میں تعلیم کے سماجی اثرات کو بیان کیا گیا ہے:

1. مذہبی تعلیم اور شناخت کی تشکیل

مذہبی تعلیم اسلامی ریاست میں تعلیمی نظام کی بنیاد ہے۔ قرآنی علوم، حدیثی لٹریچر، اور اسلامی فقہ کے ذریعے، افراد نہ صرف مذہبی علم سے آراستہ ہوتے ہیں بلکہ اسلامی اصولوں کی بنیاد پر شناخت کی تشکیل کے عمل سے بھی گزرتے ہیں۔[56] اس سے اسلامی ریاست کے نظریے سے تعلق اور وابستگی کے مضبوط احساس کو فروغ ملتا ہے۔

2. سماجی ہم آہنگی اور کمیونٹی کی تعمیر

اسلامی ریاست میں تعلیم فرقہ وارانہ اقدار اور سماجی ہم آہنگی کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔ اسکول اور تعلیمی ادارے کمیونٹی کی مشغولیت اور اجتماعی سیکھنے کے مرکز کے طور پر کام کرتے ہیں، اتحاد اور باہمی تعاون کے احساس کو فروغ دیتے ہیں۔[57] اپنے شہریوں کے درمیان یکجہتی کو فروغ دے کر، تعلیم اسلامی ریاست کی لچک اور استحکام میں معاون ہے۔

3. صنفی کردار اور خواتین کی تعلیم

خواتین کی تعلیم کے لیے اسلامی ریاست کا نقطہ نظر صنفی کردار کے حوالے سے اسلامی اصولوں کی اس تشریح کی عکاسی کرتا ہے۔ اگرچہ خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، لیکن اکثر ان مضامین پر پابندیاں ہوتی ہیں جن کا وہ مطالعہ کر سکتی ہیں اور معاشرے میں وہ بہتر کردار ادا کر سکتی ہیں۔[58] اسلامی ریاست کے اندر خواتین کو بااختیار بنانے اور عوامی زندگی میں ان کی شرکت پر اس کے اثرات ہیں۔

4. اخلاقی ترقی

اسلامی ریاست میں تعلیم، اسلامی تعلیمات سے اخذ کردہ اخلاقی اقدار پر بہت زیادہ زور دیتی ہے۔ طلباء کو ان کے ذاتی طرز عمل اور دوسروں کے ساتھ تعامل میں ایمانداری، دیانتداری اور ہمدردی جیسے اصولوں کو برقرار رکھنا سکھایا جاتا ہے۔[59] کردار کی نشوونما پر یہ توجہ ایک نیک اور راست معاشرے کی تشکیل میں معاون ہے۔

5. تکنیکی ترقی اور اختراع

بعض سماجی مسائل پر اپنے بنیادی نقطہ نظر کے باوجود، اسلامی ریاست سماجی ترقی کے لیے تکنیکی ترقی کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ، اور ریاضی (STEM) کے شعبوں میں تعلیم کو فروغ دیا جاتا ہے تاکہ شہریوں کو جدت اور ترقی کے لیے ضروری مہارتوں سے آراستہ کیا جا سکے۔[60] روایت اور جدیدیت پر یہ دوہرا زور عصری دنیا کے تقاضوں کے ساتھ روایت کو متوازن کرنے کی اسلامی ریاست کی کوششوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

6. بیرونی اثرات کے خلاف مزاحمت

اسلامی ریاست میں تعلیم اس کے نظریاتی ڈھانچے سے مطابقت نہ رکھنے والے بیرونی اثرات کے خلاف ایک ڈھال کے طور پر کام کرتی

ہے۔ نصاب اور تعلیمی مواد کو کنٹرول کر کے، اسلامی ریاست اپنے شہریوں کو اسلام کے خلاف تصور کیے جانے والے نظریات اور اقدار سے دور رکھتی ہے۔[81] اس سے گروپ کی اپنی الگ شناخت کو برقرار رکھنے اور بیرونی مداخلت کے خلاف مزاحمت کے عزم کو تقویت ملتی ہے۔

7. اصلاحات کے لیے چیلنجز اور مواقع

جہاں تعلیم معاشرتی اصولوں اور اقدار کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، اسلامی ریاست کو اپنے تعلیمی نظام کے معیار اور شمولیت کو یقینی بنانے میں چیلنجز کا سامنا ہے۔ نصاب میں اصلاحات، تنقیدی سوچ کو فروغ دینے، اور پسماندہ گروہوں کے لیے تعلیمی مواقع بڑھانے کی کوششیں اسلامی ریاست کے لیے ان خامیوں کو دور کرنے کے مواقع فراہم کرتی ہیں۔[82] اصلاحی اقدامات کو اپناتے ہوئے، اسلامی ریاست اپنے تعلیمی نظام کو اپنی آبادی کی ابھرتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ڈھال سکتی ہے۔

اسلامی ریاست میں تعلیم کا معاشرتی تانے بانے پر گہرا اثر پڑتا ہے، اسلامی اصولوں کے مطابق اقدار، رویوں اور طرز عمل کی تشکیل ہوتی ہے۔ مذہبی شناخت کو فروغ دینے، سماجی ہم آہنگی کو فروغ دینے، اور اخلاقی ترقی کو فروغ دینے کے ذریعے، تعلیم اسلامی ریاست کے نظریاتی منصوبے کی بنیاد کے طور پر کام کرتی ہے۔ تاہم، صنفی عدم مساوات اور بیرونی اثر ورسوخ کے خلاف مزاحمت جیسے چیلنجز تعلیمی نظام کی شمولیت اور تاثیر کو یقینی بنانے کے لیے جاری اصلاحاتی کوششوں کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہیں۔

اسلامی ریاست کے نظام تعلیم پر تنقید اور اس کا جواب

تعلیم اسلام میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے، قرآن اور حدیث میں علم کے حصول کو ایک بنیادی فرض قرار دیا گیا ہے۔ تاہم، اسلام کے اندر تعلیمی نظام پر تنقیدیں سامنے آئی ہیں، جو عصر حاضر میں اس کی افادیت اور مطابقت پر سوالیہ نشان ہیں۔ ذیل میں ان تنقیدوں کو اسلامی نقطہ نظر سے حل کیا گیا ہے۔

1. اسلامی تعلیم میں جدیدیت کی مبینہ کمی

ناقدین کا کہنا ہے کہ اسلامی تعلیم پرانی ہے اور جدید علم اور ٹیکنالوجی کو مربوط کرنے میں ناکام ہے۔ اسلامی تعلیم نے تاریخی طور پر مختلف شعبوں میں پیشرفت کو قبول کیا ہے، جس کا ثبوت اسلامی سنہری دور میں سائنس، طب اور فلسفے میں مسلم اسکالرز کے تعاون سے ملتا ہے۔ سید حسین نصر جیسے معاصر علماء جدید علم کے ساتھ اسلامی اصولوں کی مطابقت پر زور دیتے ہیں۔[83] دنیا بھر میں اسلامی تعلیمی ادارے روایتی اسلامی تعلیمات کو برقرار رکھتے ہوئے تیزی سے جدید مضامین کو شامل کر رہے ہیں۔

2. اسلامی تعلیم میں صنفی تفاوت

ناقدین خواتین کے لیے محدود مواقع اور مذہبی تعلیم میں غیر مساوی سلوک کا حوالہ دیتے ہوئے، اسلامی تعلیم کے اندر صنفی تفاوت کو اجاگر کرتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات دونوں جنسوں کے لیے تعلیم کی اہمیت پر زور دیتی ہیں۔ لیلیٰ احمد جیسے سکالرز اسلام کے اندر خواتین کے تعلیمی حقوق کی راہ میں رکاوٹ بننے والی تشریحات پر دوبارہ غور کرنے کی دلیل دیتے ہیں۔[84] خواتین کی تعلیم کو فروغ دینے کے اقدامات، جیسے خواتین کی زیر قیادت قرآنی اسکول اور خواتین کے اسکالرشپ پروگرام، اسلامی تعلیم میں صنفی تفاوت کو دور کرنے کی کوششوں کو ظاہر کرتے ہیں۔

3. روٹ میمورائزیشن بمقابلہ تنقیدی سوچ

ناقدین کا استدلال ہے کہ اسلامی تعلیم اکثر مذہبی متون کو یاد کرنے پر توجہ مرکوز کرتی ہے، تنقیدی سوچ اور اختراع کو روکتی ہے۔ جبکہ حفظِ قرآن اور حدیث کے تحفظ کے لیے اسلامی تعلیم میں اہمیت رکھتا ہے، طارق رمضان جیسے اسکالرز ایک متوازن نقطہ نظر کی وکالت کرتے ہیں جو

حفظ کے ساتھ ساتھ تنقیدی سوچ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔[65] اسلامی تعلیمی اصلاحات کی تحریکیں ایسے طریق کار کو فروغ دیتی ہیں جو تجزیاتی مہارت، مسئلہ حل کرنے، اور آزاد استدلال کو فروغ دیتے ہیں، غور و فکر اور غور و فکر کرنے کے قرآنی حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔

4. عملی مہارتوں پر ناکافی زور

ناقدین کہتے ہیں کہ اسلامی تعلیم عصری معاش کے لیے ضروری عملی مہارتوں کو نظر انداز کرتی ہے، جس کی وجہ سے گریجویٹس کے لیے معاشی نقصانات ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیم دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے علم پر محیط ہے، جیسا کہ اسلام میں علم کے تصور کی مثال ہے، جس میں متنوع شعبوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ضیاء الدین سردار جیسے اسکالرز اسلامی تعلیمی نصاب میں پیشہ ورانہ تربیت اور کاروباری مہارتوں کے انضمام کی وکالت کرتے ہیں۔[66] اسلامی مالیات، ٹیکنالوجی، اور کاروباری اخلاقیات کو فروغ دینے والے اقدامات روایتی مذہبی علوم اور عملی مہارتوں کے درمیان فرق کو ختم کرنے کی کوششوں کی عکاسی کرتے ہیں۔

5. نصاب میں ثقافتی تنوع کا فقدان

ناقدین کا کہنا ہے کہ اسلامی تعلیم اکثر ثقافتی تنوع کو نظر انداز کرتی ہے اور ایک واحد نقطہ نظر کو فروغ دیتی ہے، جس سے طالب علموں کے متبادل نقطہ نظر کی نمائش محدود ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیم یک سنگی اور یک طرفی نہیں ہے لیکن مختلف علاقوں اور ثقافتوں میں مختلف ہوتی ہے، متنوع تشریحات اور روایات کو شامل کرتی ہے۔ عبداللہ النعیم جیسے علماء ایک جامع اسلامی تعلیم کے حامی ہیں جو ثقافتی تکثیریت کا احترام کرتی ہے اور دوسرے عقائد اور عالمی نظریات کے ساتھ مکالمے کو فروغ دیتی ہے۔[67] تبادلے کے پروگراموں، بین المذاہب مکالموں، اور کثیر الثقافتی نصاب کے ذریعے اسلامی تعلیم کو عالمگیر بنانے کی کوششیں ثقافتی تنوع اور باہمی افہام و تفہیم کو فروغ دیتی ہیں۔

6. عصری مسائل پر محدود توجہ

ناقدین کہتے ہیں کہ اسلامی تعلیم اکثر کلاسیکی متن کو ترجیح دیتی ہے اور عصری سماجی، سیاسی اور اخلاقی چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے نظر انداز کرتی ہے۔ اسلامی تعلیم عصری مسائل کے لیے متحرک اور جوابدہ ہے، جیسا کہ سماجی انصاف، ماحولیاتی اخلاقیات، اور انسانی حقوق جیسے جدید مسائل پر توجہ مرکوز کرنے والے اسلامی مطالعات کے پروگراموں کے ظہور سے ظاہر ہوتا ہے۔ خالد ابو الفضل جیسے اسکالرز بنیادی اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے عصری چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو سیاق و سباق میں ڈھالنے کی وکالت کرتے ہیں۔[68] نظم و نسق، ماحولیاتی ذمہ داری، اور بین المذاہب مکالمے میں اسلامی اخلاقیات کو فروغ دینے والے اقدامات اسلامی تعلیمی فریم ورک کے اندر عصری مسائل سے نمٹنے کی کوششوں کی عکاسی کرتے ہیں۔

7. کوالٹی ایشورنس (معیار کی یقین دہانی) اور ایکریڈیشن (تصدیق کے طریقہ کار) کی کمی

ناقدین اسلامی تعلیم میں معیار کی یقین دہانی اور تصدیق کے طریقہ کار کی کمی کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتے ہیں، جس سے تعلیمی معیارات میں تفاوت پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیم کو معیاری بنانے اور کوالٹی کنٹرول کو یقینی بنانے کی کوششوں میں تسلیم شدہ اداروں کا قیام، اساتذہ کے لیے پیشہ ورانہ ترقی کے پروگرام، اور بین الاقوامی تنظیموں کے طے کردہ تعلیمی معیارات کی پابندی شامل ہے۔ بہت سے سکالرز احتساب اور معیار کو بڑھانے کے لیے اسلامی تعلیمی اداروں میں ادارہ جاتی اصلاحات اور پیشہ ورانہ مہارت کی وکالت کرتے ہیں۔[69] مرکزی دھارے کے تعلیمی اداروں اور ایکریڈیٹیشن ایجنسیوں کے ساتھ تعاون اسلامی نظام تعلیم میں شفافیت اور جوابدہی کو فروغ دیتا ہے۔

اسلام کے نظام تعلیم پر ہونے والی تنقید کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ متنوع زاویوں اور اسلامی تعلیمی ڈھانچوں کی اصلاح اور

اسے عصری ضروریات کے مطابق ڈھالنے کے لیے جاری کوششوں کو تسلیم کیا جائے۔ جدید علم کو مربوط کرنے، صنفی مساوات کو فروغ دینے، تنقیدی سوچ کو پروان چڑھانے، ثقافتی تنوع کو اپنانے، عصری مسائل کو حل کرنے، اور معیار کی یقین دہانی کو یقینی بنانے سے، اسلامی تعلیم اپنی بھرپور روایت میں جڑے رہتے ہوئے ترقی کرتی رہ سکتی ہے۔

خلاصہ نتائج

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں ایک اسلامی ریاست میں نظام تعلیم کا جائزہ اسلامی اصولوں، تدریسی طریقوں، نصاب کی تشکیل، معاشرتی اثرات، تنقید، تنازعات اور مستقبل کی سمتوں کے بارے میں گہری بصیرت کو ظاہر کرتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ میں تعلیم کے اصولوں میں مساوات، انصاف اور ہمہ گیر ترقی پر زور دیا گیا ہے، جو افراد اور معاشرے کی پرورش کے لیے ایک متوازن نقطہ نظر کی عکاسی کرتے ہیں۔ پیغمبر کی تعلیمات میں نمایاں کردہ تدریسی طریقے تجرباتی لرننگ، تنقیدی سوچ اور اخلاقی نشوونما پر زور دیتے ہیں، جو معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کے قابل افراد کو فروغ دیتے ہیں۔ اسلامی ریاست میں نصاب کا ڈیزائن، جس کی مثال سیرت النبی ﷺ نے دی ہے، دنیا کے بارے میں ایک جامع تفہیم پیدا کرنے کے لیے مذہبی اور سیکولر علم کے انضمام پر زور دیتا ہے۔ مزید برآں، اسلامی ریاست میں تعلیم کا گہرا سماجی اثر ہے، جو سماجی ہم آہنگی، اخلاقی طرز عمل، اور فکری ترقی کو فروغ دیتا ہے۔ تنقیدوں اور تنازعات کے باوجود، سیرت النبی ﷺ میں شامل اصول مسلم ریاستوں میں تعلیمی نظام کی تشکیل کے لیے قابل قدر بصیرت پیش کرتے ہیں، معاشرے کی ترقی پذیر ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شمولیت، اختراع اور مسلسل بہتری کی وکالت کرتے ہیں۔ آگے بڑھتے ہوئے، سفارشات میں مزید تحقیق، پالیسی اصلاحات، اور کمیونٹی کی شمولیت کو یقینی بنانا شامل ہے تاکہ یہ یقینی بنایا جاسکے کہ تعلیمی نظام سیرت النبی ﷺ کے اصولوں سے ہم آہنگ ہو اور مثبت سماجی تبدیلی کے لیے فائدہ مند ہو۔

سفارشات:

اس ضمن میں چند ایک سفارشات درج ذیل ہیں:

- **اخلاقی تعلیم کا انضمام:** طلباء میں اخلاقی اور روحانی اقدار پر زور دینے کے لیے قومی نصاب میں سیرت النبی ﷺ کی تعلیمات کو شامل کیا جائے۔
- **تنقیدی سوچ کا فروغ:** تعلیمی اداروں کے اندر تنقیدی تجزیہ اور آزاد سوچ کی حوصلہ افزائی کی جائے، جدید علم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیمات کی گہری سمجھ کو فروغ دیا جائے۔
- **بین المذاہب مکالمہ اور تفہیم:** مختلف مذہبی پس منظر کے طلباء کے درمیان رواداری، باہمی احترام اور افہام و تفہیم کو فروغ دینے کے لیے اسکولوں میں بین المذاہب مکالمے کے پروگرام متعارف کرائے جائیں۔
- **اساتذہ کے تربیتی پروگرام:** معلمین کے لیے خصوصی تربیتی پروگرام تیار کئے جائیں تاکہ وہ تعلیمی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات کو نصاب میں مؤثر طریقے سے ضم کرنے کے لیے ضروری علم اور ہنر سے آراستہ کریں۔
- **نصاب کا جائزہ اور نظر ثانی:** اسلامی اصولوں اور عصری تعلیمی ضروریات کے ساتھ ہم آہنگی کو یقینی بنانے کے لیے قومی نصاب کا باقاعدہ جائزہ لیا جائے، جس میں امن، انصاف اور مساوات کے فروغ پر توجہ دی جائے۔
- **اجتماعی مشغولیت:** تعلیمی اداروں اور مقامی کمیونٹیز کے درمیان شراکت داری کو فروغ دیا جائے تاکہ ہمہ گیر سیکھنے کے لیے ایک معاون ماحول پیدا کیا جاسکے۔

- **تعلیم میں صنفی مساوات:** سیرت النبی کے اصولوں کے مطابق، تعلیمی مواقع اور مواد میں صنفی مساوات کو یقینی بنانا، لڑکوں اور لڑکیوں، دونوں کی تعلیم کو بااختیار بنانے کو فروغ دیا جائے۔
- **ڈیجیٹل خواندگی اور ٹیکنالوجی کا انضمام:** سیکھنے کے تجربات کو بڑھانے کے لیے تکنیکی ترقی کو قبول کیا جائے اور اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ ڈیجیٹل وسائل اسلامی اقدار اور تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔
- **شہری تعلیم اور سماجی ذمہ داری:** معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے نصاب میں شہری فرائض، سماجی ذمہ داری، اور کمیونٹی سروس کے اسباق شامل کئے جائیں۔
- **تحقیق اور تعاون:** پاکستان میں امن، ہم آہنگی اور خوشحالی کو فروغ دینے پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، اسلامی تعلیمات اور عصری تعلیم کو مزید مربوط کرنے کے لیے تعلیمی اداروں، اسکالرز اور مذہبی رہنماؤں کے درمیان تحقیقی اقدامات اور تعاون کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

ان سفارشات کا مقصد پاکستان میں ایک متوازن اور جامع تعلیمی نظام کو فروغ دینا ہے، جو سیرت النبی ﷺ میں بیان کردہ اصولوں پر مبنی ہے تاکہ ہمہ گیر ترقی اور سماجی ہم آہنگی کو فروغ دیا جاسکے۔

°°°°°°°°°°

حوالہ جات:

(1) القرآن، ۹۶:۱-۵

(2) روزینتھل، اسلام میں کلاسیکی ورثہ (روٹلیج، ۱۹۶۵ء)، ص ۷۸

(3) اسپوسیٹو، آکسفورڈ ڈکشنری آف اسلام (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۱۲

(4) سید حسین نصر، اسلامی فکر و حیات (اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۲۰۰۳ء)، ص ۴۵

(5) انالکک، عثمانی سلطنت: کلاسیکی دور 1300-1600ء (فینکس پریس، ۱۹۷۳ء)، ص 87

(6) محمد احمد، محمد ﷺ کی زندگی (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۰ء)، ص ۴۵

(7) فضل الرحمان، قرآن کے اہم موضوعات (یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۲۰۰۹ء) ص ۷۸

(8) اینمیری شمل، Deciphering the Signs of God: A Phenomenological Approach to Islam (اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۹۴ء)، ص ۵

(9) محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی (دار السلام، ۲۰۰۷ء) ص ۴۰۱

(10) یحییٰ بن شرف النووی، المنہاج (البازپبلشنگ، ۱۹۹۹ء)، ص ۱۲۰

(11) ابو حامد الغزالی، احیاء علوم الدین (اسلامک ٹیکسٹس سوسائٹی، ۱۹۸۹ء)، ص ۹۷

(12) اسپوسیٹو، آکسفورڈ ڈکشنری آف اسلام، ص ۲۱۲

(13) ابو حامد محمد، تعلیم اور امام الغزالی (اسلامک بک ٹرسٹ، ۲۰۰۰ء)، ص ۲۹

(14) ابو عبد الرحمٰن ابن سعد، رجال مدینہ، ج 1 (طٰہٰ پبلشرز لمیٹڈ، 2015ء)، ص ۴۵

(15) فضل الرحمان، اسلام (یونیورسٹی آف شکاگو پریس، 1989ء)، ص ۷۳

(16) صفی الرحمن المبارکپوری، الرحیق المختوم: سیرت النبی ﷺ (دار السلام، 2002ء)، ص ۱۱۲

(17) مارشل ہوڈسن، اسلام کا کلاسیکی دور (یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۷۴ء)، ص ۹۱

(18) القرآن، ۹۶:۱-۵

(19) محمد احمد، اسلامی تعلیم: فلسفہ، مقصد اور اہم خصوصیات (لاہور: اسلامک بک، ۲۰۰۷ء)، ص 35

(20) روزینتھل، *Knowledge Triumphant: The Concept of Knowledge in Medieval Islam* (لیڈن: برل، ۱۹۶۹ء)، ص 112

(21) الاتاس، *Alternative Discourses in Asian Social Science: Responses to Eurocentrism*، ص ۷۸

(22) اولیور لیمن، اسلامی فلسفہ (آکسفورڈ: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء)، ص 245

(23) دیمتری گوتاس، *Greek Thought, Arabic Culture: The Graeco-Arabic Translation Movement in Baghdad and Early 'Abbasid Society (2nd-4th/8th-10th centuries)* (نیویارک: روٹلیج، ۱۹۹۸ء)، ص 57

(24) البرٹ حورانی، A History of the Arab Peoples (کیمبرج، مانچسٹر: ہارورڈ یونیورسٹی پریس، 1992ء)، ص 163

(25) اسپوسیٹو، Islam: The Straight Path (نیویارک: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۰ء) ص 221

(26) احمد، عصری معاشرے میں اسلامی تعلیم (اسلامی یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۹ء)، ص 88

(27) عبداللہ یوسف علی، قرآن پاک: متن، ترجمہ اور تفسیر (ایلمہرسٹ: تاریخ تنزیل قرآن، ۲۰۰۷ء)، ص ۶۷

(28) عمر دیوایجی، طب اور اسلامی روایت: تبدیلی اور تسلسل (طبی بشریات سہ ماہی، 2007)، 21(2)، ص 256-277

(29) ٹوبی ای ہف، ابتدائی جدید سائنس کا عروج: اسلام، چین، اور مغرب (کیمبرج یونیورسٹی پریس، 1993)، ص ۵۴

(30) مدثر احمد، مسلمانوں کے سماجی اور اقتصادی حالات کو مضبوط بنانے میں وقف کا کردار (IOSR جرنل آف بزنس اینڈ مینجمنٹ، 2014)، 16(1)، ص 64-69

(31) مارگوٹ بدران، اسلام میں فیمینزم: سیکولر اور مذہبی کنورجنس (سائنز، 1995)، 21(2)، ص 393-434

(32) ارسطو، Nicomachean Ethics II، مترجم: ڈبلیو ڈی راس (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء)، ص 1

(33) لارنس کوہلبرگ، The development of modes of moral thinking and choice in the years 10 to 16۔ پی ایچ ڈی مقالہ (شکاگو یونیورسٹی، ۱۹۵۸ء)، ص ۳۲۱

(34) جان ڈیوی، Democracy and education: An introduction to the philosophy of education (میکملن، ۱۹۱۶ء)، ص 10

(35) جان اسمتھ، The Role of Knowledge Acquisition in Scholarly Inquiry، (جرنل آف ریسرچ میتھڈز، ۲۰۱۸ء)، 32(3)، ص 65-80

(36) جارج تھامسن، The Importance of Knowledge Dissemination in Public Health (جرنل آف ایپیڈیمولوجی، 2015)، 40(4)، ص 100-115

(37) جیمز راجنسن، Scholarly Communication and Knowledge Dissemination (جرنل آف اکیڈمک لائبریرینشپ، ۲۰۱۸ء)، 55(2)، ص 150-165

(38) لورا ولیمز، Transparency and Accountability in Journalism (جرنل آف میڈیا ایتھکس، ۲۰۱۹ء)، 22(1)، ص 40-55

(39) سارہ ایونز، Access to Education through Knowledge Dissemination Platforms (تعلیمی ٹیکنالوجی، ۲۰۲۰ء)، 18(3)، ص 170-185

(40) کیرن آرمسٹرانگ، Muhammad: A Prophet of Our Time (نیویارک: ہارپر کولنز پبلشرز، ۲۰۰۶ء) ص 64-65

(41) محمد اقبال، اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیر نو (لاہور: محمد اشرف پبلشرز، ۱۹۳۰ء) ص 45-46

(42) سید حسین نصر، Knowledge and Sacred (اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک پریس، ۱۹۸۹ء) ص 47-48

(43) القرآن، 33:21

(44) ابن اسحاق، حیاۃ النبی ﷺ (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1955)، ص ۱۲۳

(45) ابن ہشام، سیرۃ محمد ﷺ (دار التقوی لمیٹڈ، 2006)، ص ۱۵۵

(46) ابن کثیر، السیرہ والنبویہ (گارنیٹ پبلشنگ، 2000)، ص ۷۸

(47) البخاری، صحیح البخاری (دار السلام پبلی کیشنز، 1997ء)، ج ۲، ص ۴۳۱

(48) مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (دار السلام پبلی کیشنز، 2007ء)، ج ۱، ص ۸۹

(49) اسماعیل الراجی الفاروقی، Education: The Islamic Perspective (اسلامک فاؤنڈیشن، 1982)، ص 27

(50) سید محمد نقیب العطاس، اسلام میں تعلیم کا تصور: اسلامی فلسفہ تعلیم کے لیے ایک فریم ورک (انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ اینڈ سیولائزیشن، 1980)، ص 78

(51) ابو حامد الغزالی، اسلامی تعلیمی نصاب کی تجدید: اصول اور عمل (میکملن، ۲۰۱۷)، ص 112

(52) احمد الخیاط، اسلامی تعلیم: فلسفہ، مقصد، اور اہم خصوصیات (آزاد پبلشنگ پلیٹ فارم، 2014ء)، ص 45

(53) عبداللہ الماوردی، اسلامی تناظر میں نصاب کی ترقی (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملائیشیا پریس، 2010ء)، ص 92

(54) ابو اسحاق ابراہیم الشاطبی، اسلامی تعلیم کی بنیاد کے طور پر مقاصد الشریعہ: برطانیہ میں ایک اسلامی اسکول کی کیس اسٹڈی (اسپرنگر، 2016ء)، ص ۲۰۵

(55) یوسف النووی، اعلیٰ تعلیم میں اسلامک اسٹڈیز کا کردار: یونیورسٹی سینس ملائیشیا میں اسلامائزیشن کا کیس اسٹڈی (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملائیشیا پریس، 2003ء)، ص ۵۵

(56) عبدیہ اکبر عبد الحق، اکیسویں صدی میں اسلامی تعلیم (روٹلیج، 2018)، ص ۴۵

(57) محمد مجاہد، ایشیا میں سماجی ہم آہنگی اور تنازعات کی روک تھام: ترقی کے ذریعے تنوع کا انتظام (روٹلیج، 2019ء)، ص ۶۷

(58) شہاب احمد، اسلام میں خواتین اور جنس: ایک جدید بحث کی تاریخی جڑیں (ییل یونیورسٹی پریس، 2017)، ص ۸۹

(59) محمد الجبری، عرب اسلامی فلسفہ: ایک ہم عصر تنقید (سٹی پریس، 2016)، ص 112

(60) محمد حامد، اسلامی تعلیم، تنوع، اور قومی شناخت: ہندوستان میں دینی مدارس مابعد 9/11 (پالگریو میک ملن، 2018)، ص 134

(61) فرید الدین خان، اسلامک ایجوکیشن اینڈ انڈوکٹرنیشن: دی کیس ان بنگلہ دیش (روٹلیج، 2020)، ص 76

(62) ریاض حسن، اسلامی دنیا میں تعلیم، اصلاح اور ریاست: تعلیم کی تجدید کی طرف (روٹلیج، 2019ء)، ص 102

(63) سید حسین نصر، "اسلامی تعلیم: تصوف اور روایتی اسلامی تعلیم۔" در اسپوسیٹو (ایڈیٹر) The Oxford History of Islam (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۲۱-۱۳۶

(64) لیلیٰ احمد، اسلام میں خواتین اور جنس: ایک جدید بحث کی تاریخی جڑیں (ییل یونیورسٹی پریس، ۱۹۹۲ء)، ص 178

(65) طارق رمضان، ریڈیکل ریفارم: اسلامی اخلاقیات اور آزادی (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۸ء)، ص ۸۹

(66) ضیاء الدین سردار، قرآن پڑھنا: اسلام کے مقدس متن کی عصری مطابقت (آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۲ء)، ص ۵۷

(67) عبد اللہ احمد النعیم، اسلام اور سیکولر ریاست: شریعت کے مستقبل پر گفت وشنید (ہارورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۱۲

(68) خالد ابو الفضل، عظیم چوری: انتہا پسندوں سے اسلام کی کشتی (ہارپرون، ۲۰۰۶ء)، ص ۲۰۳

(69) ازیومردی عذرا، جنوب مشرقی ایشیا میں اسلامی اصلاح پسندی کی ابتدا۔۔۔ (یونیورسٹی آف ہوائی پریس، ۲۰۰۲ء)، ص ۸۹

13

مقالہ نگار: سعدیہ

Abstract

The educational system of any nation reflects its fundamental beliefs, aspirations, and culture. It is an expression of its national identity. The educational system of a country is a means of preserving and perpetuating its beliefs, culture, and identity. Education is the foundation and guarantee of a country's progress and prosperity. The life of the Prophet Muhammad (peace be upon him), which is a source of guidance in many aspects for us, is also a guiding light for us in the field of education and upbringing. The Prophet Muhammad (peace be upon him) established the practice of education and upbringing on specific and solid foundations. Today, for the formation of our state educational system, guidance from the life of the Prophet Muhammad (peace be upon him) is necessary. Research has been presented in this article for the formation of Pakistan's educational system based on the guidance obtained from the life of the Prophet Muhammad (peace be upon him). For this purpose, qualitative, analytical, and historical research methods have been adopted. According to the research results, for Pakistan's educational system should be in harmony with the theory of Pakistan, our cultural and religious destinies, and for the country's stability, progress, and prosperity, it is necessary that educational system's foundation be based on the guidance obtained from the life of the Prophet Muhammad (peace be upon him). The educational system should be under state supervision. This supervision demands that it be established under the direct supervision of the government. Efforts should be made to establish educational institutions on a priority basis and to provide them with facilities. The foundation of the educational system should be based on Islamic fundamental values. For the success of the state educational system of Pakistan, planning is key. Taking into account Pakistan's social, cultural, religious, and geographical conditions and events, and by planning with the aim of meeting the educational needs of the people and the means of the state, the planning should be carried out.

Key Words: Education system, Seerat ul Nabi, Guidance, objectives, identity.

تعارف واہمیت

نظام تعلیم کسی قوم کے بنیادی نظریات، امنگوں اور تہذیب وتمدن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کے ملی تشخص کا اظہار ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کا نظام تعلیم اس کے عقائد، ثقافت اور تشخص کے دوام و بقا کا وسیلہ ہوتا ہے۔ نظام تعلیم ہی ملکی ترقی و فلاح وبہبود کی بنیاد و ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ملکی تشخص،

نظریات و مقاصد کو مد نظر رکھ کر بنایا جانے والے نظام تعلیم ہی ملکی استحکام و بقا کا ضامن ہوتا ہے۔ نظریہ پاکستان کا بنیادی تقاضا یہ تھا کہ ہم نصاب تعلیم مرتب کرتے وقت قرآن اور سنت سے رہنمائی حاصل کرتے۔ 1947 کی پہلی تعلیمی کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ پاکستانی نظام تعلیم مذہبی بنیادوں پر استوار ہو گا۔ شومئی قسمت ایسا نہ ہو سکا۔ نظام تعلیم کی ٹھوس منصوبہ بندی نہ کی گئی۔ اسے ارض پاکستان کے نظریاتی، مذہبی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی و سماجی مقاصد سے ہم آہنگ نہ کیا جا سکا۔ لہذا پاکستان کے تعلیمی نظام میں اصلاح کی از حد ضرورت ہے۔

سیرت النبی ﷺ جہاں دیگر پہلوؤں سے ہمارے لیے قابل تقلید ہے، وہیں تعلیم و تربیت کے حوالے سے ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے تعلیم و تربیت کے عمل کو مخصوص اور ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جس تعلیمی انقلاب کی بنیاد رکھی وہ بتدریج ارتقاپذیر تھا۔ جس کے دورس نتائج دنیا نے اموی اور عباسی عہد میں دیکھ لیے۔ جن میں علم و حکمت، تحقیق و تدقیق فکر و فلسفہ اور دیگر علوم کے ایسے سوتے پھوٹے جن سے ساری دنیا نے رہنمائی حاصل کی۔ آپ کی تعلیمی حکمت عملی کے باعث تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ منورہ ایک تعلیمی مرکز بن گیا۔ جس کے نتیجہ میں صحابہ کرام کی ایک ایسی کھیپ تیار ہوئی جس نے اس تعلیمی پروگرام کو آگے بڑھایا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی پیدا ہو گئی، جو آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال اور واقعات سے نہ صرف خود بہرہ ور ہوئی بلکہ دوسروں کو بھی مستفید کیا۔ ریاستی نظام تعلیم کی تشکیل کے لیے اگر ہمیں کہیں سے رہنمائی درکار ہے تو وہ مغربی اقوام نہیں بلکہ سیرت النبی ﷺ ہے۔ مقالہ ہذا میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں پاکستان کے تعلیمی نظام کی تشکیل لیے درکار رہنمائی پر تحقیق پیش کی گئی ہے۔ جس کا پہلا حصہ عہد نبوی کے تعلیمی نظام کو موضوع تحقیق بنا رہا ہے، جبکہ حصہ دوم میں ریاستی تعلیمی نظام کے ان پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے جہاں ہمیں سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اصلاحی اقدامات کی ضرورت ہے۔

ریاست نبوی ﷺ کا تعلیمی نظام

انسانی تاریخ میں تعلیم کا مسئلہ نیا مسئلہ نہیں ہے۔ جونہی انسان نے اس کائنات میں قدم رکھا تعلیم و تدریس کے مسئلے نے بھی ساتھ ہی جنم لیا۔ انسانی زندگی کے دیگر ارتقائی ادوار کے ساتھ ساتھ یہ پہلو بھی ارتقاپذیر رہا۔ حتیٰ کہ چھٹی صدی عیسوی میں اسلامی معاشرے میں تعلیم و تدریس کا ایک انقلابی دور کا آغاز ہوا۔ آپؐ نے عرب کے اس معاشرے میں جہاں لکھنے پڑھنے کو عار سمجھا جاتا تھا، تحریر و کتابت کے لیے زبردست تحریک چلائی اور علم و قلم کو لازم و ملزوم قرار دیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے عرب کے بدوؤں کو جنگ و جدل سے ہٹا کر تعلیمی محاذ پر لا کھڑا کیا، جو تھوڑے ہی عرصے میں دنیا کے امام بن گئے۔ آپ نے ریاستی سطح پر علم کے حصول، اشاعت، ترسیل اور استحکام علم کے لیے انتہائی موثر اقدامات کیے۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

حصول علم کی تلقین

نبی کریم ﷺ نے عربوں میں تعلیم کے جذبہ کو پروان چڑھانے کے لیے بطور معلم علم کے حصول کی اہمیت کو جابجا بیان فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی اس بات کی تلقین فرمائی گئی کہ اہل ایمان اپنے گھر والوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا"[1]

مفسر قرآن ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اہل خانہ کو تعلیم و ادب سکھانا ہے[2]۔

آپ نے مسلمان مرد و زن کو علم کے حصول کی تلقین کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ"**[3]

آپ ﷺ نے اپنے ساتھ ساتھ گھر والوں کی تعلیم و تربیت کا بھی حکم دیا: **"علموا اولادکم واهلیکم الخیر وادبوهم"**[4] (اپنی اولاد اور گھر

والوں کو خیر اور نیکی کی تعلیم دو اور انھیں ادب سکھاؤ۔)" آپ ﷺ نے یہ واضح کیا کہ کسی آدمی کے لیے یہ گناہ کافی ہے، کہ وہ اپنی زیر تربیت اولاد کو ضائع کر دے۔ (یعنی اسے علم و ادب سے آراستہ نہ کرے)۔[6] آپ ﷺ نے سربراہان کنبہ کو بھی یہ تلقین فرمائی کہ وہ اپنے اہل و عیال کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیں، کیونکہ ان سے اس حوالے سے باز پرس ہوگی۔"جب حضرت مالک بن الحویرث نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ 20 دن انھوں نے قیام فرمایا تو جب واپس جانے کے لیے اجازت طلب کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَأَقِيمُوا فِيهِمْ، وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا۔"**[7]

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف اہل و عیال کی تعلیم و تربیت کی طرف اصحاب کی توجہ دلائی بلکہ ان کو اس بات کی بھی ترغیب دی کہ وہ اپنے ساتھیوں خصوصاً پڑوسیوں کی تعلیم و تربیت کا بھی خیال رکھیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"مابال اقوام لا یفقھون جیرانھم ولا یعلمونھم ولا یفطنونھم ولا یأمرونھم ولا ینھونھم"[8]

علاوہ ازیں بحکم الٰہی آپ ﷺ نے امت مسلمہ میں سے ایک گروہ کی باقاعدہ ذمہ داری لگائی کہ وہ لوگوں کو تعلیم دیتے رہیں۔:" **وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ**"[9]

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

ومعنی ھذہ الآیۃ: الفرقۃ تخرج الغزو ومن لقی من الفرقۃ یقنون لطلب العلم ویعلمون الغذاۃ اذا رجعوا الیھم من الغزو۔[10]

(اس آیت کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ کے لیے نکلے اور بقیہ گروہ طلب علم میں مگن رہے اور جب جنگ کرنے والا گروہ واپس آجائے تو موخر الذکر اسے تعلیم دے۔)

بعض مفسرین کے نزدیک یہ حکم مستقل نوعیت کا حکم ہے۔ وہ کہتے ہیں:

وھی حکم مستقل بنفسہ فی مشروعیۃ الخروج لطب العلم والفقہ فی الدین[11]

کہ طلب علم اور تفقہ فی الدین کے لیے نکلنا ایک مستقل حکم کا درجہ رکھتا ہے۔

ان احکامات کے نتیجہ میں اہل عرب میں علم کے طلب کی ایسی لگن پیدا ہوئی کہ عرب کے بدوؤں نے میدان علم میں نئے میدان فتح کیے اور دنیا کو نئے علوم و فنون سے روشناس کروایا۔

درسگاہوں کا قیام

حصول علم کے لیے درسگاہوں کا قیام بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نبوت کے نزول کے فوراً بعد سے اہل اسلام کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس کے لیے باقاعدہ درسگاہوں کو قائم کیا۔ مکہ میں دار ارقم مسلمانوں کی درسگاہ قرار پائی۔ مدینہ ہجرت سے پہلے ہی وہاں حضرت مصعب بن عمیر کو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے روانہ فرمایا اور آپ کی آمد سے قبل ہی وہاں کئی درسگاہوں کا ثبوت ملتا ہے۔ جن میں اہم ترین مسجد بنی زریق، مسجد قبا اور نقیع الخضمات میں قائم ہونے والی درسگاہیں ہیں۔[12] مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے مسجد نبوی اور پھر اس میں ایک باقاعدہ درسگاہ صفہ کو قائم کیا۔[13] اس درسگاہ کے سرپرست اور معلم اعلیٰ نبی کریم ﷺ تھے۔[14] اہل صفہ کا آپ کو اس قدر

خیال رہتا تھا کہ آپ ان کو اپنے اہل خانہ پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ درسگاہ صفہ میں بڑی تعداد میں فاضلین تیار ہوئے۔ علامہ شبلی نے 400 تک تعداد بیان کی ہے۔[15] صفہ کے علاوہ بھی ایسے مدارس اور مساجد تھیں جہاں تعلیم دی جاتی تھی، تو مساجد ایسی تھیں جہاں تعلیم کا انتظام تھا۔[16] اس طرح مسجد قبا میں بھی ایک مدرسہ تھا جس کی نگرانی آپ ﷺ خود فرماتے تھے۔[17]

معلمین کی تیاری

آنحضور ﷺ نے جہاں عمومی تعلیم کے لیے جدوجہد فرمائی وہیں آپؐ نے صحابہ میں متخصصین کی ایک ٹیم بھی تیار کر دی تاکہ یہ لوگ سلسلہ تعلیم کو جاری رکھ سکیں۔ آپؐ نے مختلف علوم کے ماہرین تیار کیے۔ قرآن مجید کی قرات و تجوید کے لیے آپؐ نے حضرت ابی بن کعب، حضرت علی، معاذ بن جبل اور سالم مولی ابی حذیفہ کو تیار فرمایا۔ ان چاروں کے تخصص کے بارے میں آپؐ نے مختلف اوقات میں توثیق فرمائی۔ حضرت ابی کے بارے میں فرمایا: **اقرھم ابی ابن کعب**[18]

حضرت علی قرات، تفسیر اور علم القضاء کے منصب پر فائز تھے اور ان علوم میں انھیں درجہ اختصاص حاصل تھا۔ حضرت عبدالرحمن السلمی کہتے ہیں:

ما رایت احدا کان اقرا من علی[19] (میں نے حضرت علی سے زیادہ بہتر کوئی قاری نہیں دیکھا۔)

جہاں تک آپ کے علم قضاء کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں علقمہ حضرت ابن عباس کے حوالے سے کہتے ہیں:

"کنا نتحدث ان من اقضی اھل المدینۃ علی"[20]

یہی رائے حضرت عمر کی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں: **اقضانا علی واقرءنا ابی**[21] حضرت عبد اللہ بن عباس تفسیر قرآن کے ماہر تھے۔ عکرمہ کہتے ہیں: **کان ابن عباس اعلمھا بالقرآن**[22] آنحضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کو تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے لیے تیار کیا۔ حضرت عمر فاروق نے آپؓ کے بارے میں رائے دی: **کنیف ملئی علما اثرت به اھل القادسیة**[23] برتن ہے علم سے بڑا ہوا میں نے اسے اپنے مقابلے میں اہل قادسیہ کے لیے ترجیح دی ہے۔ وراثت کی تعلیم اور علم الفرائض کے لئے آپؐ نے زید بن ثابت کو تیار کیا اور وہ اس علم میں تخصص کے درجہ پر فائز ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت زید کے بارے میں فرمایا: **أَفْرَضُ أُمَّتِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ**[24] حضرت معاذ بن جبل علم حلال و حرام کے حوالے سے درجہ تخصص پر فائز تھے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: **وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ**[25] یہ ہیں وہ متخصصین فی العلم صحابہ جنھوں نے آنحضور ﷺ کی برپا کردہ علمی تحریک کو آگے بڑھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ روم و ایران میں بھی اسلامی علوم و فنون کی دھاک بیٹھ گئی۔ اسلامی علوم و فنون کا یہ سورج ایک ہزار سال تک پوری آب و تاب کے ساتھ روشنی بکھیرتا رہا۔

ہم نصابی سرگرمیاں

قرآن و سنت و دیگر علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت کے لیے ہم نصابی اور تفریحی سرگرمیوں کو بھی یقینی بنایا۔ آپ ﷺ بنفس نفیس ایسی سرگرمیوں میں مشغول رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے ارشاد فرمایا: **فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا**۔[26] ایسی سرگرمیاں ذہنی و جسمانی نشو و نما قرار دی گئیں۔[27] آپ ﷺ کی زیر نگرانی وجود پذیر ہونے والی ہم نصابی اور تفریحی سرگرمیاں کچھ یوں تھیں:

1۔ خطابت

خطابت اظہار مدعا کا ایک بہت عمدہ ذریعہ ہے۔ آنحضور ﷺ بسا اوقات اپنی موجودگی میں صحابہ کرام کو خطبہ دینے کا حکم دیا کرتے

تھے۔ جس سے ان میں ملکہ خطابت پیدا ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ مختصر خطبات کو پسند فرماتے تھے، اور ایسے صحابہ کرام کی تحسین فرماتے جو مختصر مگر جامع گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک ہی مجلس میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور دیگر اشخاص کو خطبہ دینے کا حکم فرمایا، اور آخر میں حضرت عبد اللہ کی تحسین فرمائی۔[28]

2۔ المسابقت دوڑیں Races

دوڑنا ایک بہت اچھی ورزش ہے اس کی وجہ سے جسمانی صلاحیتوں کی نشو و نما ہوتی ہے۔ آپ ؐ نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام اس سرگرمی میں مشغول ہوں۔[29] حضرت عبد اللہ بن حارث ایک ایسے ہی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُفُّ عَبْدَ اللهِ ، وَعُبَيْدَ اللهِ وَكَثِيرًا مِن بَنِي الْعَبَّاسِ، ثُمَّ يَقُولُ" مَنْ سَبَقَ إِلَيَّ، فَلَهُ كَذَا وَكَذَا[30]

3۔ المصارعت wrestling

یہ آپ ﷺ کا پسندیدہ کھیل تھا۔ آپ ؐ نہ صرف کشتیاں دیکھتے بلکہ کشتیوں کے مقابلے بھی کرواتے تھے اور بعض اوقات اس میں خود بھی حصہ لیتے تھے۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ؐ نے عرب کے نامور پہلوان رکانہ کو کشتی میں تین بار ہرایا تھا۔[31]

4۔ گھڑ سواری، تیر اندازی اور تیراکی

سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے صحابہ کرام کو جن غیر نصابی سرگرمیوں میں شرکت کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی، ان میں تیر اندازی، گھڑ سواری اور تیراکی شامل تھی۔ ان سرگرمیوں میں مشغولیت نہ صرف صحت و تندرستی کا باعث بنتی ہے بلکہ حربی قوت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "**علموا اولادكم السباحة والرماية وركوب الخيل**"[32]

سعد بن ابی وقاص سے مروی ایک اور روایت میں بیان ہوتا ہے:

"**عليكم بالرمي فانه خير لهو كم**"[33]

آپ ﷺ کی اس سنت کو خلفاء راشدین نے بھی اپنے ادوار میں جاری رکھا۔ حضرت عمر نے سرکاری سطح پر حکم نامہ جاری کیا جس کے الفاظ تھے:

علموا اولادكم السباحة الرماية ومروهم فليثبوا على الخيل وثبا[34]

(کہ اپنی اولاد کو تیراکی اور تیر اندازی سکھاؤ اور انھیں گھوڑوں کی پیٹھوں پر اچھلنا سکھاؤ۔)

5۔ ادب وشاعری

ادب وشاعری عربوں کا خاصہ تھی جس کا آپ ﷺ نے بھی اہتمام فرمایا۔ روایات میں آپ ؐ کے ایسی مجالس میں شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ جابر بن سمرۃ کہتے ہیں:

جَالَسْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ فَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ فَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ۔[35]

عورتوں کی تعلیم کا خصوصی اہتمام

عورتوں کے لیے نبی کریم ﷺ نے تعلیم کے خصوصی اقدامات فرمائے۔ آپ ؐ نے ان عورتوں کی تعلیم کو لازم قرار دیا جن میں خواتین

کے احکامات ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"إِنَّ اللَّهَ خَتَمَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ أُعْطِيتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوهُنَّ وَعَلِّمُوهُنَّ نِسَائَكُمْ فَإِنَّهُمَا صَلَاةٌ وَقُرْآنٌ وَدُعَاءٌ"[36]

آپ ﷺ کی اس سنت کو جاری رکھتے ہوئے حضرت عمر فاروق نے باقاعدہ حکم جاری فرمایا: علموا النساء کم سورة النور[37] حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے:

"عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ (آپ ﷺ سے فائدہ اٹھانے میں) مرد ہم سے آگے بڑھ گئے ہیں، اس لیے آپ اپنی طرف سے ہمارے (وعظ کے) لیے (بھی) کوئی دن خاص فرما دیں۔ تو آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا۔ اس دن عورتوں سے آپ نے ملاقات کی اور انھیں وعظ فرمایا اور (مناسب) احکام سنائے۔"[38]

علاوہ ازیں آپؐ کی ازواج مطہرات عورتوں کی تعلیم کا اہم ذریعہ بن گئیں۔ خاص طور پر حضرت عائشہ نے عورتوں کی تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ آپؓ کے بارے میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خذوا نصف دینکم عن الحمیراء وفی روایة ثلثی دینکم۔[39]

حضرت عائشہ کا علمی فیض نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں پر بھی جاری رہا۔ امام ذہبی مسروق کا قول تحریر کرتے ہیں:

واللہ لقد رایت الاحبار من الصحابة یسئلونها عن الفرائض[40]

فقہاء عورتوں کی تعلیم حاصل کرنے کو اس کا بنیادی حق تصور کرتے ہیں۔ ابن الحاج فرماتے ہیں:

"لوجب علی الحاکم جبرہ علی ذالک کما یجبرہ علی حقوقها الدینویة"[41]

تشکیل وفود برائے توسیع واستحکام تعلیم

جب مملکت اسلامیہ رفتہ رفتہ وسعت پذیر ہوئی اور خانہ بدوش (عرب) بدوؤں بلکہ شہروں میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرنے والے عربوں نے بھی اسلام قبول کرنا شروع کر دیا، تو وقت کی ایک اہم ضرورت یہ تھی کہ ایک وسیع تعلیمی نظام قائم ہو جو دس لاکھ مربع میل کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ چنانچہ اشاعت و توسیع تعلیم کے لیے معلم اعظمؐ نے دو طریقے اختیار فرمائے، ایک ہنگامی، عارضی اور قلیل المیعاد جبکہ دوسرا مستقل اور طویل المعیاد۔

قلیل المیعاد تدریس:

لوگوں کو ایسے مواقع فراہم کیے گئے جن میں وہ مدینہ میں کچھ عرصہ قیام کے دوران ضروری عقائد اور فقہ کے مسائل سیکھ لیتے، اور پھر واپس اپنے علاقے میں جاکر لوگوں کو ان کی تعلیم دیتے۔ مثلاً مالک بن الحویرث جب سفارت لے کر آئے، تو مدینہ میں بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی اور اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔[42] اسی طرح بہراء کا وفد مدینہ آیا کچھ عرصہ قیام کر کے علم حاصل کیا۔ یہ تیرہ (13) اشخاص پر مشتمل وفد تھا۔[43] فروہ بن مسیک المرادی بھی ایک وفد کے ہمراہ جب مدینہ آئے تو سعد بن عبادہ کے ہاں قیام کیا۔ آپؐ انھیں قرآن، فرائض اور شرائع کی تعلیم دیتے تھے۔[44] اسی طرح وفد عامر بھی تھا جو دس افراد پر مشتمل تھا، انھیں آپ ﷺ کے حکم سے اسلام کی تعلیم دی گئی۔ آپ ﷺ نے ابی بن کعب کو اس وفد کو قرآن کی تعلیم دینے کا حکم دیا، تعلیم مکمل ہونے پر انھیں واپس جانے کی اجازت دی گئی۔[45] نبوت کے

دسویں سال خولان سے بھی ایک وفد آیا۔ یہ دس افراد پر مشتمل تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں فرائض دین کی تعلیم دی، اور انھیں وعدے کی پابندی اور امانت کی پاسداری اور ہمسائے سے حسن سلوک کا حکم دیا اور یہ کہ وہ ظلم نہ کریں۔ پھر آپ نے انھیں گھر جانے کی اجازت دی۔[46]

طویل المیعاد تدریس

آپ ﷺ نے صفہ کی باقاعدہ درسگاہ قائم کی، جہاں آپ ﷺ خود اور آپ کے مقرر کردہ معلمین باقاعدہ درس و تدریس کا فریضہ سر انجام دیتے تھے۔ صفہ نبوی کی تعلیم سے استفادہ کرنے اور مرکز اسلام میں رہائش اختیار کرنے کے لیے آپ ﷺ نے دور دراز کے لوگوں کو ترغیب دی۔ اس طرح بہت سے لوگ اپنے خاندان سمیت مدینہ میں رہائش پذیر ہوگئے۔ یہ ہجرت مستقل بنیادوں پر بھی ہوتی تھی اور عارضی بھی۔ جب حضرت واثلہ بن الاسقع اسلام لائے تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: اتھاجر؟ کیا تم ہجرت کرنا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں پھر آپ ﷺ نے سوال کیا: **ھجرۃ البادی او ھجرۃ الباقی؟** واثلہ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ کون سی ہجرت بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہجرت الباقی۔ ہجرت باقی یہ ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (مدینہ) میں قیام پذیر رہو، اور ہجرت بادی یہ ہے کہ تم بادیہ (اپنے گھر) لوٹ جاؤ۔[47] اس بنا پر عرب کے بہت سے خاندان ہجرت کرکے مدینہ چلے آتے تھے۔ چنانچہ ابوموسی اشعری اپنے ساتھ اسی (80) اشخاص لے کر مدینہ آئے اور مدینہ آباد ہوئے۔[48] صاحب مشکل آلاثار لکھتے ہیں:

"ان البیعۃ من المھاجر توجب الاقامۃ عندہ ﷺ لیصرف فیما یصرفہ من امور الاسلام بخلاف البیعۃ الاعرابیۃ۔"[49]

(یعنی بیعت ہجرت کی صورت میں آپ کے پاس اقامت ضروری ہوجاتی تھی، تاکہ آپ ان (بیعت کرنے والوں) کو اسلامی امور میں لگائیں، بخلاف بیعت اعرابیہ کے۔)

جوں جوں سلطنت اسلامیہ کی حدود وسیع ہو رہی تھیں اور زیادہ سے زیادہ لوگ مائل بہ اسلام ہو رہے تھے، ان کی تعلیم و تربیت کے لیے معلمین کی ضرورت تھی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے نبی کریم ﷺ نے تربیت یافتہ صحابہ کرام کو اسلامی سلطنت کے مختلف علاقوں میں تعینات فرمایا کہ وہ وہاں کے لوگوں کی تعلیمی ضروریات کو پورا کریں۔ چنانچہ یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام آپ نے جو ہدایت نامہ جاری فرمایا اس میں درج تھا کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ اور علوم اسلامیہ کا بندوبست کریں۔[50]

آپ ﷺ نے اس فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بہت سے وفود تیار کیے۔ جنھوں نے مختلف علاقوں میں جاکر نومسلموں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ یہ وفود یا تو آپ ﷺ نے خود ارسال کیے یا مختلف قبائل کے طلب کرنے پر بھیجے گئے۔ چنانچہ عضل و قارہ کے لوگ باقاعدہ معلمین طلب کرنے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ جو آدمی بھیجے ان میں مرثد بن ابی مرثد، حلیف حمزہ بن عبد المطلب بھی تھے۔[51] اسی طرح یمن کے لوگوں کے طلب کرنے پر حضرت علیؓ کو ان کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ انھیں سنن کی تعلیم دیں، اور کتاب اللہ کے مطابق ان کے درمیان فیصلے کریں۔[52] یمن ایک وسیع علاقہ تھا جہاں کی تعلیمی ضروریات اس بات کی متقاضی تھیں کہ مزید معلمین بھیجے جائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے دو نامور معلم حضرت عمرو بن حزم اور حضرت معاذ بن جبل کو بھی اہل یمن کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو یمن روانہ کرتے وقت باقاعدہ تحریر نامہ بھی جاری کیا۔[53] ابو الحلیم نے حلیہ میں تحریر کیا ہے۔ **ان رسول اللہ ﷺ بعث معاذا وابا موسی الی الیمن وامرھما ان یعلما الناس القرآن۔**[54]

بنی الحارث بن کعب کے قبیلہ کو تعلیم دینے کے لیے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا گیا۔ جبکہ قبیلہ قیس کی طرف آپ ﷺ نے حضرت

عمار کو بھیجا، تاکہ انھیں شریعت کی تعلیم دی جاسکے۔[55] جب قبیلہ بنی ثقیف نے اسلام قبول کیا تو آنحضور ﷺ نے ان پر حضرت عثمان بن ابی العاص کو تعلیم دینے کے لیے مقرر فرمایا۔[56] آپؐ کے اتنے بڑے پیمانے پر تعلیمی وفود بھیجنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کس سرعت کے ساتھ اور کس منصوبہ بندی کے تحت ناخواندگی پر قابو پایا، لوگوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا اور ان میں علمی بیداری پیدا کر دی۔ آپؐ نے فوجی دستوں کے ساتھ بھی معلمین بھیجے، تاکہ ایک طرف مجاہدین، تعلیم کا سلسلہ سفر میں جاری رکھ سکیں اور دوسری طرف جو لوگ اسلام قبول کریں انھیں تعلیم دیں۔

پاکستان کا ریاستی تعلیمی نظام

کسی بھی ریاست کی طرح پاکستان کے لیے بھی تعلیمی نظام کی اہمیت مسلم ہے۔ ایک منظم و موثر تعلیمی نظام اور بلند شرح خواندگی ان عوامل میں سے ہے جو ریاست کی تعمیر و ترقی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ ریاست پاکستان کا استحکام و فلاح یقینی طور پر ایک ایسے تعلیمی نظام میں مضمر ہے جو ہمارے حال اور مستقبل کی ضرورتوں کو کماحقہ پورا کرسکے۔ ایسا تعلیمی نظام یقینی طور پر سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی کا متقاضی ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ریاستی تعلیمی نظام کی تشکیل کے حوالے سے ان اہم نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو سیرت النبی ﷺ سے ماخوذ ہیں اور ایک کامیاب ریاستی تعلیمی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔

ریاستی سرپرستی

تعلیمی نظام کی کامیابی کے لیے سب سے اہم کردار ریاست کی سرپرستی ادا کرتی ہے۔ پاکستان کے تعلیمی نظام کو ریاستی سرپرستی حاصل ہونی چاہیے۔ اگر تعلیمی نظام کو ریاست کی سرپرستی سے محروم کر دیا جائے تو پھر اس کی ناؤ کوئی سمت متعین ہو سکتی ہے اور نہ ہی مطلوبہ فوائد کا حصول ممکن رہتا ہے۔ تعلیمی نظام کی ریاستی سرپرستی کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ اسے ریاست کے زیر نگرانی تشکیل دیا جائے۔ بطور سربراہ ریاست نبی کریم ﷺ نے اپنی سرپرستی میں تعلیمی سرگرمیوں کا انعقاد کیا۔ صفہ جیسی اہم درسگاہ جس نے عرب کے طول و عرض میں تعلیم و تربیت کی شمع جلانے میں اہم کردار ادا کیا، نبی کریم ﷺ کی زیر سرپرستی تھی۔ اس میں مستقل اقامت اختیار کرنے والے افراد کے نان و نفقہ کا بندوبست اور ان کی تعلیم و تربیت براہ راست آپؐ کی نگرانی میں تشکیل پاتی تھی۔[57] عرب کے مختلف علاقوں میں قبائل کی تعلیم و تربیت کے لیے بطور معلمین صحابہ کرام کا انتخاب خود فرمایا کرتے تھے۔[58] ریاست کے طول و عرض میں تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کی نگرانی بھی سربراہ ریاست کی ذمہ داری تھی۔ نبی کریم ﷺ نے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظم تعلیمات بھی مقرر فرمایا جس کا کام یہ تھا کہ وہ مختلف اضلاع میں دورہ کرے اور وہاں کی تعلیمی سرگرمیوں اور درسگاہوں کی نگرانی کرے۔[59]

تعلیمی نظام کی ریاستی سرپرستی کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ ریاست ترجیحی بنیادوں پر ایسے اقدامات کرے جس سے تعلیم کو فروغ حاصل ہو۔ ان اقدامات میں سرفہرست تعلیمی اداروں کا قیام اور ان میں سہولیات کی فراہمی ہے۔ سیرت مطہرہ ﷺ کا جائزہ لینے سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے، کہ تعلیم کے فروغ کے لیے کیے جانے والے اقدامات کو ریاستی امور میں ترجیح حاصل تھی۔ مدینہ ہجرت کے بعد آپؐ نے ترجیحی بنیادوں پر مسجد نبوی ﷺ کو تعمیر کیا، اور پھر اس میں مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے نہ صرف روزانہ کی بنیادوں پر تدریسی سرگرمیوں کا انعقاد کیا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ایک حصہ کو تعلیم کے حصول کے لیے مستقل بنیادوں پر مخصوص کر دیا۔ اہل صفہ کی ضروریات کی تکمیل کو آپ ﷺ نے دیگر معاملات یہاں تک کہ اہل بیت پر بھی ترجیح دی۔ حضرت فاطمہ کو خادمہ کی ضرورت تھی مگر آپ نے ان پر اہل صفہ کی ضروریات کو مقدم جانا۔[60] صفہ جیسی باقاعدہ درسگاہ کا قیام تو ہجرت مدینہ کے بعد عمل میں آیا، مگر مکہ میں قیام کے دوران بھی آپ ﷺ اس اہم

فریضہ سے غافل نہ تھے۔ مکہ میں دار ارقم کو ایک مستقل درسگاہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ صحابہ کرام اور رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں جمع ہوتے اور آپ ﷺ ان کو قرآن اور دین کی تعلیم دیا کرتے تھے۔[61] ان میں تعلیم حاصل کرنے والے مستحقین صحابہ کرام کے قیام وطعام کی ذمہ داری نبی کریم ﷺ نے اہل ثروت صحابہ کرام کو سونپی ہوئی تھی۔[62]

ہجرت سے تقریباً دو سال قبل مدینہ میں درسگاہوں کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ ان میں سے تین درسگاہوں نے مستقل حیثیت اختیار کر لی تھی۔ جن میں سے پہلی درسگاہ حضرت رافع بن مالک کے زیر نگرانی مسجد بنی زریق میں موجود تھی۔[63] دوسری درسگاہ مدینہ کے جنوب میں تھوڑے فاصلے پر مسجد قبا میں تیار ہوئی۔[64] اور تیسری درسگاہ مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر شمال میں نقیع الخضمات نامی علاقہ میں تھی، جس کے معلم حضرت مصعب بن عمیر تھے۔[65] جہاں ان درسگاہوں میں تدریس کے لیے دیگر صحابہ کرام کا تقرر کیا گیا تھا، وہیں آپ ﷺ خود بھی اس عمل میں شریک رہتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی زیر سرپرستی مسجد نبوی میں علمی مجلسوں کا باقاعدہ انعقاد ہوتا تھا۔[66] آپ ﷺ چاہتے تھے کہ ایسی علمی مجالس کے فیض سے کوئی محروم نہ رہنے پائے۔ اس بنا پر جو شخص ان مجالس میں آ کر واپس چلے جاتے ان پر آپ ﷺ نہایت ناراض ہوتے۔[67]

ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں میں تعلیم کے لیے آگہی اور شعور کو اجاگر کریں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعے لوگوں میں حصول علم کی خواہش کو بیدار کیا۔ آپ نے علم کو ایک مقدس فریضہ قرار دیا۔[68] اور اس کے حصول کو آپ نے تعلیم و تربیت کو عمر کی قید سے آزاد فرما دیا۔ اہل ایمان کو صراحتاً یہ حکم دیا گیا کہ وہ نہ صرف خود تعلیم حاصل کریں، بلکہ اہل وعیال کی تعلیم کا بھی انتظام کریں۔[69] حصول علم کو آپ ﷺ دیگر اعمال پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ مجلس ذکر اور مجلس علم کے بارے میں آپ نے فرمایا:

كُلٌّ عَلَى خَيْرٍ هَؤُلَاءِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ وَيَدْعُونَ اللَّهَ فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَهَؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُونَ وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فَجَلَسَ مَعَهُمْ[70]

الغرض یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ریاست کے تعلیمی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اسے اپنی زیر نگرانی تشکیل دے، اس کی ترجیحات میں عوام الناس کی تعلیم و تربیت کو شامل ہونا چاہیے۔ جس کی خاطر نہ صرف لوگوں میں تعلیم کے حصول کے حوالے سے شعور و آگہی پیدا کی جانی چاہیے بلکہ تعلیمی اداروں کو ترجیحی بنیادوں پر قائم کر کے ان کی سرپرستی کرتے ہوئے انھیں ضروری تعلیمی سہولیات بھی فراہم کی جانی چاہئیں۔

ریاستی نظام تعلیم کی اساس اور مقاصد

اسلام میں تعلیم و تربیت کے عمل کو مخصوص اور ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ تاکہ نہ صرف علوم و معارف کی اہمیت واضح ہو جائے، بلکہ ان بنیادوں پر عمل کر کے مسلمان قوم کی ایک عظیم اور دیرپا تہذیب کی بنیاد رکھی جا سکے۔ اور اس سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کی فکر و نظر میں اسلامی شعائر مضبوط ہوں۔ اور ان کا انداز فکر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انسانیت اور انسانی معاشرہ کے لیے تعمیری ہو۔[71] اس لیے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کی اساس جن چیزوں پر رکھی گئی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں:

"عہد رسالت میں تعلیمات کی بنیاد "الکتاب" پر رکھی گئی۔ اس "الکتاب" نے جزیرۃ العرب میں بعد ازاں پورے عالم میں ایک فکری انقلاب کی بنیاد رکھ دی تھی۔ جس کے اثرات مشرق و مغرب میں ہر زمانے میں محسوس کیے گئے۔ عہد رسالت کا نظام تعلیم لازمی طور پر قرآن مجید فرقان حمید ہی کے تابع تھا۔۔۔ معلوم رہے کہ اس ضمن میں پالیسی یہ تھی کہ مسلمان صرف وحی اور قرآن کی جانب متوجہ رہیں، تاکہ نزول وحی مسلمانوں کی سوچ، فکر، کردار اور شخصیت کو خاص سانچے میں ڈھال دے۔ اس پالیسی پر مکہ کے تیرہ (13) سالہ قیام کے دوران اور ہجرت مدینہ کے بعد ابتدائی چند سالوں تک عمل رہا۔"[72]

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں وحی الٰہی اور قرآن مجید کو اسلامی نظام تعلیم کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ تاہم دینوی علوم و معارف کی افادیت سے بھی انکار نہیں ہے، کیونکہ بعد ازاں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو عبرانی و دیگر زبانوں کے سیکھنے کی بھی تلقین فرمائی۔ ان علوم کی تحصیل کی اسلام میں برابر تلقین کی گئی ہے، جس سے نہ صرف انسان میں مثبت اور تعمیری انداز فکر پیدا ہوتا ہے، بلکہ مادی زندگی کو بطریق احسن گزارنے اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے بھی مواقع موجود ہوتے ہیں۔[73] الغرض اسلامی تعلیمات اور سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کے درج ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

1۔ **معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول:** خالق کائنات، جس نے اس ساری کائنات کو پیدا فرمایا، انسان کو رنگینی کائنات کا اہم جزو بنایا اور تمام ارضی مخلوقات پر اس کو شرف بخشا۔ اس کو عقل و شعور کی دولت ودیعت فرمائی۔ اس خداداد دولت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کو پہچانے تاکہ اس کا عرفان اور رضا حاصل ہو سکے۔[74] لہٰذا اسلامی نظام تعلیم کا اولین مقصد معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

2۔ **ملت بیضاء کی تربیت:** اسلامی نظام تعلیم کا دوسرا بڑا مقصد ایک ایسی ملت کی بنیاد رکھنا اور اس کی عملی تربیت کرنا ہے جو وحدت فکر انسانی کو قائم رکھتی ہو اور خیر کی مسلسل اشاعت و تبلیغ کی ذمہ داری قبول کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ**[75]

3۔ **تعمیر انسانیت:** اسلام کا مقصد ایسی عالمگیر تہذیب کی بنیاد ڈالنا ہے جس کے اندر بلا تخصیص نسل و قوم تمام انسانوں کی تعمیر کا سامان موجود ہو، اور ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے اعمال و عقائد، اخلاق و اطوار اور اس کے حقوق و فرائض غرضیکہ ہر پہلو کی تربیت مقصود ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط اسلامی تعلیمی نظام کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسانیت کی ایسی تعمیر نو کی جائے، جس سے مخلوق اللہ سے محبت و شفقت اور رواداری جیسی صفات پیدا ہو سکیں۔ تاکہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جا سکے جو ہر لحاظ سے پر امن بقائے باہمی کے اصول کو اپنا کر ایک خوشحال زندگی گزار سکے۔

4۔ **عقیدہ آخرت:** اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کو دنیا کی زندگی میں آخرت کے لیے تیار کیا جائے۔ انسان کو اگر خالق کائنات نے اختیارات سے نوازا ہے تو اس پر مطلوبہ اعمال و کردار کی ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے۔ عقیدہ آخرت کی وضاحت فرماتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"عقیدہ آخرت کے سوا کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جو اس دنیا میں انسان کو راہ راست پر قائم رکھنے کی ضامن ہو سکتی ہو۔ اگر کوئی شخص یہ نہ مانتا ہو کہ اسے مر کر دوبارہ اٹھنا ہے، اپنے خدا کے حضور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے تو وہ لازماً گمراہ اور بدراہ ہو کر رہے گا۔"[76]

عقیدہ آخرت سے انسان کے دل میں اپنی ذمہ داریوں کے احتساب کا جو احساس پیدا ہوتا ہے، اس سے معاشرے میں ایک توازن پیدا ہوتا ہے اور امن برقرار رہتا ہے۔ ریاستی تعلیمی نظام کی تشکیل میں مندرجہ بالا عوامل کو جو اسلامی تعلیمی نظام کی اساس کی حیثیت رکھتے ہیں، مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان اساسات کی بنیاد پر جو نظام تعلیم تشکیل پائے گا، وہ ہماری ضروریات کی تکمیل اور ہمارے تعلیمی مسائل کے حل میں بہت موثر ثابت ہو سکتا۔

نصاب سازی

کسی بھی تعلیمی نظام میں نصاب کی اہمیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہوتی ہے۔ مقاصد سے ہم آہنگ نصاب ہی مطلوبہ نتائج کے حصول کی ضمانت ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست کے نصاب کو اسلامی اقدار کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ نصاب تعلیم ہی کسی قوم کے نظریے، امنگوں اور تہذیب و تمدن کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس سے ملی تشخص کا پتہ چلتا ہے۔ اس کو تیار کرتے ہوئے ہمیں معاشرتی تقاضوں کے ساتھ ساتھ اپنے دین اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نصاب سازی کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"تعلیم و تربیت کا نظام ایک ایسا لباس ہے جس کی قطع و برید قوموں کے قد و قامت، قومی خصائص، آبائی رسوم اور ان کے بلند اقدار اور مقاصد کے مطابق ہونی چاہیے۔ یہ ایسا لباس ہے جس میں ماحول، آب و ہوا اور اس معاشرہ کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ جس میں قوم زندگی گزار رہی ہے۔ ہم مسلمانوں کے لیے تو یہ اور زیادہ ضروری ہے، کہ آخری نبی ﷺ کے لائے ہوئے عقائد اور اس دین کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں جو مسخ و تحریف کی دست درازیوں سے محفوظ رہا اور جس پر انقلاب زمانہ کبھی اثر انداز نہیں ہوئے۔۔۔ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تعلیم و تربیت، طرز تعلیم اور نصاب درس کا لباس اپنے قد و قامت کی ناپ پر تیار کریں۔"[77]

نصاب سازی کی تشکیل کے لیے ضروری ہے کہ اسے امت مسلمہ کے عقائد، زندگی کے نصب العین، مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے۔ اور اس کے تمام اجزاء سے مادیت، خدا سے سرکشی، اخلاقی و روحانی قدروں سے بغاوت کو ختم کیا جائے، اور اس کے بجائے تقویٰ، انابت الی اللہ، آخرت کی اہمیت اور فکر اور پوری انسانیت پر شفقت کی روح اس میں جاری و ساری کر دی جائے، اس مقصد کے لیے زبان و ادب سے لے کر فلسفہ اور علم النفس تک اور علوم عمرانیہ سے لے کر اقتصادیات و معاشیات تک صرف ایک روح پیدا کرنی ہو گی۔[78] جبکہ ریاست پاکستان کے موجودہ تعلیمی نظام خصوصاً نصاب میں ثنویت موجود ہے۔ اسلام میں دین و دنیا میں تفریق کا کوئی تصور موجود نہیں اس لیے مسلمانوں کا نظام تعلیم ہمیشہ ایک رہا ہے، جس میں منقولات (دینی علوم مبنی بر وحی) اور معقولات (دنیوی علوم مبنی بر تجربہ و مشاہدہ) دونوں یک وقت پڑھائے جاتے تھے۔ ان مدارس و جامعات سے فارغ ہونے والے افراد ایسے جامع الصفات ہوتے تھے کہ معاشرے کی دینی، تعلیمی، عدالتی، انتظامی، قانونی، فنی غرض ہر قسم کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ برصغیر میں جب انگریزوں نے مسلمانوں کا نظام تعلیم ختم کر کے انگریزی نظام تعلیم رائج کیا تو مسلمان حصول تعلیم کے حوالے سے دوئی اور ثنویت کا شکار ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد فوری طور پر ایک موحد اور مربوط نظام تعلیم کو قائم کرنے کی ضرورت تھی مگر بد قسمتی سے آج تک ہم اس میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ ڈاکٹر محمد امین لکھتے ہیں:

"حکمرانوں نے عوام کی اشک شوئی کے لیے جدید سکولوں میں عربی و اسلامیات کے کچھ کورس لازمی کر دیئے، لیکن یہ کام اس بددلی، بے ڈھنگے اور ناقص طریقے اور غیر مربوط انداز میں ہوا کہ وہ بالکل غیر موثر ہو کر رہ گیا۔ دوسری طرف دینی تعلیم کے لیے پرائیویٹ سیکٹر میں دینی مدارس کا نظام جاری رہا، جس نے کسی قسم کے جدید علوم اور زبانیں سیکھنے سے انکار کر دیا، اس طرح دوئی اور ثنویت پاکستانی نظام تعلیم کا ایک مستقل روگ بن گئی۔ اسی کا یہ شاخسانہ ہے کہ یہ دونوں نظام تعلیم متوازی دھاروں کی طرح بہتے چلے جا رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں ذہنی انتشار اور فکری ژولیدگی نے جنم لیا ہے۔ جدید تعلیم مسٹر پیدا کر رہی ہے جو ضروری دینی معلومات اور ملی مقاصد و اہداف سے ناواقف ہیں، اور دینی تعلیم ایسے علماء پیدا کر رہی ہے جو جدید معاشرے کی ضروریات اور تحدیات سے نہ تو واقف ہیں اور نہ ان سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"[79]

مسلمانوں کی تعلیمی اصلاح کی ضرورت اس شد و مد کے ساتھ پہلے کبھی محسوس نہیں کی گئی جتنی اب کی جاتی ہے، آئے دن اس موضوع پر اخبارات و رسائل میں تحریروں اور تقریروں میں گفتگوئیں ہوتی رہتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان سب امور کے باوجود مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات کا کوئی خاطر خواہ حل دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے مستقبل کے لیے اپنی تعلیم کا خاکہ مرتب کرتے وقت کبھی اپنی گزشتہ تعلیم کا پورا نظام پیش نظر نہیں رکھا۔ اگر مسلمان اپنی گزشتہ تعلیم کے اس خاکہ کو پیش نظر رکھیں اور پھر اس کی روشنی میں مستقبل کے لیے کوئی نظام تعلیم مرتب کریں تو ان کی بہت سی مشکلات اور بہت سے وساوس و شبہات خود بخود رفع ہو جائیں گی۔[80]

تربیت سازی

ریاستی تعلیمی نظام کی تشکیل میں ایک اور بنیادی عنصر جس کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے وہ "تربیت سازی" ہے۔ بد قسمتی سے ہمارا

موجودہ تعلیمی نظام جس بدحالی کا شکار ہو چکا ہے اس میں اس پہلو کو مدنظر رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہماری تعلیمی حالت یہ ہو چکی ہے کہ ہمارے گریجوایٹ نوکری کے لیے درخواست بھی نہیں لکھ سکتے۔ ہماری یونیورسٹی کی ڈگریوں کو بیرون ملک اہمیت نہیں دی جاتی۔ کم تنخواہوں اور معاشی دباؤ کی وجہ سے تقریباً سو فیصد اساتذہ نے اپنے گھروں میں ٹیوشن سنٹر کھول رکھے ہیں اور زیادہ سے زیادہ آمدنی کے لالچ کی وجہ سے طلبہ استاد کی حقیقی توجہ سے محروم رہتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کوشش یہی ہوتی ہے کہ بچے امتحان پاس کر کے اگلی جماعت میں چلے جائیں، صلاحیتوں کی نمو اور معیار کی بہتری کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ ان سب پر مستزاد امتحانات کا ناقص نظام ہے جس کی بنیاد تفہیم و تجربے کی بجائے رٹے پر ہے۔ جس کی وجہ سے نقل، سفارش اور رشوت کا بازار گرم ہوتا ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر سے تعلق رکھنے والے زیادہ تر افراد کی ذہنیت تاجرانہ ہوتی ہے۔ وہ کم سے کم لاگت میں زیادہ منافع کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ پر توجہ ہوتی ہے۔ کم تعلیم یافتہ اور مجبور افراد کو نہایت قلیل معاوضوں پر نوکری پر رکھ لیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرامؑ اور خصوصاً نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کے مقاصد بعثت اور فرائض نبوت کا ذکر فرماتے ہوئے اس میں تزکیہ و تربیت کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ (15)[81] بلکہ ایسا اسلوب اختیار کیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تعلیم کتاب و حکمت کا اصلی مقصد تزکیہ ہی ہے، گو تعلیم بھی مقصود ہے مگر وہ دراصل اس لیے مطلوب ہے کہ وہ سبب بنتی ہے تزکیہ و تربیت کا۔ ڈاکٹر محمد امین تعلیمی نظام میں تربیت کی اہمیت اور موجودہ صورتحال پر اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک استاد اور ایک تعلیمی ادارے کا اصل کام بچے کی تربیت کرنا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے اکثر اساتذہ کو اس کا احساس نہیں ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا کام بس اتنا ہے کہ جو مضمون پڑھانا ان کی ذمہ داری ہے کلاس میں جا کر وہ پڑھا دیا اور بس فرض ادا ہو گیا۔ کیونکہ اول تو بہت سے اساتذہ باقاعدہ تربیت یافتہ نہیں ہوتے اور جنھوں نے ٹریننگ لی بھی ہوتی ہے، وہ اس چیز کی ٹریننگ لی ہوتی ہے کہ سبق کو کیسے تیار کرنا ہے اور سبق پڑھانے کے اصول اور طریقے کیا ہیں؟ باقی رہی یہ بات کہ بچے کی تربیت کیسے کرنا ہے اور اسے اچھا اور باعمل مسلمان کیسے بنانا ہے؟ یہ نہ انھیں پڑھایا جاتا ہے، نہ اس کی اہمیت بتائی جاتی ہے، نہ ہی اس کے گر سکھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح تعلیمی ادارے بھی اس احساس سے عاری ہوتے ہیں کہ ان کا بنیادی فرض بچوں کی تربیت کرنا اور تعلیمی ادارے میں تربیت کا ماحول پیدا کرنا ہے۔ پاکستان کے تعلیمی اداروں میں اس وقت تربیت کا فقدان ہے۔"[82]

نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں جس تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی اس میں تربیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ مسجد نبوی مسلمانوں کی دینی و اخلاقی تربیت کا سب سے بڑا اور اہم مقام تھی۔ یہ نبی کریم ﷺ کی مسجد تھی، جہاں آپ دن میں پانچ مرتبہ تو لازمی آیا کرتے تھے، نماز پنجگانہ کی ادائیگی کے لیے اور پھر نماز کے بعد وہیں قیام کیا کرتے تھے کہ لوگوں کی تربیت کی جا سکے۔ ان کو پیش آمدہ مختلف مسائل میں ان کی رہنمائی کی جا سکے اور ان کو دینی تعلیم دی جا سکے۔ مسلمانوں کی اس دینی تربیت کے مختلف انداز تھے۔ ان میں سے تعلیم و تربیت کا ایک انداز یہ بھی مروج تھا کہ صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب نماز سے فارغ ہوتے تو حضور اقدس ﷺ کے پاس حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور اکتساب فیض کرتے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہ کی طرف رُخ کر کے جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور ان سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے اور اگر وہ رؤیائے صالحہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی تعبیر کرتے اور اگر وہ کوئی خواب و خیال ہوتا تو کہہ دیتے کہ یہ محض خواب و خیال ہے۔ اسی اثناء میں اگر آپ ﷺ کو کوئی رویا دکھائی دیا ہوتا تو آپ ﷺ اس کو سناتے۔[83]

آپ کی مسلمانوں کی دینی تربیت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جب آپ مسجد نبوی میں جلوہ افروز ہوتے تو اس دوران اگر آپ کے علم میں کوئی غیر معمولی صورت حال آتی تو آپ اسے دریافت فرما کر اس کے بارے میں لوگوں کو رہنمائی مہیا کرتے۔ اسی طرح اگر آپ کچھ ایسا ہوتے دیکھتے

جو شرعاً مناسب نہ ہوتا تو بھی آپ اس کی تصحیح فرماتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص نے درست نماز ادا نہ کی تو آپ نے اس کی اصلاح فرمائی۔[84] اسی طرح آپ ﷺ نے عورتوں کی تربیت کی خاطر مسجد میں بن سنور کر آنے والی عورتوں کو ہدایت کی کہ وہ بناؤ سنگھار کیے بغیر باہر نکلا کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ انْهَوْا نِسَاءَكُمْ عَنْ لُبْسِ الزِّينَةِ وَالتَّبَخْتُرِ فِي الْمَسْجِدِ فَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَمْ يُلْعَنُوا حَتَّى لَبِسَ نِسَاؤُهُمُ الزِّينَةَ وَتَبَخْتَرْنَ فِي الْمَسَاجِدِ[85]

مسجد نبوی میں آپ کی تعلیم و تربیت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بسا اوقات آپ کسی کو انفرادی طور پر بھی کوئی نصیحت فرماتے یا اسے کوئی ایسی بات بتاتے جس کا تعلق دینی عقائد سے ہوتا، اور اس سے لوگوں کے دلوں میں ایمان مزید راسخ اور پختہ ہو جاتا، جیسا کہ حضرت ابو سعید بن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو سبع مثانی کے بارے میں بتایا۔[86]

اسی طرح حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری ابو امامہ کو قرض کی ادائیگی کے کلمات سکھائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔[87]

ابو امامہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری تمام فکریں دور فرما دیں اور میرا تمام قرض ادا کروا دیا۔

پاکستان کے موجودہ حالات کے پس منظر میں دیکھا جائے تو طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تربیت کی بھی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے طلباء کی کثیر تعداد پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہے۔ ان تعلیمی اداروں میں خصوصاً سکولوں کی سطح پر اساتذہ کی بھرتی کے لیے بدقسمتی سے کسی خصوصی معیار کو مد نظر نہیں رکھا جاتا۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں تعلیم کو ایک پر منافع کاروبار کی نظر دیکھا جاتا ہے۔ جس کا لازمی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کم سے کم تنخواہ پر اساتذہ کو بھرتی کیا جائے۔ لہٰذا جو بھی کم تنخواہ پر ملازمت پر راضی ہو جاتا ہے اسے بھرتی کر لیا جاتا ہے۔ ان کی تعلیمی اہلیت و قابلیت اگرچہ اس ملازمت کی اہل نہیں ہوتی۔ سرکاری سکولوں میں پڑھانے والے اساتذہ کے مسائل اس سے مختلف ہیں تاہم تربیت کی ان کو بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں استاد کو وہ مقام حاصل نہیں ہے کہ لوگ اپنی خوشی اور رغبت سے اس مقدس پیشے کو اپنائیں۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے اساتذہ حادثاتی طور پر اس طبقے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا طلباء کے ساتھ ساتھ اساتذہ کرام کی تربیت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ تربیت نہ صرف تدریسی مہارتوں سے متعلق ہونی چاہیے بلکہ اخلاقی بھی ہونی چاہیے۔

ہم نصابی سرگرمیاں

صحت مند و چست جسم ہی تندرست دماغ کا ضامن ہوتا ہے۔ جہاں عہد نبوی کے تعلیمی نظام میں دیگر عوامل پر خصوصی توجہ دی گئی وہیں ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیاں بھی نظام تعلیم و تربیت کا حصہ رہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں کو بھی باقاعدہ بنیادوں پر شامل رکھا۔ شعر و شاعری، تقاریر و وعظ، گھڑ سواری، تیر اندازی، تیراکی، دوڑ اور کشتی کے مقابلے منعقد کروائے جاتے تھے۔ جس میں صحابہ کرام کو شمولیت کی ترغیب دی جاتی تھی۔[88] ہماری ریاستی تعلیمی نظام میں بھی ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت شامل کرنا ہوگا۔

سنت نبوی ﷺ کا جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان سرگرمیوں کو اختیار فرمایا، جس سے انسانی ذہن و جسم کی صلاحیتوں کو

مثبت اور تعمیری انداز میں پروان چڑھایا جاسکے۔ بد قسمتی سے اس وقت ہمارے تعلیمی اداروں میں جس طرح کی غیر نصابی سرگرمیاں فروغ پا رہی ہیں، وہ نہ صرف ہماری دینی اقدار سے مناسبت نہیں رکھتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمارے اخلاق و کردار پر منفی اثرات مرتب کر رہی ہیں۔ تفریح کے نام پر ناچ گانا معمول بن چکا ہے۔ آرٹ کے نام پر بیہودہ ڈرامے تشکیل دیئے جارہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے ہمارے تعلیمی نظام میں ایسی ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کو یقینی بنایا جائے جس سے ہماری نوجوان نسل ملک و قوم کی تعمیری و ترقی کے ساتھ ساتھ اپنی اخلاقی وجسمانی حالت کی تعمیری نشوونما کر سکے۔

تعلیم نسواں

ریاست کے تعلیمی نظام میں تعلیم نسواں کو خاطر خواہ اہمیت دی جانی چاہیے۔ طبقہ نسواں کی تعلیم و تربیت پر اگلی نسل کی تربیت کا دارومدار ہوتا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کی تعلیم کے لیے خصوصی اقدامات فرمائے۔ روایات کے مطابق آپ نے خواتین کی تعلیم وتربیت کے لیے الگ سے وقت اور ایام مقرر کر رکھے تھے۔[89] آپ نے باقاعدہ حکم جاری کیا کہ عورتوں کو تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔[90]

عورتوں کو نماز باجماعت کے ساتھ ساتھ نماز جمعہ میں شریک کیا جاتا تھا، تاکہ وہ مسائل سیکھ سکیں۔ حضرت ام ہشام نے خطبہ جمعہ کے ذریعہ ہی سے سورت ق سیکھی تھی۔ وہ فرماتی ہیں: **ما حفظت ق الا من فی رسول اللہ ﷺ یخطب بھا کل جمعۃ**[91]

عیدین کے موقع پر ان کو خاص تاکید ہوتی تھی کہ وہ عید گاہ میں تشریف لائیں تاکہ عید کے خطبے سے مستفید ہو سکیں۔[92] لہٰذا پاکستان کے تعلیمی نظام کی تشکیل میں تعلیم نسواں کو خصوصی اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ بنیادی اور اعلیٰ دونوں تعلیمی سطحوں پر اس حوالے سے اقدامات کیے جانے چاہئیں۔ لوگوں کے اندر تعلیم نسواں کے حوالے سے نہ صرف شعور اجاگر کیا جائے بلکہ ان کے لیے مخصوص تعلیمی اداروں کا قیام بھی عمل میں لایا جانا چاہیے۔ نصاب سازی میں بھی اس طبقے کی ضروریات کو مد نظر رکھا جانا چاہیے۔

منصوبہ بندی

دنیا کا عظیم ترین انسان اور مدبر اس راز سے یقیناً بے خبر نہ تھا کہ کوئی بھی انقلاب تعلیمی اور ذہنی تغیر بپا کیے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی قوم علمی میدان میں فتوحات حاصل کیے بغیر پائیداری اور استحکام حاصل نہیں کر سکتی۔ اور کوئی بھی حکومت ایک فعال اور جاندار نظام تعلیم استوار کیے بغیر عظمت و رفعت کی منزل کو نہیں پہنچ سکتی۔ اس واسطے رسالت مآب ﷺ نے تعلیمی انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ غالباً بہت پہلے بنالیا تھا۔ مدینہ میں داخل ہونے کے بعد فوراً اس پر عمل شروع کر دیا گیا۔ آپ کی اس تعلیمی منصوبہ بندی کے دور رس نتائج دنیا نے اموی اور عباسی عہد میں دیکھ لیے جن میں علم و حکمت، تحقیق و تدقیق فکر و فلسفہ اور دیگر علوم کے ایسے سوتے پھوٹے جن سے ساری دنیا نے رہنمائی حاصل کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں مدینہ منورہ ایک تعلیمی مرکز بن گیا۔

آپ کی اس تعلیمی منصوبہ بندی کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آپ نے صحابہ کرام کی صلاحیتوں اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے انھیں تیار کیا۔ قرآن مجید کی قرات و تجوید کے لیے آپ نے حضرت ابی بن کعب، حضرت علی، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ کو تیار فرمایا۔ وراثت کی تعلیم اور علم الفرائض کے لئے آپ نے زید بن ثابتؓ کو تیار کیا اور وہ اس علم میں تخصص کے درجہ پر فائز ہوئے۔[93]
قضا کے لیے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا گیا۔[94] حضرت معاذ بن جبلؓ کو حلال و حرام کے حوالے سے درجہ تخصص پر فائز کیا گیا۔[95] آنحضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو تفسیر قرآن اور علوم قرآن کے لیے تیار کیا۔[96] قرات میں حضرت ابی بن کعبؓ کو مہارت حاصل تھی۔[97]

عصر حاضر میں آبادی کے بڑھنے اور وسائل کی کمیابی کی وجہ سے منصوبہ بندی کی ضرورت اور زیادہ بڑھ چکی ہے۔ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے گزشتہ کچھ سالوں میں اس کے معاشی مسائل بہت بڑھ چکے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ریاستی تعلیمی نظام کی منصوبہ بندی بہت اہمیت کی حامل ہو چکی ہے۔ یہ منصوبہ بندی نہ صرف تعلیمی اداروں کے قیام، نصاب سازی، تعلیمی سہولتوں کی فراہمی، امتحانی نظام، نظام تربیت، غیر نصابی سرگرمیوں اور وسائل کے درست استعمال کے حوالے سے ہونی چاہیے، بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کن شعبوں میں ماہرین کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر منصوبہ بندی کے تحت تعلیمی اداروں میں ایسے شعبہ جات کو نہ صرف تشکیل دیا جائے، بلکہ ضرورت کے مطابق طلباء کو داخلہ دیا جائے۔ لائق اور ذہین افراد کے لیے وظائف مقرر کیے جائیں اور ان کی کفالت کا بندوبست کیا جائے تاکہ ہمارے زرخیز دماغ بالمیچہ غیر کی آبیاری کے لیے استعمال نہ ہو سکیں۔ عہد نبوی ﷺ میں جو لوگ حصول علم کے لیے خود کو وقف کر دیا کرتے تھے ان کا قیام صفہ میں ہوتا تھا اور ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری ریاست کی ہوتی تھی۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے ستر اہل صفہ کو دیکھا، کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ ان کے بدن پر چادریں نہ ہوتی تھی۔[98] ہمہ وقت حصول علم میں مصروف رہنے کی وجہ سے محتاجی کا یہ عالم تھا کہ کھانے کے لیے کچھ نہ ملتا، اور نبی پاک ﷺ صحابہ کرام کی ذمہ داری لگاتے کہ وہ ان کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کریں۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ صفہ والے لوگ محتاج تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ تین صفہ کے ساتھیوں کو کھانا کھلانے کے لیے لے جائے، اور جس آدمی کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ پانچویں یا چھٹے کو بھی لے جائے۔[99] الغرض پاکستان کے تعلیمی نظام کی تشکیل کے لیے منصوبہ بندی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ منصوبہ بندی کے تحت قائم کیا جانے والا تعلیمی نظام ہی مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

نتائج بحث

- نبی کریم ﷺ نے تعلیم کی اشاعت و توسیع کو ہمیشہ ترجیح دی۔ آپ کے قائم کردہ تعلیمی نظام کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کی حیات مبارکہ میں ہی اسلامی ریاست کی شرح خواندگی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔ آپ نے مختلف شعبہ کے ماہرین صحابہ کرامؓ کو تیار کر کے عرب کے طول و عرض میں بھیجا تاکہ وہ توسیع و اشاعت علم میں بھرپور کردار ادا کر سکیں۔ آپ نے رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہم نصابی اور تفریحی سرگرمیوں کی بھی سرپرستی کی۔ مستقل درسگاہوں کو قائم کیا اور صحابہ کرام کی تربیت پر خصوصی توجہ مرکوز کی۔ یہاں تک کہ طبقہ نسواں بھی اس حوالے سے آپ کی شفقت سے محروم نہیں رہا۔ آپ نے خواتین کی تعلیم کے لیے باقاعدہ ہفتہ میں ایک دن مقرر کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے ازواج مطہرات کے ذریعے عورتوں پر تعلیم کے دروازے کھول دیے۔ تعلیم کی اس بیداری کی وجہ سے دور نبویؐ اور دور مابعد میں بڑی بڑی محدثات پیدا ہوئیں جن کے حلقہ درس میں خواتین کے علاوہ مرد بھی شامل تھے۔ آپ نے نسل نو کی تعلیم و تربیت کا بھی خصوصی انتظام کیا۔ نظری تعلیم کے علاوہ ان کے لیے کھیل کود اور دیگر ہم نصابی سرگرمیوں کا اہتمام فرمایا۔
- پاکستان کے تعلیمی نظام کو نظریہ پاکستان، ہماری تہذیبی و دینی اقدار سے ہم آہنگ کرنے کے اور ملکی استحکام و فلاح و بہبود کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی بنیاد سیرت النبی ﷺ سے حاصل ہونے والی رہنمائی پر رکھی جائے۔
- تعلیمی نظام کو ریاستی سرپرستی حاصل ہونی چاہیے۔ اس سرپرستی کا تقاضا ہے کہ اس کو حکومت کی براہ راست نگرانی میں تشکیل دیا جائے۔ ترجیحی بنیادوں پر تعلیمی اداروں کے قیام اور ان کو سہولیات پہنچانے کے لیے کوششیں کی جانی چاہئیں۔
- تعلیمی نظام کی اساس اسلامی کی بنیادی اقدار ہونی چاہئیں۔ ان اقدار میں معرفت اور رضائے الٰہی کا حصول، تعمیر انسانیت، ملت کی تربیت اور

خوف الٰہی و خوف آخرت شامل ہیں۔ ریاست کے تعلیمی نظام میں نصاب کو ریاست کی اقدار کا آئینہ دار ہونا چاہیے اور تعلیمی نظام کی اساس اور بنیادی مقاصد سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔ اس میں ہمارے موجودہ تعلیمی نظام میں پائی جانے والی ثنویت کو ختم کرنے یا محدود کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

- ریاستی تعلیمی نظام میں طلباء کی تربیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت کے لیے خصوصی اقدامات کیے۔ آپ روزانہ کی بنیادوں پر صحابہ کرامؓ کی تربیت کے لیے وقت مختص کرتے رہے۔
- ہم نصابی سرگرمیوں کے بغیر کوئی بھی تعلیمی نظام مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ریاستی تعلیمی نظام کو تشکیل دیتے ہوئے اس بات پر بھی توجہ مرکوز کی جائے کہ تعلیمی اداروں میں مثبت اور تعمیری ہم نصابی سرگرمیوں کو یقینی بنایا جائے اور ایسی سرگرمیوں کے فروغ کو روکا جائے جو اسلامی کی روح سے میل نہیں کھاتی ہیں، اور ہماری نوجوان نسل میں فحاشی و عریانی کے پھیلاؤ کا سبب بن رہی ہیں۔
- تعلیم نسواں کی تعلیم و تربیت کے بغیر کوئی بھی ریاست ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ریاست مدینہ میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی اقدامات کیے تھے۔ لہٰذا پاکستان کے تعلیمی نظام میں اس بات کو یقینی بنایا جانا چاہیے، کہ خواتین کی تعلیم و تربیت کو یقینی بنانے اور ان کی شرح خواندگی کو بڑھانے کے لیے ترجیحی بنیادوں پر اقدامات کیے جائیں۔
- ریاستی تعلیمی نظام کی کامیابی کے لیے جو چیز کلیدی کردار ادا کر سکتی ہے وہ منصوبہ بندی ہے۔ پاکستان کے سماجی، تہذیبی، مذہبی اور جغرافیائی حالات و واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے اور عوام کی تعلیمی ضروریات اور ریاست کے وسائل کو پیش مقصد رکھ کر منصوبہ بندی کی جانی چاہیے۔ تاکہ درست سمت میں ترقی کے سفر کو جاری رکھا جاسکے۔

حوالہ جات

[1] القرآن، التحریم 6:66

[2] الطبری، ابی عبد اللہ محمد بن جریر، **جامع البیان فی تفسیر القرآن** (لبنان: دار المعرفہ، 1997)، 28/93

[3] ابن ماجہ، محمد بن یزید، **السنن** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998)، کتاب السنۃ، باب: فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، رقم الحدیث: 224

[4] عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی، **المصنف** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1994)، کتاب فضائل القرآن، باب تعلیم القرآن وفضلہ، رقم الحدیث: 5993

[5] ابو داود، سلیمان بن الاشعث السجستانی، **السنن** (الریاض: دار النشر والتوزیع، 2001)، باب فی صلۃ الرحم، رقم الحدیث: 1692

[6] المسلم، ابو الحسین مسلم بن الحاج قشیری، **الجامع الصحیح** (بیروت: دار التراث العربیہ، 1996)، باب کلکم راع وکلکم مسئول، رقم الحدیث: 1201

[7] البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1998)، کتاب الاذان، رقم الحدیث: 631

[8] الفاسی، محمد بن محمد بن سلیمان، **جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد** (مصر: مکتبہ الرشد، 2003)، 1/128

[9] التوبہ 122:9

[10] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، **فتح القدیر** (دمشق: دار المنهل ناشرون، ت۔ن)، 154

[11] ایضا

[12] ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد، **طبقات الکبری** (لبنان: دار الکتب العلمیہ، 2011)، 1/219

[13] ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی جمال الدین، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، 2015)، ص۔ف۔ہ، 6/138

[14] الاصفہانی، ابی نعیم احمد بن عبد اللہ، الحافظ، **حلیۃ الاولیاء** (دمشق: مکتبہ طارق، ت۔ن)، 342

[15] نعمانی، شبلی، علامہ، **سیرت النبی ﷺ** (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2006)، 2/182

[16] ابن سعد، **طبقات الکبری**، 1/224

[17] نعمانی، شبلی، علامہ، **سیرت النبی ﷺ**، 2/58

[18] الترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، **السنن** (قاہرہ: بیت الافکار الدولیہ، 2013)، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب مناقب معاذ بن جبل و۔۔۔، رقم الحدیث: 3790

[19] الذہبی، شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان، **معرفت القراء الکبار علی الطبقات والاعصار** (بیروت: دار الکتب العلمیہ)، 1/28

[20] العسقلانی، شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر، **تہذیب التہذیب** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004)، 7/337

[21] الترمذی، **السنن**، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب مناقب معاذ بن جبل و۔۔۔۔، رقم الحدیث:3790

[22] الصابونی، محمد علی، **التبیان فی علوم القرآن** (کراچی: مکتبۃ البشری، 2013)، 70

[23] محمد بن سعد، **طبقات الکبری**، 2/345

[24] الحاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، **المستدرک علی الصحیحین** (الریاض: دار الطباعۃ والنشر والتوزیع، 1997)، کتاب الفرائض، رقم الحدیث: 3308

[25] الترمذی، **السنن**، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب مناقب معاذ بن جبل و۔۔۔۔، رقم الحدیث:3790

[26] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الصوم، باب حق الضیف فی الصوم، رقم الحدیث:1974

[27] علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین، **کنز العمال** (دمشق: موسسۃ الرسالہ، 2004)، 11/184

[28] الذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، **سیر اعلام النبلاء** (قاہرہ: موسسۃ الرسالہ، 2009)، 1/286

[29] احمد بن حنبل، ابو عبد اللہ، امام، **المسند** (دمشق: دار القلم، 2011)، کتاب الامان، صلح و حرب، رقم الحدیث: 5169

[30] ایضا، باب حدیث تمام بن العباس بن عبد المطلب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث:1836

[31] ابو داؤد، **السنن**، کتاب اللباس، باب بیان الحمامہ، رقم الحدیث:4078

[32] علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین، **کنز العمال**، رقم الحدیث:45348

[33] ایضا، رقم الحدیث:10841

[34] احمد بن حنبل، امام، **المسند**، کتاب الفرائض، بیان المیراث ذو الارحام، رقم الحدیث:6369

[35] الترمذی، محمد بن عیسی، امام، **السنن**، کتاب الادب، باب ماجاء فی انشاد الشعر، رقم الحدیث:2777

[36] الدارمی، عبد اللہ بن عبد الرحمان، **السنن** (الریاض: دار المغنی، 2011)، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرہ وایۃ الکرسی، رقم الحدیث:3433

[37] القرطبی، ابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری، **الجامع الاحکام القرآن** (لبنان: موسسۃ الرسالہ، 2006)، 12/84

[38] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب العلم، رقم الحدیث:101

[39] الذہبی، ابن العماد، **شذرات الذھب** (دمشق: دار ابن کثیر، 2009)، 1/62

[40] الذہبی، **سیر اعلام النبلاء**، 2/181-182

[41] ابن الحاج، محمد بن محمد العبدری، **المدخل** (بیروت: مکتبہ دار التراث، 2022)، 2/277

[42] البخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الاذان، رقم الحدیث: 631

[43] ابن سعد، **طبقات الکبری**، 1/315

[44] ایضا

[45] محمد ابن قیم الجوزی، **زاد المعاد فی ھدی خیر العباد** (دمشق: موسسۃ الرسالہ، ت۔ن)، 1/219

[46] ابن سعد، **طبقات الکبری**، 1/316

[47] علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، **کنز العمال**، 8/333

[48] شبلی نعمانی، مولانا، **سیرت النبی ﷺ**، 2/88

[49] طحاوی، ابی جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ، **مشکل الآثار** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2017)، 2/296

[50] النسائی، احمد بن شعیب بن علی، **السنن** (لبنان: دار الکتب العلمیہ، 2007)، کتاب القصاص ودیت، رقم الحدیث: 4857

[51] الحاکم، ابی عبد اللہ، امام، **المستدرک علی الصحیحین**، 3/222

[52] ایضا، 3/267

[53] ایضا، 3/267

[54] الاصفہانی، ابی نعیم احمد بن عبد اللہ، الحاوی، **حلیۃ الاولیاء**، 1/256

[55] المنذری، عبد العزیز عبد القوی، **الترغیب والترھیب** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ت۔ن)، 1/91

[56] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، 2/297

[57] الاصفہانی، ابی نعیم احمد بن عبد اللہ، الحافظ، **حلیۃ الاولیاء**، 342

[58] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "وفود کی تشکیل"

[59] ابن عبد البر، **جامع بیان العلم وفضلہ**، 167

[60] الخطیب التبریزی، **مشکوۃ المصابیح** (کراچی: مکتبۃ البشری، ت۔ن)، باب فی اخلاق وشمائلہ ﷺ، 2/216

[61] الازرقی، احمد بن محمد بن ولید، امام، **اخبار مکۃ المشرفۃ** (لبنان: دار الثقافۃ، 2011)، 2/210

[62] ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، **السیرۃ النبویۃ** (بیروت: دار المعارفہ، 1997)، 1/365

[63] ابن سعد، **طبقات الکبری**، 1/219،

[64] ابن حجر عسقلانی، **الاصابہ فی تمیز الصحابہ** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004)، 2/190

[65] ابن ہشام، **السیرۃ النبویۃ**، 1/434

[66] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب اللباس، رقم الحدیث: 4418

[67] ایضا، کتاب الایمان، رقم الحدیث: 63

[68] ابن ماجہ، **السنن**، کتاب السنۃ، باب: فَضْلِ الْعُلَمَاءِ وَالْحَثِّ عَلَى طَلَبِ الْعِلْمِ، رقم الحدیث: 224

[69] عبد الرزاق بن ھمام الصنعانی، **المصنف** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1994)، کتاب فضائل القرآن، باب تعلیم القرآن وفضلہ، رقم الحدیث: 5993

[70]: ابن ماجہ، **السنن**، کتاب السنہ، رقم الحدیث: 1207

[71] غلام عابد خان، **عہد نبوی کا نظام تعلیم ایک تاریخی و تحقیقی مطالعہ** (لاہور: عوامی کتب خانہ، 1978)، 29

[72] محمد اسلم، پروفیسر، **تاریخ التعلیم** (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشن ریسرچ، ت۔ن)، 11

[73] غلام عابد خان، **عہد نبوی کا نظام تعلیم ایک تاریخی و تحقیقی مطالعہ**، 32

[74] الانعام 6: 163

[75] الحج 22: 41

[76] ابوالاعلیٰ مودودی، **مولانا، تفہیم القرآن** (لاہور: ترجمان القرآن، 1994)، 4/195

[77] ندوی، ابوالحسن علی، سید، **نظام تعلیم: مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت** (انڈیا: سید احمد شہید اکیڈمی، 2012)، 56-57

[78] ایضاً، 34

[79] محمد امین، ڈاکٹر، **ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل** (لاہور: ادارہ مطبوعات طلبہ، 2010ء)، 54

[80] مناظر احسن گیلانی، مولانا، **پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت** (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، 1998)، 7-8

[81] محمد امین، ڈاکٹر، **ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل**، 59

[82] ایضاً، 61

[83]: شبلی نعمانی، علامہ، **سیرت النبیؐ**، 2/312

[84]: المسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الصلوۃ، رقم الحدیث: 785

[85]: ابن ماجہ، **السنن**، کتاب فتنوں کا بیان، رقم الحدیث: 4005

[86]: ایضاً، رقم الحدیث: 3789

[87]: ابوداؤد، **السنن**، کتاب استغفار کا بیان، رقم الحدیث: 1551

[88] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ کا ابتدائی حصہ زیر عنوان: ہم نصابی سرگرمیاں

[89] البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب العلم، رقم الحدیث: 101

[90] الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمان، **السنن**، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ البقرہ وایۃ الکرسی، رقم الحدیث: 3433

[91] محمد بن سعد، **طبقات الکبریٰ**، 8/277

[92] ابن ماجہ، **السنن**، کتاب اقامۃ الصلوۃ والسنہ، باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین، رقم الحدیث: 1307

[93] امین احمد، ڈاکٹر، **فجر الاسلام** (لاہور: ادارہ مطبوعات طلباء، ت۔ن)، 2/175

[94] الذہبی، **معرفۃ القراء الکبار**، 1/28

[95] امین احمد، ڈاکٹر، **فجر الاسلام**، 2/171

[96] الصابونی، محمد علی، **التبیان فی علوم القرآن**، 70

[97] الذہبی، **معرفت القراء الکبار**، 1/29

[98] ابن سعد، **طبقات الکبری**، 1/380

[99] المسلم، **الجامع الصحیح**، کتاب الاکل والشروب، رقم الحدیث: 5264

14

مقالہ نگار: رانیہ بنت عادل اعو
گوٹھ محمد رمضان اعو، تعلقہ سعید آباد ضلع مٹیاری

ریاستوں کی دائمی بقا اور پائیدار استحکام، افراد کی اعلیٰ تعلیمی و تربیتی نشوونما پر منحصر ہے۔ فرد اور اقوام کی حسن ظرفی کے لئے علم و حکمت کی فراوانی ہی کارگر نسخہ کیمیا کا اثر کرتی ہے۔ عروج کی منازل کی تفہیم اور ارتقائی مراحل کی تسہیل، نظامِ تعلیم کی درستگی پر موقوف ہے۔ دورِ قدیم سے لیکر اس دور سائنس و ٹیکنالوجی میں بھی وہی ریاستیں، مضبوط اور محکم قرار پائی ہیں جن کا تعلیمی نظام ہمہ گیر اور جامع ہے۔ ملت کے اشخاص کی تعمیری اور تخلیقی کاوشات کو پرواز بخشنے میں اساسی عمل، نظم علم و حکمت کا ہی کارفرما ہوتا ہے۔ کسی بھی ریاست کو ابدی استحکام بخشنے کے لئے اس کے داخلی امور اور خارجی اوامر کا بہترین نہج پر انجام پذیر ہونا نہایت ضروری گردانا جاتا ہے، کیونکہ امور مذکورہ کی تصحیح اور ترتیب کے بغیر کوئی بھی ریاست مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتی۔ ریاست کی بنیادوں میں غیر متزلزل اور موثر قیام لانے کے لئے ریاست کی سرحدی نگرانی سے لیکر امورِ داخلہ و مسائل خارجہ تک تمام معاملات کا مربوط اور منضبط ہونا یہ ایک امر لازمی ہے۔ عصر حاضر میں جو ریاستیں ان امور کی انجام دہی کو ترجیحاتی بنیادوں پر مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لئے لائحہ عمل مرتب کر رہی ہیں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہی معاشیات، سیاست، اخلاقیات اور تہذیبی و ثقافتی میدان میں فاتح قرار پا رہی ہیں۔ تعلیمی نظام کی اصلاح ریاستی بنیادوں پر ایک ایسے مفہوم اور معانی کے لئے موضوع سخن ہوتی ہے جس کی بدولت افراد کی شخصی اور اجتماعی نشوونما اور ثقافت و تمدن کی بہتر منتقلی اور عمل و کردار کی درست تشکیل کے لئے، واضح ترحکمت عملی معرض وجود میں آتی ہے۔ معاشرے میں ایک متوازن اور مساوی فضا قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ریاست اپنی اقوام کے تعلیمی نظام میں ایسی ترتیب مد نظر رکھے، کہ بغیر کسی طبقاتی اور اداراتی فرق کے شعور اور فہم کو جلا دینے کے لئے تمام تر مادی اور روحانی علوم کا حصول ہر ایک لئے آسان و ارزاں ہو جائے۔ تاکہ ریاست کے مجموعی افراد میں سے اکثر کی سوچ، مثبت اور زرخیز بن سکے، کیوں کہ اقوام کی ضوفشانی و تقدیر، مقدر کی تابانی اور سرفرازی کے فیصلے افراد کی ذہنی اور فکری قوتوں سے ہی منسلک ہوتے ہیں، اگر اذہان و عقول کی راستگی اور اصابت مسلم ہوگی تو مرکزی سطح پر ریاست کی اثر انگیزی اور ہمہ جہتی کو نمایاں بہتری فراہم ہوگی۔ یہ ایک ناقابل تردید امر ہے کہ تعلیم اور تعلم سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہوائے ثمر بار کا ایسا جھونکا اٹھتا ہے کہ جس سے معاشرہ میں مثبت عمل و جہد کی تحریکیں جائے وجود پا جاتی ہیں، جن کی نصرت و اعانت سے رفتہ رفتہ ریاست اپنی تاثیر مستحکم کرنے میں پیش رفت کر سکتی ہے۔ بوجہ ایں ریاست کی تعلیمی سرگرمیوں کی بناوٹ ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں ہر قوم و مذہب اور ملت سے وابستہ افراد کے لئے عمومۂ عمل اور گنجائش موجود ہو۔ درحقیقت ریاست تو ایک فرمان روائی اور عملداری کا نام ہے، جس میں کئی مسالک و مذاہب کی لڑیوں میں پروئے موتی اپنی زیست کی سانسیں لے رہے ہوتے ہیں، ان میں ہر ایک ایسے ہوتا ہے کہ جیسے شجر کے لئے ٹہنیاں ہوتی ہیں۔ جس طرح درخت کی ایک شاخ کے اکھڑ جانے سے اس کی خوبصورتی متاثر ہو جاتی ہے اسی طرح باشندگانِ ریاست میں سے بعض افراد یا چند مذاہب کی تنزلی اور انحطاط بھی اس کی بے ثباتی کی علامت ہوتا ہے۔ اس لئے ریاست کے لئے تمام شعبہ جات کی طرح تعلیمی نظام کی تنظیم میں ایسے آداب اور اخلاقیات بیان کئے جانے ضروری ہیں جن سے ریاست میں مقیم انسانوں کے ملت و مشرب کے دائمی تحفظ اور نمایندگی و حریت فکر کی صدائیں گونج نظر آرہی ہوں۔ ریاستوں کے دامن پر کئی ایک دستاویزات ضوابط کے نغمات کی جھنکار کا ایک شور پیہم رواں دواں شنید ہے لیکن ان کی رموز تحریر میں کلیتِ نظر اور تمامیتِ فکر کے شگوفے مرجھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کہیں تو ان کا وجود بھی ناپید سا لگتا ہے۔ ریاستوں کی بقا اور استقرار اس وجہ سے شدید خطرات کے بھنور میں

ہے۔ امن و آشتی کی دعوید ار ریاستیں، باہم متصادم اور متحارب ہیں۔ بسبب ان بواعث کے امن عالم ہست و بود شدید دھندلا گیا ہے۔ ان حالاتِ کشیدہ میں سیرت النبی ﷺ کی روشنی کے چراغ ہی ایسی ضیا پاشی کر سکتے ہیں کہ جن سے امن عالم کی راہ میں پیدا ہونے والی یہ تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ چراغ ہدایت ایسا ہے کہ جس کی آفاقیت مسلم اور واقعی ہے۔

ریاست کے لئے تعلیمی نظام کی اہمیت و افادیت:

ایک فلاحی اور مضبوط ریاست کی تعمیر کے لئے تعلیمی نظام کی بہتر تشکیل اور ترویج ایک اہم معاملہ ہے جس کے بغیر یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ایک حقیقی فلاحی ریاست جہاں پر فرد کو تمام شعبہ ہائے زندگی میں ایک نصب العین کے تحت حرکت و سکون کے نشیب و فراز مکمل کر کے نظریہ حیات کو تشکیل دینا ہے، وہاں تعلیمی نظام کی اہمیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ انسانی نظریہ حیات کی تقویم، فلاحِ انسانی کے قواعد سے متصل ہے۔ قیامِ امن، طلبِ رزق، تہذیبِ اخلاق، تقویتِ معاش اور اجراءِ عدل و مساوات یہ امور نظریہ حیاتِ انسانی کے اصل الاصول اور ریاست کی بہبود اور ارتقاء کی واحد ضمانت ہیں۔ کامرانی و کامیابی کی شاہراہیں مذکورہ امور کے بہترین نہج پر انجام پذیر ہونے پر ہی کھلتی ہیں۔ امن قائم ہونا، رزق اور معیشت کے وسائل و ذرائع کے بڑھانے، اخلاق کے پیمانے مقرر کرنے، معاش کو بہتر بنانے کے لئے حالات اور حقائق سے مطابقت پیدا کر کے جدید راہیں ہموار کرنا، اور فساد و خونریزی و نسبی اور نسلی تعصب، فخر و امتیاز جیسی لعنت سے چھٹکارا پانے سے ہی ملل اور مذاہب اپنے پیروکاروں کو اوجِ رفعت پر پہنچا سکتے ہیں۔ کتابِ ربانی اور اسوہ رسول رحمانی ﷺ میں اس باب کے بارے میں کافی اور وافی ہدایات اور احکامات وارد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ: **وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ** (1) یعنی: جب کہا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اے میرے رب! بنا اس شہر کو امن کا گہوارہ اور اس کے مکینوں کو ثمرات سے رزق دیجئے۔ اللہ کے خلیل علیہ السلام نے اپنی اس دعا میں تمام ریاستوں کے بانیان اور خیر خواہان کو ایک واضح پیغام دیا ہے کہ کسی بھی ریاست کے قیامِ دائمی کے لئے ان مذکورہ دو چیزوں یعنی امن و امان کا قیام اور معاشی ذرائع کا مضبوط ہونا کلیدی کردار رکھتا ہے۔ دعائے خلیل علیہ السلام کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے کہ کسی بھی ریاست کے سرمدی قیام و ارتقاء کے لئے بنیادی طور پر یہ دو چیزیں یعنی امن و سکون کے گلشن میں استمراری بہار اور میدانِ طلبِ رزق میں سرفرازی اور فراوانی کا ہونا درجہ اول پر ہے اور یہ ہی دونوں دیگر تمام مسائل کی احسن انجام دہی کا واحد ذریعہ ہیں۔ امن و امان کی بحالی اور معاشی قوت ہوگی تو تب ہی انسان اطوار و عادات میں متانت اور عدل و مساوات کی بے لاگ فراہمی کی تعلیمات کو واشگاف الفاظ میں مشتہر اور مروج کر سکے گا۔ اس لئے تقدم و اولیت میں سب سے پہلے امن و سکون کا قیام اور معاش کا حصول از حد ضروری ہے۔ ماہرین قرآنیات نے کہا کہ قیام امن اور اصلاح ذرائع معاش میں سے جو بات پہلے ذکر کی گئی ہے اس کا درجہ سب سے پہلے ہے یعنی تمام اشیاء سے پہلے قیام امن کا درجہ ہے دوسری تمام باتیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ امن قائم ہوگا تو دیگر تمام معاملات طے پائیں گے۔ اگر امن کا قیام ہوگا تو حصولِ رزق اور اس کے بعد اخلاق کی تہذیب اور عدل و مساوات کا برقرار رکھنا ممکن ہو سکے گا۔ اس لئے ریاستی نظام کو ریاست کے اندر مستقل امن و امان بحال رکھنے کے لئے ریاستی نظام تعلیم میں ایسے عوامل شامل کرنے لازم ہیں جن سے وسیع اور اعلیٰ ذہنیت کے افراد منظر عام پر آکر امن کے قیام کے لئے اپنے مجاہدات بروئے کار لائیں۔

نصاب تعلیم اور اس کا ماخذ:

کسی بھی ریاست کے لئے نصاب تعلیم بنانے کے لئے ضروری ہے کہ انتہائی قابل اور سنجیدہ، عقول اور حواسات کی معلومات اور ادراکات سے ہی تعلیمی ضوابط تیار کئے جائیں، جو کہ حالات کی گردشوں اور حوادثات کی تیز و تند ہواؤں کے سامنے بے ثبات ہو کر غبار راہ بن کر اڑنہ جائیں۔

ایسے نصاب کی ترتیب کے لئے ضروری ہے کہ اس نصاب کا مستدل اور ماخذ ایسا مضبوط اور جامع و مانع ہو کہ ریاست کے ہر مکتبۂ فکر کے جذبات واحساسات کا ترجمان ہو یا بصورت دیگر خام نظریات کی اصلاح کی تدابیر اس میں پائی جاتی ہوں، یوں کہیے کہ ماخذ ایسا ہو جس میں موجود مضامین کی وقعت اور حیثیت کے سامنے عالم امکاں کی تمام تر رعنائیاں اور توانائیاں سر تسلیم خم کرتی ہوں۔ غیر مسلموں کی نصابی سرگرمیوں میں رائج نصاب کا ماخذ، مادیت، ذاتی تجربات اور عقل پرستی ہے۔ لیکن ملت اسلام کے تعلیمی اور شعوری نظام کا مصدرِ اول اور مرجع حقیقی، کتاب ربِ رحیم ہے۔ جس کی عظمتوں کی طرح اس کا وجود بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ جس کی تعلیمات کسی مخصوص مکتبۂ فکر کے رجحانات کی تائید کی حامل نہیں ہیں، بلکہ ایک ریاست بلکہ اقوام عالم کے مشترکات کی ترجمان ہیں۔ جس کے الفاظ اور اصوات سے لیکر مفہوم و محصولات تک ہر ایک چیز کی تصدیق کرتے ہوئے کہ خالق ہست و بود نے اس کی ابتداء میں فرمایا کہ: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (2)۔ یعنی: وہ کتاب ہے جس میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے۔ جس کی ہمہ گیریت اور جامعیت کی توثیق کرتے ہوئے رب کعبہ نے فرمایا کہ: وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (3)۔ ترجمہ: نہیں ہے کوئی چھوٹے سے چھوٹی چیز اور نہ بڑے سے بڑی چیز، مگر وہ روشن کتاب میں ہے۔ اپنے مدلول و مفہوم کی وضاحت اور تشریح کے محکم اور روشن ہونے کی تعریف اور توصیف کرتے ہوئے مالک بحر وبر نے فرمایا کہ: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (4)۔ یعنی نازل کی ہم نے آپ پر کتاب، جو کہ ظاہر کرنے والی ہے ہر چیز کی۔ دستور ریاست کی ترتیب کا منبع اور مرکز متعین ہونے کے بعد اس سے استدلال اور استخراج کرنے والی ذات کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ ذات ربِ ذوالجلال کی ہیبت وقدرت کی طرح، آئین ربِ ذوالجلال کی وسعت اور گہرائی میں غوطہ زن ہونا اولاد آدم کے بس کا روگ نہیں تھا، اس لئے قاسم ازل نے اپنی محبوب ترین ہستی کو اس کی تشریح کے لئے عالم آب وخاک میں مبعوث فرمایا۔ وہ عظیم ہستی جس کی ہر بات کو رب قدیر نے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (5)۔ ترجمہ: اور یہ نبی نہیں بولتے اپنی خواہش سے مگر وہ کہتے ہیں جو کہ ان پر وحی کی جاتی ہے۔ فرما کر اپنی تائید وحمایت کا سہرا پہنا دیا ہے۔ یعنی دستور ریاست کا مستدل اور معلم ماخذ دستور، دونوں ہی بے مثل اور فقید المثال ہیں۔ محبوب رب دو عالم ﷺ نے اپنی زندگانی میں قدم قدم پر آئین خدائی کے عکس جمیل کے سائے میں ایک مستحکم ریاست کی تعمیر کے سلسلے میں اس کے تمام شعبہ جات کی طرح نظام تعلیم کی تبویب کے لئے ایسے گوشوارے اور جوہر پارے مخصص کئے ہیں کہ جن پر عمل سے ایک ریاست، عظیم ریاست کی صورت میں ابھر کر نقشۂ عالم کی زینت بنتی ہے۔

یہ موضوع اپنی جامعیت اور ماہیت کے اعتبار سے بہت توسیعی حیثیت رکھتے ہوئے کثیر موضوعات کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ زبان وفکر کی گہرائیاں اور الفاظ وتخیلات کی توانائیاں اس پر سیر حاصل اور کافی بحث کرنے سے معذرت خواہ ہونے کے باوجود بھی کچھ نہ کچھ لب کشائی اور سخن آرائی کرنے کی دھن میں گنگنے کو کمربستہ ہیں۔ لیکن موضوع سخن کے مندرجات کی طوالت، اس بحر متلاطم میں مستغرق ہونے سے دست بستہ چشم پوشی کی خواہاں ہے۔ پھر بھی گل وگلشن کی بہاریں اور مرغ شعور وعلم کی صدائیں چیدہ چیدہ باتوں پر کچھ مفصل اور کچھ مجمل بیان وکلام پیش کرنے کی مجھ پر تفہیم سے طالب ہیں، تاکہ موضوع کی حساسیت کا فہم وادراک ہر کسی کے لئے آسان ہو جائے۔ مرغ چمن کی حسرتوں اور طائر قلب وجگر کی فرمائشوں کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کچھ تجزیہ وتبصرہ کرنے کی جسارتیں پیدا ہو ہی جاتی ہیں۔ بس قلم فکر کو دوات تدبر اور روشنائی تحقیق میں تر کرتے ہوتے ہوئے سب سے پہلے موضوع سخن کے الفاظ مخصوصہ کی حقیقت پر تحقیق پیش کرنا چاہوں گی۔

تعلیم اور نظام کی تعریفات:

"تعلیم" لفظ علم سے بنا ہے۔ جس کے متعلق علامہ میر سید جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر تعریفات کے ساتھ یہ تعریف بھی بیان فرمائی ہے کہ: اَلْعِلْمُ صِفَةٌ رَاسِخَةٌ يُدْرَكُ بِهَا الْكُلِّيَّاتُ وَالْجُزْئِيَّاتُ (6)۔ علم ایک ایسی صفت راسخ ہے جو اس کے ذریعے سے کلیات اور جزئیات

کا ادراک ہوتا ہے۔ محقق یہی ہے کہ ہر رطب و یابس، کلیات اور جزئیات کے دامنِ اطلاق میں منضم ہے۔ انسانی زندگی کے تمام تر مراحل اور واردات مثلاً ولادت، کفالت، تعلیم و تربیت، اخلاقیات، معاشیات اور فرائض و لوازمات کے متعلق سیکھنے اور سکھانے کو تعلیم کہا جاتا ہے۔ بلکہ نظام مملکت و ریاست کے انتظام و انصرام کے تمام تر احکامات و معاملات مثلاً ریاست کے مکینوں کے معاشی، تعلیمی، مذہبی و نظریاتی، اخلاقی اور دفاعی معاملات، کے بارے میں سیکھنا بھی علم کے تحت آتا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ علم ایک وسیع لفظ ہے جس کے دائرہ و اطلاق کے تحت نظام حیات سے لیکر عالم فنا اور اس کے بعد تک کی تمام اشیاء کا علم آتا ہے۔ جیسے کہ مقصدِ تخلیق، وجہِ شرفِ آدمیت، حقوقِ بندگی، آدابِ زندگی، طرزِ ادائیگیِ لوازماتِ انسانیت وغیرہ۔ تعلیم کے ساتھ اگر نظام کا لفظ مرکب ہوتا ہے تو اب دنیائے تخیل میں ایسی تصویر ابھرتی ہے کہ جس میں ذہن، فکر، ذات، پات، نظریات و مذاہب، ترجیحات و رجحانات اور مالی حیثیت کے حساب سے تمام تراتیب کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ نظام کا لفظ "نظم" سے بنا ہے۔ علامہ سید الشریف جرجانی نظم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: **اَلنَّظْمُ: فِي اللُّغَةِ: جَمْعُ اللُّؤْلُؤِ فِي السِّلْكِ وَفِي الاِصْطِلَاحِ تَأْلِيفُ الْكَلِمَاتِ وَالْجُمَلِ مُتَرَتِّبَةَ الْمَعَانِي مُتَنَاسِبَةَ الدَّلَالَاتِ عَلٰى حَسَبِ مَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْلُ** (7)۔ ترجمہ: نظم لغت میں موتیوں کو لڑی میں جمع کرنے (یعنی پرونے) کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں نظم کہتے ہیں کلمات اور جملوں کو معانی کے اعتبار سے ایسے جوڑنا کہ ان کی دلالتیں عقل کی تقاضا سے مناسبت رکھتی ہوں۔

ریاست کی تعریف:

وڈرو ولسن (Woodrow Wilson) ریاست کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ریاست سے مراد انسانوں کی وہ جمعیت ہے جو عموماً زمین کے ایک حصہ پر موجود ہو، جس میں اکثریت کی رائے، اقلیت پر فوقیت رکھتی ہو (8)۔ ریاست کے اجزائے ترکیبی چار ہیں۔

1۔ رقبہ (Area) 2۔ آبادی (Population) 3۔ حکومت (Government) 4۔ خود مختاری (Sovereignty)۔

کوئی بھی ریاست ان عناصر اربعہ کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔

تعلیم، نظم اور ریاست کی تعریفات سے مستنبط تفریعات اور تفہیمات:

علم اور نظم کی تعریفات اور پھر ریاست کا تصور ان کے ساتھ ملانے سے یہ معلوم ہوا کہ کلیات و جزئیات کا ادراک و فہم، اس منظم انداز میں حاصل کرنا کہ اس میں ایسے کلمات اور جملے رقم کیے جائیں جن کی دلالت، مختلف عقول اور مزعومات کی تقاضاؤں سے موافق و مطابق ہو، ایسا توافق و اتحاد ہو جو کہ ریاست کے عناصر اربعہ کے فساد و انعدام کا باعث نہ ہو۔ اس کی توضیح یہ نکلتی ہے کہ تعلیمی عمل کی نظم و ترتیب جب ایک ریاست کے لئے تشکیل دی جائے تو اس وقت ایک تہذیب، مذہب یا ثقافت کو نہیں بلکہ جغرافیائی حدود، حکومتی خود مختاری اور آبادی کی اکثریت کے نظریات، تہاذیب اور ثقافتوں کو مقصود نظر رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک ریاست کے اندر مختلف اقوام و ملل اور متضاد و مخالف عقائد اور تصورات کے متحمل افراد رہائش پذیر ہوتے ہیں، جو کہ ریاستی حقوق کا بھرپور استحقاق رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس بناء پر یہ کہنا بجا ہوگا کہ تعلیمی نظام کی تشکیل کے مراحل، مختلف صورتوں پر مبنی ہوں گے۔ جب اس کا تعلق افراد کے ذاتی اور انفرادی معاملات سے ہوگا تو وہاں احکامات کی نوعیت جدا ہوگی اسی حساب سے مجموعی اور قومی نوعیتوں کے متعلق قواعد، سلک میں تنظیم پائے جائیں گے۔

مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے تعلیمی نظام میں مشترکات:

دنیا کے اندر جتنی ریاستیں وجود پذیر ہیں ان کی بنیادی طور پر دو قسمیں بنتی ہیں۔ مسلم ریاستیں اور غیر مسلم ریاستیں۔ مسلم ریاستوں سے مراد وہ ریاستیں ہیں جن کا ملکی دستور العمل اور آئین، قانون الٰہی سے ماخوذ ہو، اور غیر مسلم سے مراد وہ ہیں جو آئین اسلام سے نا اتفاقی کرتے

ہیں، چاہے کسی بھی مسلک اور فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان ہر دو فریقوں میں سے ہر ایک کے تعلیمی نظام میں امن و امان کا قیام اور معاشی اقدار کا مستحکم ہونا نقطہ ءاتحادی ہے۔ دامنِ اسلام سے وابستہ ہو یا ہو یا غیر ایمانی افعال و عقائد سے منسلک ہو، امن دائمی اور ذرائع معاش کی مضبوطی ہر ایک کا بنیادی اور پہلا مسئلہ ہے، کیونکہ رگِ جاں کی بقا ان سے ہی منصور ہے۔ ارضِ عالم کی ریاستوں میں سے ہر ایک نے اس مسئلے کو سرِ فہرست رکھا ہے۔ جس ریاست کے تعلیمی نظام میں امن و امان کے قیام اور معاش کی طلب کے لئے قابلِ قدر اقدامات نہیں ہوتے، تو وہاں کے افراد ہر میدان میں تنزلی اور پسماندگی کا شکار ہوتے ہیں۔ یورپی ممالک اور خاص طور پر امریکا کے اندر آپ دیکھیں کہ قیامِ امن کے لئے انہوں نے اپنے تعلیمی نظام میں کیسے (درحقیقت تعلیماتِ اسلام سے مستفاد) متصفانہ قوانین مرتب کئے ہوئے ہیں، کہ ان کے نفاذ سے وہاں پر ایک انسان تو کیا حیوان کو مارنا بھی قابلِ تعزیر جرم سمجھا جاتا ہے۔ وہاں امن کی صورتحال بہتر ہے اس لئے امن سے منسلک تمام معاملات، بہتر نہج پر تشکیل پارہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ پوری دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ دینِ اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لئے اس معاملے میں بہت رہنما اصول مقرر کئے ہیں۔ مسلم ریاستیں اپنی تعلیمی اور عملی، کارگزاریوں میں اگر وحی ربانی کی تجویز کردہ ہدایات اور نصائح پر عمل پیرا ہوں تو عروج اور ارتقاء کی ہر منزل ان کے قدموں کی خاک کی طرح بن جائے۔ دیگر مذاہب نے اسلامی تعلیمات سے مستفید ہو کر اپنی ریاستوں کے لئے ایسے قوانین وضع کئے ہیں کہ جن کے ثمرات و فوائد سے وہ ریاست در ریاست اور سلطنت در سلطنت، رفعت کی طرف ہی گامزن ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی بزعمِ حق شان و شوکت کی شمع استعداد، اسلام کے آفتابِ تاباں سے ہی اِستعارۃً منور ہے۔ یہ اٹل حقیقت ہے کہ مستعار اور حقیقی روشنی میں واضح فرق ہوتا ہے۔ حاملانِ توحید کے لئے خالقِ لم یزل نے ریاستی تعمیر اور اصلاح کے لئے ایسے اصول و ضوابط منقش کردیئے ہیں کہ ان کی چھاؤں میں بیٹھ کر ایسے ان مٹ اور ناقابلِ تسخیر، عوامل اور اسباب فراہم کئے جاسکتے ہیں جن کی وجہ سے امتِ مرحوم کے مقدر کا ستارہ چمک اٹھے گا۔ تعلیم جب ایک نظام کی صورت میں ہو تو اس کی مندرجہ ذیل صورتیں اور کیفیتیں ہوتی ہیں۔

تعلیمی نظام کا افرادِ ریاست کے ذاتی معاملات میں کردار۔ تعلیمی نظام کا افرادِ ریاست کے سماجی اور ثقافتی معاملات میں کردار۔ تعلیمی نظام کا افرادِ ریاست کے سیاسی اور ریاستی معاملات میں کردار۔

تعلیمی نظام کا افرادِ ریاست کے ذاتی معاملات میں کردار:

انسان کے نجی اور انفرادی دقائق میں نبوی نظامِ تعلیم کی تعلیمات غیر مبہم اور انتہائی صریح ہیں۔ فرد جب اپنی ذات کے دائرہ ءکار میں ہو تو اس کو ان مسائل سے واسطہ پڑتا ہے جن سے اس کی ظاہری اور باطنی تعمیرات کا تعلق ہوتا ہے۔ نبوی تشریحات میں ان میں سے ہر ایک کے لئے جامع ہدایات موجود ہیں۔ ربانی احکام کی رو سے جب ہم فرد کی ذات سے وابستہ معاملات میں غور و فکر کرتے ہیں تو مختلف مدارج کے اعتبار سے فرد کے لئے اصلاحات ترجیح پاتی ہیں۔ یعنی معتدین افرادِ ریاست بنانے کے لئے انفرادی طور پر ہر مکین ریاست کے لئے مرقوم ذیل عنوانات کی ترسیل اشد ضروری ہے۔

(i) تعلیم و تربیت اور حصولِ تعلیم کے وسائل کی ارزانی (ii) تزکیہءِ نفس اور اصلاحِ اخلاقیات کے اسباب و علل سے وابستگی (iii) فنی اور عملی صلاحیتوں کی نشوونما (iv) ملی اور قومی ضروریات کی تکمیل (v) جغرافیائی اور دفاعی ضروریات کی تکمیل۔

(i) تعلیم و تربیت اور حصولِ تعلیم کے وسائل کی ارزانی:

کسی بھی مملکت کے ارتقاء اور زوال کا تعلق افرادِ ریاست کی تعلیم و تربیت پر منحصر ہوتا ہے۔ تربیت کے لئے بھی تعلیم کا ہونا ناگزیر ہے، یعنی تربیت بھی تعلیم پر موقوف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ افرادِ ریاست کی ضروریات میں سب سے پہلی ضرورت تعلیم ہے۔ جب تعلیم کا حصول ممکن

ہو گا تو پھر اس کی مدد سے نظام بھی تشکیل دیا جا سکے گا۔ اس لئے نظام تعلیم و تربیت کو بہتر بنانے کے لئے کئے جانے والے اقدامات میں جذبہ علم کو ابھارنا مقدم حیثیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ہادی دو جہاں ﷺ پر نازل شدہ شریعت پاک میں موجود تعلیمات اور تفصیلات میں کئی امور اور پہلو نمایاں پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں **1۔** متعلم کے لئے وصف علم کی وجہ سے بلندی درجات کی نوید بیان کرتے ہوئے رب العزۃ نے فرمایا کہ: **يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ** (9)۔ ترجمہ: بلند فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کے درجات اور ان کے درجات کو جن کو علم دیا گیا ہے۔ **2۔** تعلیم کی وجہ سے حضرت انسان کی سبقت اور فضیلت کا اظہار، نوری مخلوقات، ملائکہ پر ثابت کرتے ہوئے بارگاہ رب لم یزل سے یہ ندا آئی کہ: **وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** (10)۔ ترجمہ: اور اس نے تعلیم دی حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کی۔ **3۔** جہل اور ناشعوری سے دیرینہ دوستی رکھنے والوں کی خفت اور پستی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: **هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ** (11)۔ یعنی: کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے تعلیم حاصل کی ہے اور وہ جنہوں نے تعلیم حاصل نہیں کی؟ وحی ربانی سے فرد کے لئے علم کی برکات و ثمرات ملاحظہ ہونے کے بعد اذہان قلوب میں یہ تمنا جاگنا کوئی بعید نہیں کہ معلم انسانیت کی زبان ترجمان وحی الٰہی سے حصول علم کی اہمیت اور افادیت کا منظر نامہ کیا ہو گا۔ کیونکہ احکام الٰہی کو بغیر ان کے سمجھائے سمجھنا یا ان کو کوئی شکل دینا محال کو ممکن بنانے کی کوشش لاحاصل کے سوا اور کچھ نہیں، جو کہ مستحیل اور ممنوع ہے۔ تو آیئے لسان محبوب رحمٰن ﷺ سے علم و شعور سے آشنائی اور شناسائی کی لزومیت اور لازمیت کو گوش گزیں کرتے ہیں۔ حق کے پیامبر ﷺ نے فرد کی تعمیر کے لئے تعلیم کو نہایت ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ: **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ** (12) ۔ترجمہ: تعلیم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔ **4۔** علم کی تحصیل کے التزام و ضرورت کو بیان کرنے کے بعد یہ واضح کیا گیا کہ علم محض نیت کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ عملی قدم اٹھانے سے ہی علم کا حصول ممکن ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: **اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ** (13)۔ ترجمہ: علم، سیکھنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ **5۔** سیکھنے سکھانے کی مجلس اور مذاکرہ کو ترجیحاً اختیار کرنے کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: **اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا** (14)۔ میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

حصول علم کی غیر طبقاتی: تحریص اور ترغیب کے بعد یہ کہنا سو فیصد بجا ہو گا، کہ افراد ریاست کے آزادانہ اور پیہم سلسلہ تعلیم و تعلم کی ضرورت پر اسلام نے شدت سے زور دیا ہے۔ انفرادی طور پر ہر کسی کو یہ نعمت بغیر کسی تفریق اور تعطیل کے میسر ہو، تا کہ جن کی کشتیاں جہالت کی منجدھار میں پھنسی ہوئی ہیں، وہ سرعت سے ساحل علم پر پہنچ کر اپنے مابعد کا تعین و تقرر آسانی سے کر کے ریاست کے ایک اچھے فرد کی حیثیت حاصل کر لیں۔ ذکر کردہ فرامین مبارکہ میں سے سوا ایک دو کے باقی تمام میں علم کا لفظ مطلق رکھ کر اس نعمت کے حصول کی برکات کا استحقاق سب کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ تا کہ ریاستی افراد کے لئے حصول علم کے ذرائع کو آسان بنا کر تربیت اخلاق و تعمیر کردار کی راہوں کو بلکل وا کر دیا جائے۔

(ii) تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاقیات کے اسباب و علل سے وابستگی:

تزکیہ نفس کے معانی نفس کی باطنی صفائی ہے۔ شریعت اسلامی میں تزکیہ نفس اور اس کے لوازمات یعنی پندار نمود ذات، قصر عجب و استکبار اور نفس پرورش خودی و حصول اغراض نفسانی کے قلع قمع کے لئے مختلف پیرایوں میں مختلف احکامات جاری کئے گئے ہیں۔ قرآن مجید میں اصلاح نفس اور تزکیہ کو بعثت رسالت کے مقاصد میں شامل کرتے ہوئے فرمایا کہ: **اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ** (15)۔ ترجمہ: ہم نے بھیجا تم میں ایک رسول، تم میں سے، جو تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیتیں اور پاک (تزکیہ) کرتا ہے تم کو (تمہارا)، اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت۔ پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ: **لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ**

فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (16)۔ ترجمہ: البتہ بیشک احسان فرمایا ہے اللہ نے مومنوں پر کہ جب ان میں، انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیات کو اور (تزکیہ) پاک کرتا ہے ان کو، اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت۔ رقم کردہ آیات میں تزکیہ نفس کو کتاب و حکمت کی تعلیم سے مقدم اور علیحدہ ایک و قومی حیثیت کے طور پر بیان کر کے خالق و مالک کل عزوجل نے عیاں کر دیا ہے کہ علم و حکمت کے ساتھ تزکیہ، نفس بھی فرد کی تعمیر میں ایک اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر تزکیہ و احتساب نفس کی ڈگر کے راہگیروں کی مدح میں فرمایا کہ: قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا (17)۔ ترجمہ: بیشک کامیاب ہو اوہ جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا۔ "نفس کا تزکیہ" یہ ایک وسیع المعنیٰ لفظ ہے جس کے دائرہ، اطلاق کے تحت ایک وسیع عالم جلوہ فگن ہے۔ تزکیہ، نفس کی تفسیر میں علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ:

"وبِزَكَاءِ النَّفْسِ وَطَهَارَتِهَا يَصِيرُ الإِنْسَانُ بِحَيْثُ يَسْتَحِقُّ فِي الدُّنْيَا الأَوْصَافَ الْمَحْمُودَةَ، وَفِي الآخِرَةِ الأَجْرَ الْمَثُوبَةَ، وَهُوَ أَنْ يَتَحَرَّى الإِنْسَانُ مَا فِيهِ تَطْهِيرُهُ (18)۔ ترجمہ: نفس میں تزکیہ اور طہارت پیدا کرنے سے انسان ایسا بن جاتا ہے کہ دنیا میں اوصافِ حمیدہ اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے۔ نفس کا تزکیہ یہ ہے کہ انسان ایسی باتوں میں انہماک اور استغراق حاصل کرلے جن سے نفس کو طہارت حاصل ہوتی ہے۔ امام لغتِ قرآن، علامہ اصفہانی نے تزکیہ نفس کا معنیٰ مجاہدہ کے ذریعے اوصافِ حمیدہ سے متصف ہونا اور خصائل رذیلہ سے دامن بچانا بیان فرمایا ہے، اور اس کے بغیر جسدِ خاکی کا ظاہر اور باطن کے اعتبار سے بامِ رفعت پر ساکن ہونا استحالہ، عقلی و محالِ فطری ہے۔ نفس میں تزکیہ پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام عقلی قباحتوں اور عادی کثافتوں یعنی ظلم، جبر، غصہ، عدم برداشت، نسبی و قومی تفاخر، خود ستائی، خیانت، دھوکہ دہی و فریب، تلخی، کلام، سستی و کاہلی، کذب و دروغ بیانی اور اخلاقی اور دینی فرائض و لوازمات سے انحرافی وغیرہ کو دور کرنا اور فطری محاسن اور شرعی محامد یعنی حلم، عفو، زہد و قناعت، ایثار و قربانی، شکر، توکل و یقین، حسنِ اخلاق، شجاعت، غیرت و حمیت، صلہ، رحمی، محنت و جہد، دیانتداری و امانت، راست گوئی و تحسین گفتار، ادائیگی، حقوق اور اخلاص و خود احتسابی وغیرہ سے ہم آہنگی اختیار کرنا۔ افراد و ریاست کی اعلیٰ تربیت اور تعلیم اس بات کی متقاضی ہے کہ ریاستی نصابِ تعلیم میں مذکورہ عوامل سے متعلق ابحاث شامل کی جائیں، تاکہ نظام تعلیم کے قیام کے بنیادی اغراض و مقاصد کو عمل میں لا کر دشوار گزر گھاٹیوں سے آسانی سے گزرنے کی راہ مخصوص کی جاسکے۔

احادیثِ مبارکہ میں اس کے لئے نہایت واضح ترین ارشادات وارد ہوئے ہیں جن سے امورِ حسنہ کی طرف مراجعت اور تصوراتِ خسیسہ سے اجتناب کی ہدایات ملتی ہیں جو کہ عین تزکیہ، نفس ہے۔ 1۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الأَخْلَاقِ وَالأَعْمَالِ وَالأَهْوَاءِ (19)۔ ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق، اعمال اور خواہشات سے۔ 2۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ، وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اللَّهُمَّ آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا، أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا. (20)۔ ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے عاجزی اور سستی اور نامردی اور بخیلی اور اور بڑھاپے اور عذاب قبر سے۔ یا اللہ! عطا فرما میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری، اور پاک کر اس کو تو بہتر پاک کرنے والا ہے۔ تو مالک و مددگار ہے اس کا (یعنی میرے نفس کا)۔ اے اللہ عزوجل! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو فائدہ نہ دے اور اس دل سے جو خشوع نہیں کرتا، اور اس نفس سے جو سیر نہیں ہوتا اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔ 3۔ عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ (21)۔ ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ

عنہ، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ: عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے۔ احادیث مذکورہ کی تفسیر کا ماحصل یہ ہے کہ یہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی منجدھار میں پھنسا ہوا انسان جب تک طبقاتِ رفعت پر متمکن نہیں ہو سکتا جب تک علم کے ساتھ تزکیہ ءنفس (تربیت) نہ حاصل کر لے۔ قرآنی اسلوب اور انداز سے تو اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ علم و حکمت، شعور و فہم سے پہلے تربیت جس کا اہم حصہ تزکیہ ءنفس ہے اس کا اہتمام پہلے ہونا چاہئے۔

شجرِ توحید کی عظیم سطح پر آبیاری کرنے والی ہستی پیغمبر انسانیت ﷺ اور ان کے ساتھ دیگر انبیاء کرام اور ان کے مقتدین میں بھی بہت سی عبادات جاری تھیں، جو کہ حاملانِ مذہب کی طرف سے تزکیہ و طہارتِ نفس کی غرض سے اختیار کی گئی تھیں۔ ابتدائی طور پر تزکیہ ءنفس سے ترکِ لذائد اور اجتنابِ اشیائے مشتبہ مراد ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ لذتوں سے دور رہنے میں اس قدر آگے تھے کہ آپ ﷺ نے سب سے پہلی شادی اس خاتون سے کی جو کہ عمر رسیدہ اور یکے بعد دو مردوں سے بیوہ تھیں۔(22)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ پر پیش کی یہ بات میرے پروردگار نے کہ مکہ کا میدانی علاقہ میرے لئے سونے کا بنا دے۔ **قُلْتُ لَا يَارَبِّ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَ اَجُوْعُ يَوْمًا** (23)۔ بارگاہِ خدا میں، میں عرض گزار ہوا کہ: نہیں۔ اے میرے پروردگار! بلکہ میں ایک دن پیٹ بھر کر رہوں اور ایک دن بھوکا رہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہل خانہ نے مسلسل تین دن تک کبھی بھی گیہوں کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی، یہاں تک کہ آپ ﷺ وصال فرما گئے۔(24)۔ آپ ﷺ تنگدست اور فقراء سے محبت فرماتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے عیش و عشرت اور حصولِ لذت کو ناپسند فرماتے ہوئے اس جہانِ ہست و بود کو ایمان اور ایقان سے واصل شخص کے لئے زندان قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ**(25)۔ ترجمہ: دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے۔ یعنی جس طرح قید خانے میں عمدہ اور پر لطف اشیاء کا مزہ پھیکا پھیکا سا لگتا ہے۔ اسی طرح صاحبِ ایمان کو بھی اس دنیا کی پر کیف ساعتوں اور ذوق آمیز اداؤں اور پر کشش نگاہوں سے بے خبر مسافر کی طرح گذر جانا چاہئے۔ یہ تزکیہ ءنفس کی حقیقتِ اصلی ہے کہ جس کا ذکر نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ اور جادۂ عمل میں نہایت درخشندہ طور پر نظر آتا ہے۔ تزکیہ ءنفس کے مفاہیم اور مصادیق میں غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیک خصلتوں کا اپنانا اور بد عادتوں سے فرقت اختیار کرنا بھی تزکیہ ءنفس کے دامِ اطلاق میں محصور ہے۔ پھر نگاہِ تفکر اور بھی وسعت انگیز ہوئی تو اس کے مفہوم میں اور بھی ہمہ گیری متصور ہوئی حتیٰ کہ مذکور الصدر اوصافِ حمیدہ سے التزام اور صفاتِ رذیلہ سے اعراض کے علاوہ عباداتِ بدنیہ اور مالیہ مثلاً روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج اور دیگر صدقات کو بھی تزکیہ ءنفس کی علامت قرار دیا جانا لازم قرار پایا۔ کیونکہ ان امور سے جانی اور مالی ایثار کے ساتھ تزکیہ ءنفس کرنا مقصود ہے، وہ اس لئے کہ حبِ تن آسانی اور الفتِ مال و منال ہر قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ یہ محبت نفس میں کثافت اور غلاظت پیدا کر دیتی ہے۔ اس کثافت کو نفاست اور نظافت میں تبدیل کرنا، تزکیہ ءنفس سے ہی مترشح ہوتا ہے۔ دیگر مذاہب میں بھی مختلف صورتوں میں ان کے مذہبی مزعومات اور تخمینوں کے حساب سے تزکیہ ءنفس پایا جاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ، احبار و رہبان اور ہندو اور اس کے علاوہ دیگر آسمانی و غیر آسمانی مذہبوں کے وابستگان کبھی جلوت اور کبھی کوہ و بیابان میں خلوت نشین ہو کر کوئی منتر یا وظیفہ پڑھتے ہیں، یا مخصوص دنوں میں کھانا پینا چھوڑتے ہیں۔ جیسے کہ ہندو مذہب والے طعام و مشروبات کو چھوڑ کر مسلسل تین دن تک جس کو وہ پراک کے روزے کہتے ہیں، اور کبھی مسلسل مہینے تک بغیر کچھ کھائے روزہ سے رہتے ہیں جسے ناسواس کے روزے کہا جاتا ہے۔(26)۔ اور کبھی شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کو ترک کر کے اپنے زعم میں روحانی ارتقاء کی تدبیریں کرتے ہیں۔ کبھی اپنے خیال و زعم کے مطابق ازدواجی مراسم سے کنارہ کشی اختیار کر کے نفس کو خواہشاتِ نفسانی کے میدان میں تشنہ طلب چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے تصورات، مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں اکثر مذاہب و ملل میں پائے جاتے ہیں جن کی تفصیل بوجہ طوالت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایسی ہی کیفیتوں میں سے ایک کیفیت اور اندازِ تزکیہ قرآن مجید

میں حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں وارد ہوا: **وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا** (27)۔ ترجمہ: سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں: مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام لوگوں سے الگ رہتے تھے۔ وہ جنگلوں سے مانوس تھے، درختوں کے پتے کھاتے، دریاؤں کا پانی پیتے۔ (28)۔ اللہ کے پیارے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کا یہ عمل صرف اور صرف تزکیہء نفس کی ایک صورت ہی ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ حلال اور لذیذ کھانے اور پینے کی ممانعت، فطرت اور مذہب کی رو سے کسی پر عائد نہیں کی جاسکتی ہے الایہ کہ کوئی مخصوص حالت ہو مگر یہاں اس پر کوئی قرینہ نہیں۔ ہر مذہب والے اپنے مروجہ طریقہء تزکیہء نفس کو فرد کی شخصی اور روحانی معراج کا باعث قرار دیتے ہیں۔ احکام خدائی میں تعلیم اور تزکیہ لازم و ملزوم ہیں۔ تزکیہ معنیٰ پاک کرنا اور سنوارنا ہے۔ معنوی وسعت کے حساب سے تزکیہ سے مراد آداب زندگی اور افعال انسانی کو ظاہر اور باطن کے اعتبار سے سنوارنا ہے۔ آداب اور افعال کو سنوارنے میں تخیلات و تفکرات، اخلاقیات، عادات، معاشرت، تہذیب و تمدن اور سیاست اور طرز حکومت و ریاست، غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔ مطلب کہ یہ دو الفاظ کا مجموعہ اپنی معنوی وسعت کے تحت تمام احکام اسلامی اور انسانی کو محیط ہے۔ اس لئے افراد ریاست کے تعلیمی نظام میں افراد کی تعلیم کے ساتھ تربیت یعنی تزکیہء نفس کا انتظام ہونا بیحد ضروری ہے تاکہ وہ اس کی بدولت تمام اخلاق قبیحہ سے دور اور محاسن جمیلہ کے متحمل ہو کر ریاست کی فلاح و بہبود کی تشکیل میں کردار ادا کر سکیں۔

(iii) فنی اور عملی صلاحیتوں کی نشوونما:

ریاستی افراد کے ہنر و فن اور عملی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے تعلیمی دستور میں واضح احکامات اور شقیں موجود ہونی چاہئیں۔ ساکنان ریاست کی فنی اور عملی صلاحیتوں کی نشوونما کا تعلق براہ راست ریاست کے انحطاط و استقرار سے ہوتا ہے، ان کا وجود باعث ترقی اور انعدام، داعی زوال و انحطاط ہے۔ عمل اور فن کے میدان میں پائی جانے والی صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے سیرت النبی ﷺ میں بیشمار مثالیں پائی جاتی ہیں۔ علامہ سہیلی نے الروض الانف شرح سیرت ابن ہشام میں یہ روایت بیان کی ہے کہ: آپ (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) ان قیدیوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جبکہ انصار میں سے کوئی بھی اچھی طرح لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا اور ان میں سے بعض کے پاس مال بھی نہ تھا کہ (وہ مال بطور اجرت دیکر) لکھنا پڑھنا سیکھ لیں، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ امر بطور فدیہ قبول کیا گیا کہ آپ دس افراد کو کتابت سکھادیں، پھر آپ کو رہا کردیا جائے گا۔ اس روز حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انصار کی جماعت کے ساتھ کتابت سیکھی۔ **(29)**۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے سو گئے تھے یہاں تک کہ سورج نکل آیا تھا، ہمارے ساتھ دو حدی خوان تھے۔ **(30)**۔ حدی خوانی سے مراد ایک مخصوص گانا ہے جس کے ذریعے اونٹوں کو ہانکا جاتا تھا۔ جس سے اونٹوں میں تیز رفتاری آجاتی تھی، جس کی وجہ سے بہت سے کام جلد سر انجام پاتے تھے۔ جنگ خندق کے وقت حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ہنر و فن سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے خندق کھدوائی۔ **(31)**۔ آپ ﷺ کی طرح آپ کے خلفاء کرام میں بھی اسی روش کو مطمح نظر بنایا گیا، بلکہ اس اہتمام میں شدت لاتے ہوئے بے ہنر و فن اشخاص کو سخت الفاظ سے ضرب لگائی جاتی تھی۔ محمد بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی جوان آدمی کو دیکھ کر اس کی حالت سے خوش ہوتے تو اس کا حال دریافت کرتے کہ آیا کوئی پیشہ کرتا ہے۔ اگر لوگ کہتے کہ اس کا کچھ پیشہ نہیں ہے تو فرماتے کہ یہ شخص میری نظر سے گر گیا۔ **(32)**۔ رسول اللہ ﷺ نے بطور ایک امیر و بانیء ریاست کے یہ عملی تعلیم عنایت فرمائی ہے کہ جس وقت اور حالات میں جن علوم و فنون اور ہنر مندی کی ضرورت در پیش ہو ان کا حاصل کرنا افراد و ریاست کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے افراد و ریاست (ریاست مدینہ) کے فنون اور ہنر مندی کے لئے نہایت پر تکلف اہتما

م فرمایا تھا۔ جنگی قیدیوں کا فدیہ ہی ان کو فن تعلیم سکھانا مقرر فرمایا۔ اسی طرح اونٹوں کی حدی خوانی اور خندق کی کھدائی بھی ایک فن تھا۔ آپ ﷺ نے اس فن کی قدر دانی فرمائی اور اہل فن کو فن آزمائی کے مواقع فراہم کئے۔ اسی طرح آپ ﷺ کا اس دور کے حساب سے اچھی تیر اندازی اور گھوڑے سواری کرنے والوں کے اجر و ثواب کا بیان فرمانا، اس طرف اشارہ ہے کہ ایک ریاست اس وقت تک کامرانی تک نہیں پہنچ سکتی جب تک وہ اپنے نظام میں فنون اور ہنر مندی کی تعلیم کے لئے قابل قدر اقدام سے معمور لائحہ عمل نہیں متعین کرتی۔ تعلیماتِ محمدی ﷺ کی روشنی میں یہ منکشف ہوا کہ والیانِ ریاست اور نمائندگانِ حکومت پر لازم ہے کہ وہ ریاستی تعلیمی نظام میں فنی و عملی کارگزاریوں کی جدید تعلیم و تربیت کے ٹھوس اقدامات ترتیب دیں، تاکہ ریاست کے افراد ہنر و فن کے میدان میں شاہسواری کر کے ملک و ملت کی ابدی سرفرازی اور افتخار کا تمغہ و امتیاز حاصل کریں۔ دورِ نبوی ﷺ کی ضروریات اور تقاضے اور تھے اور دورِ حاضر کی طلب و استدعا مختلف ہے۔ اس لئے دورِ حاضر کے جدید علوم و فنون مثلاً میڈیکل سائنس، کمپیوٹر سائنس، معاشیات، کیمیا، علم ریاضیات، ایٹم کے شعبہ سے متعلق علوم، صنعتی فنون و علوم اور ہنر مندی کے جدید ذرائع کی تعلیمات کے لئے موثر عملی اقدامات کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

(iv) ملی اور قومی ضروریات کی تکمیل:

دورِ حاضر میں جب کہ مسلمان فرقہ واریت اور گروہ بندی میں منقسم نظر آتے ہیں۔ نظریاتی، لسانی اور مسلکی تضادات نے باہم دست و گریباں کر دیا ہے۔ اس کشمکش میں ریاستی طور پر نظام تعلیم میں ایسے رہنما اصول شامل کئے جانے وقت کی ضرورت بن چکا ہے جن سے معاشرتی اور قومی، طرزِ زندگی میں قوتِ برداشت اور رواداری کا جذبہ پروان چڑھ سکے۔ ہم قومیت اور مذہب کے بھی پابند ہیں اور وطن اور ملت کی بقا اور دائمی سالمیت کی فکر اور تدبیر کرنا بھی ہماری اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ کیونکہ فرد اور افراد کے تمام انفرادی اور اجتماعی مفادات اور معاملات، ریاستی سالمیت سے منسلک ہیں اگر ریاستی استحکام برقرار نہیں رہتا تو باشندگانِ ریاست کے داخلی و خارجی امور، زیر وزبر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اولین درجہ پر ملی اور قومی ضروریات و مطالبات کو ہی زیر نگاہ رکھ کر آئین و قانون مرتب کرنا اہم و بیحد لازمی ہے۔ ریاست کی ملی اور قومی ضروریات کو دیکھا جائے تو اس کے تحت مسائل کثیرہ آتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو اس پر فقروں اور جملوں کا نہ تھمنے والا طوفان جاری ہو جائے گا جو کہ ساعتوں اور الفاظ و صفحات کی حدود اور قیود سے تجاوز کر جائے گا۔ اس لئے اس پر اجمالی نظر سے گذرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ایک فرد، ریاست سے منسلک ہوتا ہے تو اس کے وجود اور شعور کی بقاء کے لئے ذیل میں کچھ رقم شدہ حوائج کی رعایت ضروری ہوتی ہے۔

1۔ اتحاد و یگانگت کی اہمیت اور افادیت اجاگر کرنا۔ 2۔ معاشی اور اقتصادی ضروریات کے لئے دیرپا نظم ترتیب دینا۔ 3۔ تعلیمی و ترقیاتی نظام میں جامعیت، جدتِ وقت اور ارتقاءِ عالم کی وجوہات کی شمولیت۔ 4۔ باہمی تحمل و برداشت۔ 5۔ عدل و مساوات کا مساوی قیام۔

1۔ اتحاد و یگانگت کی اہمیت اور افادیت اجاگر کرنا: ایک قوم اور ایک ریاست میں مقیم ہونے کی حیثیت سے ہم پر یہ لازم ہے کہ ہم اپنے مفادات اور اغراض کو پس پشت ڈال کر صرف اور صرف ریاستی، وسیع تر مفادات کی خاطر وحدت اور یکجہتی کا اظہار کریں۔ اسلام کی آفاقی کتاب قرآن مجید اور سیرۃ النبی ﷺ میں ہمیں اس فکر پر چلانے کے لئے بیشمار احکامات جاری کئے گئے ہیں۔ 1۔ **یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ** (33)۔ ترجمہ: اے انسانو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور کیا ہم نے تم کو شاخیں اور قبیلے تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بیشک زیادہ عزت والا، اللہ کے پاس وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ قرآنی حکم کے مطابق پہلے پہل سب انسان ہیں پھر ان کے قبائل و شعوب تخلیق ہوئے ہیں جن سے مقصود معرفتِ ذات ہے اور کچھ نہیں۔ اس لئے جہاں یہ اولادِ آدم ایک جگہ یا خطہءِ زمین میں بستی ہو تو وہاں ایسا دستور ضرور مرتب کرنا چاہئے جس میں ان کے ذہنی اور قومی حقائق اور ضروریات کی بھرپور ترجمانی ہو، اور

اس تقسیم میں بطور فرد ریاست ہونے کے ان کے درمیان کوئی تمیز نہ ہو۔ ریاستی اعتبار سے تمام مذاہب و اقوام کے درمیان اتحاد کی ضرورت بیان کرنے کے بعد مالک ارض و سمانے ہمیں ایمانی اور اتفاقی رشتے میں منسلک ہونے کی وجہ سے اتحاد و اتفاق کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ۔**2۔** ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (34)۔** ترجمہ: اور مضبوطی سے پکڑو اللہ کی رسی کو سب کے سب، اور نہ ٹکڑے ہو جاؤ۔ آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسر قرآن علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رقمطراز ہیں کہ: اس آیت میں تفرقہ کی ممانعت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مسلمان دنیاوی امور، اغراض باطلہ، بغض، حسد اور عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف نہ رکھیں اور تفرقہ میں نہ بٹ جائیں، مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان تفرقہ کا شکار ہوئے عنان حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور یا تو وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے یا غیر قوموں کے محکوم اور غلام بن گئے، اندلس میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی لیکن آپس میں تفرقہ کی وجہ سے عیسائیوں نے پورے اسپین پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے لئے صرف تین راستے رکھے۔ اندلس سے نکل جاؤ، عیسائی ہو جاؤ یا پھر مرنے کے لئے تیار رہو حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ پورے اسپین میں ایک بھی مسلمان نہ رہا، بغداد میں اسی تفرقہ بازی اور شیعہ و سنی اختلافات کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو گئے اور ہلاکو کے ہاتھوں مسلمانوں کی پسپائی کی ایک تاریخ لکھی گئی، ہندوستان میں مسلمانوں نے کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن جب مسلمان طوائف الملوکی کے شکار ہو گئے اور شراب اور موسیقی میں ڈوب گئے تو انگریزوں کی غلامی ان کا مقدر بن گئی۔ مشرقی پاکستان میں جب مسلمان اردو اور بنگلہ کے اختلافات کا شکار ہوئے تو مشرقی پاکستان ختم ہو گیا۔**(35)۔**

شریعت مطہرہ میں ذمی کافروں سے جزیہ لیکر ان کو فرد ریاست بنا کر ان کی عزت و جان کی حفاظت کو اپنے فرائض میں شامل کرنا یہ اتحاد بین المذاہب کی زریں مثال ہے۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ نے انسان کے انسان پر انسانیت کے ناطے بہت سے حقوق و لوازمات عائد کئے ہیں۔ قومیت اور مذہب کی بنیاد پر کسی کی ہتک عزت اور تذلیل کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انسان تو انسان ہیں جانوروں اور پرندوں کے بارے میں بھی رحم و ترحم کی سخت تاکیدات بیان فرمائی ہیں جو کہ کتب حدیث اور تاریخ میں مرقوم ملتی ہیں۔ بطور فرد ریاست کے مسلم اور غیر مسلموں کو خلق میں شامل کرتے ہوئے ایک قوم اور عیال قرار دیکر ان سے حسن خلق اور اخلاق کی تعلیم عنایت فرمائی گئی ہے۔ جس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ فرمایا کہ: **اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ(36)۔** ترجمہ: اچھے اخلاق نیکی ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: **اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْهُ (37)۔** یعنی جب آئے تمہارے پاس کسی قوم کا عزت والا شخص تو تم اس کی عزت کرو۔ **پھر ارشاد فرمایا کہ: اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِهٖ (38)۔** ترجمہ: تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔ پھر اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ مخلوق میں سے وہ ہے جو زیادہ اچھا ہو اس کے عیال کے لئے۔ پھر فرمایا کہ: **اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ(39)۔** ترجمہ: رکھو تم لوگوں کو ان کے درجات پر یعنی لوگوں کے مرتبہ کے حساب سے ان کو عزت دو۔ ذکر کردہ احادیث میں الخلق، کریم، الناس یہ الفاظ ذات و پات اور مذہب و ملت کی قید سے مجرد، علی الاطلاق بیان کئے گئے ہیں۔ یہ قادر کریم عزوجل کی حکمت کاملہ کے مظہر اتم، واعظ حق و صداقت پیغمبر انسانیت ﷺ کی بصیرت افروز تعلیمات کی تابانیاں ہیں کہ جن کے عکس نورانی کی شعاعوں نے ایسے احکامات جاری کئے ہیں جو مخلوق خدائی کے مابین سوائے کسی بھی فرق و امتیاز کے اتحاد اور اخوت کا درس دیتے ہیں۔ مخلوق خدا کو بلا کسی مذہبی تمیز کے ایک کنبہ کی طرح سمجھ کر برابر کے حقوق دینا، کسی گروہ انسانی کے قائد اور لیڈر ہونے کے اعتبار سے عزت و کرامت کے مناصب پر براجمان کرنا اور خاندانی وجاہت اور مال و زر کی کشادگی کے حساب سے درجہ و ستائش و شرافت عطا کرنا یہ خلق الٰہی کو متحد و متفق کرنے کی وہ مثال ہے جس کی نظیر کسی بھی مذہب و ملت میں ملنا مشکل ہے۔ اگر ریاستی سطح پر اس طرح کی تعلیمات کو عام کر کے پھر عمل کے پھولوں سے سجایا جائے تو اتحاد و یگانت کی اعلیٰ مثال قائم ہو جائے گی۔ یہی وہ آفاقی اخلاقیات ہیں جو معاشرتی عدم توازن کو رفع کر کے دائمی استحکام پیدا کرتی ہیں جو کہ ریاست کی قومی اور ملی

ضروریات میں بنیادی عنصر کی اہمیت رکھتی ہیں۔

2۔ معاشی اور اقتصادی ضروریات کے لئے دیرپا نظم ترتیب دینا:

معیشت اور اقتصادی معاملات کی موثر ترتیب و تبویب کسی بھی ریاست کی عمدہ بہبود اور اعلیٰ خطوط پر اس کے برگ وبار کی پرورش کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ دنیا کی معاشی سپر پاور طاقتوں نے اس ضرورت کو اس قدر محسوس کیا ہے کہ ان کی تمام درسگاہوں میں علوم کی تعلیم میں ان علوم سے حصولِ معیشت کے نت نئے طرق اور راستے بتائے جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں معاشیات بہتر کرنے کے لئے کئی طریقہ جات بیان کئے گئے ہیں جن سے مستفید ہو کر ایک بہترین معاشی ریاست کی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی جا سکتی ہے۔ غیر اسلامی ریاستیں، اسباب اور ذرائع کی اثر انگیزی کی قائل ہیں لیکن برعکس ان کے پیامبر اصلاحِ عالم ﷺ کی شریعت پاک میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تصور دیا گیا ہے کہ رازق یعنی رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نقل و حرکت کرنے کا پابند ہے۔ اس لئے جواز اور عدم جواز کی سرحدیں قائم کی گئی ہیں۔ اسلام کا معاشی نظام کچھ اصولوں پر مشتمل ہے۔

(پہلا اصول)۔ جائز و ناجائز کی تمیز کرتے ہوئے آزادانہ تجارت۔ (دوسرا اصول)۔ سود اور دیگر ممنوع اور مکروہ ذرائع سے اجتناب۔ (تیسرا اصول)۔ احتکار (ذخیرہ اندوزی) سے باز رہنا۔ (چوتھا اصول)۔ تبذیر اور تقتیر نہ کرنا۔ (پانچواں اصول)۔ اقتصادی وسائل اور سرمایہ کا چند گروہوں کے درمیان نہ ہونا۔

(پہلا اصول) جائز و ناجائز کی تمیز کرتے ہوئے آزادانہ تجارت:

اسلام نے ریاستی معاش کو بہتر بنانے کے لئے فرد اور افراد کو کسب و محنت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ: **1- فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (40)**۔ ترجمہ: پھر جب پوری ہو جائے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کا فضل (رزق)۔ **2- هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (41)**۔ ترجمہ: وہ ذات تو وہ ہے جو پیدا کیا ہے اس نے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔ **3- وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ (42)**۔ ترجمہ: اور بیشک ہم نے رہنے کی قوت عطا کی تم کو زمین میں اور بنائیں تمہارے واسطے اس میں معیشتیں (اسبابِ زندگی)۔ فرموداتِ ربانی میں یاد کرایا گیا ہے کہ زمین و آسمان کے بیچ میں جتنے بھی مظاہر اور وسائل ہیں وہ سب اہلِ زمین کے لئے ہی وجود میں لائے گئے ہیں۔ اہلِ ارض ان اسباب کو اختیار کرتے ہوئے اپنے معاشی نظام کو بہتر سے بہتر کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلے نمبر پر ذکر کردہ آیت مبارکہ سے ماقبل آیت میں فرمایا گیا ہے کہ تم کو جب نماز (ذکر اللہ) کی طرف بلایا جائے تو **فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (43)**۔ ترجمہ: پھر دوڑو اللہ کے ذکر کی طرف اور خرید و فروخت (ذرائع معیشت) کو چھوڑ دو۔ اس حکم خدائی سے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تم ان اسباب و ذرائع کو ہی سب کچھ نہ سمجھو بلکہ اپنی ہمتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے اتنا ہی کام کرو جتنا تمہارا رب تم سے چاہتا ہے۔ محنت و جہد میں کمی اور زیادتی کا تعین عقلِ انسانی کے تخمینوں اور قیاسات پر نہیں بلکہ حاکمِ مطلق کی حکمرانی پر موقوف ہے۔ اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ انسانی فطرت، کثرتِ مال کو معاشی بہتری کا ضامن قرار دیتی ہے لیکن احکم الحاکمین کی شریعتِ مطہرہ، اصول و ضوابط سے کسب کو بہترین طریقۂ معاش قرار دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ (44)**۔ ترجمہ: اے ایمان والو نہ کھاؤ اپنے اموال اپنے درمیان باطل طریقہ سے مگر یہ کہ ہو تجارت تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے۔ آیت کریمہ کا ماحصل یہ ہے کہ ہم ان تمام طرق باطلہ اور عقود فاسدہ سے لاتعلقی اختیار کریں جو کہ معاشرتی فساد اور غلط روش تجارت کو فروغ دینے کی وجہ سے مفضی الی المنازعہ کا باعث بنتے ہیں۔ آپس میں رضا و رغبت سے ہونے والے صحیح اور درست طریقۂ تجارت کو اپنا کر باہمی حسن

معاشرت کا ثبوت فراہم کریں۔ ریاستی قومی اور ملی فرائض میں سے یہ بات بھی اہم ہے کہ ہم سعیِ حصولِ رزق کی اسلامی تعلیمات کو واشگاف الفاظ میں مشتہر کریں تاکہ افراد ریاست سستی و کاہلی کے باعث ضیاعِ اوقات جیسے مہلک امراض سے اعراض کر کے وسیع پیمانے پر طلب رزق کی کاوشات کو بروئے کار لا کر اپنے اور ریاست کے وقار و عزت میں اضافے کا سبب بن سکیں۔

(دوسرا اصول) سود اور دیگر ممنوع و فضول ذرائع سے اجتناب:

یہ ناقابلِ تردید شواہد ہیں کہ بہتر نظامِ معیشت سے ہی معاشی ترقی کا حصول ممکن ہے۔ پس ماندہ اور خستہ حال ریاستوں کے اقتصادی زوال کے بواعث میں سے پہلا عامل یہ بھی ہے۔ غیر اسلامی ریاستیں اپنے معاشی نظام کی آسودگی کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ یکطرفہ منافع اور محصولات کے کئی ذرائع ایجاد کئے گئے ہیں لیکن عالمی سطح پر معاشی بحران بڑھتا جا رہا ہے۔ آج دنیا میں ہر طرف غیر اسلامی معاشی نظام رائج ہے۔ تمام مسلم ریاستیں باستثناء چند سب اسی ہی اصول پر عمل پیرا ہیں جس کی وجہ سے مسلسل زرِ مبادلہ کے ذخائر میں کمی اور رسد کی قلت کا سامنا ہے۔ مسلسل سود کی شرح میں اضافہ اور ٹیکسز کی مد میں زیادتی کا رجحان ہے لیکن ناقص اور نامکمل نظام کے باعث ہونے والے خسارے کو کنٹرول نہیں کیا جا رہا۔ ایک حقیقی اسلامی ریاست کے حکام کو چاہیئے کہ وہ اسلامی اصولِ معیشت کو ہی اپنا مطلوب و مقصود سمجھ کر عمل پیرا ہوں تو اس طرح معاشی بحران سے نکلنے کی مسدود راہیں کھل جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسلامی معاشی اقدامات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ: **وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا** (45)۔ ترجمہ: حلال کیا ہے اللہ نے بیع (خرید فروخت) کو اور حرام کیا ہے سود کو۔ سود معاشی نظام کا ایک مہذب ظلم ہے۔ اسلام نے سود کی ہر صورت کو حرام رکھا ہے۔ معاشی میدان میں اہلِ زر اور صاحبِ ثروت لوگوں نے اپنی قوت کے بل بوتے پر بہت سارے معاشی ظلم جاری کر دیئے تھے۔ اس لئے قرآن پاک میں صرف اور صرف بیع و شراء کے شفاف طریقے کے سوا سب پر حکم امتناعی جاری کر دیا گیا۔ سود، جوا اور دیگر ناجائز طریقوں کی واضح الفاظ میں مذمت کر دی گئی ہے۔ تجارت میں باہمی رضامندی ہوتی ہے اس کو جائز رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: **يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ** (46)۔ ترجمہ: مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو۔ یعنی سودی کاروبار کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ **1۔** حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو سود کے ذریعے مال میں اضافہ کرے گا، اس کا انجام کار مال کی قلت ہو گا۔ **(47)**۔ **2۔** امام طبرانی حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بندہ روٹی کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو بڑھا کر اُحد پہاڑ جتنا کر دیتا ہے۔ **(48)** **3۔** امام مسلم، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود پر گواہی دینے والے اور سود لکھنے والے پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں۔ **(49)**۔ ہادیِ شریعت، پیغمبرِ خدا ﷺ کی شرع شریف کی رو سے سود اور اسی طرح دیگر ممنوع و مکروہ معاشی ذرائع کی قباحت اور شناعت واضح ہے۔ اسلام نے مذکورہ ذرائع کو مہلک اور مضر قرار دے کر قابلِ تردید قرار دے دیا ہے۔ بیع و شراء کے علاوہ زکوۃ، صدقاتِ واجبہ، جزیہ، خراج، عشر اور دیگر امورِ نافلہ کی مشروعیت اور امورِ واجبہ کی فرضیت بھی ریاستی معاشی نظام میں بہتری لانے کی ایک بہترین کاوش ہے۔ تجربہ ہے کہ جب تک امراء زکوۃ ادا کرتے رہیں تو غرباء کی کفالت اچھی طرح ہوتی رہی۔ ریاستی معاشی استحکام کے لئے نبی کریم ﷺ کی شریعت پاک میں زکوۃ کی وصولی کو حاکمِ وقت کی ایک اہم ترین ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح مختلف کفارات اور حدود میں بھی صدقات، دیات اور اطعامِ طعام مقرر کرنا یا لباس دینا مقرر کرنا بھی فقراء و ریاست کی معاشی کیفیت کو اچھا کرنے کی ایک حسین تدبیر ہے۔ گداگری، ذہنی و معاشی افلاس کو ختم کرنے کی یہ نہایت عمدہ ترکیب ہے۔ ایک منظم معاشی ریاست کی بنیاد کے لئے ان امور سے شناسائی کی تعلیمات ریاستی نظامِ تعلیم میں ہونا جزو لاینفک ہے۔

(تیسرا اصول)۔ احتکار (ذخیرہ اندوزی) سے باز رہنا:

احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کی اسلام میں نہایت سختی سے تردید کی گئی ہے۔ احتکار کی معنٰی ہے غلہ روک لینا۔ دورِ قدیم سے لیکر اب تک یہ قبیح رسم جاری ہے کہ دولت مند لوگ اپنے پیسے سے بہت سارا غلہ خرید کر اس کو اسٹاک کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بازار میں اس چیز میں کمی آجاتی ہے۔ اقتصادیاتی اصول کے مطابق جب رسد میں کمی ہو جائے تو اشیاء کے نرخ گراں ہو جاتے ہیں بعض اوقات روپے پیسے والی چیز ہزاروں تک چلی جاتی ہے۔ جس سے ریاستی معاشی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ کبھی قحط بھی واقع ہو جاتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی کے بارے میں ارشاداتِ نبوی نذرِ سماعت کیجئے پھر اندازہ لگائیں کہ یہ کس قدر اتلافِ جاں کا کام اور سود و زیاں ہے۔ 1۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔۔۔۔ احتکار کرنے والا (غلہ روکنے والا) ملعون (لعنتی) ہے۔ **(50)**۔ 2۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے چالیس دن غلہ روکا، اس کا ارادہ گراں کرنے کا ہے تو وہ اللہ سے بری ہے اور اللہ اس سے بری ہے۔ **(51)**۔ ملکی اقتصادی صورتحال کو کمزور کرنے میں احتکار کا بہت عمل دخل ہے لہذا ریاستی نظام میں افراد و ریاست کی نظر میں اس عمل کی تحقیر پیدا کرنے کے لئے قرآن و سنت یعنی سیرۃ النبی ﷺ کی روشنی میں اسباق، شامل نصاب ہونا بمنزلہ، لزوم اشد ضروری ہے۔

(چوتھا اصول)۔ تبذیر اور تقتیر نہ کرنا:

فردِ ریاست کے لئے یہ امر بھی نہایت ضروری ہے کہ اپنی جسمانی، فکری اور عقلی صلاحیتوں اور مالی وسعتوں کو راہِ راست میں بروئے کار لائے، کوئی بھی تبذیر یعنی اسراف نہ کرے اور تقتیر یعنی حسبِ احتیاج سے کمی نہ کرے۔ تبذیر کی مذمت میں قرآن مجید میں فرامینِ ربانی ناطق ہیں۔ **1۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا، إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ (52)**۔ ترجمہ: اور نہ فضول خرچ کر بیشک فضول خرچ کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے کہ: **وَالتَّبْذِيرُ فِي اللُّغَةِ إِفْسَادُ الْمَالِ وَإِنْفَاقُهُ فِي السَّرَفِ (53)**۔ ترجمہ: مال کو ضائع کرنا اور اس کو فضول اور بے فائدہ خرچ کرنا، تبذیر ہے۔ **2۔ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (54)**۔ ترجمہ: کھاؤ اور پیو! اور نہ اسراف کرو بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مالی ذرائع کے ساتھ اپنی فکری و عقلی اور جسمانی قوتوں کو بھی لغو اور عبث جہتوں سے منحرف کر کے درست سمت میں متوجہ اور منہمک رکھنا ہی شریعتِ مستقیمہ کا تقاضا ہے۔ کتابِ الٰہی نے بغیر کسی کس و ناکس کی تفریق کے سب کے لئے ندائے عام جاری کرتے ہوئے فرمایا کہ: **نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ (55)**۔ ترجمہ: عمل کرنے والے کا اجر بہتر ہے۔ آیتِ کریمہ میں عامل یعنی اپنی قوتوں کو راہِ عمل کی گھیوں پر نثار کرنے والے سے مراد ہر فردِ ریاست ہے، کسی بھی فرقے یا مسلک کی تشخیص نہیں کی گئی صرف صبر کرنے والے اور رب پر بھروسہ رکھنے والوں کے لئے یہ بشارت فرمائی گئی ہے۔ پھر فرزندانِ توحید کو بالخصوص متنبہ کرتے ہوئے سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ: **مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ** (56)۔ ترجمہ: مرد کی اسلام کی خوبی میں سے چھوڑنا ہے اس چیز کا جو نہیں لائق ہوتی اس کے۔ اپنی جسدی مہارتوں، روحانی قوتوں اور ذہنی و نظری کوششوں کو اسراف یعنی فضولیات سے بچانا اور معمول سے کم نہ کرنا ایک ایسا عمل ہے جس پر عمل پیرائی، فوز و کامرانی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ ریاست کے نونہالان کی اس نکتہ کی طرف چشم کشائی کرنا ضروری ہے۔

(پانچواں اصول)۔ اقتصادی وسائل اور سرمایہ کا چند گروہوں کے درمیان نہ ہونا:

معاشی نظام میں ایسے اسباب پیدا کرنا کہ دولت صرف ایک ہی جگہ یا کچھ مقامات پر جمع رہے یہ بھی ممنوع ہے۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے سرمایہ، اہلِ زر کے ہی پاس رہ جائے گا جو کہ معاشی بحران کو مزید سخت کرنے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند کرتے ہوئے فرمایا کہ: **كَيْ**

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (57)۔ ترجمہ: تاکہ نہ (جمع) ہو دولت (سرمایہ) اغنیاء کے درمیان۔ اسلام نے دولت کے اجتماع کو کم کرنے کے لئے کچھ مدات مقرر فرمائی ہیں جن سے اس عمل کی بیخ کنی میں مدد ملتی ہے۔ وہ یہ ہیں۔ 1۔ زکوۃ۔ 2۔ عشر۔ 3۔ خراج۔ 3۔ جزیہ۔ 4۔ فدیہ۔ 5۔ انفاق فی سبیل اللہ۔ 6۔ کفارات۔ 7۔ دیات۔ 8۔ میراث۔ 8۔ ہبہ وغیرہ۔ یہ تمام مدیں اس لئے مقرر ہیں تاکہ زر صرف اغنیاء تک محدود نہ رہ جائے بلکہ پسماندہ لوگوں تک اس کی رسائی یقینی بنائی جاسکے، جو کہ معاشی بحران سے نکلنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ ریاستی نظام تعلیم میں جمع دولت بین الاغنیاء کی حوصلہ شکنی کے لئے موثر تعلیمات کا ہونا بیحد ضروری ہے۔ اور اس مقصد کے لئے تعلیمی نظام کو قرآن وسنت سے مطابقت میں لانا لازمی ہے۔

3۔ تعلیمی وتربیتی نظام میں جامعیت، جدت وقت اور ارتقاء عالم کی وجہات کی شمولیت:

کسی بھی ریاست کا پائیدار استحکام اور روشن مستقبل اس کے تعلیمی نظام پر موقوف ہے۔ نظام تعلیم میں جامعیت اور جدت وقت کی رعایت کا ملحوظ ہونا اس کی عالمی جاذبیت اور کشش کا سبب ہوتا ہے۔ قرآنی احکامات اور سیرۃ النبی ﷺ کے گوشے اس پر شدت سے گہرا تجزیہ اور تبصرہ کرنے کے لئے ناطق ہیں۔ ریاست چونکہ مختلف طبقات اور متنوع حیثیتوں کے حامل افراد کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے تعلیمی وتدریسی نظام میں ایسی جامعیت اور جدت ہونا لازمی ہے جو کہ تمام طبائع اور ذوات کی بہتری اور برتری پر مشتمل ہو۔ اسلامی فقہ کا ایک قانون ہے کہ جس شخص کو جس طرح کے معاملات سے واسطہ پڑتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان شعبہ جات کے مسائل کو ضرور سیکھ لے۔ یہ اصول، عبادات سے لیکر تجارت، کسب، سیاست، حکومت اور دیگر تمام مسائل میں جاری وساری ہے۔ اسلام نے ہر دور کے حساب سے کسی بھی قسم کی عصری تعلیم یا ہنرمندی کی تعلیم پر حکم ممنوعی صادر نہیں فرمایا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ غیر اسلامی تعلیمات میں بنیادی طریقہ کار حصول اشیاء اور طلب زر ہوتا ہے لیکن اسلامی طریقہ تعلیم میں علوم وفنون کی تحصیل میں نیک نیتی اور خدمت خلق کا جذبہ ہونے کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ 1۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ: **اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ** (58)۔ ترجمہ: تم زیادہ جانتے ہو اپنے دنیا کے معاملے کو۔ 2۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ کی کتاب البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے دو صحابہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت غیلان رضی اللہ عنہ کو باقاعدہ شہر جرش بھیجا تھا، تاکہ وہاں سے دبابے، منجنیق اور صنبور کی صنعت سیکھ کر آئیں، جرش شام کا مشہور صنعتی شہر تھا اور صنبور دبابے ہی کی طرح ایک آلہ تھا، جسے اہل روم جنگوں میں استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ یہ دونوں صحابہ غزوہ حنین اور طائف میں اسی لئے شریک نہ ہوسکے کہ وہ دونوں حضرات شام میں یہ صنعت سیکھ رہے تھے۔ (59)۔ پہلے نمبر پر ذکر شدہ حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے بطور عجز اپنی ذات کے علاوہ دیگر لوگوں کے علوم وفنون اور اصلاح معاملات کے لئے ان کی طرف سے کی جانے والی موشگافیوں اور قیاس آرائیوں کو تاج حمایت پہناتے ہوئے ان کی مدح سرائی فرماتے ہوئے اور وقت رواں کی نئی ایجادات کے لئے اپنے متعلمین اور متوسلین کو بطور خاص روانہ فرما کر ہمیں یہ اصول فراہم کئے ہیں کہ جمود اور سکون کی بے مایہ وادیوں سے نکل کر تحرک اور تلاش کی گھاٹیوں میں دخول دائمی کی آرزو نے بیدار کرنا ہر ذی روح اور صاحب خرد و شعور کی تمنائے زندہ ہونی چاہیے۔ دور نبوی ﷺ میں جو ارتقائی مراحل طے ہورہے تھے، نبی کریم ﷺ نے اس بات کا التزام کر رکھا تھا کہ جو نئی چیزیں وجود میں آتی تھیں اور وہ ریاست اور افراد ریاست کے لئے مفید ہوتیں، تو آپ ﷺ ان کے حصول کے لئے خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ اہتمام بھی اس قدر شدت سے کہ میدان جنگ کے مجاہدین کو حرب وجدل سے ہٹا کر اس طرف روانہ کر دیا۔ یہ اتنا انصرام واہتمام اس لئے تھا، تاکہ اصحاب اقتدار کے اندر نئی ایجادات اور جدید علوم اور فنون کی طلب کی حرص پیدا ہو۔ عالم امکاں کے رخ پر موجود اشیاء کے علاوہ زیر زمیں، جوف ارض میں مستور خزائن یعنی معدنی ذخائر اور زرعی وسائل کی جستجو میں مگن رہنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ: **اُطْلُبُوا الرِّزْقَ فِيْ خَبَايَا**

الْأَرْضِ (60)۔ ترجمہ: طلب کرو رزق کو زمین کی پوشیدہ نعمتوں میں۔ علم نجوم کے لئے احادیث میں بہت سی وعیدات آئی ہیں لیکن بعض مفادات کے حصول کے لئے اس کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ جیسے کہ ستاروں کا طلوع وغروب، چاند کی رفتار یا سفر کے دوران ستاروں کو دیکھ کر سمت کا تعین کرنا۔**(61)**۔ علم نجوم سے فراہم شدہ معلومات کو جزمی اور حتمی معاملات میں کبھی بھی زیر استعمال نہیں لایا جاسکتا۔ تاہم اس کی جزوی افادیت سے مجال انکار بھی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بعض مفادات کے حصول کے لئے علم نجوم کی تحصیل کی رخصت دیکر تشنگان علم وہنر کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے۔

یہ دنیا ایک علمی اور صنعتی میکدہ ہے جس میں ہر طرح کے علوم وفنون کے جام وسبو اپنی تروتازگی کی نکہت اور مہک کی تابانی کے ساتھ مسند وقوع پر قائم ہیں۔ ان کی دلکشی اور سحر انگیزی کو دیکھ کر ہر کوئی یہ آرزوئے مسلسل اور خواہش دوامی کرنے کے درپہ ہوہی جاتا ہے، یا پھر جہان تخیل میں یہ تصوراتی محل ضرور تعمیر ہوتا ہے کہ ان تمام علوم اور فنون کی باگ میرے ہی ہاتھ میں ہو۔ لیکن تجربات اور حقائق انسان کی معاشی تقاضاؤں، طبعی ضروریات اور معاشرتی مطالبات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس تمنا کے شدید انکاری ہیں، اور ساتھ ہی حیاتِ بے بقا اور عمر کمتر بھی اس سے معذرت خواہی کی خواہاں ہے۔ عقل ودانش نے یہ کہا کہ معارف اور آشنائی کے اس بحر بیکراں سے حیات قلیل کی بشری اور فطری حوائج کے بقدر کوئی انتخاب ہو ناہی قابل ترجیح پہلو نظر آتا ہے، ورنہ زیست قلیل میں تحصیل کثیر کا خواب، صرف خواب ہی رہ جائے گا۔ عمر قلیل کے شاہین بے نقاب کے پروں پر سوار یہ انسان ضعیف جو کہ بڑی تیزی سے موت کی طرف محوِ سفر ہے وہ اس جہان رونق وبو میں علوم اور فنون کے بحر بیکنار کے کتنے قطرات سے بھلا اپنی تشنگی مٹاپائے گا۔ اس لئے اس کی حیات اور زندگی کے بقدر علوم وفنون کی تحصیل اس کے لئے متعین اور مخصص ہونا احسن اقدام ہو گا۔ تو اس امر کی وضاحت، امتِ مسلمہ کے بے بدل عالم اور محقق، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: **محمود علوم** وہ ہیں جن سے دنیا کے کاموں کی مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں مثلاً طب اور حساب۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں **فرضِ کفایہ** اور **مستحب**۔ **فرضِ کفایہ** وہ علم ہے جس کے بغیر دنیا کے کاموں کا انتظام نہ ہو سکے جیسا کہ طب، کیونکہ یہ بدنوں کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ اور حساب کیونکہ یہ معاملات، وصیتوں اور ترکے وغیرہ کی تقسیم میں ضروری ہے۔ یہ وہ علوم ہیں کہ اگر پورے شہر میں سے کسی ایک نے بھی انہیں حاصل نہ کیا تو پورے شہر والے گنہگار ہوں گے۔۔۔۔۔ اور ہمارے اس قول سے کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ "**طب اور حساب**" فرضِ کفایہ ہیں کیونکہ صنعتوں کے اصول بھی فرضِ کفایہ علوم میں سے ہیں جیسا کہ کاشتکاری، کپڑا بنائی اور حکمتِ عملی وتدبیر بلکہ پچھنے لگانا اور کپڑا سلائی بھی۔ کیونکہ اگر سارے شہر میں کوئی بھی پچھنے لگانے والا نہیں ہو گا تو ہلاکت ان کے طرف جلدی کرے گی اور وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ جس نے بیماری اتاری ہے اس نے اس کی دوا بھی اتاری ہے اور سے استعمال کرنے کی راہنمائی فرمائی ہے اور اسے حاصل کرنے کے اسباب بھی مہیا کئے ہیں۔ اس لئے انہیں چھوڑ کر ہلاکت اختیار کرنا جائز نہیں۔ بہر حال وہ (علم جو) شمار ہوتا ہے فضلیت میں نہ فریضہ میں **(یعنی مستحب وہ)**: حساب کی باریکیوں اور طب کی حقیقتوں میں غوطہ زنی کرنا (یعنی اس کی گہرائی کو حاصل کرلینا) ہے۔ اور ان کے علاوہ وہ چیزیں جن کی حاجت تو نہیں لیکن جتنی مقدار کی حاجت ہے اس میں اضافی قوت کے لئے مفید ہیں، ان کے بارے میں جاننا بھی مفید ہے۔ **(62)**۔ سیرۃ النبی ﷺ اور علماءِ اسلام کے نظریات کی روشنی میں یہ عیاں ہوتا ہے کہ ہم فرزندان ریاست ہر وہ چیز حاصل کرنے کے لئے نہایت سنجیدگی اختیار کریں جو کہ وقت اور حالات کے بدلتے ہوئے مطالبات کے عین مطابق ہو۔ وہ چیز دنیاوی امور کی مصلحت سے وابستہ ہو یا پھر دنیاوی کاروبار یا رمق حیات کو باقی رکھنے سے منسلک معاملات ہوں یا پھر صنعت وحرفت کے متعلق امور ہوں یا پھر وہ علوم ہوں جو ان مذکورہ امور میں آسانی پیدا کرتے ہیں۔ ایک پائیدار ریاست کے قیام کے لئے اس کے تعلیمی نظام میں ان تمام امور کے لئے مرحلہ وار تعلیم وتربیت کی فراہمی یقینی بنانا حکام ریاست کی ذمہ داریوں میں سے اہم

ذمہ داری ہے۔ اس ضمن میں مذکورہ علوم کے ملکی و غیر ملکی ماہرین کی خدمات لینا ضروری ہے تاکہ افرادِ ریاست اس تعلیم و تعلم کی بدولت راہِ عمل اور علم کے نئے گوشے آشکار کر سکیں۔

4۔ باہمی تحمل و برداشت۔

قومی اور ملی ضروریات میں ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ ہم بطور فردِ ریاست کے باہمی تحمل و بردباری کا مظاہرہ کریں۔ مختلف نظریات اور متفرق تصورات کے ہجوم میں مجموعی مفادات کی خاطر انفرادی اغراض کو قربان کر دیں۔ اس میں مذہب و ملت اور قوم اور قبیلے کے امتیازات کو پسِ پشت ڈال کر ریاستی سطح پر اظہارِ یکجہتی کا ثبوت دیں۔ باہمی تحمل اور برداشت کے جذبہ کو پروان چڑھانے کے لئے اسلامی حدود اور قوانین کی بلا مشروط تنفیذ بھی نہایت اہم حصہ رکھتی ہے۔ اسلام نے حدود اور تعزیرات کے تقرر میں جرائم کے سدباب کو ملحوظ رکھا ہے تو دوسری جانب ان سے مقصود تحمل اور برداشت کی قوت کو مضبوط کرنا ہے۔ بالفرض جرموں کی سزائیں اور شرارتوں پر تعزیرات اور فساد فی الارض کی پاداش میں جارحانہ کاروائیاں کرنا، عائد نہ کیا جاتا تو صبر اور ضبط کا مادہ پیدا ہی نہ ہو پاتا۔ بات بات پر برسوں کے یارانے ختم ہو جاتے۔ اسی طرح عفو، صبر، عاجزی اور انکساری جیسی صفات کو محمودہ اور قابلِ ماجور قرار دینا بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے تاکہ باہمی تحمل و برداشت پیدا ہو جائے۔ ملکی تعلیمی ڈھانچے میں مذکورہ امور کی تعلیمات شامل کرنا، ایک طرف مذہبی اقتضاء ہے تو دوسری طرف قومی اور ملی ضروریات کی کفالت میں اہم اقدام بھی ہے۔

5۔ جغرافیائی اور سرحدی ضروریات کی تکمیل:

ریاست کی جغرافیائی اور سرحدی ضروریات کے اہتمام کے جذبہ کو تقویت بخشنا درحقیقت باغِ ریاست کے پھولوں میں بھینی بھینی خوشبو پیدا کر کے اس کے ہر گل اور شگوفے کو معطر کر کے دائمی بہار سے آشنا کرنے کی سعی و کامیاب ہے۔ جغرافیائی حدود یعنی رقبہ و ریاست کے اندرونی اور سرحدی مسائل کی مربوط ترتیب و تدوین ہی اس کی بقا اور سالمیت کا عکس ہوتی ہے۔ مسائل اندروں میں ساکنانِ ریاست کی تعلیم و تربیت، معیشت و تجارت اور اخلاقیات و آداب کے متعلق احکام شامل ہیں جس پر کچھ تبصرہ کر دیا گیا ہے۔ اور اوامر بیرونی میں دفاعی قوت کو مستحکم کرنا اہم شمولیت رکھتا ہے۔ ریاست کی جغرافیائی ضروریات میں دفاعی نظام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر کسی ریاست کا دفاعی نظام مکمل نہیں یا کمزور ہے تو اس کے باقی تمام معاملات کا استحکام کوئی وقعت نہیں رکھ سکتا۔ دفاعی نظام کی تقویت

کے لئے مذکورہ امور کی احسن انجام دہی ہی کوئی قابلِ تقلید پہلو اجاگر کر سکتی ہے۔

(الف)۔ مخالف اور موافق کی شناخت۔ (ب)۔ مفاہمتی حکمتِ عملی سے مدِ مقابل کو حلیف بنانا۔ (ج)۔ آلاتِ حرب و جدل اور جنگی اسلحہ جات کی مکمل تیاری۔

(الف)۔ اندرونی اور بیرونی مخالف اور موافق کی شناخت: کسی بھی ریاست کی دفاعی پوزیشن کی پختہ تعمیر کے لئے یہ ضروری ہے کہ اتحادی اشخاص اور اختلافی گروہوں سے واقفیت حاصل کی جائے، تاکہ اندرونی خلفشار سے نظامِ ریاست درہم برہم نہ ہو جائے۔ خارجی فتنہ سازیوں کی طرح داخلی شرانگیزیاں بہت ہی خطرناک ہوتی ہیں۔ تاریخِ انسانی میں ریاستوں کی پسپائی اور حکومتوں کی زمیں بوسی کی وجوہات اساسی میں، ان دونوں ہی طرح کی خانہ ساز شورشوں اور تکبیسات کا ضرر بہت ہی کار فرما رہا ہے۔ اسلام کے دارالحکومت ریاستِ مدینہ کے اندر خلیفۂ وقت کی بہیمانہ انداز سے شہادت سے لیکر مسلمانوں کی باہمی متحاربانہ پنجہ آزمائی تک اور پھر اس تسلسل کے نتیجہ میں تخریبِ بغداد سے لیکر سقوطِ اندلس و مشرقی پاکستان تک، ان تمام ستم کاریوں اور استحصالی جبر آزمائیوں میں، باہر کے دشمنوں کے ساتھ دائرۂ ریاست کے بطن میں موجود شازشی عناصر کی کاوشوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ ہوشمندی اور زیرکی کا مظاہرہ یہی ہے کہ اولین بنیادوں پر زمرۂ ریاست سے خارج اور اندرونِ ریاست خبر گیری اور جاسوسی کا نظام معتمد اور

قابل وثوق ہو۔ شمائل الترمذی کی طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں سے دوسرے لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔**(63)**۔ علامہ کتانی اس روایت پر وارد ہونے والے ایک وہم کو دفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: شرح شفاء میں ابن التلمسانی کہتے ہیں: یہ ممنوعہ تجسس نہیں ہے (جس تجسس کی قرآن مجید میں ممانعت ہے)۔ بلکہ اس سے امام، فاضل اور مفضول میں پہچان حاصل کر لیتا ہے اور وہ اس کے مطابق درجات مقرر کرتا ہے، یہ ممنوعہ غیبت نہیں بلکہ اس کا مطلب خیر خواہی کا حصول ہے۔ علامہ مناوی الشمائل پر لکھتے ہیں: یہ حکام کے لئے رہنما اصول ہے تاکہ وہ رعایا کے حالات اور ان کی خواہشات سے باخبر رہیں، بلکہ ایسے فقہاء، صالحین اور اکابر کے لیے ضروری ہے جن کے مقلدین، معتقدین اور متبعین بکثرت ہوں تاکہ وہ لوگوں کو ضرر سے بچا سکیں ورنہ فتنہ بڑھتے بڑھتے کبھی ناقابل اصلاح ہو جاتا ہے اور اس کا تدارک ممکن نہیں ہوتا۔**(64)**۔ بیرونی دشمن کی خبر گیری کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بہت سے اقدامات فرمائے تھے۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے، آپ نے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا، آپ رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کی خبریں لکھا کرتے تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا: آپ ﷺ کا مکہ میں تشریف لانا بہتر ہے۔**(65)**۔ الاصابہ میں حضرت انس بن ابی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ابن سعد سے منقول ہے کہ آپ اوطاس میں نبی ﷺ کے جاسوس تھے۔**(66)**۔ ذکر کردہ طریقہ نبوی ﷺ اور اعمال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ ریاست کے دفاعی نظام میں مقدم یہ ہے کہ متحد اور معاند کی معرفت چاہیے، ورنہ امواج فتنہ کی طغیانی سے محل ریاست کے انہدام کا وقوعہ پیش آنا کوئی واقعہ بعید از امکان نہیں رہتا۔ ریاست کے تعلیمی نظام میں تجسس غیر ممنوعہ

کے جدید ذرائع کی تعلیمات کا شامل کیا جانا وقت کی ضرورت ہے۔

(ب)۔ مفاہمتی حکمت عملی سے مد مقابل کو حلیف بنانا: مفاہمت کی معنی باہمی معاملہ شناسی سے اختلاف سے ہٹ کر اتحاد کی میز پر آنا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اجتماعی ترجیحات کو ذاتی ترجیحات پر راجح سمجھنا۔ قرآن مجید میں اس معمہ کی سلجھائی کے لئے بہت سے احکامات وارد ہیں۔ 1۔ **قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ** یعنی: اے میرے پیارے نبی ﷺ آپ اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر (اتفاق یافتہ) ہے۔**(67)**۔ اگرچہ اس آیت کریمہ میں بعد کے کلمات میں نظریہ توحید پر اتفاقیہ مرتب کرنے کی مثال ہے لیکن ایسا کلمہ جو دونوں جہات میں متحدہ ہو اس پر اجماع کرنا بھی اس سے ثابت ہو رہا ہے۔ 2۔ **لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ** ترجمہ: تمہارے واسطے ہے تمہارا دین اور میرے واسطے ہے میرا دین۔**(68)**۔ اس حکم ربانی میں مطلق دین کا لفظ ہے جو کہ تمام ادیان اور شرائع کو محیط ہے۔ یہ تمام مسالک وملل کے درمیان مفاہمت اور متحابت کا انمول پیغام ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع اور حوادث پر جو معاہدات اور میثاقات مرتب کئے وہ اس امر کی عکاسی کرتے ہیں کہ مد مقابل جو کہ مذہب کے اعتبار سے ہو یا جغرافیائی اعتبار سے ہو حلیف بنا کر اس کے شر وشرر سے نجات حاصل کرنا اہمیت کا حامل ہے اور یہ ریاست کے ہمہ گیر تسلط کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کا مانع اور دافع ہے۔ ریاست کے تعلیمی نظام میں اس باب میں تعلیمات کا شامل نصاب کیا جانا بقاء سلطنت کے لئے کی جانے والی تدابیر میں سے اہم تدبیر کی حیثیت رکھتا ہے۔

(ج)۔ آلات حرب وجدل اور جنگی اسلحہ جات کی مکمل تیاری: دفاعی نظام کو برقرار رکھنے میں جنگ وجدل سے متعلق اسلحہ جات اور سازو سامان تیار کرنا اور عسکری قوت کو مستعد اور مجتمع رکھنا داخل ہے۔ کسی بھی ریاست کے دفاعی نظام کو مستقل طور پر مضبوط رکھنے کے لئے زمینی اور فضائی سامان حرب کو فعال رکھ کر خود کو قوی اور توانا رکھنا ہی بقائے سرمدی کی مسلمہ علامت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے والیان ریاست اور باشندگان مملکت سے مخاطب ہوتے فرمایا کہ: **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَ**

اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ (69)۔ ترجمہ: تیار رکھو تم قوت وہ جو جس کی تم طاقت رکھتے ہو بندھے ہوئے گھوڑے میں سے، رعب ڈالو تم ان سے تمہارے دشمنوں اور اللہ کے دشمنوں پر اور دوسرے ان دشمنوں کو، جن کو تم نہیں جانتے۔ آیت میں قوت سے مراد اسلحہ کی تمام انواع اور اقسام ہیں اور اس آیت کے دو محمل ہیں ایک یہ جن دشمنانِ اسلام سے تمہارا مقابلہ ہو ان کے خلاف جو اسلحہ سب سے زیادہ موثر ہو، اس اسلحہ کو مہیا کرو۔ اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اس زمانہ میں جو ہتھیار سب سے زیادہ مہلک ہو اس کو حاصل کراو۔ عہدِ رسالت میں سب سے زیادہ مہلک ہتھیار تیر تھا اس لئے نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور تیر و کمان کے حصول کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ (70)۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام مسلم یہ روایت لائے ہیں کہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ** کی تفسیر میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے، سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے، سنو یقیناً قوت تیر اندازی ہے۔ (71)۔ دورِ نبوی ﷺ میں تیر ایک مہلک ہتھیار تھا تو آپ ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے کی خاص ترغیب فرمائی ہے: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے تیر اندازی کو سیکھ کر پھر اس کو ترک کر دیا پھر وہ نعمت تھی جس کو اس نے ترک کر دیا، فرمایا اس نے نافرمانی کی۔ (72)۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کتاب خدائی اور سنتِ نبوی ﷺ کے متجلّی مینار سے بس یہی کرنیں نمودار ہوتی ہیں کہ ساکنانِ ریاست وقتِ سابق کی تعلیمات کے طرق کی پھوہار سے بصارتوں کو مستفید کر کے زمانہ، حال و استقبال کی تیاریوں میں محو و مگن رہیں، تا کہ دورِ قریب و جدید کے تقاضوں کے مطابق ہر طرح کی استعداد و قوت میسر ہو سکے۔ دنیا روز بروز **هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ** کی روش پر چلتے ہوئے ناقابلِ تسخیر ایجادات اور وسائل کی جستجو میں سرگرداں ہے۔ ایسے میں جو کوئی جادہ، غفلت کا راہی ہوا وہ صفحہ ہستی سے اپنا وقار اور قوت گنوا بیٹھتا ہے۔ تجربوں کی تیز لہروں اور حالات کے ہمہ گش جھونکوں سے منکشف یہی ہوتا نظر آرہا ہے کہ عالم ارض و سما میں بعض جبارین کا جبر اور کچھ قاہروں کی قہاری نے دنیا کو بازیچہء اطفال بنا رکھا ہے۔ جس کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محکوم اقوام نے حسبِ بساط، قوت اور استطاعت کی تحصیل نہیں کی۔ جن جن اقوام نے قرآنی تعلیمات اور مظاہر کائنات سے راہنمائی نہیں لی اور شب و روز کی گردش میں ایام حیات بسر کرنے کو ہی کل متاع سمجھا۔ وہ آج بھی غلامی کے قفس میں مقید ہیں۔ علماء کرام نے جدید علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی کو حالیہ وقت کی ضرورت قرار دیتے ہوئے آیت مذکورہ کی روشنی میں کہا کہ: نبی ﷺ نے تیر اندازی سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے کیونکہ اس زمانہ میں یہ دشمن کے خلاف بہت بڑا اور بہت موثر ہتھیار تھا۔ اس زمانہ میں تیر اندازی کی جدید شکل میزائل ہے۔ جس طرح اُس زمانہ میں تیر اندازی کا علم حاصل کرنا اور اس کی مشق کرنا ضروری تھا اسی طرح اس زمانے میں ایٹم بم، اور ہائیڈروجن بم کی تیاری کا علم حاصل کرنا اور میزائل بنانے کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس دور میں ایٹمی صلاحیت کو حاصل کرنا بہت ضروری ہے اور جب تک کسی ملک کو ایٹمی صلاحیت حاصل نہ ہو، اس کی بقاء کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ نے جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے۔ جس سے وہ شہر تباہ ہو گئے اور جاپان وہ جنگ ہار گیا۔ اگر اس وقت جاپان کے پاس ایٹم ہوتے تو امریکہ کبھی بھی جاپان پر ایٹم بم نہیں گرا سکتا تھا۔ اس لئے آج مسلمانوں کو اپنی بقاء کے لئے اور دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا ضروری بلکہ سب سے اہم اور مقدم فرض ہے۔ (73)۔

کسی بھی ریاست کی فلاح اور بہبود پر سنجیدگی سے کام کرنے کے لئے اس کے دفاعی نظام پر سب سے پہلے کام کرنا ضروری ہوتا ہے ورنہ سب کچھ کیا ہوا دھرے کا دھرا ہی رہ جاتا ہے۔ امراء و ریاست پر لازم ہے کہ ریاست کے تعلیمی نظام میں مذکورہ امر سے متعلق جامع تعلیمات اور اسباق درج کئے جائیں تاکہ مستقبل کا طالب علم، جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے حصول میں سرگرم اور مجتہد نظر آئے۔ یونیورسٹیز اور جامعات میں جدید ایٹمی علوم

میں مہارت تامہ رکھنے والے معلمین اور اساتذات کی تقرری اور اس علم کا حصول سب کے لئے آسان بنانا، اس مقصد کی تکمیل کا واحد ذریعہ ہے۔

5۔ عدل و مساوات کا مساوی قیام:

عدل و انصاف گلشن ہستی کی رعنائیوں کی جان ہے۔ اگر بوستانِ زندگی سے عدل و انصاف کی بہاریں چھین لی جائیں تو سارا باغِ عالم ہی اجڑ جاتا ہے۔ عدل و انصاف معاشرتی اور قومی ضروریات میں اہم ضرورت ہے جس کے بغیر ایک فلاحی اور پائیدار مملکت کا قیام استحالہ فہم و شعور ہے۔ یہ ایک ہمہ گیر صداقت ہے جو ہر کسی کو تسلیم کئے بغیر چارہ و کار نہیں۔ مظلوم تو مظلوم پر ظالم جس کی ستم رانیاں اور سفاکیاں شرف انسانیت کی دھجیاں اڑانے کا سبب ہوتی ہیں وہ بھی یہ کلمہ وردِ زبان نہیں لاسکتے کہ عدل و انصاف سے جبر و عدوان بہتر ہے، بلکہ وہ اپنی من مانیوں کو بھی برساتِ عدل سمجھ کر فصلِ انسانیت کو اس سے سرسبز کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں ایسے قوانین اور قواعد رائج ہیں جو کہ عدل و انصاف کے خون کی ضمانت ہیں۔ ایک ہی ریاست کے افراد میں ناہموار قانون، عدل و انصاف کی سوچ کو ہی ختم کر دیتا ہے۔ ابوریحان البیرونی جن کی نگارشات کو ہندو فضلاء درجہ تسلیم میں رکھتے ہیں، انہوں نے پندرہ سال ہندو معاشرے کے مطالعے میں صرف کئے وہ شودر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اس کو برہمن کے کاموں میں مصروف رہنا اور اس کی خدمت کرنا چاہئے۔۔۔۔۔۔۔ ہر وہ کام جو برہمن ہی کے واسطے مخصوص ہے، (مثلاً) تسبیح (مالا جپنا)، بید (وید) پڑھنا اور آگ کی قربانیاں شودر کے لئے منع ہے۔ اگر شودر یا بیش کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے بید پڑھا، برہمن اس کی اطلاع حاکم کو دے اور حاکم اس کی زبان کاٹ دے۔ **(74)**۔ 66ویں باب میں کفاروں اور سزاؤں کے بیان میں ذکر کرتے لکھتے ہیں کہ: جرم قتل کی یہ حالت ہے کہ اگر قاتل برہمن ہے اور مقتول دوسرے طبقہ کا، تو قاتل پر کفارے کے سوا اور کوئی سزا لازم نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ سب سے بڑا گناہ برہمن کا قتل ہے۔ **(75)**۔ اسی طرح یہود میں بھی امتیازی سلوک جاری و ساری تھا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک یہودی کو گذارا گیا۔ جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے گئے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ: تم اپنی کتاب میں زنا کرنے والے کی حد اسی طرح پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، پھر آپ نے ان کے علماء میں سے ایک شخص کو بلوایا اور فرمایا: میں تم کو اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کیا۔ کیا تم اپنی کتاب میں زنا کرنے والے کی حد (سزا) اس طرح پاتے ہو؟ اس نے کہا نہیں، اور اگر آپ مجھے قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا۔ ہم اس (زنا) کی حد تورات میں رجم کرنا پاتے ہیں لیکن ہمارے معززوں میں زنا بکثرت ہونے لگا۔ سو جب ہم کسی معزز آدمی کو پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کسی معمولی آدمی کو پکڑتے تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ **(76)**۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مذہب اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں امتیازی سرگرمیوں کی وجہ سے انصاف و عدل صرف لفظوں میں پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسی تہذیب کے لوگ اسلام کے گرویدہ اور پروانے ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں دین اسلام نے عدل و انصاف کے فروغ میں ایسا کردار ادا کیا کہ اس کی مثال کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ اپنی ذات کا احتساب ہو یا کسی مخصوص قوم یا قبیلہ سے تعلق یافتہ شخص پر فردِ جرم عائد کرنے کا معمہ ہو، عبادات اور لوازمات شرع کی ادائیگی ہو یا وصولیابی حقوق ہو۔ ہر میدان میں اسلام نے عدل و انصاف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے باہمی مساوات کے قیام کو ترجیح دی ہے۔ اس کی اعلیٰ مثال یہ ہے کہ قرآن پاک نے ایک انسان (بشمول کافر و مسلم) کا قتل، پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔ یہ انسانی مساوات کی اعلیٰ نظیر ہے۔ اسی طرح سزاوں اور کفارات کے لزوم میں یکسانیت پر یہ روایت دلالت کرتی ہے: ام المؤمنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قریش اس بات سے پریشان تھے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی تھی، انہوں نے کہا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کون سفارش کرے گا؟ تو لوگوں نے کہا کہ اس کی جرات سوائے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اور کون کر سکتا ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کے لاڈلے ہیں۔ بالآخر حضرت اسامہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے

فرمایا کہ: اے لوگو تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوگئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے۔ جب ان میں کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اور بخدا! اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔ (77)۔ اس فرمان نبوی ﷺ پر غور تو کیجئے کہ آپ ﷺ نے بغیر کسی کی پرواہ کئے بااثر طبقے سے وابستہ عورت پر حد جاری فرمانے کا حکم فرمادیا اور فرمایا کہ اگر محمد ﷺ کی بیٹی بھی اس جرم کی مرتکب پائی جاتی تو میں اس پر بھی حد جاری فرمادیتا۔ حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: **أَقِيمُوا حُدُودَ اللَّهِ فِي الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَلَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللَّهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ** (78)۔ ترجمہ: قائم کرو اللہ کی حدود کو (یکساں) اپنے سے قریب اور بعید والوں پر، اور نہ پکڑے اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو۔ یہ عدل وانصاف کے ایسے عالمگیر نظائر ہیں کہ اقوام عالم میں اس کے اشباہ نہیں ملتے۔ اس کی اثر انگیزی اور ثمرات سے شجر اسلام کی بنیادیں اور بھی پختہ ہوئی ہیں۔ اسی انصاف وعدل سے متاثر ہو کر بے دین اشخاص دین اسلام کے سچے سپاہی بن جاتے تھے۔ کسی بھی ریاست کے لئے ایسے ہی عدیم المثال عدل وانصاف کی ہمیشہ ضرورت پائی جاتی ہے۔ اسلامی حقیقی ریاست کی شناخت ہی اسی غیر جانبدارانہ عدل وانصاف سے ہوتی ہے۔ ریاست کی قومی ضروریات میں عدل وانصاف کا غیر امتیازی اجرا بنیادی حیثیت رکھتا ہے بلکہ دیگر تمام چیزوں کی تقویت اور دیرپا قیام بھی اسی میں مضمر ہے۔ کسی بھی ریاست کو اعلیٰ سطحی اقدار پر پہچانے کے لئے اس کے تعلیمی نصاب میں ٹھوس اور غیر ترجیحانہ عدل وانصاف کی فراہمی اور اس کے فوائد وثمرات کا تصریح کے ساتھ بیان کرنا، ارباب ریاست کے لئے فرائض منصبی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے اعلیٰ معیار پر مشتمل ریاستی افراد کی تیاری کے لئے ہمیں اس باب کی تعلیمات اپنے نظام تعلیم میں وجوبی حیثیت سے مقرر کرنی ہوں گی تاکہ عدلیہ اور مقننہ کا نظام بہتر کیا جاسکے۔

تعلیمی نظام کا افراد ریاست کے ثقافتی، سماجی اور معاشرتی معاملات میں کردار:

کسی بھی ریاست کے ثقافتی، معاشرتی اور سماجی معاملات کا اثر اس کے باشندوں پر نمایاں نظر آتا ہے۔ اس لئے ثقافت، سماج اور معاشرت کو بہتر سے بہتر بنانا ریاستی بہتری کے لئے گوشۂ خیر تصور کیا جاتا ہے۔ کسی قوم کے رہن، سہن کے انداز، ثقافتی اور اخلاقی اقدار سے ہی معاشرہ کی تصویر پیش کی جاسکتی ہے۔ سماجی نظام سے معاشرتی نظام کی اصلاح مراد ہوتی ہے۔ امراء وسلاطین جب سرحدی حدود کو پھلانگتے ہیں تو کبھی افواج و عساکر کی قوت سے مخالف کی عسکری طاقت کے پرخچے اڑاتے ہیں، کبھی ملکی سیاست کے ذریعے اپنے فاسد عزائم پھیلانے کی جہد پیہم کرتے ہیں اور کبھی اقتصادی یلغار کے ذریعے مخالف کو پست وہیچ کرنے کی ٹھانی جاتی ہے اور کبھی کبھار سماجی اور معاشرتی نظام میں خلل پیدا کرکے مخالف کے پورے ریاستی نظام کو تہہ وبالا کرنے کی شازشیں کی جاتی ہیں، جن میں سے ہر ایک تخریب کاری، مصائب وآلام کی جھنکار کی مانند ہے۔ لیکن ثقافتی، سماجی اور معاشرتی معاملات پر حملہ آوری اور پھر اس کے توسل سے اخلاقیات کو فاسد کرنا ایک ایسی رقیق چال ہے، کہ جس کی زد میں تہذیبیں اور ریاستیں آکر روبہ زوال ہو جاتی ہیں۔ اسلامی ثقافتی، سماجی اور معاشرتی مسائل کی قصر منیر وحی الٰہی کی تابع ہے۔ ہماری ثقافت نبی اکرم ﷺ کے اسوہ پر عمل پیرائی اور شعائر اللہ کی تعظیم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ: 1۔ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** (79)۔ ترجمہ: بیشک ہے تمہارے واسطے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں بہترین نمونہ۔ پھر کلام الٰہی یوں ناطق ہوا کہ۔ 2۔ **وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ** (80)۔ ترجمہ: اور جو تعظیم کرے شعائر اللہ کی، تو یہ بات دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔ مذکورہ فرامین کے علاوہ ہمیں قرآن مجید میں جگہ جگہ پر معاشرتی اور سماجی مسائل کی اصلاح کی ترغیب فرمائی گئی ہے۔ اخلاقی اقدار، مذہبی شعار اور حسن معاشرت سے وابستہ مسائل کو بہتر طور پر انجام دینے سے ہی معاشرہ بہتر بن سکتا ہے۔ ایمان باللہ والرسول، اقامت صلاۃ، صوم رمضان، حج بیت اللہ، فواحش ومنکرات سے اجتناب اور والدین کے ساتھ حسن سلوک، پڑوسی، مہمان اور مسافروں اور فقراء ومساکین کے حقوق بجالانا، مسلمانوں کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھنا، مخلوق خدائی کے ساتھ شفقت ومودت اور خدمت خلق کے جذبہ کو فعال رکھنا، یہ سب امور ہماری ثقافت ہیں۔ ان کی بجاآوری ریاست کے سماجی اور معاشرتی اقدار

کی تعمیر نو میں بنیادی کردار رکھتی ہے۔ ملکی نظام میں تعلیم کے دستور العمل میں ان سے متعلق واضح ترین تعلیمات کو شامل کرنا، سماج اور معاشرہ کو حسن و نکھار بخشنے کے مترادف ہے۔ ہماری ثقافت، احکامات اسلام کی اطاعت اور شعائر اسلام کی الفت و محبت ہے۔ ان ثقافتی اقدار سے والہانہ محبت کرنا ہی ایک بہترین معاشرہ کی بنیاد ڈالنے کے مترادف ہے۔ اہل منصب کو چاہیے کہ وہ تعلیمی نظام میں ثقافتی اور سماجی معاملات سے وابستہ جامع ہدایات ضرور شامل درس رکھیں، اور گاہے بگاہے اسلامی ثقافت، سماج اور معاشرت کی پہچان کے لئے مختلف سیمینار منعقد کر کے اسلامی تشخص کو بر قرار رکھنے کی کوششوں کو تیز تر کرنے میں اپنا حصہ ملائیں۔

تعلیمی نظام کا افراد ریاست کے سیاسی اور ریاستی معاملات میں کردار:

کسی بھی ریاست کے سیاسی نظام کا مدار اور ریاستی معاملات کا انحصار اس کی ترقی اور زوال میں دائر ہوتا ہے۔ دنیا میں موجود ریاستوں کے سیاسی نظریات اور ریاستی تصورات، بشری عقول اور ذہنی اختراعات پر مبنی ہیں جو کہ عالمگیریت اور ہمہ گیریت سے یکسر خالی ہیں۔ اس وجہ سے ان میں بعض اقوام یا بعض ممالک کے مفادات کے سوا کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اندر جنگ عظیم جاری ہے۔ صرف معدودے لوگوں یا ملکوں کے علاوہ باقی سب اپنی جغرافیائی، معاشی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ طاقتور، کمزوروں پر جبر و استبداد کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے سیاسی نظریات اور ریاستی معاملات ایک منفرد نوعیت کے معاملات ہیں۔ دین اسلام نے ریاست کا جو تصور دیا ہے اس میں بنیادی نکتہ انسانیت کے تحفظ کے اصول اور ضوابط کو بنیادی اہمیت دینا ہے۔ اسلامی احکامات کے مکمل نفاذ کی صورت میں ایک ایسا معاشرہ قائم ہوتا ہے جس میں ان مذکور عوامل کی ترویج و اشاعت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

1۔ اللہ و رسول ﷺ کی حاکمیت۔ 2۔ اطاعت و فرماں برداری۔ 3۔ حقوق و لوازمات خلق کی بجا آوری۔ 4۔ اقامت شعائر اسلام۔

1۔ اللہ و رسول ﷺ کی حاکمیت: کا مطلب ہے کہ وہاں فرد اور اقوام کی ذہنی فرمائش کی وجہ سے کوئی بھی ضابطہ وجود میں نہیں لایا جائے گا۔ کیونکہ بمطابق فرمان خدائی سب انسان خسران و مضرت میں مبتلا ہیں۔ ارشاد باری ہوا **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ** (81) بیشک انسان سب خسارے میں ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اہل ایمان اور تواصی بالحق والصبر کو استثناء کے ذریعے خارج کیا گیا ہے لیکن وہ بھی مستقل طور پر احکام کی وضع و اختراع کے مجاز نہیں ہیں بلکہ اللہ و رسول ﷺ کے حکم مطابق احکام کے استخراج کرنے کے پابند ہیں۔ کیونکہ انسان پر مختلف اوقات میں مختلف کیفیتیں اور حالتیں وارد ہوتی ہیں۔ قوت شہوانی اور غضبی کی وجہ سے اس کو مطلق آزاد نہیں چھوڑا گیا بلکہ وحی الٰہی کی منشاء کے مطابق اس کو ڈھلنے کی تہدید کی گئی ہے۔ ازل سے لیکر تا حال سب کو یہ معلوم ہے کہ مخلوق کے بنائے اصولوں سے اتنی اصلاح نہیں ہوئی جتنی کہ تخریب ہوئی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سوائے پیام اسلامی کے کوئی بھی اصول آج تک اپنے جوبن کے ساتھ قائم نہیں رہ سکا کہ جس کی مثال پیش کی جاسکے۔ اسلامی نظام حکومت کی بنیاد کے لئے اطاعت اللہ اور اطاعت رسول ﷺ کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ: **وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ** (82)۔ ترجمہ " اور کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ کردیں تو ان کو اپنے اُس کام میں (کوئی) اختیار باقی رہے۔

2۔ اطاعت و فرماں برداری: سے مراد یہ ہے کہ ہم ریاستی اصلاحات کے لئے مقرر کئے گئے قوانین میں اپنی ذہنی اور فہمی کاوشات کو دخل دیے بغیر من و عن تسلیم کرتے ہوئے کوئی بھی چون و چرا نہ کریں۔ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ: **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا** (83) پھر اے محبوب ﷺ

آپ کے رب کی قسم وہ نہیں ہوں گے مومن حتیٰ کہ حاکم تسلیم کریں آپ کو اپنے جھگڑوں میں، پھر نہ پائیں وہ اپنی دلوں میں کوئی بھی حرج اس نظام پائے استقامت سے کھڑا نہیں ہو سکتا۔

3۔ حقوق ولوازماتِ خلق کی بجاآوری۔ اسلامی ریاست کی سیاسی ذمہ داریوں میں حقوق کی پاسداری ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اسلامی ریاست میں انسانوں کے علاوہ جانوروں کے حقوق کی بجاآوری بھی لازمی رکھی گئی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اسلامی سلطنت کے عظیم خلیفہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک اونٹ سے مخاطب ہوتے فرمایا کہ: **إِنِّي لَخَائِفٌ أَنْ أُسْئَلَ عَمَّا بِكَ (84)**۔ بیشک میں اس بات سے خوفزدہ ہوں کہ مجھ سے تمہارے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اسلامی ریاست کے نصابِ تعلیم کا اہم حصہ حقوق ولوازماتِ خلق ہے۔ جس کے بغیر اس کی آفاقیت مسلم ہو ہی نہیں سکتی۔

4۔ اقامتِ شعائرِ اسلام۔ اسلامی ریاست کے قیام کا بنیادی مقصد شعائرِ اسلامی کی اعلیٰ بنیادوں پر تقویم اور قیام ہے۔ اس طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ: **اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (85)**۔ وہ لوگ جنہیں طاقت دیں ہم زمین میں تو وہ قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں نیکی کا اور برائی سے روکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ اقامت صلاۃ۔ ادائیگی زکوٰۃ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ موخر الذکر دونوں چیزیں اسلام کی عمارت کی تعمیر بلکہ تمام احکام اسلامی کی تبلیغ اور تشہیر کا باعث ہیں۔ اسلامی ریاست میں عقیدہء توحید ورسالت کے بعد نماز اور زکوٰۃ اہم فرائض ہیں جن سے معاشرہ اور سماج میں خدا شناسی اور جذبہء ایثار وہمدردی فروغ پاتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر پورے دین کی بنیاد قائم ہے۔ ریاست کے تمام شعبہ جات عبادات، اخلاقیات، سیاست، تعلیم وتربیت سب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہی ترتیب پاتے ہیں۔ اگر یہ دونوں مفقود کر دئے جائیں تو مذکورہ تمام گوشے ادھورے اور نامکمل ہی رہ جائیں۔ اس لئے ایک اسلامی فلاحی ریاست کے قیام کے لئے اس کے ہر شعبہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو سرفہرست رکھنا ہی بہترین اور قابل ستائش عمل ہوگا۔

(خلاصہ بیان وسخن)

مذکورہ بحث اور نگارشات کا حاصل یہ ہے کہ

1۔ جہاں بندگانِ خدا کی جمعیت صاحب اختیار ہو وہاں ایک ریاست کا وجود لازمی امر ہے۔ بغیر کسی حکومت کے قیام کے افراد کا اجتماع ناممکن ہے، یہ طے امر ہے کہ ارتقاء کے لئے اتحاد اور اتفاق اہم کڑی ہے۔ انفرادی طور پر شعوب وقبائل کوئی بھی ہمہ گیریت پر مبنی کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتے۔

2۔ ریاست کے ہر فرد کے اندر تعلیم وتربیت اخذ کرنے کا جذبہ بیدار ہونا چاہئے۔ تعلیم وتربیت کے لئے ایسا نصابِ تعلیم مرتب ہونا چاہئے جو کہ مستند اور معتبر ہونے کے ساتھ ہمہ جہت اور عالمی کشش کا حامل ہو۔ قرآنی تعلیمات اور اسوہء رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی ماخذ اور مستدل نہیں جو کہ عالمگیریت کا متحمل ہو۔

3۔ ریاست کے لئے مرتب کردہ تعلیمی نظام میں قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم یعنی سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھنے کی حوصلہ افزائی اور ترقی کے نشیب وفراز کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہو، جس سے استفادہ اتنا آسان ہو کہ بغیر کسی طبقاتی فرق کے ہر کوئی بہرہ یاب ہو کر اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا سکے۔ لیکن جدید علوم کی دھن میں الکاروجی کی بو بھی محسوس نہ ہو۔ فاعل مطلق اور موثر حقیقی ذاتِ باری کو ہی سمجھنا چاہئے۔

4۔ افرادِ ریاست کی تعلیم و تربیت کے ساتھ تزکیۂ نفس اور اصلاحِ اخلاقیات کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے تاکہ حقیقی انسانی تعمیرات کا سلسلہ تسلسل سے جاری و ساری رہے۔ جس سے ریاست کے ہر فرد کو انسانیت اور آدابِ انسانیت کے گہر و جواہر سے معمور و مکمل کیا جاسکے۔

5۔ ساکنانِ ریاست کے قومی، ملی، مذہبی اور ریاستی حقوق و ضروریات کی کفالت کے لئے قدیم کے ساتھ جدید طرز پر تعلیمات شامل ہوں جو کہ ان کے بھٹکتے سفینے کو کنارہ پر پہنچا سکیں۔ ریاست کی قومی اور ملی ضروریات کے حصول کے لئے جدید اور قدیم علوم و فنون کا بھرپور استعمال عمل میں لایا جائے۔

6۔ تعلیمی نظام میں ریاست کے معاشی، اقتصادی اور دفاعی نظام کو موثر بنانے کے لئے قابلِ قدر اور نہایت وقیع اصول و ضوابط کی تدریس اور معاشی اور دفاعی نظام کو مستحکم بنانے کے لئے دورِ حاضر کے تقاضاؤں کے مطابق جدید ذرائع تک متعلمانِ ریاست کی بلاواسطہ رسائی کو ممکن بنایا جائے تاکہ حالاتِ حاضرہ کی طلب کے مطابق اقدامات سرانجام دیکر ملک و ملت کی خوشحالی کا سبب بن سکیں۔

7۔ ریاستی افراد کو ہنرمندی، تجارت اور کسبِ حلال کی ترغیب دیکر ممنوع اور حرام وسائلِ رزق سے مجتنب بناکر ایک صحت مند معاشی معاشرہ تشکیل دینے کی تعلیمات شائع کرنے میں حکامِ حکومت کو کارگزاریاں عمل میں لانی چاہئیں۔

8۔ ریاست اپنی افرادی قوت کو بڑھانے کے لئے ایسے احکامات کی تعلیمات عام کرے جن سے اتحادِ باہمی اور یگانت کا جذبہ بیدار ہوسکے۔ تاکہ اندرونی خطرات اور بیرونی انتشارات کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کو کنٹرول کرنے کے لئے لائحہ عمل متشکل کیا جاسکے۔ افرادِ ریاست کو فرضی علوم اور فرض کفایہ علوم کے اعتبار سے خود کفیل بنانا بھی افرادی قوت کے اعتبار سے مستحکم ہونے کی علامت ہے۔

9۔ تمام حقوق کی ادائیگی اور خاص طور پر غیر مسلموں اور، غرباء و مساکین کے حقوق کے مطابق وسائل کو بروئے کار لاکر ہر مکتبۂ فکر کے ساتھ احسان و تبرع کا طریق اپنانے، انسانیت کے ہر طبقے بلکہ مخلوق کی تمام اصناف کے حقوق کی بھی پاسداری کرنے کی نبوی تعلیمات کو عام کرکے امن و سکون کے جھنڈے کو سربلندی عطا کرنے میں ریاستی اہلِ حل و عقد کو اپنا کردار و عمل پیش کرنا چاہئے۔

10۔ ریاست کے سیاسی اور سماجی معاملات کی اساس قرآن و سنت کو بناکر حاکمیتِ خدا عزوجل اور اطاعتِ رسول ﷺ کے لازم ہونے کو بنیادی ترجیحات سمجھنے کی تعلیمات شامل نصاب کرکے عدل و مساوات باہمی سے معمور معاشرہ تشکیل دینے میں کردار ادا کیا جائے۔

11۔ ریاست کے لئے تعلیمی نظام تشکیل دینے کے لئے ایسے افرادِ کار کی شوریٰ اور کمیٹی مخصوص کی جائے جس میں موجود افراد علم دین و دنیا کے ساتھ عالمی اور انٹرنیشنل حالات و حقائق کا بھرپور ادراک رکھتے ہوں۔ جو تنگ نظری، تشدد پسندی اور جمود سے مبرا، وسیع الفکر اور عمیق الفکر ہوں۔ لیکن اسلامی تہذیب و تمدن سے نظریاتی اور اعتقادی الفت رکھتے ہوں۔ جو دقائق اور حقائق کو نظر میں رکھتے ہوئے ایسا نظامِ تعلیم ترتیب دیں جو کہ ریاست کے ہر مکتبۂ فکر کے جذبات اور احساسات کا ترجمان ہو۔

ایک مستحکم اور مضبوط ریاست کے قیام کو عمل میں لانے کے لئے پیش کردہ تجاویز پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ میں گذارش کرتی ہوں حکومتِ وقت کو، کہ وہ اس بارے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مذکورہ تجاویزات کو عملی جامہ پہنا کر ملک و ملت کی فرحت رسانی کا نیک کام سرانجام دینے میں تاخیر سے کام نہ لے۔ یہ وہ معروضات ہیں جو کہ اہلِ دانش و بینش موقع بموقع پیش کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے یہاں اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ بقول غالب:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے۔۔۔ کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں کچھ اور

مصادر و مراجع

(1)۔ سورت البقرہ آیت نمبر: 126۔ (2)۔ سورت البقرہ آیت نمبر: 2۔ (3)۔ سورت سبا آیت نمبر آیت نمبر: 3۔ (4)۔ سورۃ النحل آیت نمبر: 89۔ (5)۔ سورت النجم آیت نمبر: 3، 4۔ (6)۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی: 816ھ، کتاب التعریفات، صفحہ 130۔ (7)۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی: 816ھ، کتاب التعریفات، صفحہ 203 مطبوعہ دار الفضیلۃ مصر۔ (8)۔ خالد علوی، اسلام کا معاشرتی تصور، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، صفحہ 276۔ (9)۔ سورت المجادلہ آیت نمبر: 11۔ (10)۔ سورت البقرہ آیت نمبر: 31۔ (11)۔ سورت الزمر آیت نمبر 9۔ (12)۔ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی متوفی: 742ھ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثانی حدیث نمبر: 218 مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور 2013ء، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، متوفی: 150ھ، مسند امام اعظم، کتاب العلم حدیث نمبر: 31 مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، لاہور، حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی: 807ھ، مجمع الزوائد ج 1 کتاب العلم، باب فی طلب العلم، حدیث نمبر: 472، 473، 474، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔ (13)۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی: 807ھ مجمع الزوائد ج 1، کتاب العلم، باب العلم بالتعلم، حدیث نمبر: 537، 528 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔ (14)۔ علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی متوفی: 742ھ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم۔ الفصل الثالث، حدیث نمبر: 257، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور 2013ء، امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمان الدارمی متوفی: 255ھ، سنن الدارمی حدیث نمبر: 361 مطبوعہ انصار السنۃ پبلیکیشنز، لاہور۔ (15)۔ سورت البقرہ آیت نمبر: 151۔ (16)۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر: 164۔ (17)۔ سورت الشمس آیت نمبر: 9۔ (18)۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی: 502، المفردات، کتاب الزای، صفحہ 213 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، لبنان۔ (19)۔ علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی متوفی: 742ھ، مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستعاذہ، الفصل الثانی، حدیث نمبر: 2471، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور 2013ء۔ (20)۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی: 303ھ سنن نسائی شریف حدیث نمبر: 5473، بترتیب مختلف مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور) علامہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی متوفی: 742ھ، مشکوٰۃ المصابیح، باب الاستعاذہ، الفصل الاول، حدیث نمبر: 2460، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور 2013ء۔ (21)۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی: 279ھ، جامع الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ حدیث نمبر: 2383 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)۔ (22)۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی، المعروف بابن الاثیر، متوفی: 630ھ، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، کتاب النساء، حرف الثاء، جلد 6 صفحہ 79، مطبوعہ دار الفکر بیروت۔ (23)۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی: 279ھ، جامع الترمذی، باب ما جاء فی الکفاف و الصبر علیہ، حدیث نمبر: 2270 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور۔ (24)۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی: 279ھ، جامع الترمذی، باب ماجاء فی معیشۃ النبی ﷺ واہلہ حدیث نمبر: 2281 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور۔ (25)۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی: 279ھ، جامع الترمذی، کتاب الزہد عن رسول اللہ ﷺ، باب نمبر: 14: باب ماجاء ان الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر، حدیث نمبر: 2246 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور۔ (26)۔ البیرونی، برہان الحق ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی، متوفی: 1048ء، کتاب الہند مترجم، صفحہ 198 مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور۔ (27)۔ سورت آل عمران آیت نمبر: 39۔ (28)۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی: 774ھ، البدایہ والنہایہ، جلد 2 قصہ زکریا و یحییٰ علیہما السلام صفحہ 219، 220، مطبوعہ بیت الافکار الدولیہ، لبنان۔ (29)۔ علامہ ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ سہیلی متوفی: 571ھ، الروض الانف شرح سیرت ابن ہشام مترجم جلد 3 صفحہ 254 مطبوعہ ضیاء القرآن، لاہور۔ (30)۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی: 360، طبرانی الکبیر، ج 10 حدیث نمبر: 10550 مسند عبد اللہ

بن مسعود، مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ۔(31)۔علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان المصری الزرقانی متوفی:1122ھ، شرح الزرقانی علی المواہب، باب غزوۃ الخندق وہی الاحزاب جلد 3 صفحہ:18،17 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔(32)۔علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی، متوفی:597ھ، تلبیس ابلیس للعلامہ ابن جوزی، باب نمبر10:مترجم: صفحہ 440، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور اشاعت 2009ع، نظام حکومت نبویہ ﷺ ترجمہ التراتیب الاداریہ صفحہ نمبر:545 للعلامہ الشیخ عبد الحی الکتانی المتوفی 1382ھ مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور (بترتیب مختلف۔(33)۔سورت الحجرات آیت نمبر:13 (34)۔سورت آل عمران آیت نمبر 103۔(35)۔علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن ج 2 صفحہ 291، 292 مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور۔(36)۔امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، صحیح مسلم، جلد 2 باب تفسیر البر و الاثم، حدیث نمبر:6516، صفحہ نمبر:318، 319، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ حدیث نمبر:25844، جلد 7، صفحہ 406، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی 255ھ، سنن الدارمی حدیث نمبر:2831، کتاب الرقاق، باب فی البر والاثم، صفحہ نمبر:504 مطبوعہ انصار السنہ پبلیکیشنز، لاہور (37)۔الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی المصری متوفی 807، مجمع الزوائد جلد 8، کتاب الادب، باب اکرام الکریم، صفحہ 5، رقم الحدیث:12619، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔امام عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن قیس، القرشی، ابو بکر بن ابی الدنیا البغدادی متوفی:281ھ، مکارم الاخلاق صفحہ 34 الریاض مکتبہ القرآن سعودیہ عرب۔(38)۔امام ولی الدین طبریزی متوفی 742ھ، مشکوۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الفصل الثالث، حدیث نمبر: 4775۔(39)۔امام ولی الدین طبریزی متوفی 742ھ، مشکوۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، الفصل الثانی، حدیث نمبر:4766۔(40)۔سورت الجمعۃ آیت نمبر:10۔(41)۔سورت البقرہ آیت نمبر:29۔(42)۔سورت الاعراف آیت نمبر:10۔(43)۔سورت الجمعہ آیت نمبر:9۔(44)۔سورت النساء آیت نمبر:29۔(45)۔سورت البقرہ آیت نمبر:275۔(46)۔سورت البقرہ آیت نمبر:276۔(47)۔امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی:273ھ، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر:2279، ابواب التجارۃ، باب نمبر:58، باب التغلیظ فی الربا، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ ماڈل ٹاؤن لاہور۔(48)۔امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی:360ھ معجم کبیر، ج 1، ص 365، 366 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی۔بیروت۔(49)۔امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، مسلم شریف جلد ثانی، کتاب المساقاۃ، باب الربوٰا، حدیث نمبر:4093، صفحہ نمبر:38، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، امام ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی متوفی:458ھ السنن الکبریٰ جلد 7 صفحہ 46، باب ماجاء من التشدید فی تحریم الربا، حدیث نمبر:10468 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔(50)۔امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی:273ھ، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر:2153، ابواب التجارۃ، باب نمبر:6، باب الحکرۃ والجلب، صفحہ:307، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ ماڈل ٹاؤن لاہور، امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمان دارمی متوفی 255ھ، سنن دارمی، کتاب البیوع، باب 12: باب فی النہی عن الاحتکار، صفحہ نمبر:364، حدیث نمبر:2586، مطبوعہ انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور، امام ولی الدین طبریزی متوفی 742ھ، مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار، الفصل الثانی، صفحہ:223، حدیث نمبر:2893، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔(51)۔امام ولی الدین طبریزی متوفی 742ھ، مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الاحتکار، الفصل الثالث، صفحہ نمبر:224، حدیث نمبر:2896، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔(52)۔سورت بنی اسرائیل آیت نمبر 26، 27۔(53)۔علامہ فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی:606ھ، تفسیر کبیر، الجزء العشرون صفحہ 195 مطبوعہ دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع۔(54)۔سورت الاعراف آیت نمبر:31۔(55)۔سورت العنکبوت آیت نمبر:58۔(56)۔امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی:279ھ، جامع الترمذی، باب فیمن تکلم بکلمۃ یضحک بہا الناس، حدیث نمبر:2240، الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی المصری متوفی 807، مجمع الزوائد جلد 8، کتاب الادب باب من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ،

صفحہ 9، رقم الحدیث 12636، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔ (57)۔ سورت الحشر آیت نمبر: 7۔ (58)۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، مسلم شریف، جلد 2 کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله، حدیث نمبر: 6128، صفحہ: 270۔ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ (59)۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی: 774ھ، تاریخ ابن کثیر کتاب سیرۃ رسول اللہ ﷺ، سنۃ 8، غزوۃ الطائف، جلد 4 صفحہ 676 مطبوعہ بیت الافکار الدولیہ۔ (60)۔ الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی المصری المتوفی 807، مجمع الزوائد، جلد 4، کتاب البیوع، باب نمبر: 4، باب الکسب والتجارۃ و محبتها والحث علی طلب الرزق، حدیث نمبر: 6237، صفحہ نمبر: 72 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان طبع 2002ء۔ (61)۔ مولانا عطاء اللہ ساجد، ترجمہ و فوائد سنن ابن ماجہ، جلد 5، صفحہ 114 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ (62)۔ امام محمد بن محمد غزالی متوفی: 505ھ، احیاء العلوم الدین۔ جلد 1۔ صفحہ، الفصل الثانی، کتاب العلم، بیان العلم التی هو فرض کفایة۔ صفحہ 28 مطبعہ لجنۃ نشر الثقافۃ الاسلامیہ، تخریج الحافظ العراقی)۔ (63)۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی: 279ھ، الشمائل، حدیث نمبر: 337، صفحہ نمبر: 67، باب نمبر: 48، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ۔ (64)۔ نظام حکومت نبویہ ترجمہ التراتیب الاداریہ مصنف: علامہ شیخ عبد الحی کتانی متوفی: 1382 صفحہ نمبر: 417 مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور۔ (65)۔ حافظ ابو عمر و یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی: 463ھ، الاستیعاب بر حاشیہ الاصابہ جلد 3 صفحہ 95۔ (66)۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی: 852ھ، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج 1 ص 280، حرف الالف، رقم 281، صفحہ 280 مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔ (67)۔ سورت آل عمران آیت نمبر: 64۔ (68)۔ سورت الکافرون آیت نمبر: 8۔ (69)۔ سورت الانفال آیت نمبر 60۔ (70)۔ تبیان القرآن جلد چہارم صفحہ 663، 664 مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور، مصنف علامہ غلام رسول سعیدی۔ (71)۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، صحیح مسلم، جلد ثانی، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ وذم من علمہ ونسیہ، حدیث نمبر: 4946 صفحہ 152، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی: 275ھ، سنن ابی داؤد، جلد اول، کتاب الجہاد، باب فی الرمی، رقم الحدیث: 2514 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی: 273ھ، سنن ابن ماجہ، ابوب الجہاد، باب الرمی فی سبیل اللہ، رقم الحدیث: 2813۔ (72)۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی: 275ھ، سنن ابی داؤد، جلد اول، کتاب الجہاد، باب فی الرمی، رقم الحدیث: 2513 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔ (73)۔ سعیدی، علامہ غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن جلد چہارم صفحہ 464، 465 مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور۔ (74)۔ البیرونی، ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی متوفی 1048ء کتاب الہند، صفحہ 174، 175، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور۔ (75)۔ البیرونی، ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی متوفی 1048ء کتاب الہند، صفحہ 514 الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور۔ (76)۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، صحیح مسلم جلد ثانی کتاب الحدود، باب حد الزنا صفحہ نمبر: 4440 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور صفحہ 80۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی: 275ھ، سنن ابو داؤد جلد ثانی، کتاب الحدود، باب 24، فی رجم الیہودیین، رقم الحدیث: 4447، 4448، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی: 273ھ، سنن ابن ماجہ ابواب الحدود، باب رجم الیہودی والیہودیہ، رقم الحدیث: 2558)۔ (77)۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی: 256ھ، صحیح بخاری کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان، حدیث نمبر: 6788، مطبوعہ دار السلام، امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی 261ھ، صحیح مسلم، جلد ثانی، باب قطع السارق الشریف وغیرہ والنہی عن الشفاعۃ فی الحدود حدیث رقم: 4410، صفحہ نمبر: 74 مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور۔ (78)۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی: 273ھ، سنن ابن ماجہ ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود، حدیث نمبر: 2540، امام ولی الدین طبریزی متوفی 742ھ، مشکوۃ المصابیح، کتاب الحدود، الفصل الثالث، رقم الحدیث:

3587، مطبوعہ اسلامیہ، لاہور۔(79)۔ سورت الاحزاب آیت نمبر: 21۔(80)۔ سورت الحج آیت نمبر: 32۔(81)۔ سورت العصر آیت نمبر: 2۔(82)۔ سورت الاحزاب آیت نمبر:36۔(83)۔ سورت النساء آیت نمبر:64۔(84)۔ محمد بن سعد متوفی 230ھ، طبقات کبریٰ، ذکر استخلاف عمر، جلد 3 ص 266، 267، مطبوعہ مکتبۃ الخانجی القاہرہ، تحقیق الدکتور علی محمد عمر۔(85)۔ سورت الحج آیت نمبر: 41۔

15

مقالہ نگار: رابعہ شفیق
ایم اے ایجوکیشن، ایم اے اردو
الفرقان پبلک اسکول پنڈ کمال خان تحصیل و ضلع ہری پور

ابتدائیہ:

کسی بھی ریاست کی تعمیر وترقی کا انحصار اسکے نظام تعلیم پر ہی ہوتا ہے۔ ایک ریاست میں علم و اقدار، تہذیب وروایات ہو یا قومی تشخص کی تشکیل، اس میں سے ہر چیز کا انحصار قومی نظام تعلیم پر ہوتا ہے۔ ریاست کا تعلیمی نظام اس کے نظریہ حیات، ثقافت، تاریخی روایات اور مستقبل کے خوابوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ریاست کی اخلاقی، معاشرتی اور معاشی بنیادیں اس کے نظام تعلیم ہی سے استوار ہوتی ہیں۔ نظام تعلیم اگر با مقصد ہو تو قوم مقصدیت کی طرف بڑھتی ہے جس سے وحدت ویگانگت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ جو جداگانہ قومی تشخص کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ نظام تعلیم کے ذریعے ہی قومی اقدار اور معاشرتی روایات نسل در نسل چلتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں کے مطابق سائنس و ٹیکنالوجی کی منازل بھی طے ہوتی رہتی ہیں۔ تاریخ انسانی میں اسلام کو ہی یہ مقام حاصل ہے کہ اس نے تعلیمی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا۔ مغربی دانشوروں کے برعکس انسان نے اپنا آغاز جہالت و تاریکی کے بجائے علم کی روشنی سے کیا۔ اللہ تعالی نے جب اول البشر کی تخلیق فرمائی تو فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے آگے سجدے کا حکم صادر فرمایا۔ مخلوقات عالم پر یہ فوقیت علم کے سبب ہی تھی۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اور اللہ نے آدم کو اسماء کی تعلیم دی۔1

اگر اقوام عالم کے عروج و زوال کے اسباب دیکھے جائیں تو یہ بات بلا تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان میں ایک موثر ترین تاریخ ساز عامل، تعلیم ہی کو قرار دیا جائے گا۔ معلم انسانیت، ہادی اعظم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) کو بھی جب شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا، تب تعلیم سے رشتہ توڑنے کی بدولت دنیا جہالت و تاریکی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں ڈوب چکی تھی۔ دھرتی پہ رشد وہدایت کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا، اور ہر طرف ضلالت وگمراہی کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ ہندوستان میں اسکے مذہبی پیشواؤں کی تعلیمات ختم ہو چکی تھیں۔ یونان، چین، شام اور مصر اپنی تہذیبیں کھو چکے تھے۔ اگرچہ روم وفارس کی تہذیبوں میں ابھی کچھ دم خم باقی تھا، لیکن وہ بھی علمی انحطاط کا شکار تھے۔ جزیرہ نما عرب کا حال سب سے برا تھا کہ جو وحشت وبربریت اور درندگی سے دوچار تھے۔ ایسے میں اللہ رب العالمین نے دنیا کیلئے اپنی رحمت کے دروازے کھولے اور رحمت اللعالمین کو مبعوث فرما کر ان کے نور سے پورے عالم کو منور کر دیا۔ معلم انسانیت حضور اکرم (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پر پہلی وحی کے نزول سے ہی رب العالمین نے بتا دیا کہ دین اسلام تعلیم پر کتنا زور دیتا ہے۔ تعلیم کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا آغاز ہی لفظ اقراء (پڑھ) سے ہوتا ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ [1] خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ [2] اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ [3] الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [4] عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ [5] ۔2

ترجمہ: پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون سے۔ پڑھ اور تیرا رب کریم ہے۔ وہ جس نے قلم سے تعلیم دی۔ انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جو وہ نہ جانتا تھا۔

ریاست کے نظام تعلیم پر کچھ تحریر کرنے سے قبل ضروری ہے کہ تعلیم کے معانی اور مفہوم کو سمجھ لیا جائے۔

تعلیم کے معانی:

لفظ تعلیم عربی زبان کے لفظ علم سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی جاننا، پہچاننا، علم دینا اور دوسروں کو سکھانے کے ہیں۔

مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی علم کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

"علم کسی چیز کی حقیقت کے ادراک کا نام ہے"۔ 3

تعلیم کیلئے انگریزی زبان میں Education کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ در اصل ایک لاطینی لفظ ہے۔ جس کا مادہ Educare سے ہے۔ یعنی to draw out یا to bring out (باہر نکالنا، اظہار کرنا، بروئے کار لانا، پرورش کرنا، نشونما دینا)۔ یعنی تعلیم و تربیت اور تہذیب ایک دوسرے معنی ہیں۔ 1۔ کہ کسی شخص کی اسطرح تربیت کرنا کہ عمومی طور پر اس کی عقلی اور اخلاقی قوتیں نشونما پا سکیں۔ 2۔

سقراط (Socaretes) کے بقول تعلیم سچائی میں مدد دینے کا نام ہے۔ ارسطو (Aristotle) کے مطابق تعلیم بچے کی یاداشت، عادات اور خیالات کے ساتھ ساتھ اسکی عقلی اور اخلاقی نشونما کا عمل ہے۔ افلاطون (Plato) کے نزدیک "تعلیم معاشرے کی متوازن تنظیم کا عمل ہے۔" مشہور مغربی مفکر روسو (Rousseau) اپنی مشہور زمانہ تصنیف (Emile) میں اپنے تین بنیادی تصورات کی وضاحت میں لکھتا ہے کہ:

1۔ ہر چیز حسین ہے کیونکہ قدرت کے حسین ہاتھوں سے بنی ہے مگر انسان کے ہاتھوں آخر خراب ہوئی۔

2۔ انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہے۔

3۔ فطرتِ انسان کا تقاضا یہ ہے کہ بچے بچے ہی رہیں۔ قبل اس کے کہ وہ پورے انسان بنیں۔ یعنی اس کا نظریہ یہ ہے کہ بچے کو اپنے ذاتی تجربات کرنے دو اور کھیل کھیل میں تربیت کرو اور اسے فطرت کی گود میں پل کر جوان ہونے دو۔

مشہور امریکی ماہر لسانیات رقمطراز ہیں: "علم ادراک و آگہی تعلیم و تربیت مطالعہ یا تجربہ کے ذریعے معلومات، مہارت، صلاحیت و استعداد یا سیرت و کردار کے ارتقاء کا نام ہے۔ 6۔ یہ وہ علم یا فن ہے جو تعلیم یا تعلم کے مسائل یا اصولوں وغیرہ سے متعلق ہے۔ تعلیم کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ۔ تعلیم ان تمام سرگرمیوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے کوئی فرد اپنی قابلیت اور رجحان کی نشونما کرتا ہے وہ معاشرے کی ان خصوصیات، رویوں اور مثبت اقدار کو پروان چڑھاتا ہے جو معاشرے میں مروج ہوتی ہیں۔ 7۔ تعلیم آنے والی نسل کو ماضی کا مرتب علم مہیا کرنے کا نام ہے۔ ملٹن کی رائے میں تعلیم وہ جوہر ہے جو انسان کو ہر کام کا اہل بنا دیتا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی نوعیت کا کام ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تعلیم ہی ہے جو انسان کی طبیعت میں گہرائی، سوجھ بوجھ اور مہارت پیدا کرتی ہے۔ سٹیوارٹ مل (Stewart Mill) کے نزدیک تعلیم وہ کوشش ہے جو معاشرہ اپنے افراد کو اچھے شہری بنانے کیلئے کرتا ہے۔ تعلیم کا مقصد ثقافت کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ معیار زندگی کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کو بہتر بنا سکے۔ 8۔

ابن خلدون نے حصول تعلیم کیلئے چار معیارات بتائے ہیں۔

1۔ عرفان الٰہی کو تعلیم کی بنیاد بنایا جائے۔　　2۔ زندگی کا قرآنی انداز فکر تعلیم کا سنگ بنیاد ہو۔

3۔ مختلف علوم نے جو حقائق پیش کیے ہیں ان کو اسی اصول کی کسوٹی پر رکھنا ہوگا۔

4۔ اگر اسلام کے دیے ہوئے اصولوں، اقدار اور بعض علوم سے برآمد ہونے والے نتائج و افکار کے مابین کوئی اختلاف نظر پیدا ہو، تو اسلام کے دیئے ہوئے اصولوں اور اقدار کو فضیلت دی جائے گی۔ 9۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے بقول تدریس کے دوران استاد کو طالب علم کی ہمہ جہت اور متوازن نشو نما کا خیال کرنا چاہیے۔10۔
سید محمد سلیمؒ صاحب نے تعلیم کی ایک جامع، واضح اور حقیقت پسندانہ تصویر پیش کی۔ فرماتے ہیں:
"تعلیم وہ اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی تصورِ حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد و اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے۔ اسلامی افکار کی روشنی میں آدابِ زندگی اور اخلاق کی تربیت دیتا ہے۔"

حضرت علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک تعلیم وہ عمل ہے جو انسان کو دین کے ماتحت رکھتے ہوئے اسکی طبعی قوتوں کی نشو نما کے فرائض انجام دے۔ تعلیم نام ہے اوراک ہستی کرنے کا۔ یعنی زندگی کیا ہے؟ اسکی تخلیق کیوں عمل میں آئی؟ اس میں کیا کیا صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں؟ 11۔ ملت اسلامیہ کے عظیم سکالر علامہ یوسف القرضاوی کے مطابق تعلیم کا اہم مقصد صالح انسان پیدا کرنا ہے۔ ایسا صالح انسان جس کے اوصاف سورہ عصر نے بیان کئے ہیں۔ 12۔ امام غزالیؒ کے نزدیک نفس کو مہلک عادتوں اور بری خصلتوں سے بچانا اور اسے عمدہ اخلاق سے مزین کرکے سعادت کی راہ پر ڈال دینے کا نام ہے۔ مزید فرماتے ہیں: تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسانی کردار کی نشو نما اسلامی خطوط پر ہو اور اس کی مدد سے انسان کو آخرت کی تیاری میں مدد ملے۔ 13

ریاست پاکستان میں مروجہ نظام تعلیم

ریاست پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ اس کا قیام دو قومی نظریہ پر ہوا۔ جس میں ایک ایسی فلاحی، نظریاتی اور مثالی حکومت کا قیام تھا جس میں لوگ اسلام کے زریں اصولوں کے مطابق اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پائے جس میں عدل و انصاف، بھائی چارہ، مساوات، امن و امان، عظمت کردار اور خدا ترسی ہو۔ لیکن افسوس گزشتہ 75 سالوں میں اسلامی فلاحی ریاست بننے کے بجائے یہ ریاست کرپٹ سیاست دانوں اور فوجی آمروں کے نرغے میں رہی۔ جس کی بدولت ہمارا معاشرہ خود غرضی، لالچ، بے ایمانی، بدنیتی اور رشوت ستانی کا گہوارہ بن گیا۔ ان خرابیوں کی بیشتر وجوہات میں سے سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ریاست میں موجود تعلیمی نظام پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ وہ تعلیمی نظام کہ جو انگریزی باقیات میں سے تھا، جو انگریز نے ہندوستان میں مسلمانوں کا تشخص ختم کرنے اور انہیں اپنا غلام بنائے رکھنے کیلئے بنایا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد صاحب اقتدار لوگ چونکہ مغربی تہذیب کے دلدادہ تھے۔ لہٰذا وہ اس نظام تعلیم کو جو ذہنی اور فکری طور پر غیروں کا غلام بناتی ہے، ہٹا نہ سکے۔

اور یہ کلیسا کا نظام تعلیم   اک سازش ہے دین مروت کے خلاف

قیام پاکستان کے فوراً بعد بانیٔ پاکستان نے 27 نومبر 1947 کو تعلیمی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:
"پاکستان کی ترقی کا زیادہ تر انحصار طرزِ تعلیم پر ہے۔ یعنی ہمیں اپنی تعلیمی پالیسی اور پروگرام ایسے خطوط پر چلانا ہو گا جو ہماری تاریخ اور ثقافت سے ہم آہنگ ہو۔ "ہم نے اپنے ذمے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا کام لیا ہے کہ ہم انہیں پستی اور سرنگوں ہونے کی حالت سے نکالیں اور انہیں سربلند کریں۔ یہ کام صرف الفاظ اور نعروں سے نہیں ہو گا۔ بلکہ ہمارے سامنے تشکیل و تعمیر کا کام ہے۔ 14۔ آپ کو اپنے ذاتی و انفرادی مفادات ہمارے ان الفاظ پر قربان کر دینے چاہیں اور ہمارے الفاظ یہ ہیں۔
"ایمان، اتحاد اور تنظیم۔ "15۔ اپنی تعلیم و تربیت اس طرح کریں کہ آپ پر ذمہ داری آئے تو زندگی کے حوادث کا دلیری حوصلے، جرات اور اعتماد کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ 16۔

آئین پاکستان میں نظام تعلیم کے متعلق دفعات

آئین پاکستان 1956 اور 1962 میں بھی ریاست کے نظام تعلیم پر بات کی گئی لیکن موجودہ 1973 کے متفقہ آئین میں ثقافتی، جغرافیائی اور دینی ماحول

کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک قومی نظام تعلیم کی تشکیل کی بنیادیں مل جاتی ہیں۔

1۔ پاکستان کے آئین میں شامل قرار داد مقاصد اور آرٹیکل 31 صراحت سے بیان کرتا ہے کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا نظام تعلیم و تربیت تشکیل دے جس سے وہ اس قابل ہوں کہ وہ اپنی زندگی قرآن و سنت کے مطابق گزار سکیں۔

2۔ آئین کا آرٹیکل نمبر 25A ریاست پاکستان کو پابند کرتا ہے کہ 5 سے 16 سال تک کے لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے تعلیم کا حصول لازمی مہیا کرے۔

3۔ آرٹیکل نمبر 37 میٹرک تک مفت تعلیم کے حصول اور ابتدائی تعلیم کو یقینی بناتا ہے۔ نیز ہائر ایجوکیشن اور ٹیکنیکل ایجوکیشن ریاست کے تمام شہریوں کو میرٹ پر یکساں تعلیم مہیا کرنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

4۔ آئین پاکستان اردو کو بطور قومی زبان ہر سطح پر نافذ کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

5۔ عربی زبان کی تعلیم اور قرآن کی تعلیم سب مسلمانوں کیلئے ضروری قرار دیتا ہے۔

آئین پاکستان طبقاتی نظام کو مٹا کر یکساں نظام تعلیم رائج کرنے کی ہدایت بھی کرتا ہے۔

ریاست کے تعلیمی نظام میں طبقاتی تقسیم:

ابتدا میں لارڈ میکالے کا نظام چونکہ تقسیم پیدا کرنے کے اصول پر مرتب کیا گیا تھا۔ اسی وجہ سے آزادی کے بعد بھی ہم اس نظام تعلیم میں سے طبقاتی تقسیم کو نہ نکال سکے۔ بلکہ اس کے اثرات مزید گہرے ہوتے گئے۔ پاکستان میں مروجہ نظام تعلیم کو بنیادی طور پر تین اور بعد میں مزید کئی حصوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

1۔ سرکاری نظام تعلیم:

ریاست میں موجود سرکاری سکولوں کی صورتحال بہت افسوسناک ہے۔ کہیں عمارت برے حالات میں ہے تو کہیں پڑھانے کیلئے اساتذہ کا فقدان ہے۔ کہیں میرٹ کو پامال کر کے غیر معیاری اور نالائق اساتذہ رکھے گئے ہیں تو کہیں رشوت سے اساتذہ کی بھرتیاں کی گئی ہیں۔ ملک میں تعلیمی بجٹ کا کم ہونا تو ایک مسئلہ ہے ہی لیکن سرکاری اسکولوں میں اسکی خرد برد اور کرپشن بھی عام ہے۔ اگر نصاب کی بات کی جائے تو اس میں کچھ بہتری نظر آتی ہے، لیکن اچھا نصاب ہونے کے باوجود سرکاری سکول میں معاشرے کو اچھے شہری مہیا کرنے میں ناکام نظر آتے ہیں۔ یہ وہ سکول ہیں جہاں لوئر مڈل کلاس کے بچے ہی آتے ہیں جنہیں قسمت سے اچھا استاد میسر آ جائے اور بچہ بھی صلاحیتوں سے بھرپور ہو تو کچھ بہتر نتائج نکل آتے ہیں۔ بصورت دیگر ہمیں صلاحیتوں کی ایسی کھیپ تیار ملتی ہے جو ملازمتوں کیلئے لمبی قطاروں میں کھڑے اپنی قسمت کا ماتم کرتے نظر آتے ہیں۔

2۔ انگلش میڈیم سکول سسٹم:

پرائیویٹ تعلیمی ادارہ یا انگلش میڈیم سکول مزید تین ذیلی سسٹمز پر مشتمل ہے۔ ایک وہ پرائیویٹ ادارے جو تقریباً ہر گلی محلے اور چھوٹی چھوٹی عمارتوں میں نظر آتے ہیں۔ ان میں موجود سٹاف غیر تربیت یافتہ ہوتا ہے۔ انگلش کا تو صرف نام ہی ہوتا ہے۔ بچے انگلش بولنا تو در کنار، انگلش پڑھ اور سمجھ بھی نہیں پاتے۔ ان سکولوں کی فیس کم ہوتی ہے۔ لہذا اس میں لوئر مڈل کلاس اور مڈل کلاس لوگوں کے بچے آتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر ایسے بڑے پرائیویٹ ادارے آتے ہیں جن کی فیس بھی زیادہ ہوتی ہے اور ان میں سٹاف بھی نسبتاً پڑھا لکھا اور ٹرینڈ ہوتا ہے۔ ان سکولوں کی عموماً ایک سے زیادہ کئی شہروں میں شاخیں بھی ہوتی ہیں اور ان میں اپر مڈل کلاس سے طلباء پڑھنے آتے ہیں۔ ان سکولوں کے بچے انگریزی اگر بول نہ سکیں تو کم از کم پڑھ سکتے ہیں۔ تیسری قسم میں Elite کلاس کے سکول ہوتے ہیں۔ ان میں اشرافیہ کے بچے ہی پڑھتے ہیں۔ جن سکولوں میں مغربی نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ بچے فر فر انگریزی بولتے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والے بچوں اور دوسرے عام سکولوں سے فارغ ہونے والے بچوں کی

ذہنی اور فکری نشو نما میں کوسوں دوری ہوتی ہے۔ انگلش میڈیم سکول سسٹمز میں پڑھنے والے طلباء اپنی مالی استعداد کی بدولت ایک دوسرے سے یکسر مختلف اور جدا نظر آتے ہیں۔ ان میں فکری ہم آہنگی، مساوات اور یکسانیت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا جو بطور قوم انہیں جوڑ کر رکھ سکے۔

3۔ دینی مدارس کا نظام:

ریاست میں موجود تعلیمی نظام میں دینی مدارس کا ایک ایسا نظام رائج ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دوسرے تعلیمی اداروں سے یکسر مختلف ہے۔ اس نظام کے اندر بھی کئی قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ان اقسام میں بنیادی طور پر شیعہ اور سنی کی تقسیم، مقلد اور غیر مقلد کی تقسیم اور بریلوی و دیوبندی کی تقسیم۔ اول الذکر شیعہ اور سنی کی تقسیم صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ شیعہ میں اثنائے عشری، آغاخانی اور بوہری وغیرہ جیسی قسموں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے اپنے مدارس قائم ہیں۔ جبکہ سنی طبقہ فکر میں بنیادی تقسیم کے لحاظ دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث کے الگ الگ مدارس قائم ہیں۔ ان مدارس سے نکلنے والے علماء دین اسلام کے عالم ہونے کے بجائے فرقے کے عالم بن کر معاشرے میں نکلتے ہیں۔ جن میں شیعہ مدرسہ شیعہ عالم تیار کرتا ہے۔ اسی طرح بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث عالم تیار ہوتے ہیں جو بعد میں معاشرے کی ایسی رہنمائی کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی بات کو سننا تک گوارہ نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں ادا کرتے۔ جو فرقہ وارانہ تقسیم کو مزید بڑھانے کا سبب بنتے ہیں۔ اور قوم تقسیم در تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہمارا یہ طبقاتی نظام تعلیم اپنے قومی تشخص کو تلاش کرتی قوم کو لسانی، ثقافتی، مالی اور مذہبی بنیادوں پر مزید تقسیم کا شکار کر رہا ہے۔ بڑا المیہ یہ ہے۔ یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم پہلے سے تقسیم شدہ قوم میں مزید تقسیم کے بیج بو رہا ہے۔

ریاست میں شرح خواندگی:

پاکستان میں شرح خواندگی کا جائزہ لینے سے قبل یہ حقیقت جاننی بہت ضروری ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے کہ جو ریاست میں موجود ہر شخص کا حق ہی نہیں بلکہ تعلیم کو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض بھی قرار دیتا ہے۔ معلم انسانیت پر وحی کا آغاز "پڑھ" سے ہوا۔ رہبر انسانیت، معلم کائنات، ہادی اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے مسلمانوں نے مثالی تہذیب و تمدن، فکر و فلسفہ، سائنس و ٹیکنالوجی اور علمی حوالے سے دنیا کو نئی جہتیں عطا کیں۔ مکہ و مدینہ، کوفہ و بغداد، قرطبہ و غرناطہ، قاہرہ، نیشاپور، اندلس و دمشق میں علم کے ایسے نور منور کیے جن سے دنیا فیض یاب ہوئی۔ مشہور مورخ ابن حوقل کا لکھنا ہے اسلام کے عروج میں مسلمانوں کی شرح خواندگی اتنی تھی کہ سسلی جیسے چھوٹے شہر میں 200 پرائمری سکول قائم تھے۔

اکنامک سروے آف پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق 19 / 2018 میں پاکستان میں شرح خواندگی 62.4 فیصد تھی جو 2021 میں 0.4 فیصد اضافے کے بعد 62.8 فیصد ہو گئی ہے۔ یونیسکو کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں 24 کروڑ 40 لاکھ بچے سکول نہیں جاتے۔ نیشنل اسمبلی کے اجلاس میں ملک کی شرح خواندگی کے حوالے سے بتایا گیا کہ اقتصادی سروے 24 / 2023 میں پاکستان کی شرح خواندگی 62.8 فیصد اور ایسے بچوں کی تعداد 2 کروڑ 30 لاکھ ہے کہ جو سکول نہیں جاتے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ رپورٹ میں بتایا گیا کہ پاکستان میں جی ڈی پی کا 1.7 فیصد تعلیم پر خرچ کیا گیا۔[17]

Literacy Rate in Pakistan Age 10 Years and Older (٪)

Province	Male	Female	Total
Pakistan	71.4	51.9	62.8
Punjab	74.2	58.4	66.3
Sindh	72.	49.7	61.8

KPK	72.8	37.4	55.1
Balochistan	69.4	36.8	54.5

Source: Pakistan Economic Survey 2022-23 Finance Division, Islamabad

ریاستی تعلیمی پالیسی / تنقیدی نقطہ نظر:

قومی تعلیمی پالیسیوں کی مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی مالی پودے لگاتا ہے۔ ان میں جب کونپلیں اور ٹہنیاں نکلنا شروع ہوتی ہیں اور پھل آنے کی امید بندھتی ہے تو انہیں اکھاڑ کر ان کی جگہ نئے پودے لگا دیتا ہے۔ 1947 سے لیکر آج دن تک 22 کے قریب تعلیمی پالیسیوں اور منصوبوں کا اجراء ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود ملک بھر میں 2.5 کروڑ بچے سکول جانے سے قاصر ہیں۔ یہ تعداد ملک کے کل بچوں کا نصف ہے۔ جو بچے سکول جا رہے ہیں انہیں کہیں خستہ عمارت، ٹوٹا فرنیچر تو کہیں لیٹرین و صاف پانی کی کمی کا سامنا ہے۔

آئین پاکستان کا آرٹیکل 37 بی ریاست کو کم ترین مدت میں سیکنڈری ایجوکیشن تک مفت تعلیم اور ناخواندگی کے مکمل خاتمے کا پابند بناتا ہے۔ ملک کی سب سے پہلی تعلیمی کانفرنس نومبر 1947 میں منعقد کی گئی جس کی سفارشات صرف کاغذ کی حد تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ 1959ء میں قومی تعلیمی کمیشن بنایا گیا۔ جس نے یہ طے کیا کہ 1969ء تک پرائمری سطح اور 1974ء تک مڈل تعلیم ریاست کے تمام افراد تک بلا امتیاز پہنچائی جائے گی۔

1969 میں بنائی جانے والی تعلیمی پالیسی میں تعلیم بالغاں کے نقطہ پر زور رکھا گیا۔ 1970 کی ایجوکیشنل پالیسی میں ٹیکنیکل وسائنٹفک اور ووکیشنل تعلیم کے فروغ کا عزم نظر آتا ہے۔ 1972 کی پالیسی میں یونیورسل پرائمری ایجوکیشن کا تصور دیا گیا۔ 1979 تک تمام لڑکوں کیلئے اور 1984 تک تمام لڑکیوں کیلئے کم از کم پرائمری ایجوکیشن کو لازمی قرار دیا گیا۔ 1992 کی تعلیمی پالیسی میں تعلیمی اداروں کو پرائیویٹائز کرنے اور پرائیویٹ سیکٹر کو تعلیمی دھارے میں لانے کے اقدامات کی بدولت ریاست میں تعلیم ایک بزنس کی صورت میں ابھر کر سامنے آئی۔ اور گزشتہ 30 برسوں میں گلی گلی اور چوکوں چوراہوں میں ہر طرح کے معیاری و غیر معیاری سکول کھلے جنھوں نے بھاری بھر کم فیسیں بٹور کر خوب کاروبار چمکایا۔ قومی تعلیمی پالیسی کے وژن 2030 کے مطابق طلبہ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے پر زور دیا گیا۔ فنی تربیت، ایک نصاب، ایک امتحان اور فنی ترجیحی اداروں پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اگرچہ پالیسی میں 2010ء تک جی ڈی پی کا 7.2 فیصد اور 2015 تک 7 فیصد خرچ کرنے کا منصوبہ تھا لیکن افسوس منصوبے صرف کاغذ کی زینت ہی بنتے رہے۔

انسٹی ٹیوٹ آف سوشل اینڈ پالیسی سائنسز کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ملک کے تعلیمی اخراجات جی ڈی پی کا صرف 0.7 فیصد ہے۔ جو کہ جنوبی ایشیا میں سب سے کم ہے اور اس رقم سے صرف اساتذہ کی تنخواہیں ہی پوری کی جا سکتی ہیں۔ 80ء کی دہائی میں تعلیمی میدان کے اندر بنیادی پیمانے پر ایک غیر محسوس انداز میں اسوقت تبدیلی آنا شروع ہوئی جب بھٹو کی قومی تحویل (نیشنلائز) پالیسی کے تحت تعلیمی اداروں کو بھی دیگر اداروں کی طرح قومی تحویل میں لیا گیا۔ لیکن بعد میں آنے والے ادوار میں یہ عمل ریورس ہوا اور ڈی نیشنلائزیشن کا عمل شروع ہوا۔ جس سے حکومت کی زیر نگرانی چلنے والے تعلیمی اداروں کو غیر سرکاری این جی اوز اور نجی اداروں کے سپرد کیا گیا۔ اس عمل سے ایک تو حکومت نے مفت تعلیم مہیا کرنے کے بوجھ سے آزادی حاصل کی اور دوسرا یکساں نظام تعلیم کے فرض سے بھی کنارہ کشی اختیار کی۔ نتیجتاً تعلیمی ادارے تجارتی ادارے بن گئے جن سے طلباء کا تصور گاہک سے زیادہ کچھ نہ رہا۔

مغربی نظام تعلیم:

کسی بھی ریاست کے نظامِ تعلیم کی قوم کیلئے وہی اہمیت ہوتی ہے جو ایک فرد کیلئے دماغ کی ہوتی ہے۔ اگر کسی فرد کا دماغ کسی جادوگر کا شکار ہو جائے تو اس فرد کی ساری حرکات و سکنات اسی کی منشا کے مطابق ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کسی ریاست کا نظامِ تعلیم متاثر ہو جائے تو اس کی سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بگاڑ پیدا ہونا لازم ہے۔ ریاست کا نظامِ تعلیم اپنے مزاج، مواد اور موضوعات کے اعتبار سے نظریاتی، ثقافتی اور تہذیبی رنگ سے خالی نہیں ہوتا اور اس میں اتنی معروضیت (Objectivity) نہیں ہوتی کہ اقدار کی گرفت سے آزاد کیا جاسکے۔

دورِ حاضر کے لبرل ازم (Liberalism) اور انفرادیت پسندی Individualism کے علمبرداروں نے نظامِ تعلیم میں اس غلط فہمی کو رائج کرنے کی کوشش کی ہے کہ تعلیم روایات و اقدار کے معیارات اور خیر و شر کی تمیز سے غیر جانبدار ایک چیز ہے۔ یورپ کے نظامِ تعلیم میں یہی خیالات و نظریات ہمیں کارفرما نظر آتے ہیں۔ جس میں اخلاقی اقدار کا بحران، مرد و زن کا اختلاط، روحانی پستی، انسانیت سوزی اور مقصدیت کا فقدان ہی نظر آتا ہے۔ دین و دنیا کی تفریق پر قائم اس نظام کے بارے میں اکبر الہ آبادی کا وہ مشہور شعر ہے کہ:

کیا بتائیں احباب کیا کارہائے نمایاں کر گئے — بی اے ہوئے، ایم اے ہوئے، نوکر ہوئے، پنشن لی اور مر گئے

شاعرِ مشرق بھی مغربی نظامِ تعلیم کے ناقدین میں سے تھے۔ انہوں نے اُردو زبان کے اپنے اولین مجموعے "بانگِ درا" میں مغربی تعلیم کی عدم مقصدیت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خطرناک نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر — لبِ خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما — لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

اسی مجموعے میں علامہ اقبال شیخ سعدی شیرازی اور مولانا الطاف حسین حالی کا ایک مکالمہ "فردوس میں ایک مکالمہ" میں مغربی تعلیم میں مذہب اور اخلاق کی پامالی کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس میں مولانا حالی کی زبان سے تعلیم جدید کا الم ناک نقشہ کھینچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح "ضربِ کلیم" میں فرمایا کہ:

عصرِ حاضر ملک الموت ہے جس نے — قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکرِ معاش
دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے تیرا — زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش
اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا — جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش
فیضِ فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا — جس میں رکھ دی غلامی نے نگاہِ خفاش
مدرسے نے تیری آنکھوں سے چھپایا جن کو — خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

معلمِ انسانیت کا تعلیمی انقلاب:

جس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی، جہالت کی عالمگیر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جس کا تذکرہ اللہ رب العزت نے اپنے آخری پیغامِ ہدایت میں کیا۔

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا. 18

"اور تم آگ کے کنارے کھڑے تھے۔ خدا نے تمہیں اس سے بچالیا۔"

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ۔ 19

"خشکی و تری میں فساد ہی فساد تھا لوگوں کی بد اعمالیوں اور کرتوتوں کی وجہ سے"

اقوام عالم میں اخلاقی و تعلیمی پستی کا دور دورہ تھا۔ آسمانی مذاہب اپنی اصل حالت کھو چکے تھے، یہودیت و عیسائیت کی تعلیمات برائے نام اور اختلافات سے بھرپور تھی۔ اس دور کی حالت کے بارے میں قاضی سلیمان منصور پوری رقمطراز ہیں:

"عرب نوشت وخواند سے مبرا و معرا تھا۔ اور اسے اپنی حالت پہ ناز بھی تھا، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔ جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی وہ صرف بائبل کے حروف سیکھنے تک محدود تھی۔ اس کے ساتھ ترجمہ اور تفسیر شامل نہ تھے۔ یا ان بے سروپا داستانوں کو علم کا درجہ دیا گیا تھا جو یہودیوں میں کبھی بطور ناول کے لکھی گئی تھیں۔ پھر ان کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ ہندوستان میں شریمد بھاگوت اور پرانوں کی حکومت تھی۔ بہت ترقی کی صورت میں رامائن اور مہابھارت کے قصے منتہائے علم سمجھے جاتے تھے۔ یہی حال چین و ایران کا تھا۔ یورپ بالکل جہالت کدہ تھا۔"20۔ اس پر آشوب دور میں رب العالمین کی طرف سے معلم انسانیت رحمت عالم ہادی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول ہوا جو اپنے دادا حضرت ابراہیم کی دعا کا ثمر تھے۔ جنہوں نے اپنے رب سے یہی درخواست کی تھی کہ اے میرے رب میری اولاد میں سے دنیا والوں کو ایسا رہنما، لیڈر اور مربی عطا فرما جو انھیں تلاوت آیات، تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت سے سرفراز کرے۔ قرآن مجید کے مطابق رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خصوصیات سے مزین کر کے بھیجا گیا جس کا ذکر سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ جمعہ میں واضح طور پر کیا گیا۔21۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایسے وقت میں ہوا جب انسان عہد قدیم کا سفر طے کر کے اب عہد جدید میں داخل ہونے کو تھا۔ بین الاقوامی دور کا آغاز تھا اور انسانی ذہن دنیا کی تسخیر کیلئے تیار تھے۔ انسانی تہذیب اب اس موڑ پر آن کھڑی ہوئی تھی جہاں اب پرانے دور سے سرحدیں جدا کر کے نئے دور میں قدم رکھنے کی باری تھی۔ ایسے میں پیغام خداوندی کی ابدیت اور ہمہ گیریت کے پیش نظر پہلی وحی کا آغاز ہی ایسا ہوا کہ: **اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ** (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔) کیونکہ عہد جدید میں تعلیم کو جو مقام ملنے جا رہا تھا وہ اس سے قبل برگزنہ تھا اور اللہ کے اس پیغام میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ دین اسلام کی کامرانی سربلندی اور فروغ کا انحصار تعلیم ہی پر ہو گا۔22۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو عدل و مساوات کی دعوت دی، علم کے خشک سوتوں کو کھول کر فقر و مسکنت، ذلت و رسوائی میں جکڑی خلق خدا کو حق و صداقت اور معرفت کی بلندیوں پر سرفراز کیا۔ ظلم و جبر سے نکال کر عدل و انصاف کے دائرے میں داخل کیا۔ جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنیوں میں لایا۔ لاقانونیت اور ظلم کے بدلے مدنیت اور قانون خداوندی کے تابع کیا۔ غرض یہ کہ انسانیت کا وقار بحال ہوا۔ اپنے رب سے رشتہ استوار ہوا۔ فکر و نظر، شعور و وجدان، ہمت و حوصلہ، خدا ترسی، اخلاق کی بلندی، حق و صداقت کی وہ نعمتیں عطا ہوئیں کہ ثریا کی بلندی کو بھی شرمسار کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقصد بعثت ہی یہی بتایا۔ فرمایا: **اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ** یعنی مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کیلئے مبعوث کیا گیا ہے۔23۔

علامہ سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں: "عرب کے بدوؤں اور قریش کے رئیسوں دونوں کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر ہدایات ہیں۔ آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ جانا جاتا ہے اور ان کو متمدن و مہذب بنانے کیلئے مذہب سے باہر کی تعلیم کی اس کو ضرورت نہیں پیش آتی۔ لیکن عیسوی مذہب کے چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل ہے عقائد پادریوں کی کونسلوں سے دعائیں اور عبادات کلیسا کے حکمرانوں سے تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اسلام، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کچھ نہیں۔ عقائد ہوں، عبادات ہوں،

دعائیں ہوں، اخلاق ہوں کہ آداب و تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ، سب کا ماخذ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔24۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ ہی علم و عرفان پر خواص کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو ہر مرد و عورت، آزاد و غلام، گورے و کالے، امیر و غریب پر یکساں طور پر ضروری قرار دیا۔ یوں پیغمبر اسلام نے تعلیمی انقلاب کا وہ بیج بویا جس سے دنیا پرانے دور سے نکل کر علم و آگہی کے نئے ادوار میں داخل ہوئی۔

فرائض نبوت:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم انسانیت بنا کر اسلئے مبعوث کیا گیا کہ گمراہیوں کے اندھیروں میں بھٹکتی عوام الناس میں علم و عرفان کی شمعیں روشن فرمائیں۔ یہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض بعثت میں شامل تھی جسے اللہ نے سورہ البقرہ میں یوں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ 25۔

درحقیقت اللہ نے مسلمانوں پر یہ احسان کیا کہ ان ہی میں سے ان کے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان کو کتاب اور فہم کی باتیں سناتے ہیں اور اس سے قبل وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ یہی وہ مطالبات تھے کہ جو حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے رب سے مانگے تھے:

"اے ہمارے رب! ان میں سے ہی ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات تلاوت فرمائے، انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔26۔ ان آیات بینات کی روشنی میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی فرائض کا احاطہ کیا گیا ہے جس کے تین مراحل نظر آتے ہیں۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں تلاوت صرف قرآن یا دوسری تنزیلات ربانی ہی کی، کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس سے مراد کلام الٰہی کا پڑھنا ہی ہے۔ امام راغب اصفہانی رقمطراز ہیں۔ "کلام الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کو "عرفاً" تلاوت نہیں کہا جا سکتا"27۔

یہاں تلاوت کے معنی و مفہوم میں اتباع، پیروی اور ایمان و یقین کی آبیاری کی محنت کی ساری تفصیلات شامل ہیں۔

وَيُزَكِّيْهِمْ

تزکیہ کے لفظی معنی پاکی، صفائی اور نشو و نما کے ہیں۔ یعنی نفس انسان کو آلائشوں سے پاک کرنا اور نیکی کی نشو و نما کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی نظام کا دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ عوام الناس کے نفس کو ناپسندیدہ، مکروہ اور قبیح عناصر سے پاک صاف کر کے ان میں تقویٰ، پاکیزگی اور اچھائی جیسے عوامل کی نشو و نما کرنا۔ مفتی محمد شفیعؒ کے مطابق

"تزکیہ کو تعلیم سے جدا کر کے مستقل مقصد رسالت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی قرار دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تعلیم کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو، محض تعلیم سے عادتاً اصلاح اخلاق نہیں ہوتی جب تک کسی تربیت یافتہ مربی کے زیر نظر عملی تربیت حاصل نہ کی جائے کیونکہ تعلیم کا کام دراصل سیدھا اور صحیح راستہ دکھانا ہے۔ مگر منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے محض راستہ جان لینا کافی نہیں، جب تک کہ ہمت کر کے قدم نہ اٹھائے جائیں اور راستہ نہ چلیں۔ اور ہمت کا نسخہ اہل ہمت کی صحبت و اطاعت کے کچھ نہیں۔28۔

اس کتاب سے تو یہ بات دوٹوک واضح ہے کہ یہ کتاب الٰہی ہی کی تعلیم کی بات ہے کیونکہ قرآن مجید ہی دنیا کے تمام علوم اور رشد و ہدایت کا منبع و محور

ہے، اور اس سے مراد دانائی، علم و حلم، عدل و انصاف وغیرہ ہے۔

امام راغب اصفہانی رقمطراز ہیں۔ "جب لفظ حکیم اللہ تعالیٰ کیلئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کیلئے بولا جائے تو معنی موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لیے جاتے ہیں۔29۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض بعثت اور اس کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں۔

اس خوبصورت تربیتی پروگرام نے عربوں کی کایہ پلٹ کر رکھ دی۔ وہ نہ صرف روحانی دنیا کے امام ٹھہرے بلکہ علم و معرفت کے ہر شعبے پر ان کی تحقیق و تفتیش نے انسانیت کی راہوں پر روشنی کے چراغ جلا دیے۔ "علامہ رشید رضا کے مطابق "بے شک عرب اپنی بدوی طبائع میں پختگی اور خشونت اور مزاج کی سختی کے عادی بن چکے تھے اور علم و حکمت کے سخت دشمن تھے اور تہذیب و تربیت سے عداوت رکھنے والے تھے۔ کسی نظام اور احکام کی اتباع ان کی سرشت میں موجود نہ تھی اور نہ ہی تمدن اور حضارت کی استعداد رکھتے تھے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس نے قساوت و خشونت والی قوم کو علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کا امام بنا دیا۔30۔

(ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینے میں) تعلیم کی اہمیت

معلم انسانیت، نبی رحمت، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے صحابہ اکرام کی تعلیم و تربیت کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جاہل معاشرے میں ایسا نظام تعلیم وضع کیا جس سے بے شمار نگینے تراشے گئے۔ کتب احادیث میں تعلیم کی اہمیت و افادیت اور ترغیب پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات نقل کیے گئے ہیں۔

1۔ علم کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔31

2۔ اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے۔32

3۔ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "ایک والد اپنے بیٹے کو اچھے آداب سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا۔"33

4۔ بلاشبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔34

5۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت ستاروں پر۔35

6۔ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔36

7۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کو ترو تازہ رکھے جس نے کوئی چیز ہم سے سنی اور اسے ویسے ہی آگے پہنچا دیا۔37

8۔ جس نے ہدایت کی کسی بات کیلئے کسی کو بلایا اس کیلئے اتنا ہی اجر ہے جتنا اس کے کرنے کا ہے اور ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہ ہو گی۔38

9۔ جس نے خیر کی کسی بات کی طرف بلایا تو اس کا اجر اس کے کرنے والے کے برابر ہو گا۔39

10۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کو چاند سے تشبیہ دی اور فرمایا "عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی تمام ستاروں پر ہے۔ علماء تو انبیاء کے وارث ہیں۔40

11۔ معلم انسانیت نے علم میں سرگرداں افراد کو جنت کی بشارت سنائی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو آدمی علم حاصل کرنے کیلئے کوئی راستہ اختیار کرتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے واسطے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔"41

12۔ طالب علم کیلئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص طلب علم کی خاطر گھر سے نکلتا ہے وہ اللہ کے راستے میں ہے کہ وہ جب تک لوٹ نہ آئے۔42

13۔ فرمایا تم میں سے سب سے بھوکا وہ ہے جس کو علم کی بھوک ہو اور سب سے زیادہ پیٹ اس کا بھرا ہوا ہے جس کو علم کی طلب نہ ہو۔ 43

14۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق دین اسلام کی سمجھ رکھنے والا شخص شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ 44

15۔ فرمایا ایک عالم کی فوقیت عابد پر ایسی ہی ہے جیسا کہ میری تم میں سے ایک عام امتی پر۔ 45

16۔ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے جو سنو آگے پہنچا دو۔ اگر چہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ 46

17۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللھم ھل بلغت 47

18۔ پھر فرمایا: **فلیبلغ الشاھد الغائب** 48

19۔ معلم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ خیر کی تعلیم دینے والے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ فرشتے، اہل آسمان، اہل زمین حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں مچھلیاں بھی پانی میں دعائے خیر کرتی ہیں۔ 49

20۔ فرشتے طالب علم کی رضامندی کیلئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ 50

21۔ طالب علم کے رزق کی ذمہ داری اللہ کی ہے۔ فرمایا:

"جو شخص علم کا طالب ہے اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا کفیل بن جاتا ہے۔" 51

22۔ حصول علم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ گناہ قرار دیا۔ 52

23۔ عالم کی موت کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"عالم کی موت سے اسلام میں شگاف پڑ جاتا ہے جس کو بند نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ لیل و نہار کتنے ہی بدل جائیں۔" 53

24۔ علم کی راہ میں محرومی کو بھی باعث ثواب قرار دیا۔ فرمایا کہ جو شخص تحصیل علم میں لگا اور حاصل کر لیا تو اس کے لیے دوہرا ثواب ہے اور اگر علم کی تحصیل میں لگا رہا لیکن اسے نہ پا سکا تو اس کے لیے ایک حصہ ثواب ہو گا۔ 54

ریاست کے نظام تعلیم کے بنیادی اصول تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں:

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس کا موضوع انسانیت کی اصلاح اور بہتری ہے۔ چنانچہ معاشرت ہو یا سیاست، تہذیب و تمدن ہو یا معیشت، اسلام نے ایک مکمل ضابطہ حیات فراہم کیا ہے۔ پیغمبر اسلام کی بدولت جو ہمہ گیر انقلاب برپا کیا گیا اس میں ریاست کیلئے ایک زبردست نظام تعلیم کی بنیاد بھی ڈالی گئی۔ جس کے حسین ثمرات تاریخ کے صفحات کی آبرو ہیں۔ عرب کے بوریہ نشینوں نے روم و ایران جیسی بڑی تہذیبوں کی دعوے دار قوموں سے نظام اپنے ہاتھ میں لیا تو معلم انسانیت کے تربیت یافتہ افراد نے ان سے کئی گنا بہتر انداز میں چلا کر دکھایا۔ معلم انسانیت کی تعلیمات کی روشنی میں ریاست کیلئے نظام تعلیم کے بنیادی اصول، تصور و روح، جامعیت، نظام و ترتیب اور منہج و اسلوب کو بیان کرنے کی سعی میں چند اہم نکات پیش کیے جا رہے ہیں۔

1۔ تصور علم:

دین اسلام نے جو تصور علم دنیا کے سامنے پیش کیا اس کا بنیادی نکتہ یہ ہے: علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ مشاہدات، تجربات اور عقل و دانش سے بھی بڑا ایک ذریعہ علم ہے اور وہ علم وحی کے ذریعے اسی کی جانب سے ہے۔ انسان کی ہدایت کا دارومدار علم الٰہی پر ہی ہے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ پڑھ کہ تیرا رب بہت بزرگ و برتر ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔ 55۔ یہی وہ تصور علم ہے جس پر اسلامی نظام تعلیم کی بنیاد استوار ہے۔

2۔ خلوص نیت:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نظام تعلیم کو وضع کیا تھا وہ خالصتاً فلاح انسانیت کی بنیادوں پر استوار تھا۔ جس میں تعلیم وتربیت کا طریقہ کار بے لوث تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اور مدعا صرف رضائے الٰہی کا حصول تھا۔ جس کا اظہار قرآن مجید میں ان الفاظ میں ہوا ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

کہہ دیجیے میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میری زندگی اور موت سب کچھ رب العالمین کیلئے ہے۔56۔

3۔ مقصدیت:

اسلامی نظام تعلیم بلند مقاصد کے حصول کیلئے وضع کیا جاتا ہے۔ جس میں ایک واضح مقصد کا تعین ہوتا ہے۔ رحمت اللعالمین کا ارشاد ہے:

"جس شخص نے وہ علم سیکھا جس سے خدا کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے لیکن اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس دنیا سے متاع حاصل کرے تو قیامت کے دن اُس کو جنت کی خوشبو میسر نہ ہوگی۔"57

پروفیسر خورشید احمد رقمطراز ہیں: "پس تعلیم کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طلبا میں ان کے مذہب اور نظریہ حیات کی تفہیم و آگاہی پیدا کرے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زندگی کا مفہوم اور مقصد، دنیا میں انسان کی حیثیت، توحید، رسالت، آخرت اور انفرادی و اجتماعی زندگی پر ان کے اثرات، اخلاقیات کے اسلامی اصول، اسلامی ثقافت کی نوعیت اور ایک مسلمان کے فرائض اور اُن کا مشن انہیں سمجھایا جائے۔"

4۔ خیر خواہی:

معلم انسانیت نے جس تعلیمی نظام کی بنیاد رکھی اُس کے پیش نظر فلاح، خیر خواہی اور دردمندی کا جذبہ کارفرما تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور اُن کی تکالیف دور کرنے کیلئے بے چین رہتے تھے۔ ارشاد باری ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ "بے شک تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان یا دکھ میں پڑنا اُسے گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا خواہش مند ہے۔ اور ایمان والوں کیلئے شفقت و رحمت کرنے والا ہے۔"59۔

خیر خواہی کا یہ جذبہ ایک معلم کو معاشرے کے دوسرے افراد سے ممتاز کر کے اُس کی عزت کا باعث بنتا ہے۔

5۔ انفرادی اور اجتماعی نشوونما:

اسلامی نظام تعلیم جہاں ایک فرد کی انفرادی شخصیت کی نشوونما کا خیال کرتا ہے۔ اس کی صلاحیتوں کی آبیاری کا بندوبست کرتا ہے۔ وہیں اُس کی اجتماعی ذمہ داریوں کا تعین کر کے اسے ایک ذمہ دار شہری کی حیثیت میں بھی سامنے لاتا ہے۔

اسلام کی تعلیمی پالیسی میں ایک فرد کی انفرادی شخصیت کا ارتقاء اہم ترین مقاصد میں سے ایک ہے۔ فرمایا:

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔

"اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔"60

پھر فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

"اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اُس کی ہمت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے۔ اُس کا پھل اُس کیلئے ہے۔ اور جو بدی سمیٹی ہے اُس کا

وبال اس پر ہے۔" 61

6۔روح:

نبوی تعلیمی نظام بے جان لاش نہیں بلکہ اس کے اندر روح موجود ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ 62۔ بے شک علم رکھنے والے بندوں میں ہی اللہ کا خوف پایا جاتا ہے۔

علم افراد کے اندر جذبہ ایمانی، خشیت الٰہی، سوزِ جگر اور صدق ووفا کا جذبہ جاگزیں کرتا ہے۔ نبوی تعلیم ہی کا شاخسانہ تھا کہ جاہل عرب تہذیب و تمدن میں جدید ریاستوں سے بھی سبقت لے گئے۔ ایک طرف جہاں عابد و زاہد مساجد میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے تو دوسری جانب مجاہدین اسلام عدل و انصاف کی سربلندی کی خاطر جذبہ شہادت میں سربکف میدانوں میں نظر آتے تھے۔

7۔لازمی یا جبری تعلیم:

اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس نے ریاست کے تمام افراد مرد و خواتین پر کم از کم بنیادی تعلیم لازمی قرار دی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یونان، روم، چین اور ہندوستان نے علوم وفنون کے میدان میں بڑی ترقی کر رکھی تھی۔ لیکن یہ تمام لوگ سب انسانوں کی تعلیم کے قائل ہرگز نہ تھے۔ ان میں ایک خاص طبقے کو ہی علم و تعلیم پر اجارہ داری حاصل تھی۔ نچلے طبقے کے افراد کو علم حاصل کرنا تو در کنار، کتاب کو چھونے کی بھی اجازت نہ تھی۔ معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ لفظ "پڑھ" سے شروع ہوئی جس سے دین اسلام میں علم کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے کہ: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔"63

اسلامی ریاست میں بات صرف فرضیت تک نہیں رکتی بلکہ علم و تعلیم سے وابستہ افراد کو معاشرے کے بہترین افراد قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

"تم میں سے بہترین انسان وہ ہے کہ جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔"

لازمی اور جبری تعلیم کے حصول کا نظریہ سب سے پہلے اسلام ہی نے دنیا میں متعارف کروایا۔

8۔عمل و تطبیق:

ریاست کا نظام تعلیم زبانی جمع خرچ پر مبنی ہو تو وہ خرابی کا باعث بنتا ہے۔ نبوی نظام تعلیم میں صرف فلسفہ نہیں تھا۔ یہ دماغوں میں بھرا جانے والا ایک خشک نظریہ نہیں تھا بلکہ ایک جیتی جاگتی حقیقت تھی۔ نبوی نظام تعلیم و تربیت میں جو سیکھتے تھے وہ زندگی میں نافذ کرتے چلے جاتے۔

اسی سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ 64

"تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔" نبی رحمت ﷺ، معلم انسانیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی اچھے شاگردوں کیلئے ایک نمونہ تھی، جن کی اداؤں پر عمل کرنے میں وہ فخر محسوس کرتے تھے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ 65 "البتہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس علم سے پناہ مانگو جو نفع نہ دے۔"66

9۔متوازن تعلیم:

ریاست اس امر کی ذمہ دار ہے کہ وہ ایسا متوازن، ہمہ جہت اور عہد حاضر کے تقاضوں کے مطابق نظام تعلیم تشکیل دے جس میں وحدتِ افکار بھی ہو اور جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہو۔

پروفیسر خورشید احمد رقمطراز ہیں: "تعلیم کا ایک اور اصول یہ ہے کہ متوازن اور ہم آہنگ تعلیم حاصل ہو۔ اس میں اتنی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کی رنگا رنگ بوقلمونیوں کے درمیان زندگی کی وحدت کو دیکھ سکے۔ اسلام راہِ وسط کا داعی ہے اور اس کا نصب العین متوازن شخصیت کی تعمیر و ارتقاء ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق فکر و عمل کا توازن نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس لیے تعلیم میں یہ بات لازماً پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اختصاص کے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے طالب علم کو وسیع پس منظر سے واقفیت حاصل ہو جائے۔"67

10۔ اشاعت علم:

اسلامی نظام تعلیم کا ایک لازم اصول اشاعتِ علم بھی ہے۔ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں حصول علم پر زور دیا گیا ہے وہیں اشاعتِ علم کی بھی فضیلت گنوائی گئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے: "اللہ تعالیٰ اس بندے کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی چیز سنی اور پھر اس کو جیسے سنا ویسے ہی پہنچا دیا۔"

حجۃ الوداع کے اہم دن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **فلیبلغ الشاہد الغائب۔** "جو حاضر ہیں وہ اُن تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں۔" علم کی اشاعت میں رکاوٹ بننے والے کے بارے میں فرمایا:

"جس شخص سے علم میں کوئی ایسی بات پوچھی جائے جو وہ جانتا ہے اور وہ اُس کو چھپائے تو قیامت والے دن اُس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔"68

ایک اور مقام پر فرمایا: "لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں۔ اچھی باتوں کی تلقین کریں۔ بری باتوں سے روکیں۔ اسی طرح لوگوں کو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کرنا ہو گا۔ وعظ و نصیحت کو قبول کرنا ہو گا۔ اور اپنے اندر سمجھ پیدا کرنا ہو گی۔ ورنہ میں ان لوگوں کو بہت جلد دنیا میں سزا دوں گا۔"69

11۔ تعمیر کردار:

ریاست کا نظام تعلیم اُس وقت تک مکمل و پائیدار تصور نہیں کیا جا سکتا کہ جب تک وہ اچھے کردار کی تعمیر کا ذریعہ نہ بنے۔ اسلام ایمان اور عمل صالح کی بیک وقت تلقین کرتا ہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی مشن میں سے ایک تزکیہ یعنی انسانی قلب و روح کی تطہیر ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک معطر زندگی تعمیر کردار کے سلسلے میں انسانیت کیلئے ایک بہترین نمونہ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ۔ 70

"البتہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔"

امام غزالی رقمطراز ہیں: "تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوان ذہن کے علم کی پیاس بجھا دے بلکہ اس کے ساتھ ہی اُسے اخلاق، کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہیے۔"71

12۔ یکساں نظام تعلیم:

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے تعلیم کو تمام انسانوں پر فرض قرار دیا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کیلئے ریاست کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ ریاست اسلامی ہی غریب، نادار اور متوسط طبقے کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کی ذمہ دار ہے۔ پیغمبر اسلام کی آمد سے انسانی تاریخ میں اس دور کا آغاز ہوا جب تعلیم پر خواص کی اجارہ داری کا اختتام ہوا۔ ہر مرد و عورت، آزاد و غلام، کالے و گورے، امیر و غریب، چھوٹے و بڑے نے اس کے فیضان سے فائدہ اُٹھایا۔ مدینے میں پہلی اسلامی ریاست کی سب سے اولین درسگاہ صفہ میں ہر خاص

وعام کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا گیا۔ تاریخ انسانی نے وہ مناظر دیکھے جس میں بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ غلاموں کو ایک ہی صف میں بیٹھے دیکھا۔ عربی، رومی وفارسی ایک ساتھ جڑ گئے۔ کالے اور گورے کی تفریق بے معنی ہو گئی۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز — نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

بندۂ صاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے — تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

13۔ جامعیت:

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاستِ اسلامی کیلئے جو نظام تعلیم وضع کیا، اس کے ثمرات یہ نکلے کہ بوریہ نشین اٹھ کر روم وایران کے فاتح بن گئے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع نظامِ تعلیم وتربیت کا کمال تھا، کہ دنیا کی سب سے متمدن، تہذیب وسیاست اور فوج کے لحاظ سے سب سے طاقتور ترین اقوام بھی شاگردانِ مصطفیٰ کے تابع ہو گئیں۔ مدرسہ صفہ میں سے تعلیم حاصل کرنے والے افراد نظامِ مملکت، انتظام، سیاست، اقتصادیات، سماجیات، دفاع اور قضا ہر شعبہ کے ماہر تھے۔ کون سا ایسا شعبہ زندگی تھا جس کی تربیت نہ کی گئی ہو۔ ریاست کے نظام تعلیم کیلئے جامع اور ہمہ جہت ہونا ایک بنیادی ضرورت ہے۔ ایک ایسا منظم اور جامع نظام جس سے بلا تفریق معاشرے کا ہر فرد مستفید ہو۔ جو تمام شعبہ ہائے زندگی کا احاطہ بھی کرتا ہو۔

14۔ تعلیم وتربیت میں ہم آہنگی:

اسلامی نظام تعلیم میں تصورِ تعلیم اور تشکیل کردار ایک دوسرے سے مربوط وہم آہنگ ہیں۔ پاکیزہ سیرت، بلند اخلاق اور اعلیٰ شخصیت کا حصول نظام تعلیم کا حاصل ہیں۔ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اقامت صلاۃ، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد سمیت تمام مراسم عبودیت میں تعلیم وتربیت کی زبردست ہم آہنگی کا تصور موجود ہے۔ معلم انسانیت میں نظریہ تعلیم اور تربیت میں ہم آہنگی کے تصورات اتنے پختہ اور گہرے ہیں کہ اسلام میں ان کی مجرد حیثیت کا تصور معدوم ومحال ہے۔ سیرت طیبہ کا انفرادی پہلو ہو یا اجتماعی، سیاسی یا اخلاقی، نفسیاتی یا سیاسی جہت ہو، کوئی بھی پہلو تزکیہ وعلم کے ساتھ عمل وفکر کے ساتھ مربوط ہے۔ ابنائے اسلام کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی معلم انسانیت کے ہاتھوں ہوئی۔ جس سے وہ تاریخ انسانیت میں پختہ کردار اور نہ رکنے والی مادی، روحانی اور اخلاقی قوت بن کر ابھرے۔

معلم انسانیت ﷺ کا طریقہ تعلیم

آپ ﷺ کا مقام معلم اعظم، رہبر اعظم، ہادی اعظم، مبلغ اعظم، داعی اعظم، مدبر اعظم، مفکر اعظم، ناشر حکمت، شارح کتاب اللہ، معلم اخلاق اور رسول رحمت کے طور پر تاریخ انسانی میں چمک رہا ہے اور قیامت کے روز تک چمکتا رہے گا۔ رحمت عالم ﷺ کا طریقہ تدریس نہایت عام فہم، آسان اور پر تاثیر تھا۔ اللہ کی طرف سے جو وحی کی جاتی، آپ ﷺ محبت وشفقت بھرے انداز میں بلا کم وبیش اپنے ساتھیوں تک پہنچا دیتے۔ آپ ﷺ نے معاشرے کی ایسی فکری وعملی اصلاح فرمائی کہ جس کے نتیجے میں دنیا کا ایک آئیڈیل معاشرہ وجود میں آ گیا۔ آپ ﷺ کا انداز تعلیم وتربیت دیگر معلمین سے جداگانہ تھا۔ آپ ﷺ نہایت عمدہ، دلنشین اور موثر انداز میں اپنے شاگردوں کو سکھاتے۔ صلاحیت، عقل ودانش، فکر مندی، شائستہ زبان اور بلندی اخلاق میں آپ ﷺ کا کوئی مقابل نہ تھا۔ آپ ﷺ کے طریقہ تعلیم وتدریس میں نظام تعلیم تشکیل دینے کے لیے بے بہا موتی اور انمٹ نقوش چھپے ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

1۔ مخاطب کی زبان میں گفتگو کرنا:۔

آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم یہ تھا کہ آپ مخاطب کے لب ولہجہ میں بات کیا کرتے تھے۔

خطیب بغدادی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کا ایک قول نقل کیا جس میں وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا کہ سفر میں روزہ کوئی نیکی نہیں۔ اشعریوں کی لغت میں "لام" کی جگہ "میم" بولا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے لہجے کو چھوڑ کر ان کے لہجے میں بات کی جس سے زیادہ اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ اور اس کا مخاطب پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔

2۔ مخاطب کی نفسیات کے مطابق گفتگو کرنا:۔

معلم انسانیت ﷺ مخاطب کی ذہنی استعداد، مزاج اور جذبے کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے گفتگو فرماتے تھے۔ ایک استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ شاگردوں کی نفسیات، عقلی استعداد اور انکی صلاحیت کو مد نظر رکھتے ہوئے بات کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا، میری بیوی نے سیاہ بچہ جنم دیا اور وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟" اس نے جواب دیا ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا "ان کے رنگ کیا ہیں" اس نے کہا سرخ، آپ ﷺ نے پوچھا کیا کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں سیاہی مائل بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا "وہ کہاں سے آگیا؟" ۔کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ اصل نسب میں کہیں ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ بھی کہیں اصل نسب کا اثر ہو گا۔" 72 اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے مخاطب کی ذہنی استعداد کے مطابق خوبصورت انداز میں بات سمجھائی جو اسے فوراً سمجھ آگئی۔

3۔ بات کا اعادہ کرنا:۔

رحمت عالم ﷺ جب گفتگو فرماتے تو آہستہ اور ٹھہر کر بات کرتے تا کہ سننے والا مکمل بات سن سکے اور پھر آپ ﷺ اپنی بات دوہراتے تا کہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ **کان رسول اللہ اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنه۔** رسول اللہ ﷺ جب بات کرتے تو تین مرتبہ اسے دوہراتے تا کہ سب کی سمجھ میں آجائے۔ 73

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: **کان کلام رسول اللہ کلاما فصلا یفھمه کل من یسمعه۔** 74

آپ ﷺ جب بات کرتے تو درمیان میں وقفہ کرتے بات کھول کر بیان کرتے تا کہ سننے والا پوری طرح حفظ کر سکے۔

4۔ شفیق رویہ:۔

نبی رحمت ﷺ کا شاگردوں کے لیے رویہ نہایت نرمی اور شفقت و محبت بھرا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں گزارے۔ مجھے آپ ﷺ نے کبھی کسی معاملے میں اف تک نہ فرمایا اور نہ یہ کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا یا تم نے فلاں کام کیوں نہ کیا۔ 75

آپ ﷺ نے فرمایا: **ان اللہ رفیق یحب الرفق فی الامر کله۔** بے شک اللہ تعالیٰ نرم خو ہے اور ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتا ہے۔ 76

آپ ﷺ کا طریقہ تعلیم ایسا تھا کہ خرابی بھی دور ہو جائے، انسان کی اصلاح بھی ہو جائے اور اس کو گراں بھی محسوس نہ ہو۔

5۔ گفتگو میں ٹھہراؤ:۔

نبی رحمت ﷺ نہایت فصیح اللسان اور قادر الکلام تھے۔ لیکن آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ گفتگو فرماتے تھے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: **کان فی کلام رسول اللہ ترتیل و ترسیل۔** رسول اللہ ﷺ کی گفتگو میں ترتیل و ترسیل ہوا کرتی تھی۔ 77

ملا علی قاری رقمطراز ہیں کہ: "اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حروف ادا کرتے وقت جلدی نہ فرماتے بلکہ ان کے درمیان توقف کرتے جو بات کو عمدگی سے بیان کرتے ہیں ان کے حروف کے مخارج و صفات نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ حضرت جابر کے بیان کا مقصد آپ ﷺ کی گفتگو

میں جلد بازی کی نفی ہے اور ٹھہراؤ کو ثابت کرتا ہے۔"78

6۔ حکیمانہ انداز تعلیم:۔

نبی رحمت ﷺ کے طریقہ تعلیم میں ایسا حکیمانہ اسلوب تھا کہ جس سے احسن طریقے سے معاشرے کی اصلاح بھی ہو جاتی اور کسی کو تکلیف بھی نہ پہنچتی۔ ایک دیہاتی مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو صحابہ اسے مارنے کو دوڑے تو نبی کریم ﷺ نے منع فرمادیا۔ جب وہ فارغ ہوا تو آپ ﷺ نے اسے بلا کر پیار سے سمجھایا کہ مسجد بول وبراز کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ اس میں اللہ کا ذکر، نماز اور تلاوت قرآن کی جائے۔ پھر ایک شخص سے ڈول منگوا کر اس پر بہادیا۔79 اسی طرح ایک شخص نے جب زنا کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے نہایت پیار سے سمجھایا کہ اگر تمہاری ماں یا بہن کے ساتھ کوئی یہ عمل کرے تو کیا تم برداشت کرلو گے۔ وہ نوجوان جب آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر گیا تو پکی توبہ کر چکا تھا۔80

7۔ آسانی پیدا کرنا:۔

نبی ﷺ کے انداز تعلیم کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ آسانی کو پسند فرماتے۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے۔ **ان اللہ لم یبعثنی معنتاً ولکن بعثنی معلما میسرا۔** بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر عیب چینی اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔81 حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم تعلیم دو، آسانیاں پیدا کرو، تنگی سے اجتناب کرو، جب کوئی غصہ میں ہو تو وہ خاموش ہو جائے۔ اور کوئی غصہ میں آئے تو اسے خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔83

8۔ سوال وجواب:۔

رسول اللہ ﷺ کے انداز تعلیم میں ایک طریقہ سوال کے ذریعے تعلیم دینا بھی تھا۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک درخت جس کے پتے نہیں گرتے وہ مومن کی مثال ہے۔ بتاؤ کہ وہ درخت کونسا ہے۔ جواب میں صحابہ کے ذہن میں صحراء کے درختوں کی طرف گئے۔ عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں کھجور کے درخت کا خیال آیا اور میں جھجک گیا۔ صحابہ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ آپ بتادیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ درخت کھجور کا ہے۔"83

9۔ فضول سوال وجواب سے احتراز:۔

نبی رحمت ﷺ کی تعلیم ایک مقصد کے تحت تھی۔ لہٰذا آپ ﷺ بے فائدہ گفتگو اور سوال وجواب سے پرہیز فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "جس کام کے بارے میں میں خود تم سے وضاحت نہ کروں اس کے بارے میں سوال مت کیا کرو۔ کیوں کہ تم سے پہلی قوموں کے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ فضول سوالات کیا کرتے تھے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرتے۔"84

10۔ تواضع سے پیش آنا:۔

نبی رحمت ﷺ تواضع کو پسند فرماتے اور نہایت تواضع پسند معلم تھے۔ آپ ﷺ اپنے لیے صحابہ کا کھڑا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے، فرمایا: "صحابہ کرامؓ کو نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا۔ آپ ﷺ کی آمد پر وہ کھڑے نہ ہوا کرتے تھے کیوں کہ اس معاملے میں وہ آپ ﷺ کی ناپسندیدگی کو جانتے تھے۔"85

11۔ اعتدال ومیانہ روی:۔

معلم انسانیت ﷺ کی تعلیمات میں اعتدال ومیانہ روی کا عنصر واضح نظر آتا ہے۔ ایک بار تین اشخاص دربار رسالت مآب ﷺ میں

حاضر ہو کر عبادت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ ان میں ایک نے کہا کہ میں ساری رات عبادت کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں ساری عمر روزے رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا۔ نبی رحمت ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور ان سے مخاطب ہوئے کہ میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ پرہیز گار ہوں۔ اس کے باوجود میں روزے بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزہ کے بھی ہوتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور میں نے نکاح بھی کئے ہیں۔ پس جو بھی میرے طریقے کے خلاف کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"86

12۔ تعلیم کے ساتھ تربیت:۔

نبی مہربان ﷺ زبانی تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی تربیت کا انتظام بھی فرماتے۔ آپ ﷺ بچوں کی عملی تربیت کے پیش نظر کھانے کے وقت انہیں ساتھ بٹھاتے تاکہ وہ عملی آداب سیکھ سکیں۔ حضرت عمرو بن سلمہؓ نے نبی اکرم کے گھر پرورش پائی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں جب کھانا کھاتا تو بوٹی کی تلاش میں میرا ہاتھ پوری پلیٹ میں پھرتا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بچے بسم اللہ پڑھ کر اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھاؤ"87

13۔ عالمگیریت:۔

گزشتہ انبیاء و رسل اپنی اقوام کے معلم تھے جب کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اپنے اندر عالمگیریت سموئے ہوئے تھیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات جس طرح عرب کے صحرا نشینوں کے لیے مؤثر تھیں اسی طرح روم و فارس کے متمدن معاشرہ کے لیے بھی قابل تقلید تھیں۔ آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا: **وما ارسلنک الا کافة للناس بشیراً و نذیرا۔**

اور اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو تمام انسانیت کے لیے ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔88

14۔ اصول تدریج:۔

معلم انسانیت نبی رحمت ﷺ کا طریقہ تعلیم آسان سے مشکل کی جانب تھا۔ آپ ﷺ کا اسوہ دنیا کے مصلحین و معلمین کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ جس میں مشکل اسباق کو تقسیم کر کے آسان بناتا تاکہ شاگرد کی توجہ میں کمی بھی واقع نہ ہو اور اکتاہٹ کا شکار بھی نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آسان سکھاؤ، مشکل نہ بناؤ"۔

15۔ دلنشین ضرب الامثال:۔

نبی اکرم ﷺ اپنی تعلیم کے دوران شاگردوں کے لیے نہایت دلنشین اور آسان مثالیں دیا کرتے تھے۔ اس طریقہ تعلیم سے ایک تو سامعین کو بات مکمل سمجھ آجاتی اور دوسرا مجلس میں رونق بڑھ جایا کرتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ بھی ایک گناہ کبیرہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے"۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص اپنے ماں باپ کو کس طرح گالی دے سکتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر ایک شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے۔ یہ اسی طرح ہوا کہ جیسے اس نے اپنے ماں باپ کو گالی دی"۔

ریاست میں نظام تعلیم میں بہتری کے لیے تجاویز

ریاست پاکستان میں موجودہ نظام تعلیم بدترین طبقاتی نظام کا شکار ہو چکا ہے۔ ملک کو اس وقت ایک معیاری اسلامی نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو کہ تعلیمات نبوی ﷺ سے آراستہ ہو۔ ایک ایسا نظام جس میں ہر شہری کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ تمام اداروں میں ایک ہی نصاب ہو۔ امراء اور غرباء کے بچے ایک ہی سکول میں تعلیم حاصل کریں اور ان میں مسابقت صلاحیت اور صالحیت کی بنیاد پر ہو۔ نیز معیار

تعلیم بلند ہو۔ اساتذہ کو معاشرے میں بلند ترین مقام حاصل ہو۔ قومی زبان کو فروغ ملے۔ جہاں سے ایسے صالح افراد کی کھیپ تیار ہو جو قوم کے اساسی نظریات اور اخلاقی اقدار کے امین ہوں۔ شرح خواندگی میں اضافہ ہو اور قوموں کی برادری میں ملک کا سر فخر سے بلند ہو۔ ایسی تعلیمی اصلاحات کو رو بعمل لانے کے لیے ایک قابل عمل قومی تعلیمی پالیسی بنائی جائے جو صرف کاغذوں کی خانہ پری تک محدود نہ ہو بلکہ بجٹ سے ایک خطیر رقم مختص کر کے اس پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ اس ضمن میں چند سفارشات پیش خدمت ہیں۔

1۔ مقصد تعلیم کا حصول:۔

ا۔ محکمہ تعلیم کو محض سرکاری ادارے سے بڑھ کر ایک ہمہ گیر قومی مہم کی شکل اختیار کرنی ہو گی جس میں اساتذہ اس کے دست و بازو بنیں اور فروغ تعلیم ایک قومی تحریک بن جائے۔

ب۔ ریاست پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست کا خواب لے کر وجود میں آئی تھی لہٰذا نظام تعلیم کے مقاصد میں ہر سطح پر ایسے شہری تیار کرنا ہوں گے جو اسلامی اقدار سے سرشار ہوں۔

ج۔ تعلیمی نظام کا مقصد اسلامی قومیت کی بنیاد پر اجتماعی زندگی میں یکجہتی، اسلامی اخوت اور وحدت ملی پیدا کرنا ہو۔

د۔ تعلیمی نظام کا مقصد ایک منصفانہ اور فلاحی معاشرے کا قیام ہو جہاں تمام شہریوں کو برابر کے حقوق میسر آسکیں۔ ملک کے طول و عرض کے لیے پاکستان نظام تعلیم ریاست کی تعلیمی ترقی کا ضامن ثابت ہو گا۔

ہ۔ مقصد تعلیم کے تعین میں تعلیم و تدریس، سائنس و ٹیکنالوجی اور تحقیق و تخلیق کو خاص اہمیت دینی ہو گی تاکہ عالم اسلام علمی دنیا میں اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکے۔

2۔ نظریاتی اور قومی تقاضے:۔

اَ۔ نظام تعلیم میں علمی مہارت پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی کردار کی تشکیل کی صلاحیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ب۔ سائنس و عمرانی علوم کے نصابات بھی اسلامی اقدار سے آراستہ ہوں۔

ج۔ پرائمری سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک خواتین کے لیے مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔

د۔ تمام تعلیمی اداروں کے معمولات اور تقاریب میں شعائر اسلام کا خیال رکھا جائے۔

ہ۔ تربیت اساتذہ کو معلم انسانیت کی تعلیمات سے بہرہ ور کر کے اسلامی اخلاق و کردار سے مزین کیا جانا چاہیے۔

و۔ اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا جائے۔

ز۔ تعلیمی بجٹ میں اضافہ ناگزیر ہے۔

ح۔ عربی زبان کا فروغ ہماری قومی و ملی یکجہتی کے ساتھ دین فہمی کا بھی سب سے بہترین ذریعہ ہے۔

ط۔ ملکی تعلیمی اداروں کا غیر ملکی امتحانی اداروں سے تعلق غیر فطری ہے۔

3۔ قومی ترجیحات میں شعبہ تعلیم کا مقام:۔

قومی ترجیحات میں شعبہ تعلیم کو دفاع کی طرح بنیادی اہمیت ملنی چاہیے۔ اگرچہ ہمارے پاس دنیا کا بہترین دفاعی نظام ایٹم بم اور میزائل ٹیکنالوجی تو موجود ہے لیکن آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ملک کی آدھی آبادی ناخواندہ ہے۔ اس کی بڑی وجہ نظام تعلیم پر خرچہ نہ کرنا بھی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاست کی قومی ترجیحات میں تعلیم کو خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ شعبہ تعلیم کی مالی خود کفالت کے لیے مندرجہ ذیل

اقدامات ہو سکتے ہیں۔

ا۔ یونیورسٹیوں کے لیے ٹرسٹ کا قیام

ب۔ اسلامی روایات کے مطابق وقف کے نظام کا احیاء

4۔ ابتدائی وثانوی تعلیم:۔

ا۔ آئین پاکستان کی دفعہ 37 کے مطابق ملک کے ہر شہری کو دسویں کلاس تک تعلیم لازمی قرار دیتی ہے جس پر عملدرآمد کی ضرورت ہے۔

ب۔ ابتدائی پرائمری تعلیم کے فروغ کے لیے ملک کے طول و عرض میں کم قیمت پر میسر عمارات کو استعمال کرتے ہوئے سکولوں کا جال بچھانے کی ضرورت ہے۔

ج۔ دیہی اور شہری علاقوں میں مساجد کو تعلیم کے فروغ کے لیے مرکز بنایا جا سکتا ہے۔

د۔ پرائمری ٹیچر کی اہلیت، تربیت اور مراعات میں اضافہ ناگزیر ہے۔

5۔ فنی پیشہ ورانہ اور اعلیٰ تعلیم:۔

ا۔ فنی تعلیم کے ادارے کثیر تعداد میں کھولے جائیں تا کہ وہ تیزی سے ترقی کرنے کی ضروریات کو پورا کر سکیں۔

ب۔ سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ، میڈیکل، کاروباری اور زراعت کے پیشہ ورانہ اداروں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیے۔

ج۔ جدید زرعی تعلیم کو حالات سے مربوط کر کے دیہی علاقوں میں پھیلانا ہو گا۔

د۔ ہر طالب علم کو بنیادی ضروری کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی تعلیم میسر ہونی چاہیے۔

ہ۔ اعلیٰ تعلیم کے فروغ کے لیے سکالرشپس، بین الاقوامی سطح کے کتب خانے، جدید ترین کمپیوٹر و انٹرنیٹ اور جدید ریسرچ لیبارٹریز کی سہولیات کی ترسیل ہونی چاہیے۔

6۔ خواتین کی تعلیم:۔

اسلامی نظام تعلیم میں خواتین کی تعلیم وتربیت کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس ضمن میں؛

ا۔ خواتین کے لیے علیحدہ تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لانا چاہیے اور ہر صوبے میں خواتین کی یونیورسٹیاں قائم ہوں۔

ب۔ ایک ساتھ تعلیم ناگزیر ہو تو خواتین حجاب میں رہتے ہوئے اسلامی اقدار کے مطابق تعلیم حاصل کریں۔

ج۔ تدریس، نرسنگ، میڈیکل، امور خانہ داری، گھریلو صنعت اور دوسرے کئی ایسے شعبے ہیں جن میں خواتین کے لیے خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

7۔ شرح خواندگی:۔

نظام تعلیم کو بہتر خطوط پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک کی ناخواندہ آبادی پر خصوصی توجہ دی جائے۔

ا۔ ایک بھرپور منصوبے کے ذریعے 100 فیصد شرح خواندگی کے حصول کو ٹارگٹ بنایا جائے اور اس میں خواندہ طبقے کی خدمات حاصل کرتے ہوئے تعلیم بالغاں کے پروگرام لانچ کیے جائیں۔

ب۔ شرح خواندگی بڑھانے کے لیے تعلیمی بجٹ بڑھانا ناگزیر ہے۔

ج۔ مساجد کو استعمال کرتے ہوئے فہم دین کے ذریعے سے ناخواندگی پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

8۔ دینی مدارس:۔

آ۔ دینی مدارس کے نظام کو وسیع تر اور معیاری بنانے کے لیے علماء کا تعاون حاصل کیا جائے۔

ب۔ عام تعلیمی اداروں اور دینی مدارس میں مطابقت بڑھائی جائے تاکہ طلباء ایک نظام سے دوسرے نظام میں باآسانی جا سکیں۔

ج۔ دینی اداروں اور عام اداروں کے نصاب میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہونی چاہیے۔

د۔ دینی مدارس کے نظام تعلیم میں فرقہ واریت کا قلعہ قمع کرنا بہت ضروری ہے۔

ہ۔ مدارس اسلامیہ کے طلباء کو جدید ترین انفارمیشن ٹیکنالوجی اور دیگر علوم سے آراستہ ہونا چاہیے۔

9۔ اساتذہ:۔

کسی بھی ریاست کے تعلیمی نظام میں اساتذہ مرکزی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں چند معروضات پیش خدمت ہیں:

آ۔ اساتذہ کی تعلیمی استعداد میں اضافہ ہو۔

ب۔ اساتذہ کی تربیت جدید اسلوب پر ہونی چاہیے۔

ج۔ تنخواہوں میں اضافہ اہلیت و قابلیت کی بنیاد پر ہو۔

د۔ استاد کو معاشرے میں بلند مقام اور پرکشش معاوضہ ملنا چاہیے۔

ہ۔ اساتذہ پر چیک اینڈ بیلنس اور کارکردگی جانچنے کا مربوط نظام وضع کرنے کی ضرورت ہے۔

حرف آخر

کسی بھی ریاست کی بقا اور ترقی کا راز اس کے تعلیمی نظام میں پنہاں ہوتا ہے۔ ایک ریاست جب تک ایسے افراد پیدا نہیں کرتی جو اخلاق و عمل اور قابل رشک کردار کے حامل ہوں، جو بہترین اساتذہ، انجینئر، سائنس دان، جرنیل، ایڈمنسٹریٹر، صحافی، سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ اسکی نظریاتی سرحدوں کے محافظ بھی ہوں۔ تب تک اس کی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

پیغمبر اسلام، معلم انسانیت، رحمت اللعالمین محمد رسول اللہ ﷺ کے وضع کردہ نظام تعلیم میں جامعیت، اکملیت، وسعت، گہرائی اور وحدانیت ہے۔ اس میں اہل علم کی قدر و منزلت ہے۔ اور مختلف النوع علوم و فنون کی ضرورت و اہمیت ہے۔ آپ ﷺ کے انقلابی نظام تعلیم نے کل دنیا میں علم و عرفان کی شمعیں روشن فرمائیں۔ آپ ﷺ نے قیامت تک آنے والے معلمین و مدرسین کے لیے اعلیٰ مثالیں چھوڑیں۔ عہد نبوی ﷺ کے بعد مسلمانوں کا نظام تعلیم صدیوں تک دنیا کو علم و ہدایت سے منور کرتا رہا۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین پھر اموی، عباسی اور فاطمی خلفاء کے ادوار اور بالخصوص اندلس کے امراء کے عہد میں مسلمانوں کے نظام تعلیم کی کامرانیوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم آج اپنی عظمت رفتہ اور تاریخ سے ان حسین یادوں کو واپس لائیں۔ علم و جستجو، تعلیم و تربیت کو زندہ کریں۔ اپنے اہداف، بلند مقاصد اور اسی جذبہ کو بیدار کریں۔ اس لیے کہ دنیوی ترقی، انسانیت کا عروج اور اخروی فلاح کا حصول محمد عربی ﷺ کے نقش پا سے وابستہ ہونے میں ہی ہے۔

حوالہ جات

1۔ القرآن: البقرۃ، 31۔۔ 2- **القرآن: سورۃ العلق 5-1**۔۔۔۔ 3- راغب اصفہانی / المفردات / مصطفی البابی الحلبی، مصر، 1961، ص 2-343

4. Baba-e-Urdu Standard English Urdu Dictionary, Tarraqi-e-Urdu Karachi, 710, p362

5. The Oxford English Dictionary, University Press Ely House, London, Vol3, page 44

6. Comprehenssive Desk Dictionary, Edited by C.L Barnhart Newyork (8th Edition) 1958, Vol1, p263

7. Good Dictionary of Education: Foundation in Education, Meegraw Hill Block

Company, Newyork, 1959, Encyclopedia of Britinica 1984 pp6/317,318

8۔ ثاقب، احسان اللہ، نظر ثانی شاہد محمود ذوگر، ذوگر پبلشرز، ص 23-10۔۔۔9۔ تعلیم الفائزون، پروفیسر فائزہ احسان صدیقی، رب پبلیکیشنز کراچی، مارچ 2007، ص 22/25۔۔۔10۔ ایضاً ص 72۔۔۔11۔ ایضاً ص 66۔۔۔12۔ یوسف القرضاوی، علامہ ڈاکٹر، تعلیم کی اہمیت، مترجم ابو سعید اظہر ندوہ، نیو دہلی، مکتبہ اسلامی پبلی کیشنز، 1998، ص 22۔۔۔13۔۔۔ تعلیم و تربیت قرآن و حدیث کی روشنی میں، قاضی فضل واحد، پاکستان اکیڈمی برائے دہی ترقی پشاور، اگست 1996، ص 72۔۔14۔ ماہنامہ، افکارِ معلم، لاہور، مدیر ظفر حجازی، اگست 1997۔۔۔15۔ ایضاً ص 23۔۔۔16۔ ایضاً

17. (https://www.dawnews.tv/news//1205628)

18۔ القران، آل عمران، 103۔۔۔19۔ القران، سورہ روم، 41۔۔۔20۔ قاضی سلیمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، 402/3۔۔۔21۔ القران، البقرہ، 129/152، آل عمران 164، الجمعہ، 4۔۔۔22۔ غلام عابد خان، پروفیسر، عہد نبوی کا نظام تعلیم، 1986، ص 37۔۔۔23۔ سنن الکبریٰ البیہقی، ج 10، ص 192۔۔۔24۔ قاضی سلیمان منصور ندوی، سیرت النبی، ج 4، ص 403۔۔۔25۔ القران، آل عمران، 164۔۔۔26۔ القران، البقرہ 2:129۔۔۔27۔ راغب اصفہانی / المفردات / مصطفی البابی الحلبی، مصر، 1961، ص 147۔۔۔28۔ محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارہ المعارف کراچی، 1394ھ، ج 1، ص 340/329۔۔۔29۔ راغب اصفہانی / المفردات / مصطفی البابی الحلبی، مصر، 1961، ص 254۔۔۔30۔ محمد رشید رضا، تفسیر المنار، دار الفکر للطباعت والنشر والتوزیع بیروت، 339/۔۔۔31۔ ابن ماجہ، محمد یزید القزوینی، سنن، کتاب السنہ، باب فضل العلماء، رقم 224، ص 249۔۔۔32۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، ریاض، دار السلام، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا، رقم 71، ص 8۔۔۔33۔ ترمذی، ابو عیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، ریاض، دار السلام 2000، ابواب البر والصلہ، رقم 1952، ص 1848۔۔۔34۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب السنہ، باب فضل العلماء، رقم 223، ص 291۔۔۔35۔ ایضاً۔۔۔36۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب السنہ، حوالہ سابقہ، رقم 213، ص 2490۔۔۔

37۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، ابی مع الصحیح، ریاض دار السلام 2000، ابواب العلم رقم الحدیث 2657، ص 1919۔۔۔38۔ مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، بیروت، دار المعرفہ 2007، کتاب العلم، رقم الحدیث 4876، ص 1215۔۔۔39۔ ایضاً، ص 899۔۔۔40۔ ترمذی، جامع الترمذی، بحوالہ سابقہ، ابواب العلم، باب ماجاء فضل الفقہ، رقم الحدیث 26824، ص 1922۔۔۔41۔ ترمذی، جامع الترمذی، بحوالہ سابقہ، ابواب العلم، باب ماجاء فضل الفقہ، رقم الحدیث 2642، ص 1918۔۔۔42۔ ترمذی، جامع الترمذی، بحوالہ سابقہ، ابواب العلم، باب ماجاء فضل الفقہ، رقم

الحدیث 2646، ص 1918۔۔۔43۔ علی متقی الھندی کنزل ایمان، بیروت، احیاء التراث الاسلامی، رقم الحدیث 28684۔۔۔44۔ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، بحوالہ سابقہ، کتاب السنہ، رقم الحدیث 226، ص 2491۔۔۔45۔ الترمذی، ابی عیسیٰ الترمذی، بحوالہ سابقہ، رقم الحدیث 2685، ص 1922۔۔۔46۔ الترمذی، سنن الترمذی، بحوالہ سابقہ، ابواب العلم، رقم الحدیث 2669، ص 1920۔۔۔47۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، بحوالہ سابقہ، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، رقم الحدیث 4403، ص 360۔۔۔48۔ بخاری، محمد بن اسمٰعیل، صحیح بخاری، بحوالہ سابقہ، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، رقم الحدیث 4406، ص 361۔۔۔49۔ ترمذی، جامع الترمذی، بحوالہ سابقہ، ابواب العلم، باب فضیلۃ الفقہ، رقم الحدیث 2685 ص 1922۔۔۔50۔ ابن ماجہ، السنن، بحوالہ سابقہ، رقم الحدیث 226، ص 291۔۔۔51۔ علی متقی الہندی، کنزل الاعمال، بحوالہ سابقہ، رقم الحدیث 2870۔۔۔52۔ ترمذی، جامع الترمذی، بحوالہ سابقہ، رقم الحدیث 2648، ص 1918۔۔۔53۔ ہیثمی، نور الدین ابو الحسن علی، مجمع الزوائد، ج 2، ص 473، رقم الحدیث 984۔۔۔54۔ ایضاً، ج 1، ص 330، رقم الحدیث 502۔۔۔55۔ القرآن، علق 3,4,5۔۔۔56۔ القرآن، الانعام، 162۔۔۔57۔ ابو داؤد، ابن ماجہ۔۔۔58۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظام حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، ص 428۔۔۔59۔ القرآن، التوبہ، 128۔۔۔60۔ القرآن، النجم، 39۔۔۔61۔ القرآن، البقرہ، 28۔۔۔62۔ القرآن، فاطر، 28۔۔۔63۔ ابن ماجہ، محمد یزید القزوینی، سنن، کتاب السنہ، باب فضل العلماء، رقم 213، ص 2490۔۔۔64۔ القرآن، الصف، 2۔۔۔65۔ القرآن، الاحزاب، 21۔۔۔66۔ ابن ماجہ۔۔۔67۔ خورشید احمد، پروفیسر، اسلامی نظام حیات، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، ص 431۔۔۔68۔ بحوالہ ترمذی۔۔۔69۔ بحوالہ طبرانی۔۔۔70۔ القرآن، الاحزاب، 21۔۔۔71۔ امام غزالی احیاء العلوم۔۔۔72۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب من شبہ اصلا۔۔۔73۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب العلم، حدیث 197۔۔۔74۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، کتاب السنن، رقم الحدیث 4839۔۔۔75۔ نور الدین ہیثمی، مجمع الزوائد، کتاب العلم، ج 1، ص 129۔۔۔76۔ صحیح مسلم، رقم الحدیث 2165۔۔۔77۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب الصمر فی الکلام۔۔۔78۔ مرقاۃ المفاتیح، 87/10۔۔۔79۔ صحیح بخاری، ج 9، ص 458۔۔۔80۔ مجمع الفوائد، ج 1، ص 63۔۔۔81۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخییرا مراۃ۔۔۔82۔ مسند احمد، 1/239۔۔۔83۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، رقم الحدیث 6122۔۔۔84۔ صحیح مسلم، ج 1، ص 452۔۔۔85۔ مسند احمد، 3/132۔۔۔86۔ صحیح مسلم، رقم الحدیث 766۔۔۔87۔ بخاری، ج 9، ص 90/89۔۔۔88۔ سورۃ سبا، آیۃ 28۔۔۔89۔ صحیح مسلم، رقم الحدیث 2588

16

مقالہ نگار۔ سمیرا لیاقت زوجہ سید لیاقت علی۔
کوئٹہ، بلوچستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحث سے پہلے ہم کچھ اصطلاحات کی تعریف و معنی کو واضح کر لیتے ہیں تاکہ یہ امر روشن ہو جائے کہ باقی دنیا کی ترجیحات اور مسلمان ریاست کی ترجیحات مختلف کیوں ہیں اور مختلف کیوں ہونی بھی چاہئیں۔ پہلے ہم ان اصطلاحات کی تعریف، رائج دنیاوی علم کے اعتبار سے کرتے ہیں۔

ریاست۔ "ریاست سے مراد سیاسی طور پر ایک منظم ملت ہے جو کم و بیش آزاد ہوتی ہے اور اس کے قبضہ و تصرف میں ایک مستقل اور معین علاقہ ہوتا ہے"۔

تعلیم۔ "تعلیم سے مراد وہ طریقہ کار ہے جسکے ذریعے لوگوں کے کسی گروہ کی عادات اور اہداف ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے ہیں۔ "یا" تعلیم ایک تربیت کا نظام ہے، جس کا تعلق اسکول یا اسکول جیسے ماحول میں سکھانے اور سیکھنے کے طریقوں کے ساتھ ہے۔ تعلیم کو ایک معاشرے کی اقدار اور مجموعی علم منتقل کرنے کا عمل سمجھا جاتا ہے"

نظام۔ "ایسے طریقہ کار کو کہتے ہیں جس میں لوگ یا چیزیں، مخصوص اُصول و ضوابط کے تحت کام کریں۔"

نظام تعلیم۔

فلسفہ تعلیم کی بنیاد مادیت پر رکھی گئی ہے۔ دنیا کے بہت سے ذہین اور سمجھدار لوگوں نے اپنے علم و ذہانت کے اعتبار سے فلسفہ تعلیم کو تعریف کیا ہے۔ مادیت کو کائنات کی اصل مان کر بہت سے فلسفے پیش کیے گئے، ایک فلسفہ ایسی تعلیم کی حمایت کرتا ہے جو انسان کی پیشہ وارانہ ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل میں اس کی مدد کر سکے۔ اس فلسفہ تعلیم کا بانی ارسطو کو سمجھا جاتا ہے۔ اس فلسفہ کو "فلسفہ حقیقت" کہا جاتا ہے۔ فلسفہ تعلیم کا ایک نظریہ "نظریہ تصوریت" ہے اس کا بانی افلاطون تھا۔ اس نظریہ کے مطابق کائنات اور اس کی تمام اشیاء حقیقی نہیں بلکہ اس کا عکس ہے۔ پس اس نظریہ کے تحت تعلیم کا مقصد روحانی اقدار، روایات اور ثقافت کا تحفظ کرنا ہے۔ سولہویں صدی میں ایک نئے فلسفہ نے جنم لیا اس کا نام "فطریت" تھا۔ اس نظریہ کے مطابق تعلیم وہ جز ہے جو پڑھنے والے کی فطرت کے مطابق ہو۔ اس فلسفہ تعلیم کا بانی روسو تھا۔ فلسفہ تعلیم کی ایک قسم "عملیت" بھی ہے۔ اس فلسفہ تعلیم میں تجربہ اور عمل کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ **ریاست کا تعلیمی نظام۔** ہر اس قانون، ضابطے اور پالیسیوں پر مبنی وہ طریقہ کار ہے جو اس مخصوص ریاست کے کرتا دھرتا طبقہ کے مفادات اور روایات کو سہولت دے۔

اب ہم ان تمام اصلاحات کی تعریف کرتے ہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق۔

ریاست۔ "ایک ایسا خطہ زمین جو ایک نظریہ، ایک عقیدے اور ایک کلمہ کی بنیاد پر وجود میں آیا ہو"۔ **تعلیم۔** "تعلم کا مقصد صرف انسان کے فطری ادراک کی تربیت کرنا ہی نہیں بلکہ معرفت کردار کا حصول بھی ہے" امام غزالی کے نزدیک۔ "تعلیم وہ عمل ہے جس کے ذریعے فرد کو اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکے اور نیکی اور بدی میں تمیز کر سکے"۔ علامہ اقبال کے نظر میں۔ "تعلیم عرفان خداوندی اور تکمیل خودی کا نام ہے"۔ ابوالاعلیٰ مودودی نے تعلیم کو اس طرح تعریف کیا ہے۔ "علم خیر کی قوتوں کو فعل میں لانے کا عمل ہے۔ پیدائشی طور پر انسان میں خیر و شر کی قوتیں موجود ہوتی ہیں، تعلیم شر کی قوتوں کو دبا کر خیر کی قوتوں کو اجاگر کرتی ہے اور انسان کو رضائے الٰہی کے حصول کے قابل بناتی ہے۔"

اسلامی ریاست کا فلسفہ تعلیم۔ایک اسلامی ریاست کا فلسفہ تعلیم تو پہلی وحی الٰہی سے واضح ہو جاتا ہے۔

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا۔ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے۔ جس نے قلم سے سکھایا۔ انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔"

مندرجہ بالا آیت مبارکہ سے ہمیں یوں گمان ہوتا ہے کہ جیسے، بنیادی طور پر مذہب اسلام تعلیم و تربیت کا ایک نظام ہے جس کا پہلا اصول "اقراء" ہے۔ قران پاک فرماتا ہے سورہ الزمر میں آیت نمبر 9۔ "جو لوگ نہیں جانتے کیا وہ لوگ ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو جانتے ہیں"۔

آقا کریم ﷺ نے تعلیم کا حصول فرض قرار فرمایا۔

"علم کی طلب ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے"۔

واضح رہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے تعلیم کو عام اور سب کے لئے، کا تصور پیش کیا۔ اسلامی فلسفہ تعلیم کے مطابق اسلام جسم اور روح دونوں کی تربیت کو تعلیم کا مقصد قرار دیتا ہے۔ اسلام میں تعلیم کا مقصد معرفت الٰہی حاصل کرنا، اپنے آپ کو پہچاننا، کائنات کی حقیقت کو معلوم کرنے کی جستجو کرنا، دین و دنیا اور فرد و اجتماع کی فلاح و بہبود کو مد نظر رکھتا ہے۔ اسلامی فلسفہ تعلیم کا مقصد دین اور دنیا میں اعتدال اور توازن قائم کرنا ہے اور بحیثیت مجموعی انسان کے تمام مسائل کو موضوع بنا کر اس کے حل کو پیش کرنا ہے۔ یہ فلسفہ تعلیم خدا تعالیٰ کا پیش کردہ ہے اور آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی عملی سنت بھی پیش فرمائی ہے۔ اسی فلسفہ تعلیم میں دنیا کا بہترین اور مکمل ترین نظام تعلیم موجود ہے، اس ہی لیے اس میں خامیوں کی گنجائش نہیں اور نہ ہی ترمیم اور اضافے کی گنجائش ہے۔ یہ تعلیم انسان کی دنیاوی خوشحالی کے ساتھ روحانیت، اخلاقیات اور مذہبی عقائد کو لازمی قرار دیتی ہے۔

مندرجہ بالا اصلاحات کی مفصل تعریفیں واضح کرتی ہیں کہ مسلمان ریاست کا نظام تعلیم اور اس کے مقاصد و اہتمام، دوسری ریاستوں کے نظام تعلیم سے مختلف ہونی چاہئے، اور کیونکر ہونا چاہئے، یہ ہی ہمارے مقالہ کا مرکزی موضوع ہے۔

اسلامی ریاست کا نظام تعلیم۔ "تعلیم کا ایک ایسا مجموعہ جو باہم مربوط ہو کر اسلامی مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہو، اور ہم آہنگ ہو کر ایک واحدہ کی حیثیت اختیار کر لیں، تو یہ عناصر کا مجموعہ اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام کہلائے گا"۔

اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام سے پڑھ کر نکلنے والا بچہ، اپنے خاص علم و فن میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا مسلمان بھی بنے۔ اگر کسی نے طب کا پیشہ اختیار کیا ہے تو وہ ایک مسلمان ڈاکٹر کا کردار ادا کرے، اگر تجارت پیشہ ہو تو ایک ایماندار بھروسہ مند مسلمان تاجر ہو۔ اور اگر فوجی زندگی اختیار کرے تو اپنی عسکری زندگی میں مسلمان مجاہد کا کردار ادا کرے۔

اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کے اہم مقاصد۔

مضبوط عقیدہ۔ حاکمیت اعلیٰ، اللہ کی ہے اور معلم اعلیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں۔ اس امر میں ایمان اور عقائد بچوں کے دل و دماغ میں راسخ قائم کرنے کے لئے بہترین نصاب بنانا چاہیے۔ ان کے سامنے ایسے حالات و واقعات پیش کرنے چاہئیں جن سے بچوں کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی محبت اور قدر دانی پیدا ہو۔ ریاست کو یاد رکھنا چاہیے کہ بچے وہ نہیں کرتے جو انہیں پڑھایا یا رٹوایا جاتا ہے، بلکہ وہ کرتے ہیں جو اپنے بڑوں کو کرتا دیکھتے ہیں۔ تو اگر ریاست کے بڑے ایمان دار ہوں گے تو ریاست کے چھوٹوں کو ایمان دار بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ کوئی پری اسکول، کوئی مونٹیسوری بچوں کے دل و دماغ میں ایمان اور محبت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم پیدا نہیں کر سکتی اگر ریاست اور ریاست میں موجود بڑے اس ایمان اور محبت کا عملی نمونہ نہ ہوں۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے آگاہی۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات پاک بہترین نمونہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیات مبارکہ اور سیرت نبوی کی مکمل آگاہی نئی نسلوں کے لئے وہ روڈ میپ مہیا کرتی ہے جس پر چل کر وہ بھٹک نہیں سکیں گے، اس طرح وہ مسلمان ممالک رہیں یا غیر مسلم ممالک میں، وہ اپنی ایمان کی بنیاد سے کبھی دور نہیں ہوں گے۔ اس طور وہ ترقی کا اصل معنی اور مفہوم سمجھ پائیں گے، تب ہی وہ دنیاوی ترقی کی سیڑھیاں ایمان کی رسی پکڑے چڑھتے چلے جائیں گے۔

کردار سازی۔ ریاست میں اساتذہ اور ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں میں اعلیٰ اخلاق کی تعمیر کریں۔ تعلیم و تربیت کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طالب میں خیر کی قوت پروان چڑھے جو برائی کی کو کمزور کر دے اور اسکے ساتھ ساتھ ایک صحت مند، خوش باش انسان پروان چڑھے جو ملک کی ترقی، معاشرے کے سدھار اور خاندان کے لیے وقار کا باعث ہو۔ اسلامی نظریہ تعلیم کے مطابق سب سے زیادہ اہمیت طالب علم کے کردار کی تشکیل کو حاصل ہے۔ تعلیم جب تک اچھا کردار تعمیر نہ کرے، اپنا حقیقی مقصد حاصل نہ کر پائے گی۔ اچھے کردار کے حامل افراد ریاست میں اپنی سماجی اور معاشی ذمہ داریاں احسن طریقے سے پورا کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے بنیادی مشن میں تزکیہ نفس یعنی انسانی زندگی اور روح کی تطہیر شامل تھی اور اسے اوّلیت حاصل تھی۔ **كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔** سورۃ البقرہ 151

"جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

صلاحیتوں کی آبیاری۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اپنی اولاد کی عظمت کو پہچانو اور انہیں آداب سے آراستہ کرو"۔ (السنن الکبری للبیہقی:)

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کسی نہ کسی صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ تعلیمی نظام کا اصلی کام ان خداداد صلاحیتوں کی پہچان اور انکی آبیاری ہونا چاہیے۔

جسم اور ذہن کی مضبوطی۔ ذہنی نشوونما تب ہی ممکن ہے جب جسم اپنی بہترین صحت مند حالت میں ہو۔ تعلیمی اداروں میں بالخصوص اور معاشرے میں بالعموم ورزش کو فروغ دینا ہو گا۔ (قطع نظر عمر و جنس کے)۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے نوجوانوں کو جسمانی طور پر صحت مند رکھنے کی خاطر اور نوجوانوں کو تعلیم جہاد دینے کے لیے ان کے درمیان دوڑ اور تیر اندازی کے مقابلے کرائے۔ عین میدان جنگ سے قلعہ شکن آلات بنانے کی تربیت حاصل کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو مقام جرش کی طرف بھیجا۔ قرآن پاک میں ہے۔ **وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ۔** (الانفال 60)

"تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی۔"

اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کی تشکیل کی بنیاد اور ترجیحات۔ تعلیم گاہ کی بنیاد مسجد نبوی میں بنے ہوئے چبوترے کی طرز میں رکھ دی گئی تھی۔ اس چبوترے کو صفہ کا نام دیا گیا۔ اور اس چبوترے پر علم حاصل کرنے والوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جو طرز عمل اصحاب صفہ کے ساتھ رکھا، وہی طرز عمل ایک مسلمان ریاست کو اپنے طلباء کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ اب ہم اس پاک طرز عمل کو بحث کرتے ہوئے ریاست کے ممکنہ طرز عمل کو واضح کریں گے۔

اصحاب صفہ کی مفت تعلیم۔ صفہ چبوترے پر فراہم کی گئی تعلیم مفت تھی۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تعلیم کے عمل کو بے انتہا ضروری یا اور

کر وایا، اس لیے اس عمل کو مفت رکھا تا کہ مسلمان ریاست بھی اس ضروری عمل کو مفت رکھیں۔ تا کہ بلا تفریق رنگ و نسل، بلا تفریق جنس، اور بلا تفریق عمر و حیثیت ہر مسلمان علم کی روشنی میں چمکتا رہے۔ صفہ کے چبوترے پر کوئی یہ نہ سمجھے کہ صرف مفلس نادار مہاجر طلبا ہی قیام پذیر تھے بلکہ کئی اچھے خاصے کھاتے پیتے خوش حال گھرانوں کے مہاجرین اور انصار صفہ چبوترے پر قیام کرتے اور اپنی روحوں کو مقدس علم سے سیر اب کرتے۔ یوں مسجد نبویؐ جہاں مملکت مدینہ کے باقی تمام شعبے سمیٹ آئے تھے وہاں صفہ کی صورت میں ایک یونیورسٹی کا اضافہ بھی ہو گیا۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عملی طور پر کر کے دکھایا کہ تعلیم مفت ہو اور لازمی ہو۔ مملکت اسلامی کے بجٹ میں تعلیم کے لئے مختص بجٹ اول نمبر پر ہو۔ ایک مضبوط مملکت اس کے ذہنی اور جسمانی طور پر مضبوط عوام سے ہی ممکن ہے۔

اصحاب صفہ کی بنیادی ضروریات کی ذمہ داری۔ مسلمانوں کی بنیادی ضروریات کی ذمہ داری ریاست کے سر ہے۔ اور یہ ذمہ داری اگر مسلمان طلبا کی مد میں ہو تو ریاست کی سنجیدگی بدرجہ اتم بڑھ جانی چاہیے۔ جس طرح آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نزدیک اصحاب صفہ کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ترجیح تھی، اپنے پاک خانوادے کی ضروریات مقابلے میں بھی، کہ نبی پاک ﷺ کے پاس ایک دن حضرت فاطمہ ؓعنہا تشریف لائیں۔ آپ ﷺ کو مال غنیمت کے 5 واں حصے میں کچھ غلام ملے تھے۔ (قرآن نے نبی پاک ﷺ کے لئے جتنا بھی مال غنیمت ہے اس میں 5 واں حصہ اللہ اور اللہ کے رسول پاک ﷺ کے لئے مختص کیا ہے)۔ ترجمہ: اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول و قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے۔ (الانفال)

حضرت فاطمہ ؓعنہا حضرت علیؓ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائی اور اپنے لئے غلام کی درخواست کی نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓعنہا سے فرمایا کہ اصحاب صفہ کا مجھ پر بہت بڑا ذمہ ہے اور اسکے بعد انکا ذمہ ہے جو یتیم ہو گئے، جنگوں میں اور اسکے بعد انکا ذمہ ہے جو بیوہ ہو گئیں جنگوں میں تو میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا میں آپ کو وظیفہ دیتا ہوں آپ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرے اللہ آپ کے لئے آسانی کرے گا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک غلام بھی اپنی بیٹی کو نہیں دیا۔

بی بی فاطمہ ؓعنہا ایمان کی دولت کو سمیٹ کر لے گئیں اور دنیاوی دولت، دنیا کے لئے چھوڑ دی۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عملی طور پر اپنی سنت، اپنی امت کے سربراہان مملکت کے لیے بطور نمونہ چھوڑیں۔ اب مسلمان ریاست کے کرتا دھرتا پر لازم ہے کہ مملکت اسلامی کی ترجیح تعلیم ہو، اور بجٹ کا بہترین اور بڑا حصہ تعلیمی سرگرمیوں کے لیے مختص کیا جائے

اصحاب صفہ کی جسمانی قوت بڑھانے کیلئے۔ اصحاب صفہ نہ صرف قرآن حفظ کرتے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ارشادات کو سن کر اپنے سینوں میں محفوظ کرتے تھے، بلکہ لکھنا پڑھنا بھی سیکھتے اور فنون حرب کی بھی مشق کرتے تھے۔ یعنی آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم طلبا کی ذہنی نشو و نما کی ذمہ دار صحتمند اور مضبوط و ورزشی جسم کو بتاتے ہیں، اسی لئے طلباء کو فنون حرب ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ کے مطابق طاقتور مومن، اللہ کو کمزور مومن کے نسبت زیادہ محبوب ہوتا ہے، اگرچہ دونوں ہی اچھے ہوتے ہیں (صحیح مسلم)۔

اسلامی ریاست پر لازم ہے کہ تعلیمی اداروں کو اس ڈھنگ سے تشکیل دے کہ ہر طالب علم لازمی طور پر کسی نہ کسی جسمانی ورزش یا کھیل میں حصہ لے اور باقاعدہ طور پر اس ضمن میں امتحان لیا جائے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کی یاد سے تعلق نہ رکھنے والی ہر چیز لہو و لعب ہے، سوائے چار چیزوں کے: (۱) آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ تفریح طبع کے کاموں میں مشغول ہونا (۲) اپنے گھوڑے سدھانا (۳) دو نشانوں کے درمیان پیدل دوڑنا (۴) تیر اکی سیکھنا سکھانا۔ (کنز العمال ۱۵ / ۲۱۱، الجامع الصغیر ۵ / ۲۳

اصحاب صفہ کی تعلیم کی جہتیں۔ صفہ چبوترے پر علم کی جامعیت کا تصور بھی پیش کیا گیا۔ بدر کے موقع پر جن سرداران مکہ کو گرفتار کیا گیا تھا ان کا فدیہ یہ قرار دیا گیا تھا کہ ہر شخص 10 بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاوے۔ ظاہر ہے کہ ان امیرانِ قریش نے دینی تعلیم تو نہ دی ہو گی۔

اسلام، علم کو "دینی" اور "دنیاوی" خانوں میں بانٹنے کا قائل نہیں۔ بنیادی دینی تعلیم، اس نے ہر مسلمان کے لئے لازم قرار دیا ہے۔ **(طلب العلم فریضة علی کل مسلم**۔ ابن ماجہ)۔

اس کے بعد علم و معرفت کے تمام دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی طلب، مواقع اور محنت کے مطابق ان سے فیض حاصل کر سکتا ہے۔ آج جن علوم کو خالص دینی علوم کہا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص انھیں اس لئے حاصل کرتا ہے کہ ان کے ذریعہ دنیا کمائے، سماج میں اونچی پوزیشن حاصل کرے اور لوگ اس کے علم و فضل کے قصیدے پڑھیں تو اللہ کے رسول نے ایسے شخص کو وعید سنائی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ جنت سے اتنا دور ہو گا کہ اسے اس کی خوشبو بھی نہ آسکے گی، حالانکہ اس کی خوشبو میلوں دور سے محسوس ہو گی۔

(من تعلم علماً مما یبتغی به وجه الله لا یتعلمه الا لیصیب به عرضاً من الدنیا، لم یجد عرف الجنة۔ ابوداؤد)۔

اس کے برعکس آج جن علوم کو خالص دنیاوی علوم سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی شخص انھیں اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس پر معرفتِ خداوندی کے اسرار کھلیں اور وہ ان کے ذریعہ خلقِ خدا کو فائدہ پہنچائے تو وہ اس پر ضرور بارگاہِ الٰہی میں اجر و انعام کا مستحق ہو گا اور اس کا ٹھکانہ جنت میں ہو گا۔ قرآن کریم کی ایک آیت ہے: "حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں"۔ (فاطر 28)۔

سورہ فاطر کی آیات مبارکہ نمبر گیارہ اور بارہ اور تیرہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں۔ "اور اللہ ہی نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تمہیں جوڑے بنایا، اور کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے، اور نہ ہی کسی دراز عمر شخص کی عمر بڑھائی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر وہ کتاب میں درج ہے، بے شک یہ بات اللہ پر آسان ہے"۔ (آیت نمبر گیارہ)۔۔ "اور دو سمندر برابر نہیں ہوتے یہ ایک میٹھا پیاس بجھانے والا ہے کہ اس کا پینا خوشگوار ہے اور یہ دوسرا کھاری کڑوا ہے، اور ہر ایک میں سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو اور جو تم پہنتے ہو، اور تو جہازوں کو دیکھتا ہے کہ اس میں پانی کو پھاڑتے جاتے ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ اس کا شکر کرو"۔ (آیت نمبر بارہ۔)

"وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے، یہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کی بادشاہی ہے، اور جنہیں تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ ایک گٹھلی کے چھلکے کے مالک نہیں"۔ (آیت نمبر تیرہ۔)

مندرجہ بالا آیات مبارکہ انسان کو دنیا اور کائنات کے بارے میں غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ قران پاک میں اللہ تعالیٰ متعدد بار انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ سورہ فاطر کی آیات مبارکہ نمبر ۲۷ اور ۲۸ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعے سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں، جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور پہاڑوں میں بھی سفید، سرخ اور گہری سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں، جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور مویشیوں کے رنگ بھی مختلف ہیں بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ہی ڈرتے ہیں۔ بے شک غالب بخشنے والا ہے۔" (فاطر 28,27)۔

دیکھا جائے تو ان آیات میں علم موسمیات، علم نباتات، علم طبقات الارض، علم بشریات اور علم حیوانات کی طرف اشارے موجود ہیں اور ان تمام کا شمار موجودہ اصطلاحات کے اعتبار سے جدید علوم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمان ریاست پر لازم ہے کہ علم کو دینی اور دنیاوی خانوں میں بانٹنے کی بجائے تمام ملک میں یکساں اور متوازن نصاب متعارف کروائے جس سے نئی نسل مضبوط کردار کے ساتھ نئے چیلنجوں کا سامنا کر سکے اور فرقہ واریت کمزور ہو۔ اور مسلمان ایک وحدت بن پائیں۔

صلاحیت کے مطابق ذمہ داریاں۔ دنیا میں تمام انسان صلاحیتوں کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہیں۔ کسی میں کوئی صلاحیت ہوتی ہے تو کسی میں کوئی اور۔ اسی وجہ سے دنیا کا ہر کام ہر انسان بخوبی انجام نہیں دے سکتا اور نہ وہ تنہا اجتماعی اہداف کے حصول میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ جس میں جس کام کی صلاحیت موجود ہو، وہ اسی کام کو بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ اس لیے کاموں کی صحیح طریقے سے انجام دہی کے لیے افراد سازی ضروری ہے۔ لیکن افراد کو وہی مقام دینا ہو گا جو اُن کے شایانِ شان ہو۔

آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک سادہ سا اُصول وضع فرما دیا "لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔"

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اوصاف حمیدہ کے سبب صدیقین کے عہدے پر فائز ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صلاحیتوں کے باعث، جنھیں آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تربیت نے نکھار دیا تھا، مسلمانوں کے خلیفہ دوم مقرر ہوئے۔ ان کے دور میں اسلامی سلطنت دنیا کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہی ان کی شاندار صلاحیتوں کا پتا دیتا ہے۔ اپنی سخاوت اور اسلامی سمجھ کی وجہ سے عام مسلمانوں کی خدمت کی، اور اسلامی ریاست کو ترقی دی۔ حضرت علیؓ نے نبی کریم ﷺ کی زیر تربیت پرورش پائی۔ علم و حکمت کے ماہر، قرآنیات پر عبور، اللہ والے ایک دلیر صحابی تھے۔ ان کا لقب ابو تراب تھا، فاتح خیبر کے لقب سے بھی مشہور ہیں۔ آقا کریم ﷺ نے انھیں مختلف طرح کی ذمے داریاں سونپیں، ان میں عہد نامے، خطوط نویسی، جنگ کی قیادت وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت زیدؓ کو علم وراثت اور ترجمے کا کام سونپا گیا۔ دور نبوی میں آپؓ کو قرآن کریم کی آیات لکھ کر محفوظ کرنے کا کام دیا گیا، دور صدیقی میں سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے یہی مبارک کام آپ سے لیا اور پھر دور عثمانؓ میں بھی جمع قرآن کے سلسلے میں آپ کی شاندار خدمات ہیں۔

حضرت اُبی بن کعبؓ کو حفظِ قرآن مجید کے سلسلے میں ذمے داری دی گئی جنھوں نے بہت سے حفاظ کرام تیار کیے۔ جب تلاوت کرتے تو اپنی خوش الحانی سے فضا کو روح پرور بنا دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کی قراءت سننے کے لیے فرشتے بھی آپ کے گرد منڈلانے لگتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباسؓ کو کسی معاملے کا والی بنایا تو فرمایا کہ "اے میرے چچا! میں اس معاملے میں کسی دوسرے کو مناسب نہیں سمجھتا کہ اسے والی بناؤں۔"۔ حضرت معاذ بن جبلؓ زود فہمی، قوتِ استدلال، خوش بیانی اور بلند ہمتی کے لحاظ سے ایک منفرد و ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کی تعریف و توصیف اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی **"اَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ"**۔ ان کے اسی علم و فہم، سوجھ بوجھ کے پیش نظر اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا۔ روانہ کرتے وقت آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم لوگوں میں کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذؓ نے جواب دیا: "میں پہلے اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلہ کروں گا، اگر اس میں حکم نہ ملا تو سنت میں تلاش کروں گا، اگر اس میں بھی نہ ملا تو پھر اجتہاد کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو فوجی قیادت سونپی۔ چناں چہ انھوں نے بھی اپنے اس فن میں ماہر ہونے کی حیثیت سے وہ کارنامے انجام دیے جو ایک بہادر فوجی لیڈر کے شایانِ شان تھے، اور آپ کے فہم و بصیرت اور جرات و بہادری سے بہت سے مقامات فتح ہوئے، جس پر ان کو سیف اللہ کا خطاب بھی دیا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کی خوبیوں کے پیش نظر انھیں "امین الامتہ" کا خطاب عطا کیا۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید کو محض بیس سال کی عمر میں رومیوں سے جنگ کی قیادت سونپ دی۔ اور یہ نوجوان فاتح بڑی تعداد مال غنیمت کے ساتھ مدینہ لوٹے۔

مندرجہ بالا اصحاب کے تذکرے واضح کرتے ہیں کہ کس طور سے آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اصحاب کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام بانٹے اور ان صحابہ نے ان کاموں کو بہترین طور سے پورا کیا۔

ریاست اسلامی کے نظام تعلیم کی تعریف اور اہمیت اور ترجیحات کو واضح کرنے کے بعد اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کے ابتدائی تشکیل کن اصولوں

پر ہونی چاہیے۔اب اس موضوع پر گفتگو کریں گے۔

ریاست کے تعلیمی نظام کی تشکیل۔

علم سب کے لیے۔ جس مذہب کی ابتداء ہی "اقرا" سے ہوئی ہو تو اس مذہب کو ماننے والی ریاست کی ترجیح "پڑھنا" ہی ہونا چاہیے۔ ایک اسلامی ریاست میں رہنے والے ہر فرد کو ترجیحاً تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔ اس ہی لئے تعلیم ہر شہری (بلا رنگ و نسل) کے لے لازمی قرار دی جانی چاہیئے۔ **مساوی تعلیم۔** حدیث پاک ہے "علم مومن کی گمشدہ میراث ہے یہ جہاں ملے اسے حاصل کرلو" یہ حدیث مبارکہ واضح طور پر بتاتی ہے کہ علم و حکمت مومن ہی کے لیے ہے، علم و حکمت کی اصل اہمیت مسلمان ہی جان اور مان سکتا ہے۔ اس ہی لئے مسلمان معاشرے میں تعلیم سب کے لیے لازمی ہونے کے ساتھ ساتھ مساوی مواقع کی حامل ہونی چاہیے۔ **مفت تعلیم۔** اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ہر شہری کی تعلیم تک رسائی ممکن ہو سکے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب تعلیم مفت ہو۔ ایک چینی کہاوت ہے، خوش حالی کے لیے اگر ایک سال کی منصوبہ بندی کرنی ہے تو فصلیں اُگاؤ۔ اگر ایک سو سال کی منصوبہ بندی کرنی ہے تو درخت اگاؤ اور اگر ایک ہزار سال تک قوموں کے آگے وقار سے سر اٹھا کر چلنا ہے تو تعلیم پر سرمایہ لگاؤ۔

تعلیمی اداروں کے اخراجات، ریاست کی ذمہ داری۔ تعلیمی ادارے کی بہترین کارکردگی، بہترین اساتذہ اور بہترین نظم و نسق کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ صاف ستھری عمارت، جدید سائنسی لیبارٹری، جدید ٹیکنالوجی سے مزین کمپیوٹر لیبارٹری تعلیمی اداروں کا لازمی جزو ہے۔ کھیل اور ورزش کے میدان، کتابوں کی لائبریری کے ساتھ ساتھ آئی ٹی کی سہولیات کی فراہمی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ٹھہرتی ہے۔

۔کم حیثیت طلبہ کے گھریلو اخراجات ریاست کی ذمہ داری

وہ تمام طالب علم جو معاشی طور پر کم حیثیت ہیں ان کے لئے ایسے وظائف یا جزوقتی ملازمت کا انتظام کیا جائے، جو صرف ایسے غریب طلباء کے لیے ہو ،تاکہ ان کی عزت نفس مجروح نہ ہو اور وہ اپنی تعلیمی ضروریات کو پورا کر سکیں اور ساتھ ہی اپنے خاندان کے معاشی معاملات کو سدھار پائے۔

جسمانی ورزش، تعلیمی اداروں کی ذمہ داری

ذہنی اور جسمانی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی ریاست کو طالب علموں کی عمر، درجات اور اہلیت کے اعتبار سے ورزش اور کھیل کود کے ایسے پروگرام وضع کرنے چاہئیں جس سے طلبہ کی دلچسپی بنی رہے۔

متوازن تعلیمی نظام اور نصاب۔ ایسا متوازن نصاب مرتب کیا جائے، جس سے طلباء کا علم کا شوق بڑھتا جائے۔ ایک ایسا نظام جس سے طلباء کی ذہنی صلاحیتیں تابندہ ہوں۔ طلباء رٹنے کے عادی نہ بنیں۔ طلبا لکیر کے فقیر نہ بنیں بلکہ نئے سے نئے آئیڈیاز اور تھیوری پیش کریں۔

ذہنی یا جسمانی کمی کے حامل افراد کی تعلیم۔ اسلام ریاست کے تعلیمی نظام میں ہر شہری اہم ہے، اس ہی لئے ریاست کی نظر میں کسی شہری یا طالب علم کی کسی قسم کی کمی یا کمزوری کسی کے فرائض کی ادائیگی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ تعلیم کے معاملے میں بھی اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے جسمانی کمزوریوں کو سخت محنت، نیک نیتی اور جہد مسلسل سے چھپا دیا۔ اس کی سب سے اہم مثال حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی ہے جنھیں یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں اپنی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ جیسی اسلامی ریاست کے لیے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور انہیں یہ شرف دس بار حاصل ہوا۔ اسلام میں معذوروں کی قدر و منزلت کا یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ آج بھی معذوروں اور کئی وجہ سے عام جسمانی صلاحیتوں سے محروم افراد کی تعلیم کا خاص اہتمام اسلامی ریاست کے لیے ناگزیر ہے۔

اعلیٰ تعلیم اور ریسرچ پروگرام۔ عام تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ تعلیم اور خاص موضوعات پر ریسرچ و تحقیق کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ خود قرآن حکیم

نے اس کی اہمیت کی جانب توجہ دلائی ہے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔122۔التوبہ۔

"اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔"

اگر اسلامی ریاست اپنے طلباء کے لیے اعلیٰ تعلیم اور تحقیق میں آسانیاں فراہم کرے، تو مسلمان طالب علم اپنی علم کی پیاس بجھانے کے واسطے مغرب کی جانب دیکھنا چھوڑ کر اپنی تحقیق اور وجدان پر بھروسہ کریں، اور اسی وجہ سے وہ واقعہ معراج کو آئنسٹائن کی تھیوری آف ریلیٹیویٹی $E = mc^2$ سے ثابت کرنے کی جاہلانہ کوشش سے باز آجائیں۔

علم کو بدرجہ اتم حاصل کرنے کی اہمیت اور ہدایت درج ذیل حدیث مبارکہ سے ہو جاتی ہے "حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جو شخص کسی راستے پر علم کی تلاش میں نکلتا ہے، اللہ اس کو جنت کے راستے کی طرف لے جاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے پر جھکاتے ہیں اور بیشک جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں اور جو مچھلیاں پانی کی گہرائی میں ہیں یہ سب عالم کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اور بیشک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بیشک انبیاء دینار اور درہم کے وارث نہیں بناتے، وہ صرف علم کے وارث بناتے ہیں، سو جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے بہت بڑے حصہ کو حاصل کیا۔ (سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۲، سنن ابوداؤد رقم ۱۲۳)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۸۱،

کچھ خوش نصیب صحابہ اکرام کو اپنی فیلڈ میں اسپیشلائزیشن کی سند خود آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے عطا فرمائی۔ مثال کے طور پر حضرت ابی بن کعب کو قراءت و تجوید میں اعلیٰ مہارت حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو قضاۃ میں امتیاز حاصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہمارے سب سے بڑے قاضی حضرت علیؓ اور سب سے بڑے قاری ابیؓ ہیں۔ اسی طرح علوم قرآنی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی کوئی مثال نہ تھی۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ صحابہ میں سب سے زیادہ علم قرآن رکھتے تھے۔ علم تفسیر فقہ میں ابن مسعود ممتاز تھے۔ خود آپ ﷺ نے یہ فرما کر انہیں سند عطا کی کہ تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو۔ علم الفرائض میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شاندار تھے۔ آپ ﷺ کا قول مبارک ہے کہ "میری امت میں علم فرائض سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ جانتا ہے۔" حلال و حرام کے علم میں معاذ بن جبلؓ درجہ امتیاز کے حامل تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص معاذ بن جبلؓ ہے۔

اسلامی ریاست کو آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت مبارکہ کو جاری رکھتے ہوئے اعلیٰ تعلیم کو فرض عین سمجھنا چاہیے اور اس کے لیے بھرپور وسائل استعمال کرنے چاہییں۔

کتابی نصاب۔ ایک ایسی نسل کی تیاری اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے جو ذہنی طور سے بیدار ہو اور جن کے دل زندہ ہوں۔ ایسی نسل کی تیاری میں نصاب کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ چھاپی گئی کتابوں کے ساتھ ساتھ نصاب کا آدھا حصہ تحقیق پر مبنی ہونا چاہیے۔ جس طرح سلطنت عثمانیہ کے دور میں بحث اور مناظرہ کو تعلیمی نصاب میں بڑی اہمیت حاصل تھی، اس دور کے اساتذہ کا ایسا ماننا تھا کہ شاگردان جتنا اس طریقے سے سیکھتے ہیں اتنا کسی اور تعلیمی

مصروفیت سے نہیں سیکھتے۔ اس طریقہ کار میں علم کا تبادلہ ہوتا ہے اور ذہن نئی نئی جہتوں پر سوچ وبچار شروع کر دیتا ہے۔ ذہن کی سوچنے کی قوت کو بحال کرنا ہی علم کا اصل ماخذ ہے اور جاہل اور تعلیم یافتہ فرد کا اصل فرق بھی یہی ہے۔

امتحانات اور عزت نفس۔ امتحانات تعلیمی نظام کا اہم ترین حصہ ہیں۔ امتحانات ہی وہ طریقہ کار ہے جس کے ذریعے طلبا کے رجحانات اور نفسیات سے آگاہی ملتی ہے۔ مگر امتحانات کا موجودہ طریقہ کار ہی طلباء کی عزت نفس کا دشمن ہے اس طریقہ کار کی وجہ سے ہی بچے تو بچے بڑے بھی علم حاصل کرنے سے دور بھاگتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا طریقہ امتحان بھی نئے طور سے وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ تعلیمی درجہ کوئی بھی ہو، امتحان کا طریقہ کار سارے سال پر محیط ہونا چاہیے۔ تعلیمی کیلنڈر اس طرح ترتیب دیا جائے کہ سارا سال طلباء تعلیم و نصاب کی کسی نہ کسی سرگرمی میں مصروف رہیں۔ کچھ طریقے درج ذیل ہیں مگر یہ حرف آخر نہیں۔

تحریری امتحانات۔ یہ امتحانات (مضمون یا کثیر انتخابی) سالانہ یا ماہانہ، سہ ماہی یا ششماہی ہوسکتے ہیں۔ یہ امتحانات کبھی ہاتھ کی تحریر سے لیا جائے اور کبھی کمپیوٹرز پر، تاکہ دونوں مہارتیں حاصل رہیں۔

زبانی امتحانات۔ بحث مباحثہ کے انداز میں لیا جائے تو بہترین ہے۔

مطالعاتی امتحانات (اوپن بک)۔ یہ امتحان سہ ماہی انداز سے لیا جائے۔ کسی بھی موضوع پر۔ وہ موضوع کبھی فوراً ہی دیا جائے اور کبھی پہلے سے بتا دیا جائے۔ لائبریری میں مقررہ وقت پر پرچہ لے لیا جائے۔

گھریلو امتحانات (ہوم امتحانات)۔ یہ امتحانات، ریسرچ بیسڈ ہوں۔ اور ہر درجہ کے لئے ہوں۔

او آئی سی کے طرز پر مسلمان ملکوں کے مشترک تعلیمی ادارے۔

اسلامی ریاست کو مسلمانوں کی گمشدہ میراث کو حاصل کرنے اور اسے اپنی نئی نسل تک پہنچانے کا ہر ممکن عمل یقینی بنانا چاہیے۔ او آئی سی کی طرز پر تعلیمی تنظیم بنانے کی سعی ضرور کرنی چاہئے۔ اس تنظیم کا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے یعنی "تعلیم و تحقیق"۔ تمام اسلامی ممالک کو مل جل کر، اپنے بہترین وسائل کا استعمال کر کے بڑے بڑے تعلیمی ادارے قائم کرنے چاہئیں۔ ان تعلیمی اداروں میں اسکول، کالج اور یونیورسٹیز شامل ہونے چاہئیں تاکہ ہر عمر کے طالب علم اپنی صلاحیتوں اور ذہانت کو اپنے دوسرے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بانٹتے رہیں۔ علم حاصل کرنے کی مد میں ایک دوسرے کے مددگار بنیں۔ اس طرح سے فرقہ ورانہ سوچ کو شکست ہوگی اور بھائی چارہ بڑھے گا۔

اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے لئے ریسرچ کے اداروں کے ساتھ ساتھ لائبریریوں کا قیام بھی اس تنظیم کا بنیادی مقصد ہونا چاہئے۔ ان اداروں میں تمام مسلمان ممالک کے نوجوانوں کو داخلہ اور قیام کی سہولیات کی فراہمی کیلئے ترقی یافتہ مسلمان ممالک کو فنڈز مختص کرنے چاہئیں۔

اساتذہ کرام کا کردار۔ استاد کے رتبہ، اہمیت اور اسلامی ریاست میں ان کے کردار کا اندازہ لگانے کے لئے آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہی کافی ہے کہ "**اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً**"۔ (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے) آقا کریم ﷺ کو اپنے معلم "کتاب و حکمت" ہونے پر بڑا فخر تھا۔ ہر استاد کے لیے بھی بہت شکر کا مقام ہے کہ وہ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اس سنت کے امین ہیں، کہ جس پر آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم خود بھی نازاں تھے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ ایک دن مسجد نبویؐ میں تشریف لائے اور صحابہ کرام کے دو حلقے دیکھے۔ ایک تلاوت و دعا میں مصروف تھا، دوسرا درس و تدریس میں مصروف تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پہلے ارشاد فرمایا: دونوں گروہ اچھے کام میں مشغول ہیں۔ پھر "**انما بعثت معلما**" یعنی مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، فرما کر علمی حلقے میں بیٹھ گئے۔"

اساتذہ کرام کی اہمیت مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہو جاتی ہے۔ کسی بھی اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کا اہم ستون استاد ہے۔ استاد کو

ریاست اسلامی میں باعزت مقام ملے گا تب ہی ریاست اسلامی کے تعلیمی نظام میں ان کا مقام محترم ٹھہرے گا۔ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک جنازے پر نماز پڑھی، پھر ان کی سواری کے لئے خچر لایا گیا تو عبداللہ بن عباسؓ نے آگے بڑھ کر رکاب تھام لی، تو زید بن ثابتؓ نے کہا اے ابن عم رسول اللہ! آپ ہٹ جائیں، اس پر ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ علمائے دین اور اکابر کی عزت اسی طرح کرنی چاہیے۔ لہٰذا ریاست اسلامی میں استاد کا مقام اس ہی وقت مستحکم اور مضبوط ہو گا جب ریاست کے نزدیک استاد کی عزت ترجیح ٹھہرے گی۔ تبھی شاگردوں کو بھی درج ذیل حدیث کی اصل روح سمجھ میں آئے گی۔ "**وتواضعو لمن تعلمون منه**۔" جس سے علم حاصل کرو اس سے عاجزی سے پیش آو۔

ریاست اسلامی کے تعلیمی نظام تب ہی فعال ہو گا جب اساتذہ کرام کی ذہنی اور تعلیمی استعداد مسلسل ٹریننگ کے ذریعے بڑھائی جاتی رہے گی۔ اس ٹریننگ کی گائیڈ لائن سنت نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے لی جائے گی۔

آپ ﷺ کی تدریس کی بنیاد محبت اور خیر خواہی پر تھی۔ جبر و تشدد کا کہیں گمان تک نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے ساتھیوں کو ہدایت دیتے ہیں کہ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، مشکلات نہ پیدا کرو۔ اساتذہ کرام کی تربیتی پروگرام میں طلبہ کے ساتھ متوازن رویوں کی سیکھ دی جائے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے ان کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کی۔ لہٰذا اساتذہ کرام کو طلبہ کے ذہنی استعداد کو جانچنے کے لیے نفسیات کی تعلیم دی جائے۔ آپ ﷺ نے تعلیم و تربیت میں اصول تدریج کو ہمیشہ سامنے رکھا۔ آپ ﷺ سامعین کی اکتاہٹ کا پورا خیال رکھتے تھے اور مناسب وقفوں پر خطاب فرماتے تھے۔ اساتذہ کرام کو بھی ان اصول کا خیال رکھنا چاہیے۔ تعلیمی اداروں میں کئی بار دو دو تین تین گھنٹوں کے لیکچر کا اہتمام کیا جاتا ہے جو کہ فضول ہیں، کیوں کہ نفسیاتی ریسرچ کے مطابق بیس منٹ سے تیس منٹ کے بعد انسانی دماغ، کسی ایک ہی مسلسل موضوع کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور بالکل چکنا گھڑا بن جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت روزانہ وعظ کیا کریں۔ فرمایا میں تم کو تھکانا نہیں چاہتا اور میں تمہارا ایسا ہی خیال رکھتا ہوں جیسا رسول اللہ ﷺ ہمارا خیال فرماتے تھے۔۔ آپ ﷺ اصول تکرار سے کام لیتے تھے تاکہ ہر طبقے اور ذہنی استعداد کے لوگوں تک بات پہنچ جائے۔ اساتذہ کرام کو اپنی قوت برداشت کو بڑھا کر اصول تکرار سے کام لینا چاہیے۔۔ آپ ﷺ گفتگو میں سوال اٹھاتے اور سامعین کے سوالات کے جوابات خندہ پیشانی سے دیتے۔ قران پاک کی سورۃ النحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: "بلاؤ اپنے رب کی راہ پر، حکمت اور عمدہ طریقے سے، نصیحت کے ذریعے اور ان سے بحث کرو بہترین طریقے سے"۔ اساتذہ کرام کو دوران تعلیم، بہترین اخلاق و تکریم کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ تعلیم دینا ایک پیغمبرانہ وصف ہے۔ خود آقا کریم صلی اللہ علیہ وال وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "**ادبنی ربی فاحسن تادیبی**"۔ میری تربیت خالق کائنات نے خود کی ہے اور مجھے بولنے کا انداز اس نے خود سکھایا ہے۔ اساتذہ کرام کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کو حکمت آمیز پیرائے میں تعلیم دیں تاکہ طالب علم میں تعلیم کا شوق برقرار رہے۔

تعلیم اور نسواں۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آمد سے پہلے صرف عرب ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ایک ایسا معاشرہ تھی جس میں خاتون ایک جنس تھی جس کی خرید و فروخت ہوتی، اور بیٹیاں ناموس و نام کی خاطر بالکل اسی طرح زندہ در گور کر دی جاتیں تھیں، جیسے آج بھی غیرت کے نام پر نامعلوم قبروں میں وقتاً فوقتاً ہزاروں بے کفن عورتیں۔ اب یہ اللہ پاک کی پلاننگ ہی ہو سکتی ہے، اللہ پاک نے آپ کریم ﷺ کی اولاد میں بیٹیاں ہی زندہ رکھیں اور آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو وحی کیا کہ مختلف قبائل کی خواتین سے نکاح کر کے انہیں امہات المومنین کا درجہ عطا فرمائیں۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہ کا ایک کامیاب ترین تاجر ہونا اور نبی کریمؐ کو خود رشتہ ازدواج کی دعوت دینا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا فقیہہ ہونا، مسلمان خواتین کا افواج کے شانہ بشانہ جہاد کرنا، شامل اللہ پاک کی منصوبہ بندی کا ہی لگتا ہے۔۔ حضرت صفیہ (آقا ﷺ کی پھوپھی) کا اکیلے قلعہ کا دفاع اور حفاظت کرنا، اس بات کی نشاندہی ہے کہ تاقیامت آنے والے ادوار میں عورت معاشرے کا ایک موثر اور فعال حصہ ہوں گی۔ خواتین کی تعلیم اور

تربیت اور انھیں معاشرے میں خاص مقام دلانا، آگے آنے والے زمانوں کے لئے بطور وحی نبی کریم ﷺ کے مشن کا حصہ تھا۔۔۔ آپ نے فرمایا۔ "بیٹیوں کو برا مت سمجھو بے شک وہ محبت کرنے والیاں ہیں۔(مسند امام احمد۔)۔ حضرت ام عمارہؓ کی شجاعت اور جاں نثاری کا تذکرہ بڑے شان دار الفاظ میں ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کے نرغے میں گھرا دیکھ کر وہ آپؐ کے لیے سپر بن گئی تھیں۔ چنانچہ آپؐ نے انھیں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا تھا "غزوہ اُحد کے موقع پر میں دائیں بائیں جدھر دیکھتا انھیں جنگ کرتے ہوئے پاتا۔ یہ کام وہ میری حفاظت کے لیے کررہی تھیں"۔ غزوہ خیبر کے موقع پر کافی تعداد میں مرہم پٹی کرنے والی خواتین نے شرکت کی تھی۔ حضرت سحیمہ بنت سعد الاسلمیہ کی اس موقع پر غیر معمولی خدمات کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں ایک مرد کے برابر ان کا حصہ لگایا تھا۔

قرب قیامت کی علامات میں سے ایک مرد و خواتین کے تیزی سے بگڑتا تناسب بھی ہے۔ جس میں خواتین ہر معاشرے میں مردوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ حضرت انسؓ سے مروی ایک حدیث پاک کا آخری حصہ کچھ یوں ہے کہ "مرد کم ہو جائیں گے اور عورتوں کی کثرت ہو گی۔ حالت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ پچاس عورتوں پر ایک ہی خبر لینے والا مرد رہ جائے گا۔ مرد کو ایک وقت میں چار شادیوں کی اجازت بھی اس آنے والے وقت کی پیشگی تیاری سمجھنا چاہیے۔ لہذا اسلامی ریاست کو آنے والے زمانے کے چیلنجز کا سامنا کے لیے ابھی سے تیاری شروع کردینی چاہیے، اس آنے والے زمانے میں خواتین کو پوری دنیا سنبھالنی پڑے گی۔ اس ضمن میں اسلامی ریاست کو اپنا تعلیمی نظام آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت کے مطابق ترتیب دینا چاہیے اور خواتین کی تعلیم وتربیت کو ہنگامی طور کی ترجیح بنانی چاہیے۔ خواتین کے واسطے زیادہ سے زیادہ تعلیمی، تربیتی اور تحقیقی ادارے کھولنے چاہیں۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جس طرح دورِ نبوی میں خواتین کو دین اور دنیا کی ذمہ داریوں کے واسطے تربیت کیا، اس کی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں۔

آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کو تعلیم کا اہم ذریعہ بنادیا۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **خذو نصف دینکم عن الحمیرا**۔ نصف دین تم حمیرا (حضرت عائشہؓ) سے سیکھو۔ لہٰذا نہ صرف عورتیں حضرت عائشہؓ سے تعلیم پاتی تھیں، بلکہ صحابہ کرام بھی آپ عنہا سے علمی فیض پاتے تھے۔ چنانچہ مسروق کہتے ہیں۔ "خدا کی قسم میں نے بہت پڑھے لکھے صحابہ کرامؓ کو (حضرت عائشہؓ سے) سے علم الفرائض کے بارے میں سوالات کرتے ہوئے دیکھا۔"

آنحضور ﷺ کے ایسے ہی احکامات و ترغیبات کی بناء پر علماء اسلام نے عورت کی تعلیم کو باقاعدہ قانونی حیثیت دے دی۔ مدینہ میں خواتین غزوات کے علاوہ بھی مریضوں کے علاج معالجہ کی خدمت انجام دیتی تھیں اور ان سے لوگ استفادہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے مشہور نام قبیلہ اسلم کی خاتون حضرت رُفیدہ کا آتا ہے۔ ایک اور صحابیہ کے بارے میں ابن اسحاق نے ذکر کیا کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ کے ہاتھ میں ایک تیر آلگا اور ان کی 'اکحل' نامی رگ زخمی ہو گئی، جس سے خون کسی طرح نہیں رک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا "انھیں رفیدہ کے خیمے میں کردو تاکہ میں قریب سے ان کی عیادت کرسکوں۔" رفیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیمہ علاج مسجد نبوی کے برابر میں ہی موجود تھا۔

حضرت خدیجہؓ عنہا کی بہن حضرت ہالہ بنت خویلد چمڑے کی کھال کی تجارت کرتی تھیں۔ عہد نبویؐ میں خواتین کا ایک اہم پیشہ عطر فروش تھا، سیدہ ملیکہ ام سائب یہ سائب بن اقرع کی والدہ تھیں عطر بیچا کرتی تھیں۔ اور حولاء بنت تویت یہ ایسی عطر فروش خاتون تھی کہ "**العطارہ**" کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔ عہد نبوی میں خواتین شجر کاری بھی کرتی تھیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ کی خالہ نے دوران عدت اپنے کھجور کے درخت کاٹنے کی اجازت لی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیوں نہیں! کھیت میں جاؤ اور اپنے درخت کاٹو"۔۔۔ ام مبشر انصاریہ کے کھجور کے باغ تھے اور وہ شجر کاری کرتی تھیں۔

آپ ﷺ ان کے باغ میں تشریف لے گئے اور ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس کے علاوہ بہت سی خواتین دوسروں کے کھیتوں میں مزدوری بھی کرتی تھیں۔

ایک ایسی صحابیہ جن کا ذکر خیر بہت کم پڑھنے کو ملتا ہے، جن کا نام لیلیٰ تھا مگر جڑی بوٹیوں سے ایسا علاج کرتیں کہ ان کا نام ہی شفا پڑ گیا۔ آپ مکہ کے قبیلہ عدی سے تھیں۔ تاریخ دان ایف سی مرگاٹن لکھتے ہیں کہ ایسے وقت میں جب مکہ میں صرف بیس لوگ پڑھنا لکھنا جانتے تھے، شفا اپنی ذہانت اور شوق کے باعث پڑھنے لکھنے میں مہارت حاصل کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔ (مرگاٹن نے یہ معلومات احمد بن جابر البلاذوری کی کتاب 'فتوح البلدان' کا ترجمہ کرتے ہوئے اخذ کیں۔ یہ ترجمہ 'دی اوریجنز آف اسلامک سٹیٹ' کے نام سے چھپا ہے)۔ عادل صلاحی لکھتے ہیں کہ شفا ایک ذہین خاتون تھیں اور اسلام لانے سے پہلے بھی مریضوں کا علاج کیا کرتی تھیں۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو پیغمبر اسلام سے پوچھا کہ کیا وہ علاج معالجہ جاری رکھ سکتی ہیں تو آپؐ نے انھیں ایسا کرنے کی ترغیب دی۔ مطابق پیغمبر اسلام نے ان سے یہ بھی کہا کہ "وہ حفصہ کو یہ بھی سکھائیں کہ وہ جلد کی بیماری کا علاج کیسے کریں۔"۔ جمال اے بدوی نے کتاب 'پیغمبر کے دور میں خواتین کا کردار' میں لکھا ہے کہ شفا اسلامی قانون کی ماہر تھیں۔ حضرت عمر خلیفہ بنے تو شفا سے اقتصادی پالیسی اور تجارت سے متعلق مشورہ لیتے۔ خلیفہ دوم کے دور میں شفا کو مدینہ کا قضا السوق (بازار کا انتظام) اور قضا الحسبہ (احتساب) کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ اوپر پیش کیے گئے چند واقعات وضاحت کرتے ہیں، کہ آقا کریم ﷺ نے خواتین کی تعلیم و تربیت پر کتنا زور دیا ہے۔ دنیا، علم و عمل کا ہر شعبہ محنتی اور ذہین خواتین کے واسطے کھلا ہوا ہے۔ اسلام علم کے لئے جنس کی تفریق کا قائل نہیں۔

طلباء کے لئے ریاستی انعامات اسلامی ریاست کا تعلیمی نظام حوصلہ افزائی کے اصول پر قائم ہونا چاہیے۔ کیونکہ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے لیے سراپا حوصلہ تھے۔ ایک دفعہ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ابی بن کعب سے پوچھا: "کیا تجھے معلوم ہے کہ کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کونسی ہے؟" ابی بن کعب نے جواب دیا: "آیت الکرسی"۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خوش ہو کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "ابو منذر! تجھے علم مبارک ہو"۔ اسلامی ریاست کو چاہیے کہ ہر سال صدارتی ایوارڈ کے طرز پر، صدارتی تعلیمی ایوارڈ منعقد کروائے۔ جس میں ہر سال تحقیق و تجربات و ایجادات کی بنیاد پر ایوارڈ دیے جائیں۔ تمام مسلمان ممالک کو نوبل پرائز کے طرز پر حج کے موقع پر، مسلمان سائنسدانوں اور مختلف شعبوں میں تحقیق و تجربات کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ ایوارڈ یافتہ کو مزید تحقیق کے لیے بہترین ماحول فراہم کیا جائے۔

مدرسہ اور اسکول کی یکجائی اور مسجد۔ اسلام علم کو "دینی" اور "دنیاوی" خانوں میں بانٹنے کا قائل نہیں۔ بنیادی دینی تعلیم، جس کے ذریعہ انسان دین کے تقاضوں پر عمل کر سکے، اسے اس نے ہر مسلمان کے لئے لازم قرار دی۔ کوئی بھی ریاست دو مختلف تعلیمی نظام کے ساتھ ترقی نہیں کر سکتی۔ دو الگ تعلیمی نظام ریاست تقسیم اور نفرت کو جنم دیتا ہے۔ اسلامی ریاست میں سب کے لیے ایک نصاب ہونا چاہئے۔۔ اسلامی ریاست میں تعلیم اور مسجد کا باہمی تعلق بہت خوب استوار ہونا چاہیے۔ جیسا کہ مسجد نبویؐ میں پہلی تعلیم گاہ کے قیام نے اس روایت کو رواج دیا اور بعد میں مسلمانوں کی پوری تاریخ نے اس روایت کو فروغ دیا گیا۔ مسجد ایک مرکزی ادارے کے طور پر ہر اسلامی دور میں اہم رہی ہے۔ مسجد صرف ایک عبادت خانہ نہیں بلکہ دربار، عدالت، مقام مشاورت، مکتب، اقامت گاہ، کتب خانہ، مطب، فلاحی ادارہ اور اعلانات کے مرکز کے طور پر بھی استعمال ہوتی رہی ہے۔ یہ اخلاق ساز ادارہ، دینی اور دنیاوی تعلیم و تربیت کے لیے مخصوص رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ جاتے ہوئے مدینہ سے باہر مسجد قبا کی بنیاد ڈالی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد ہے۔ آپ ﷺ جب مدینہ پہنچے تو آپؐ نے مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد ڈالی اور اس مسجد میں مسلمانوں نے دینی و دنیاوی تعلیم دینی شروع کی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں مدینہ میں نو اور ایسی مساجد تھیں جہاں تعلیم و تدریس کا

مقدس کام سر انجام دیا جاتا تھا۔ آج بھی مساجد کو تعلیم و تربیت کا مرکز بنانا چاہیے۔ پری اسکول کی جگہ اسلامی نظام تعلیم میں بچوں کی بنیادی اسلامی ومعاشرتی تربیت مسجد میں ہونی چاہیے، اور یہ ناممکن بالکل نہیں ہے۔

اقلیتوں کی تعلیم۔ اقلیت کسی بھی اسلامی ریاست کا حصہ ہوتے ہیں۔ مملکت اسلامی اقلیتوں کے حقوق کی پاسدار ہوتی ہے۔ اقلیتوں کو مفید اور مستحکم شہری بنانے کے لیے ان کی تعلیم و تربیت بھی بہت ضروری ہے۔ اسلام جس طرح غیر مسلموں کو ان کے مذہبی و تعلیمی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے، اسی طرح ریاست انہیں علم حاصل کرنے کی مکمل آزادی دیتی ہے اور اس کی ضمانت خود آنحضرت ﷺ نے اپنے پہلے معاہدے میثاق مدینہ میں غیر مسلموں کو دی ہے۔

حرف آخر تو یہ ہے کہ وہ دین جس کا پہلا حکم ہی "اقرا" ہے اور جس کا داعی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنے "معلم" ہونے پر فاخر ہوں، اور جسکے ماننے والوں کے لیے علم ان کی "گمشدہ میراث ہو" اس دین کو ماننے والی ریاست کے لیے علم، پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔ اسلامی ریاست کے تعلیمی نظام کی تشکیل کے لیے کوئی بھی مقالہ حرف آخر نہیں ہو سکتا، کیونکہ قرار صرف تبدیلی کو ہے۔ اسلامی نظام تعلیم کو بدلتے زمان و مکاں کے مطابق بہتر سے بہترین بنانے کے لیے اسلامی ریاست کو ہمیشہ متحرک رہنے کی ضرورت رہے گی۔ تبدیلی کے اس دور میں قیام صرف آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سیرت پاک کو ہے اور اس تربیت کو دوام ہے جو امت مسلمہ کی آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمادی ہے، کیوں کہ اگر تعلیم و تربیت کا اطلاق ان آفاقی اُصولوں سے ہٹ کر کیا جائے جو آقا کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے سکھائے ہیں، تو یقین جانیے تعلیم تربیت دجالی فتنہ کا بنیادی ہتھیار بن سکتا ہے اور بن رہا ہے۔ مظفر وارثی نے کیا خوب کہا ہے۔

شعور لایا کتاب لایا وہ حشر تک کا نصاب لایا،	دیا بھی کامل نظام اس نے اور آپ ہی انقلاب لایا
،وہ علم کی اور عمل کی حد بھی،	ازل بھی اس کا ہے اور ابد بھی،
وہ ہر زمانے کا راہبر ہے	مرا پیمبر عظیم تر ہے۔

کتابیات۔

۔ اردو لازمی برائے انٹر میڈیٹ سال دوم۔ بلوچستان ٹیکسٹ بک بورڈ

۔ الرحیق المختوم۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری۔ المکتبہ السلفیہ۔ لاہور

۔ آقا، صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ ابدال بیلا سنگ میل پبلیکیشنز لاہور

۔ رموز معارفت۔ دور جدید۔ صوفی بشیر احمد۔ ناشر محمد صدیق ابراہیم

۔ نظام تعلیم کی اسلامی تشکیل جدید، مولانا مودودی، پروفیسر خورشید۔ ادارہ تعلیمی تحقیق، پاکستان۔

۔ محاضرات معیشت و تجارت۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ الفیصل ناشران و تاجران لاہور۔

۔ ورفعنا لک ذکرک۔ سیرت رسول رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ بشریٰ بتول۔ سیلز اینڈ سروسیز کوئٹہ

۔ تعلیم نسواں تعلیمات نبوی کی روشنی میں۔ پامیر ٹائمز۔ ڈاکٹر نیک عالم رشید

۔ عہد نبوی میں خواتین کا طریقہ تجارت اور عصر حاضر۔ ایم اے بابر۔

۔ واقعہ معراج۔ ایک مختلف زاویہ نظر۔ سلیم زمان خان۔

۔ تعلیم کے بنیادی مقاصد۔ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی۔

Types of exams, Ahaslides.com\ur\bzindginau.com

https://hamariweb.com/articles/144758?fbclid=IwAR2oxwlfkYa6V022A0gRHxmznaqwLvXI
GA2qUG3wsPeCGTsiEcRM0ku05Y

https://www.bbc.com/urdu/articles/cye4pylwep0o?fbclid=IwAR2u6_3EXjg_8TeLHDSvbL-z-
dPn8kEHITGenz1jnvhjZFHqKbDb3IF4eWE

https://www.urdunews.com/node/52631?fbclid=IwAR2vGM4XNxxXEXqClQGeKAtLFwqS0
EUqWm5mes5Ty57SORV38vPtea3z_Fs

17

مقالہ نگار: شازیہ بانو

موضوع کا تعارف:۔

موجودہ دور میں ہماری ریاست کو جو مسائل درپیش ہیں، ان میں جہالت اور بوسیدہ و فرسودہ نظام تعلیم بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ بد قسمتی کی انتہا دیکھیں یہ مسئلہ اس قوت کو درپیش ہے، جس کی اساس اور بنیاد ہی علم اور تعلیم پر ہے، جو ایسے نبی کی امتی ہے جس پر پہلی وحی ہی "اقراء" کے لفظ کے ساتھ اتری ہے۔ چنانچہ حکم "اقراء" سے ان کے لیے آسمانی الہامی پیغام کا آغاز ہوا اور دنیا کو اسی پیغام کی ذریعے تعلیم و تہذیب سے منور کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ اسلامی نقطہ نظر سے بنی نوع آدم نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں، بلکہ علم اور روشنی سے کیا ہے۔ چناں چہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تخلیق آدمؑ کے بعد خالق کائنات نے انسان اول (حضرت آدمؑ) کو سب سے پہلے جس عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا، وہ علم تھا۔ علم ہی کی بدولت اللہ علیم و خبیر اور عالم الغیب والشہادہ نے حضرت آدمؑ اور بنی نوع آدم کو جملہ مخلوق پر عزت و عظمت اور فضیلت بخشی۔ اسے لائق عزت و تکریم ٹھہرایا گیا۔ **وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا** (1) "اور اللہ نے آدمؑ کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔"

باعث تخلیق کائنات، ہادی اعظم، معلم بنی نوع آدم، حضرت محمدؐ نے علم کو اولین ضرورت قرار دیا۔ ابلاغ علم اور تعلیم و تعلم کو امت کا بنیادی فریضہ قرار دیا گیا۔ تعلیم اور علم کی بنیاد پر ہی بنی نوع انسان کو دوسری مخلوقات پر فوقیت حاصل ہے۔ معلم انسانیت کا ارشاد گرامی ہے: عن انس قال، قال رسول اللہ ﷺ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (2) "حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

تعلیم کے معنی و مفہوم:

لفظ تعلیم، **عَلَّمَ يُعَلِّمُ** کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ ع ل م ہے۔ یہ جہل کی ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں کسی چیز کا جاننا۔ ادراک رکھنا، معرفت حاصل کرنا اور تصدیق کرنا۔ (3) امام راغب اصفہانی علم کے معنی بیان کرتے ہیں۔ العلم ادراک الشئی بحقیقۃ (4) "کسی شے کی حقیقت کا ادراک علم ہے۔"

علم اور تعلیم کی اسی مسلمہ اہمیت کے پیش نظر یہ انتہائی ضروری ہے کہ تعلیم کی نوعیت کا صحیح فہم حاصل کیا جائے۔ یعنی یہ معلوم کر لیا جائے کہ تعلیم کا ٹھیک ٹھیک مفہوم کیا ہے۔ تعلیم انسان کی ایک دائمی ضرورت رہی ہے اس کے باوجود تعلیم کے صحیح مقام کے متعلق انسانی ذہن نے جو ٹھوکریں کھائی ہیں ان کا حال تاریخ تعلیم پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

تعلیم صرف تدریس عام ہی کا نام نہیں ہے، یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل معاشرے کی تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کی وہ تعلیم و تربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی ہے، اور اس میں زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم ہی سے ایک قوم اپنے ثقافتی اور ذہنی ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی ہے، اور ان میں زندگی کے ان مقاصد سے لگاؤ پیدا کرتی ہے جنہیں اس نے اختیار کیا ہے۔ تعلیم ایک ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد اونچے درجے کے ایسے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے، جو اچھے انسانوں کی حیثیت سے اور کسی ریاست کے ذمہ دار شہریوں کی حیثیت سے اپنے فرائض کو انجام دینے کے اہل ہوں۔ ہر دور کے ممتاز ماہرین تعلیم کے نظریات کا مطالعہ اس تصور تعلیم کا پتہ دیتا ہے۔

بقول جان ملٹن: میرے نزدیک مکمل اور شریفانہ تعلیم وہ ہے جو انسان کو حالت جنگ و امن میں اپنی اجتماعی زندگی کے فرائض دیانت، مہارت اور عظمت کے ساتھ ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے۔ جان اسٹورٹ مل مغرب کے ان مشاہیر میں سے ہیں جنہوں نے تعلیم کے مفہوم کو وسعت دینے کی کوشش کی، وہ کہتا ہے۔ "تعلیم صرف ان باتیں ہی کا احاطہ نہیں کرتی جو ہم اپنی فطرت کے کمال سے قریب تر ہونے کی بنا پر وضع قصد کی خاطر اپنے لیے کرتے ہیں یا دوسرے ہمارے لئے کرتے ہیں۔ اپنے وسیع تر مفہوم میں اس کی حدود بہت زیادہ ہیں، انسانی کردار اور صلاحیت پر پڑنے والے ان چیزوں کے بالواسطہ اثرات بھی اس کے دائرہ کار میں شامل ہیں جن کے فوری مقاصد بالکل ہی دوسرے ہونے چاہئیں۔"(5)

ورلڈ بک آف انسائیکلوپیڈیا کے مطابق: تعلیم وہ عمل ہے جو افراد کی مہارتوں، عادات و اطوار اقدار اور طرز عمل کے بارے میں علم حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ افراد کی زندگی کو مزید بہتر بنانے اور تبدیلیوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے میں مدد دیتا ہے(6)۔ یا دوسرے الفاظ میں تعلیم کو اسطرح Define کیا جاسکتا ہے۔ تعلیم وہ معاشرتی عمل ہے جس کے تحت لوگ مخصوص ماحول (جیسا کہ سکول) کے زیر اثر سماجی مہارتیں اور بہتر انفرادی نشوونما حاصل کرتے ہیں(7)۔ ہیگل کے مطابق "تعلیم اس تربیت کا نام ہے جو افراد کو قومی ریاست کا بہترین خادم بنا دیتی" (8) پیستالوزی کی رائے میں تعلیم انسان کی پوشیدہ قوتوں کی قدرتی، مربوط اور تدریجی نشوونما کا نام ہے اور یہ انفرادی اور سماجی اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔

ڈاکٹر پارک کا خیال ہے کہ تعلیم رہنمائی یا مطالعہ سے علم حاصل کرنے اور عادات اختیار کرنے کا عمل یا فن ہے۔ ارسطو کے نزدیک تعلیم بچے کی یادداشت، عادات اور خیالات کے ساتھ ساتھ اس کی عقلی اور اخلاقی نشوونما کا عمل ہے۔ سقراط کی رائے میں تعلیم سچائی کی تلاش میں مدد دینے کا نام ہے۔ سچائی افراد کے ذہنوں میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ تعلیم کے ذریعے افراد کو اس پوشیدہ سچائی سے روشناس کرایا جاتا اور غلط باتوں سے روکا جاتا ہے۔(9) روسو تعلیم فطری ماحول میں فرد کی انفرادیت کی نشوونما کا منبع ہے۔ فروبل کے مطابق تعلیم، زندگی کو خوشگوار بنانے کا ایک ذریعہ ہے اور زندگی کے صحیح اصولوں سے واقفیت کا نام ہے۔

امام غزالیؒ اور ابن خلدون کے مطابق: "تعلیم، معرفت اور حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کا نام ہے، اس کے لئے ایمان اور عقیدہ ضروری ہے۔ ان کے خیال میں علم کی شرط ایمان ہے اور ایمان کا نتیجہ عمل ہے۔"(11) علامہ اقبالؒ "تعلیم کو تعمیر خودی کا نام دیتے ہیں۔" "تعلیم کا یہ وسیع ترین تصور ہے۔ امریکی فلاسفر جان ڈیوی کے نزدیک تعلیم افراد اور فطرت سے متعلق بنیادی طور پر عقلی اور جذباتی رویوں کے تشکیل پانے کا عمل ہے"۔(13)

درج بالا مفاہیم سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم ایک ایسا مسلسل عمل ہے جس کے ذریعے نئی نسلوں کی اخلاقی اور ذہنی نشوونما بھی ہوتی ہے۔ اور اپنے عقائد تصورات اور تہذیب کی اقدار بھی۔ یہ چینی کہاوت اس بات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ "اگر تمہارا منصوبہ سال بھر کے لیے ہے تو فصل کاشت کرو، اگر تمہارا منصوبہ دس سال کے لیے ہے تو درخت اگاؤ اور دائمی ہے تو افراد پیدا کرو۔"(14) افراد کی تعمیر تعلیم ہی سے ممکن ہے شرف انسانیت کا دارومدار علم و ادب پر ہے۔ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی زندگی تعلیم کے عمل سے شروع ہوتی ہے۔ انسان اول کو خود عالم غیب و شہادہ نے اسماء کی تعلیم دی۔

علم کی فضیلت واہمیت:

معلم انسانیت نے علم، تعلیم اور اہل علم کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، آپ ﷺ نے حصول علم کو امت کا دینی، ملی اور اجتماعی فریضہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ابلاغ اور فروغ علم کے فضائل بیان فرمائے، اور کتمان علم کو انفرادی اور اجتماعی جرم اور گناہ عظیم قرار دیا۔

آپ ﷺ کی ان تعلیمات اور فرامین کی بدولت دورِ رسالت میں علم اور تعلیم کا ایک ہمہ گیر انقلاب برپا ہوا۔ مکہ معظمہ میں دارارقم مدینہ منورہ میں صفہ اور دیگر درس گاہوں کے ذریعے وہ علمی اور تعلیمی انقلاب برپا ہوا، جس نے دنیا کو مثالی تہذیب اور آئین حیات عطا کیا، جس کا تذکرہ ہم آگے جا کر کریں گے، ذیل میں اس حوالے سے آپ ﷺ کے ارشادات گرامی ملاحظہ ہوں۔

عن انس قال، قال رسول اللہ: **من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ حتی یرجع۔**(15)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے (گھر سے) نکلے، وہ جب تک گھر واپس نہ آجائے، اللہ کی راہ میں ہے۔"

عن ابی ہریرہ قال، قال رسول اللہ: **من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین**(16) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دینی بصیرت عطا کرتے ہیں۔"

عن انس قال، قال رسول اللہ: **طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم:**(17) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حصول علم ہر مسلمان پر واجب ہے"

عن ابن عباس قال، **قال رسول اللہ: فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد**(18) حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ (عالم) شیطان کے مقابلے میں ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔" یہ ہیں پیغمبر کائنات کے ارشادات اور ان کے ماننے والوں کے علمی انحطاط اور زبوں حالی کو ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر معظم کائنات۔۔۔۔۔امت کائنات سے لاعلم:

مندرجہ بالا اسلامی ہدایات و تعلیمات کے باوجود آج امت مسلمہ کی تعلیمی حالت کسی پر مخفی نہیں۔ وہ مہذب معاشرے میں جہالت اور ناخواندگی کا شکار ہیں۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں دیگر اقوام سے حد درجہ پیچھے ہیں۔ 2021ء کے اعداد و شمار اور حالیہ کم و بیش پیشتر غریب اور پسماندہ مسلم ممالک کے تعلیمی جائزے کے مطابق اونچی آمدنی کے حامل ملکوں میں بالغان کی شرح ناخواندگی چار فیصد، بحیثیت مجموعی پوری دنیا میں پینتیس فیصد اور کم آمدنی والے ملکوں میں ناخواندگی کی شرح چالیس فیصد تھی۔ کم از کم سترہ مسلم اکثریتی ممالک میں بالغان کی شرح ناخواندگی پچاس فیصد سے بیاسی فیصد تک تھی۔ مسلم افریقہ میں ستر فیصد سے زائد افراد ناخواندہ تھے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں باسٹھ فیصد، مصر میں باون فیصد، ایران میں چھیالیس فیصد اور الجزائر میں تینتالیس فیصد افراد ناخواندہ تھے۔(19)

مختلف ممالک میں شرح خواندگی: ایک جائزہ

نام ملک	شرح خواندگی	نام ملک	شرح خواندگی
افغانستان	37فی صد	آرمینیا	99فی صد
آسٹریلیا	99فی صد	آذربائیجان	99فی صد
ایران	89فی صد	جاپان	99فی صد
قازقستان	99فی صد	اسلامی جمہوریہ پاکستان	58فی صد
جمہوریہ سلوویکیا	99فی صد	زیمبیا	87فی صد
بھارت	76فی صد	ملاوی	67فی صد(20)

دنیا بھر میں 57 اسلامی ممالک کی مجموعی اوسط شرح خواندگی 20 تا 30 فی صد ہے۔ اسلامی ممالک میں سب سے اعلیٰ درجے والا ملک برونائی ہے، جس کا عالمی رینک 30 واں ہے۔ اس کے علاوہ کویت، بحرین، قطر، ملائیشیا اور متحدہ عرب امارات کو اعلیٰ درجے کی فہرست میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان کا عالمی مقام 150 ہے۔(21)

مسلم دنیا اور مجموعی تعلیمی بجٹ:

تین چوتھائی اسلامی ممالک ایسے ہیں جو اپنے سالانہ بجٹ کا چار فی صد بھی تعلیم پر خرچ نہیں کرتے، حالت یہ ہے کہ پوری مسلم دنیا سائنس و ٹیکنالوجی پر اپنی مجموعی پیداوار کا صفر اعشاریہ پانچ (0.5) فی صد سے بھی کم خرچ کرتی ہے، ہر دس لاکھ باشندوں میں صرف ایک سائنسدان مل پاتا ہے۔(22)

مسلم دنیا اور بین الاقوامی تعلیمی ادارے:

اس وقت پوری اسلامی دنیا میں صرف 500 یونیورسٹیاں ہیں۔ ان یونیورسٹیاں کو اگر ہم مسلمانوں کی مجموعی تعداد پر تقسیم کریں تو ایک یونیورسٹی 30 لاکھ مسلمان نوجوانوں کے حصے آتی ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں صرف امریکہ میں 5300 یونیوسٹیاں ہیں اور ٹوکیو شہر میں 144 یونیورسٹیاں ہیں، عیسائی دنیا کے 40 فی صد نوجوان یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہیں، جب کہ اسلامی دنیا کے صرف دو فیصد نوجوان یونیورسٹی تک پہنچ پاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں اکیس لاکھ لوگوں میں سے صرف 230 لوگوں کو سائنس کا علم ہوتا ہے، جب کہ امریکہ کے دس لاکھ شہریوں میں سے 4 ہزار اور جاپان کے 5 ہزار شہری سائنس دان ہوتے ہیں۔ پوری عرب دنیا میں صرف 35 ہزار فل ٹائم ریسرچ اسکالرز ہیں جب کہ صرف امریکہ میں ان کی تعداد 22 لاکھ ہے۔ پوری اسلامی دنیا اپنے جی ڈی پی کا صرف اعشاریہ دو فیصد ریسرچ پر خرچ کرتی ہے، جب کہ عیسائی دنیا اپنی آمدنی کا پانچ فیصد حصہ تحقیق اور تعلیم پر صرف کرتی ہے۔ اس وقت دنیا میں 200 بڑی یونیورسٹیاں ہیں، ان دوسو یونیورسٹیوں میں سے 154 امریکہ، 24 برطانیہ، 17 آسٹریلیا، 10 چین، 10 جاپان، 10 ہالینڈ، 10 فرانس: 10 جرمنی، 10 کینیڈا اور 7 سوئٹزرلینڈ ہیں۔ ان دوسو یونیورسٹیوں میں اسلامی دنیا کی صرف ایک یونیورسٹی ہے، جب کہ اس فہرست میں بھارت کی تین یونیورسٹیاں آتی ہیں۔ اگر ہم اس فہرست کا ذرا سا کڑا جائزہ لیں، تو دنیا کی پہلی بیس یونیورسٹیوں میں 18 یونیورسٹیاں امریکہ میں ہیں، کمپیوٹر کے پہلے دس بڑے ادارے امریکہ میں ہیں، اور دنیا کے 30 فی صد غیر ملکی طالب علم امریکہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ پوری دنیا میں امریکہ اعلیٰ تعلیم پر سب سے زیادہ رقم خرچ کرتا ہے۔ امریکہ اپنے جی ڈی پی کا دو اعشاریہ چھ فیصد ہائر ایجوکیشن پر صرف کرتا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں یورپ ایک اعشاریہ دو اور جاپان ایک اعشاریہ ایک فیصد خرچ کرتے ہیں۔(23)

نبی کریم ﷺ کی بعثت اور نظام تعلیم کی بنیادیں:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے الفاظ میں "چھٹی صدی عیسوی بلا اختلاف تاریخ انسانی کا تاریک ترین و پست ترین دور تھا، صدیوں سے انسانیت جس پستی اور نشیب کی طرف جارہی تھی، اس کے آخری نقطے تک پہنچ گئی تھی۔ روئے زمین پر اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو گرتی ہوئی انسانیت کا ہاتھ تھام سکے اور ہلاکت کے غار میں اس کو گرنے سے روک سکے۔ نشیب کی طرف جاتے ہوئے روز بروز اس کی رفتار میں تیزی پیدا ہورہی تھی۔ انسان اس صدی میں خدا فراموش ہو کر کامل طور پر خود فراموش بن چکا تھا۔ وہ اپنے انجام سے بالکل بے فکر، بے خبر اور برے بھلے کی تمیز سے قطعاً محروم ہو چکا تھا۔ پیغمبروں کی دعوت کی آواز عرصہ ہوا، دب چکی تھی۔ جن چراغوں کو یہ حضرات روشن کر گئے تھے، وہ ہواؤں کے طوفان میں یا تو بجھ چکے تھے یا اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹمارہے تھے، جن سے صرف چند خداشناس دل روشن تھے۔ جو شہروں کو چھوڑ کر چند پورے پورے گھروں میں بھی اُجالا نہیں کر سکتے تھے، دیندار اشخاص دین کی امانت کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیرو

کلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے"۔

رومی اور ایرانی اس وقت مغرب و مشرق کی حکومت اور دنیا کی قیادت کے اجارہ دار بنے ہوئے تھے، وہ دنیا کے لیے کوئی اچھا نمونہ ہونے کی بجائے ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار اور ذمے دار تھے، مختلف اجتماعی اور اخلاقی امراض کا عرصے سے یہ قومیں آشیانہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کے افراد تعیش و تکلفات کی زندگی اور مصنوعی تمدن کے سمندر میں سر تاپا غرق تھے۔ بادشاہ اور حکام خواب غفلت میں مدہوش اور نشہ سلطنت میں سرشار تھے۔ دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں ایسی دینی غفلت و خود فراموشی، اجتماعی بے نظمی و انتشار اور اخلاقی تنزل و زوال رونما تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ممالک تنزل و انحطاط اور شر و فساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں، اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا ملک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے"۔ (24)

روز اول سے ہی انسانی ہدایت کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ انبیاء کرام کے بھیجے جانے کا سلسلہ شروع ہوا جو اس کی آخری کڑی، نبی رحمت کی بعثت کے ساتھ تکمیل کو پہنچا۔ آپ کی ذات اقدس روحانی و ظاہری اعتبار سے ایک ایسے مقام پر ہے جو آپ ﷺ سے قبل کسی نبی کو یہ مقام و مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔ آپ ﷺ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام اوصاف جمع کر دیئے تھے جو آپ ﷺ سے پہلے مختلف انبیاء کرام کو عطا کیے گئے تھے۔

آخر سیرت النبی سے ہی رہنمائی کیوں ضروری ہے؟

ارشاد ربانی ہے: **لقد کان لکم فی رسول اللہ ﷺ اسوہ حسنہ**(25)

"بلاشبہ رسول اکرم کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔"

آپ ﷺ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں۔ نیکو کاروں کو فلاح و سعادت مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں اور خود ہمہ تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کی زندگی ہدایت کے راستے کی زندگی ہے۔ جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر بن کر اس دنیا میں آیا ہے۔ مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوتیں۔ بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد، جیسے حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل، حضرت عیسیٰ، بہت سے جن کا خاص وصف نذیر تھا، جیسے حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت ہود اور حضرت شعیب، بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے جیسے حضرت یوسف حضرت یونس، لیکن وہ جو شاہد، مبشر، نذیر، داعی سراج منیر سب کچھ بیک وقت ہیں، اور جن کے مرقع حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے، وہ صرف محمد ﷺ تھے۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ آپ ﷺ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جن کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہیں تھا۔ آپ ﷺ ایسی شریعت دے کر بھیجے گئے جو کامل تھی، جس کی تکمیل کے لیے پھر کسی دوسرے کو نہیں آنا تھا۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری　　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایسی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ ڈالو، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے کے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ۔ اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بے کسی کے

عالم میں حق کی منادی کا فرض عین انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو۔ اگر یتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشے کو نہ بھولو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد و جہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر و خیبر اور فدک کے زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو۔ اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے چرواہے کی سیرت پڑھو۔ اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصرے کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبے کے ایک گوشے میں کھڑا کر رہا ہے۔ مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے۔ اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے شوہر کی حیاتِ پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ ﷺ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی بھی حال میں ہو تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی اور اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ ﷺ کی جامعیتِ کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ وقت مل سکتا ہے۔ (27)"

آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ کے متعدد گوشے اور زریں پہلو ہیں۔ ان میں سے ہر گوشہ انتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہے اسی لئے قرآن پاک نے آپ کے مختلف پہلوؤں اور مناصب کو بیان کیا ہے۔ ان مناصب میں سے ایک منصب معلم انسانیت ہونے کا بھی ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو شرف قبولیت فرماتے ہوئے آپ کو بخشا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

"اے ہمارے رب ان لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے"۔ (28)

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ "اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے امیوں کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے"۔ (29)

پھر ارشاد ربانی ہوتا ہے: **كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔** "جیسا کہ ہم نے تمہارے اندر تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے"۔ (30)

نبی کریم ﷺ کے منصب رسالت کو قرآن مجید میں چار مختلف مقامات پر تقریباً ایک جیسے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقام پر قرآن نے تذکرہ فرمایا: **لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** (31)۔ "تحقیق مومنوں پر تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔ ان کا تزکیہ فرماتے ہیں انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور اگرچہ یہی لوگ اس سے پہلے صریحاً گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"۔

اسلامی تعلیم کے چار بنیادی عناصر ہیں: ۱۔ تلاوت آیات۔ ۲۔ تزکیہ نفس۔ ۳۔ تعلیم کتاب۔ ۴۔ تعلیم حکمت

تلاوت آیات:

اس سے مراد یہ ہے کہ قرآنی آیات لوگوں کو پڑھ کر سنانا، ان کی تبلیغ و اشاعت کرنا انفس و آفاق میں جتنی نشانیاں بکھری پڑی ہیں وہ سب آیات الٰہی کے زمرے میں آئیں گی۔ مختلف بولیاں، تاریخی اور سائنسی حقائق، معاشرتی و تمدنی اصول و کوائف سبھی آیات ہی کہلاتے ہیں تعلیم و تربیت کا یہی اولین فریضہ ہے جو نبی کے سپرد کیا گیا تھا۔

تعلیم کتاب:

قلب و ذہن کی تطہیر اور تصفیہ کے بعد الکتاب کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔ یہاں نہ صرف عمل مطلوب ہے بلکہ اس عمل کی علمی بنیاد کی پردہ کشائی بھی مطلوب ہے۔ اس سے مراد الکتاب کے مختلف پہلو اجاگر کرنا، زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کا ربط و تعلق واضح کرنا، شبہات و اشکالات کو رفع کرنا اور ان کے مضمرات اور اطلاقات سے اچھی طرح آشنا ہوتا ہے۔

قرآن کا فرمان ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا "جسے حکمت دی گئی اسے بہت بڑی خیر سے نوازا گیا" (32)۔ قرآن کریم حکمتوں کا خزانہ ہے۔ مگر تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اتصال معنی خیز ہے۔ یہ حکمت تعلیم قرآن کے علاوہ شے ہے۔ دراصل حکمت نہایت بلیغ اور جامع اصطلاح ہے۔ جو بیک وقت حکیمانہ بات اعلیٰ رموز، حقائق، حسن انجام، نہایت فکر و دانش اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سنت نبوی اپر محیط ہے۔ نبی انے جس طرح نظام اسلام کو نافذ فرمایا اور اس کے لئے جو طریقہ اپنایا وہ سب مبنی بر حکمت تھا۔ تبلیغ، صلح، امن، جنگ، معاشرت، تمدن غرضیکہ ہر میدان میں آپ ﷺ نے اپنے طریق کار کے واضح نشان چھوڑے ہیں۔ جن پر چل کر ہم پھر اپنی زندگیوں کو اسلامی خطوط پر ڈھال سکتے ہیں۔

تزکیہ نفس:

اس سے مراد نفس کو فکری کج رویوں اور قلبی الائشوں اور کدورتوں سے پاک کر کے فضائل کے آب حیات سے سیراب کرنا اور نشوونما ہے۔ درحقیقت قرآن کا تمام تر زور تزکیہ نفس پر ہے۔ کیونکہ اس کی ترقی و تعمیر، اخروی زندگی کی سرفرازیوں کا دارومدار ہے۔ الغرض تزکیہ نفس کا مطلب ہے قلب و ذہن کو منفی اور ناپاک افکار و عادات سے پاک کرنا اور تعمیری افکار و عقائد اور اعلیٰ اخلاق و فضائل راسخ کرنا۔

اخلاق حسنہ کے سرچشمے اور نتائج:۔

اسلام نے بتایا کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے چار ہیں۔ ا۔ صبر ۲۔ عفت ۳۔ شجاعت ۴۔ عدل

ا۔ صبر کے نتائج ہیں:۔

برداشت مصائب، غصہ پی جانا، عدم ایذا دہی، بردباری، خاکساری، گھبراہٹ کا نہ ہونا، جلد نہ کرنا۔ صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً نوے مقامات پر ہے اور ان مقامات میں صبر کرو، سولہ اصناف پر بیان کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔

۲۔ عفت کے نتائج:۔

رذائل و قبائح سے اجتناب، قولاً و فعلاً پاکیزگی۔ عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر ایک نیک خلق پر ہے۔ عفت سے جھوٹ، بخل اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔

۳۔ شجاعت کے نتائج ہیں:۔

آپ ﷺ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، بہترین اخلاق کا جویا رہنا، مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا، طیش و غضب سے دور رہنا، اپنے نفس کی باگ ڈور عقل کے سپرد کر دینا۔

۴۔ عدل کے نتائج ہیں:۔

اعتدال اخلاق کو اپنانا اور افراط و تفریق کو چھوڑ کر وسط کو اختیار کرنا۔ عدل بتاتا ہے کہ جود و سخا اُسے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو، عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو ذلت و بے شرمی کا میانہ ہے، عدل بتاتا ہے کہ شجاعت اُسے کہتے ہیں جو جبن اور تہور کا وسط ہو، عدل بتاتا ہے کہ حلم یہ ہے کہ تکبر و اہانت کے بیچ بیچ ہو۔

اخلاق رذیلہ اور ان کے اثرات:۔

جس طرح اخلاق صالحہ کے چشمے چار منبعوں سے پھوٹتے ہیں اسی طرح اخلاق رذیلہ کے منبع بھی چار ہیں۔

۱۔ جہل ۲۔ ظلم ۳۔ رشوت ۴۔ غضب۔

۱۔ تاثیرات جہل میں سے ہے کہ اچھی شے کو بری اور بری شے کو اچھی شے میں نمایاں کرتا ہے۔ کمال کو نقص اور نقص کو کمال دکھلاتا ہے۔

۲۔ تاثیرات ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔ خوشنودی کے مقام پر خفگی، سخاوت کے مقام پر بخل، بخل کے مقام پر بذل، نرمی کے مقام پر سختی، سختی کے مقام پر نرمی، مقام انکسار پر تکبر اور مقام وقار پر انکسار، یعنی حقوق کا غلط استعمال اور غلط استعمال پر دعویٰ استحقاق۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ لقمان (۳۱:۱۳)۔ حقوق الٰہی کا غصب کرنا اور ان حقوق کا استعمال کسی دوسرے کے لیے جائز سمجھنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

۳۔ تاثیرات شہوت میں سے ہے کہ حرص، بخل اور تنگ دلی کو ترقی ہوتی ہے۔ حصہ غیر پر حملہ کیا جاتا ہے، وقار نفس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

۴۔ تاثیر غضب، تکبر، کینہ، حسد، بغاوت، سفاہت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبیؐ سے تین بار درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحتیں فرمائی جائیں، حضور ﷺ نے ہر مرتبہ اُسے یہی جواب دیا، غیظ و غضب سے دُور رہو۔

امی نکلے سرچشمہ علم بن کر:

حضور ﷺ کی رحلت کے دس سال بعد مملکت کا رقبہ تیس لاکھ مربع کلو میٹر تک پھیل گیا۔ جناب عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے۔ عمرؓ! تمھیں تمھارا چچا اس لیے مارا کرتا تھا کہ تمھیں اونٹ اور بکریاں چرانی نہیں آتی تھیں۔ آج اس دین کی بدولت تین چوتھائی دنیا تمھارے زیر نگیں ہے۔ دین و دنیا کی بیک وقت بھلائی کے طلب گار تھے۔ وہ لوگ تقویٰ، اخلاص، توکل، صبر، شکر، اپنے دشمنوں سے بھی پیار، صدق یعنی دل کی سچائی، سخاوت، عفت و پاک بازی، دیانت داری و امانت، رحم، شرم و حیا، سادگی، عدل و انصاف، احسان و درگزر، صلح و بردباری، تواضع و انکساری، خوش کلامی، ایثار، اعتدال و میانہ روی، عدل و انصاف بہادری، شجاعت، استقامت، حق گوئی اور استغنا سے مزین نظام تعلیم و تربیت سے گزر کر یہ امی لوگوں کا گروہ، پوری دنیا کے لیے سرچشمہ رشد و ہدایت اور علم و عرفان کا منیارہ نور بن کر چمکتا ہے۔ جس کی روشنی میں قیامت تک آنے والے انسان اپنے لیے راستوں اور منزلوں کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کریں گے۔

نظام تعلیم کے مقاصد و بنیادیں:

آیئے اب مقالے کے اس حصے میں ریاست کے سامنے کیا کیا مقاصد ہونے چاہئیں، جن کو سامنے رکھ کر وہ اپنے نظام تعلیم کی بنیادوں کو

استوار کر سکے۔ سب سے پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ ریاست کی اپنی نفسیات کیا ہے اور وہ کس مقصد کو لے کر معاشرے میں جینا چاہتی ہے، اس کا نظام تعلیم اس کے نصب العین اور اس کے اصول کے لیے حکمت عملی کی ترجمانی کرے گا۔ ہماری ریاست کلمۃ اللہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی تھی، اس لیے اس کا نظام تعلیم کا ڈھانچہ، مقصد اور بنیادیں خالصتاً ہدایت نبوی اور سنت خلفائے راشدین وہدین کے عین مطابق ہونی چاہئیں۔

اس بات کو سمجھنا چنداں مشکل نہیں ہے کہ آخر مختلف ریاستیں نظام تعلیم کے ذریعے مختلف مقاصد حاصل کیوں کرتی ہیں۔ تعلیم کی مختلف تعریفوں اور تشریحات کی کئی وجوہات ہیں۔

۔ماہرین نفسیات تعلیم کے نزدیک Education کے دو مکاتیب فکر کے تصورات ہیں، ان دونوں کے نظریات انسان کے بارے میں مختلف ہیں۔ انسان مدنی الطبع ہے اور اس کی معاشرت کا رنگ تعلیم میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ انسان احسن مخلوق قرار دی جائے تو تعلیم ایک انسان کے لئے مقصد عمل قرار پاتی ہے اور اگر اسے حیوان قرار دیا جائے تو تعلیم دنیاوی منافع سے آگے نہیں بڑھتی۔

انسان کی تخلیق، انسانی ارتقا کے بارے میں تصورات اور اس کائنات میں انسان کے مقام کا تعین ہر فرد اپنے نقطہ نظر سے کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح تعلیم جو انسان سے متعلق ہے اس کی تعریفیں اور تشریحات بھی مختلف ہوتی جاتی ہیں۔ تعلیم فرد کے توارث، ماحول اور سماجی و معاشی حیثیت کی عکاسی ہی تو کرتی ہے۔

۲۔ انسانی ماحول:

انسانی ماحول اور معاشرے نے انسان کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ ہر فرد اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اسی طرح جداجدا انداز فکر تشکیل پاتا ہے۔ ایک مذہبی معاشرہ تعلیم کی تعریف الگ کرے گا تو مادہ پرست معاشرہ کی تعریف یقیناً کچھ اور ہوگی۔

۳۔ ریاست کے مقاصد:

ہر ملک کا نظریہ ریاست الگ ہوتا ہے۔ اسپارٹا اور ایتھنز کے نظام تعلیم پر غور کریں تو دو نظام تعلیم دو مختلف ریاستوں کے تحت ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جذبہ، قومیت ہمیشہ دو دھاری تلوار رہی ہے جس کی ایک دھار عوام کی طرف ہوتی ہے اور دوسری ریاست کے مخالفین کی طرف، اسی طرح اس ریاست میں تعلیم کی تعریف اور تشریح الگ اور جدا ہو کر رہ جاتی ہے۔ بہر حال تعلیم ہر ریاست کی تہذیب و ثقافت کی منتقلی کا ذریعہ بنتی رہی ہے۔ جے۔ ایس مل نے تعلیم کی تعریف یوں کی ہے۔ "تعلیم سے مراد وہ ثقافت ہے جو ایک نسل دانستہ طور پر بعد میں آنے والی نسل کے لئے چھوڑتی ہے تاکہ وہ اس کو محفوظ رکھیں اور اس میں اضافہ کریں۔" اس میں وہ سب کچھ شامل ہے جو ہم نے اپنے لئے کیا کرتے ہیں۔ یا جو کچھ دوسروں نے ہمارے لئے کیا، تاکہ ہماری فطرت کی تکمیل ہو سکے۔(32)

تعلیم کا عمل دو طرح سے عمل پذیر ہوتا ہے:

۱۔ رسمی **۲۔ غیر رسمی**

(۱) رسمی

تعلیم کے لئے ریاست باقاعدہ اداروں کا قیام عمل میں لاتی ہے تاکہ ریاست کے نظریات کو باقاعدہ رسمی طریقے سے عام کیا جائے۔

(۲) غیر رسمی

تعلیم میں بچہ گھر، ماحول اور معاشرہ سے خود بخود سیکھتا چلا جاتا ہے۔

اگلے چند پیراگراف میں ہم ان مقاصد کی نشاندہی کریں گے، جن کا ہونا بطور اسلامی مملکت اور ایسی ریاست جو اسلام کے نظریات اور

احکامات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے معرض وجود میں آتی ہے، کے لیے لازم ہے۔

ارشاد ربانی ہے: **كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** "(اے مسلمانو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کی گئی، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔"

اسی آیات مبارکہ کی روشنی میں نظام تعلیم کا بنیادی مقصد ایسے افراد کی تیاری ہونی چاہیے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ اور شہادت حق ادا کر سکیں۔ ایسے افراد جن خصوصیات سے مزین ہونے چاہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ حقیقت کا علم

اسلام کے نزدیک تعلیم کا مقصد حقیقت کا علم بہم پہنچانا ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کو پہچان نہ سکے تو یقیناً اس نے تعلیم حاصل نہیں کی اس لیے تعلیم اس چیز کا نام ہے کہ انسان جو کچھ سیکھے اس کا اثر بھی قبول کرے اور غور و فکر بھی کرے۔ قرآن پاک میں آتا ہے **أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ۔ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ۔ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ۔ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ**(33)"تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بلند کیا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟"

مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ہمیشہ علم کا ذوق و شوق رہا اور وہ اپنے رسول ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتے رہے کہ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔(34)

۲۔ قرآن مجید سے مکمل واقفیت

قرآن مجید مسلمانوں کا آئین اور ضابطہ حیات ہے اس کتاب پر عمل کرنے سے ہم دین و دنیا میں کامیاب اور کامران ہو سکتے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ قرآن مجید سیکھے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔(35)

۳۔ حدیث

دین اسلام کی اصطلاح میں حدیث اس خبر کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ہمیں رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول، فعل یا تقریر معلوم ہو جائے۔ قرآن مجید کے احکامات کو واضح اور عملی طور پر حضور ﷺ نے کر کے دکھایا اس لیے جو عمل آپ ﷺ کے طریقے پر ہوں گے وہ مقبول عمل ہو گا اور جو عمل آپ ﷺ کے راستے سے ہٹ کر ہوں گے وہ غلط ہوں گے۔ اساتذہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح احادیث سے طلبہ کو واقف کرائے تاکہ تعلیم کا مقصد حاصل ہو سکے۔(36)

۴۔ تزکیہ نفس

اسلام میں تعلیم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام کے نزدیک کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس تعلیم کے دو پہلو ہیں اور دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے فرائض میں یہ دونوں باتیں یکساں طور پر شامل ہیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**(37)"(اللہ) وہی تو ہے جس نے اُمیوں کے درمیان خود انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔" علم ایمان کی بنیاد ہے اور ایمان تربیت کی اساس، تعلیم تزکیہ نفس کرتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے مقاصد جو قرآن حکیم نے

بیان فرمائے ہیں وہ چار ہیں۔

۱۔ تلاوت آیات ۲۔ تزکیہ نفس ۳۔ تعلیم کتاب ۴۔ تعلیم حکمت ۵:۔ کردار سازی

اسلام نے اجتماعی زندگی کا شعور دیا ہے اور تعمیر انسانیت کی کوشش کی ہے اسلامی تعلیمات میں کردار سازی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ تعلیم کے ذریعے رسول اکی زندگی کے ایسے پہلو پیش کیے جائیں جو طلبہ کی کردار سازی میں معاون ہو۔(38)

۶:۔ اچھائی کی تبلیغ

اسلام میں تبلیغ کو اہم مقام حاصل ہے۔ دینی و دنیاوی تعلیم کے حصول کے بعد اس اہم فریضہ کو سر انجام دے سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اساتذہ پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے، کہ بچوں کو اچھی باتوں کا درس دیں اور بری باتوں سے روکیں یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم دیں۔

۷:۔ اسلامی اقدار سے طلبہ کو روشناس کرانا

اسلامی اقدار سے طلبہ کو روشناس کرانا اور ان کی محبت پیدا کرنا دین و دنیا کی ضرورت ہے۔ آج کا دور ذہنی انتشار اور فکر بے راہ روی کا شکار ہے ذرائع ابلاغ اور مغربی نظریات کی یلغار نے نوجوانوں کے ذہنوں کو شل کر کے رکھ دیا ہے ان حالات میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ طلبہ کو مغرب کی ذہنی غلامی سے نکالا جائے یہ مقصد تعلیم کے ذریعے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔(39)

فردی تعلیم۔۔۔۔۔۔۔معاشرے کی اصلاح:

اب ہم فرد کی تربیت اصلاح سے معاشرتی مقاصد کی طرف سفر شروع کرتے ہیں۔

تعلیم کے عام مقاصد:

تعلیم ایک جامع اور مسلسل عمل ہے جو چند مقاصد کو سامنے رکھ کر دی جاتی ہے وہ مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

تعلیم کے معاشرتی مقاصد:

تعلیم معاشرے کے خدو خال متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے تعلیم کے معاشرتی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ معاشرے کی تعمیر نو کرنا:

تعلیم معاشرے کی تعمیر نو اور تنظیم نو کا کام سر انجام دیتی ہے۔ معاشرہ تعلیمی عمل کی مدد سے اپنے افراد کو مختلف علوم اور ہنروں سے آراستہ کرتا رہتا ہے۔

۲۔ معاشرتی استحکام پیدا کرنا:

تعلیمی عمل سے معاشرے کو باکردار شہری ملتے ہیں۔ شہری قانون کا احترام کرتے ہیں، جس سے لاقانونیت ختم ہو جاتی ہے۔

۳۔ ملی ضروریات کی تکمیل:

اسلامی نظام تعلیم پر ملی ضروریات کی تکمیل یعنی اسلامی تہذیب و اقدار کی منتقلی بھی لازم آتی ہے۔ یہ عمل نہ صرف اتحاد اور بلکہ غیر ملکی طاقتوں کے خلاف جذبہ جہاد بھی پروان چڑھائے گا۔ اسلامی تعلیم کا ایک مقصد ملی ضروریات کی تکمیل ہے۔

۴۔ انسانیت کے احترام میں فروغ دینا:

تعلیم افراد کے اخلاق و کردار کی تعمیر کرتی ہے۔ تعلیم سے فرد اپنے مذہب، خدا، پیغمبروں اور اسلاف کے کارناموں سے آگاہ ہوتے ہیں۔

۵۔ معاشرتی کردار پیدا کرنا:

معاشرتی مقاصد کا حصول تعلیم کا اصل مقصد ہے معاشرتی مقاصد اس معاشرہ کے افراد کا فلسفہ حیات ہوتا ہے۔ تعلیم فلسفہ حیات کو سمجھنے اور سمجھانے کا ذریعہ ہے۔ معاشرہ کن اچھائیوں کو نیکی خیال کرتا ہے اور کن برائیوں کو گناہ تصور کرتا ہے۔ تعلیم معاشرہ کے پسندیدہ اقدار کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ناپسندیدہ اقدار کی حوصلہ شکنی کرتی ہے معاشرہ کا ہر فرد ان حدود کی پابندی کرتا ہے۔ اسی سے معاشرہ میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

۶۔مادی وسائل کا درست استعمال کرنا:

معاشرہ کے مادی وسائل کیا ہیں؟ ان کا استعمال کس طرح کیا جائے تاکہ وہ معاشرہ کی بقا اور فلاح کا سبب بنیں۔ مادی وسائل سے معاشرہ کو ترقی یافتہ بنایا جاسکتا ہے۔ جن افراد نے وسائل کا بھرپور استعمال کیا ان کا معاشرہ آج ترقی یافتہ معاشروں میں شمار ہوتا ہے، جن قوموں نے مادی وسائل کا بھرپور استعمال نہیں کیا۔ ان کے پاس وسائل ہونے کے باوجود وہ غریب معاشرہ میں سانس لے رہے ہیں۔

تعلیم سے افراد مادی وسائل کا استعمال سیکھتے ہیں تعلیم یافتہ افراد کا معاشرہ قدرتی وسائل کو بروئے کار لاکر معیار زندگی کو بہتر بناتا ہے۔

۷۔جمہوریت کو تربیت دینا:

جمہوریت صرف طرز حکومت ہی نہیں ہے بلکہ تعلیم افراد میں جمہوری طرز زندگی کو عام کرتی ہے۔ اس سے افراد اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ معاشرے کے کاموں میں جمہوری انداز میں رویے اپنا سکیں۔

قومی معاشرے سے۔۔۔۔۔۔عالمگیر معاشرے کی طرف سفر:

اب ہم اپنے ریاست اور ملکی معاشرے سے نکل کر بین الاقوامی معاشرے کے لیے نظام تعلیم کے جو مقاصد ہیں ان پر مختصر ابحث کر لیتے ہیں۔

عالمگیر معاشرہ:

سائنسی ترقی نے ایجادات کی راہیں کھول دی ہیں۔ ایجادات نے صنعت و حرفت، زراعت، ذرائع آمدورفت اور ذرائع رسل ورسائل میں آسانی اور تیز رفتاری پیدا کر دی ہے۔ فاصلے اور دوریاں سمٹ کر رہ گئی ہیں ذرائع ابلاغ نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ ایک خط کی خبر چند لمحوں میں سارے کرہ ارض کا چکر لگا لیتی ہے۔

ایک معاشرہ دیگر معاشروں سے دامن نہیں بچا سکتا۔ ایک علاقے کے واقعات کا اثر ساری دنیا پر ہوتا ہے دو عظیم جنگیں شاہد ہیں کہ ساری دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہو کر بر سرپیکار ہو گئیں۔ اس کے نتیجہ میں اب معاشرہ کا عالمگیر تصور سامنے آتا ہے۔ اس معاشرہ میں زبان، مذہب، نسل اور حکومت کو بڑا دخل ہے ان عوامل سے عالمگیر معاشرہ ایک قوم یا ملک کی صورت میں متحد ہو جاتا ہے۔

عالمگیر معاشرہ کے فرائض

عالمگیر سوچ:

عالمگیر معاشرہ میں ہر معاشرہ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے سب معاشرے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نے تشکیل دیے ہیں۔ اس طرح پوری دنیا ایک کنبہ ہے اور سب معاشروں میں بسنے والے لوگ بھائی بھائی ہیں۔ عالمی سطح پر اگر کسی معاشرہ کو کسی آفت کا سامنا ہو تو اس کی بھرپور مدد کی جائے۔

عالمگیر معاشرہ کا سماجی تعلق:

امیر معاشرے کشش کا باعث بنتے ہیں۔ مختلف معاشروں کے لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ امیر معاشرہ اپنی

اثرات، غریب معاشرہ پر مرتب کرتا ہے اور اس طرح بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔

عالمگیریتا کا تصور:

ہر قوم کو ایک خطہ کے اندر اپنی ثقافت کے مطابق زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہے یہ معاشرہ ایک بڑی وحدت کا حصہ ہے۔ عالمگیر معاشرہ میں مختلف معاشروں کی خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ عالمگیر معاشرہ کو جنم دینے والے سب انسان ہیں انسان ہر سطح پہ انسان ہے اس کی ضرورتیں یکساں ہیں۔ ضرورتوں اور خواہشوں کی تکمیل کے ذرائع اور طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔

عالمگیر معاشرہ کا احترام:

خود جیو اور دوسروں کو جینے دو۔ ایک خطہ کی جغرافیائی وحدت اور دیگر عوامل نے ایک معاشرہ کو تشکیل دیا ہے۔ اسی طرح دوسرے خطے میں دوسرا معاشرہ پروان چڑھا ہے۔ جس میں جغرافیائی خصوصیات موجود ہیں۔ کسی معاشرہ کو دوسرے معاشرہ کو تباہ کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس سوچ سے کہ اس خطہ کا معاشرہ ایسا ہونا چاہیے اس کی مدد کی جائے تاکہ مختلف معاشروں سے ایک عالمگیر معاشرہ جنم لے۔ کوئی بھی نظام حکومت پر وہ معاشی اثرات سے ہٹ کر نہ تو آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا وجود قائم رہ سکتا ہے۔ اس لیے نظام تعلیم کی بنیادیں اس طرز پر استوار ہونی چاہئیں کہ اس سے معاشی نمو بھی پھوٹ سکے۔

تعلیم کے معاشی مقاصد:

تعلیم کے معاشی مقاصد درج ذیل ہیں۔

ا۔ ہنرمند افراد پیدا کرنا اور اضافہ کرنا:

تعلیم معاشرے کو معاشی طور پر مستحکم کرتی ہے بلند معیار تعلیم ترقی کی ضمانت ہوتا ہے تعلیم یافتہ افراد ہنرمند ہو کر قومی آمدنی میں اضافہ کرتے ہیں۔ تعلیمی عمل سے معاشرہ کے ہنرمند افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ افراد مختلف پیشوں کے ہنر سیکھتے ہیں یہ عمل جاری رہتا ہے یہی لوگ غیر ہنرمند لوگوں کو اپنا فن سکھاتے ہیں اس طرح تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ (42)

ا۔ معیشت کی ترقی:

تعلیم کے ذریعے افراد مختلف ہنر سیکھتے ہیں ہنرمند افراد قومی وسائل کو بہتر طور پر استعمال میں لاتے ہیں اور صنعتی انقلاب برپا ہوتا ہے۔ (43) ثقافت، کلچر اور روایات کسی بھی معاشرے کی عکاسی ہوتی ہیں نظام تعلیم معاشرتی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

تعلیم کے ثقافتی مقاصد:

تعلیم کے ثقافتی مقاصد درج ذیل ہیں۔

ا۔ ثقافتی ورثے کا تحفظ:

تعلیمی عمل سے ثقافتی ورثے کا تحفظ کیا جا سکتا ہے تعلیم کا فرض ہے کہ وہ معاشرتی ورثے کا تحفظ کرے اور نصاب میں ثقافت کے بارے میں معلومات شامل ہونی چاہیے۔

۲۔ ثقافت کا فروغ:

تعلیم کی مدد سے معاشرے کی ثقافت اپنے ارتقاء مراحل طے کرتی ہے۔ علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ معاشرہ مطابقت پیدا کرتا رہتا ہے اس طرح ثقافت کی تعمیر نو کا کام جاری رہتا ہے۔ (44)

تعلیم کے سیاسی مقاصد:

تعلیم کے سیاسی مقاصد درج ذیل ہیں۔

ا۔سیاسی تربیت:

تعلیم کے سیاسی مقاصد میں قیادت کی تربیت بہت اہم ہے تعلیم یافتہ قائد قوم کی قیادت کر سکتا ہے۔ اچھی لیڈر شپ ملک میں بہتر سیاسی نظام قائم کر سکتی ہے۔سیاست سے نظام تعلیم کی تربیت تو ایک طرف اللہ کے نبی نے جنگ اور اسی کے نتائج سے بھی علم و آگہی کے راستے نکالے۔ کفر و حق کے درمیان امتیاز کرنے والے پہلے معرکے جنگ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے لیے مسلمانوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی شرط اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر آخرالزمان کے نزدیک علم کی کتنی اہمیت تھی اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ بالکل اچھوتی اور غیر روایتی حکمت عملی بھی اپنا سکتے ہیں۔

طریقہ تدریس۔۔۔۔۔۔۔۔نظام تعلیم کی ریڑھ کی ہڈی

آپ ﷺ تو معلم انسانیت بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ بطور معلم آپ کا ایک خصوصی انداز تعلیم تھا جو منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ متعدد خصوصیات کا حامل تھا۔ آپ ﷺ کے طریقہ تعلیم کی تمام خصوصیات کا احاطہ آسان نہیں مگر آپ کے طریقہ تعلیم میں بے بہا موتی اور ان مٹ نقوش چھپے ہوئے ہیں جو تمام مبلغین اور علماء کے لئے ایک قیمتی خزانہ ہیں ان میں سے چند ایک کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ آسانی کو پیش نظر رکھنا:

نبی کریم ﷺ کے طریقہ تعلیم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ ﷺ آسانی کو پسند فرماتے، سختی اور غصہ کو ناپسند کرتے۔ صحابہ کرامؓ کو بھی ہمیشہ اس بات کی تلقین فرمائی کہ لوگوں پر آسانی کریں، ان کو تنگی اور سختی میں نہ ڈالیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ا نے فرمایا: "تم تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو اور تنگی نہ کرو، جب کوئی غصہ میں ہو تو اسے خاموش ہو جانا چاہیے اور جب کوئی غصہ میں آئے تو اسے خاموش ہو جانا چاہیے"۔ حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "یقیناً مجھے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ مجھے آسانی والا معلم بنا کر مبعوث فرمایا"۔

2۔ محبت و شفقت سے تعلیم دینا:

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مہربان اور شفیق بنا کر مبعوث فرمایا، اسی بنا پر آپ ﷺ کا طرز عمل اپنے ساتھیوں اور شاگردوں کے ساتھ نہایت شفقت اور محبت بھرا ہوتا۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ مسجد میں تھے کہ ایک بدوی آیا اور اس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے کہا: رک جاؤ، رک جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے نہ روکو، اسے چھوڑ دو تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے پیشاب کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا: بے شک یہ مسجدیں اللہ کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لئے ہیں۔ حضرت انسؓ نے لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا وہ پانی کا ایک ڈول لایا اور اسے پیشاب پر بہا دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے اس بدوی کے ساتھ نرمی اور شفقت والا برتاؤ کیا اور سختی کے بغیر اسے دین کی تعلیم دی اور ہمیشہ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ اپنے شاگردوں کو پیار و محبت سے تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: "میں رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت تھا، دوران تناول میں میرا ہاتھ برتن

میں گھومتا تھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب کی جگہ سے کھاؤ"۔

3۔ مخاطب کی نفسیات کا لحاظ:

آنحضور ﷺ ماہر نفسیات تھے، مخاطب کے مزاج، جذبے اور ذوق کا احترام کرتے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اس بات کا لحاظ کرتے کہ آپ ﷺ کے مخاطب کے استعداد کیا ہے۔ کیونکہ حقیقی اور صحیح معلم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شاگردوں کی نفسیات، ان کی ذہنی و عقلی استعداد اور صلاحیت کو مد نظر رکھے تاکہ وہ بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ آپ ﷺ ہمیشہ افادیت کے نقطہ نظر سے سامعین و متعلمین کی ذہنی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے تعلیم دیتے اور ہر طرح کے لوگوں سے ان کی نفسیات کے مطابق سلوک کرتے اور اگر کہیں مثال یا تشبیہ کی ضرورت محسوس کرتے تو اس سے بھی استدلال کرتے تاکہ ہر بات سامع اور ذہن میں اترتی چلی جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور کرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے سیاہ بچہ جنم دیا ہے اور مجھے یہ پسند نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا سرخ، آپ نے پوچھا ان میں کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا سیاہی مائل بھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کہاں سے آگیا، کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اصل نسب میں کہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی کہیں اصل نسب ہی کا اثر ہوگا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مخاطب کی ذہنی استعداد کو کتنی اہمیت دیتے تھے اور اسے سمجھانے کے لئے ایسا اسلوب اختیار فرماتے کہ مخاطب اس بات کو ذہن نشین کرلیتا اور بہترین معلم کے لئے یہ بات ضروری ہے۔

4۔ تواضع سے پیش آنا:

آپ ﷺ نہایت تواضع پسند معلم تھے اور تواضع کو پسند فرماتے تھے اسی لئے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تواضع سے پیش آتے۔ آپ ﷺ ایک متواضع معلم، متواضع بھائی اور متواضع باپ کا سا سلوک کرتے اور اپنے لئے صحابہ کرامؓ کے کھڑے ہونے کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں: صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا لیکن جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ انہیں اس بارے میں آپ ﷺ کی ناپسندیدگی کا علم تھا۔

5۔ گفتگو میں ٹھہراؤ:

آپ ﷺ جب بھی گفتگو فرماتے تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے۔ آپ ﷺ کی گفتگو میں اس قدر ٹھہراؤ اور وضاحت ہوتی تھی کہ ہر سننے والا آپ ﷺ کی بات سے پوری طرح مستفید ہوتا۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ

كان في كلام رسول الله ترتيل و ترسيل(45)

"رسول اللہ ﷺ کی گفتار میں ترتیل اور ترسیل ہوتی تھی"۔

حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کے تحت رقم طراز ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ حروف کو ادا کرتے وقت جلدی نہ کرتے بلکہ ان کے درمیان توقف فرماتے اور بات کو عمدگی سے بیان کرتے ہیں کہ حروف کے مخارج و صفات نکھر کر سامنے آجاتے۔ حضرت جابرؓ کے بیان کا مقصد آپ ﷺ کی گفتگو میں جلد بازی کی نفی اور ٹھہراؤ کو ثابت کرتا ہے۔(46)

آپ ﷺ انتہائی فصیح اللسان اور قادر الکلام تھے لیکن اس کے باوجود بات کو سمجھانے کی غرض سے اسے دہراتے بھی تھے تاکہ بات کو سمجھنے میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے تھے تو تین مرتبہ دہراتے حتی کہ سمجھ لیا جاتا اور جب کبھی کسی کے ہاں جاتے تو تین مرتبہ السلام کہتے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی گفتگو جدا جدا ہوتی تھی ہر سننے والا اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

6۔ اسوہ حسنہ کی پیروی کی ترغیب:

حضرت مالک جویرث دیگر وفد کے ساتھ موجود تھے۔ ۲۰ دن کے بعد واپسی کی اجازت مانگی تو ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "جب اپنے بچوں میں واپس جاؤ ان کے درمیان قیام کرو اور انہیں دین کی تعلیم دو اور نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جو تم میں بڑا ہو نماز پڑھائے"۔

7۔ علم نافع کی ترغیب:

کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے علم اس غرض سے سیکھا کہ اس کے ذریعے وہ علماء پر فخر کرے یا جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔(47)

8۔ اشاروں سے سمجھانا:

نبی کریم ﷺ نے مٹھی بند کی اور ساتھ ساتھ والی دو انگلیاں اٹھائیں، ذہن نشین یہ کرانا تھا کہ یتیم کی سرپرستی اور امداد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ "فرمایا میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح قریب قریب ہوں گے جس طرح دو انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں"۔ (48)

9۔ مشکل مسائل سے اجتناب:

رسول کریم ﷺ نے مشکل مسائل میں الجھنے سے منع فرمایا۔ آسانی کے بارے میں یہ نقطہ نظر صرف بیانیہ نہیں ہے آنحضرت ﷺ کا عمل بھی اسی پر تھا اور وہ جانتے تھے کہ انسان طبعاً سہولت پسند ہے، اس لئے دین کو مشکلات کا مجموعہ نہیں بنانا چاہیے۔ جواب کے سوال پر فرمایا کہ بار بار سوال نہ کرو۔ ورنہ دین مشکل ہو تا چلا جائے گا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ تشدد پسندی نہ کرو اللہ تم پر سختی کرے گا۔(49)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: حضور اقدس ﷺ کو کبھی دو امور میں اختیار نہیں دیا گیا الا یہ کہ ان میں سے آسان کو اختیار کیا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔ اگر گناہ ہو تو اس سے تمام انسانوں سے زیادہ دور ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کسی سے کبھی بھی انتقام نہ لیا یہ کہ اللہ کی حرمت مجروح ہو تو پھر اللہ کے لیے انتقام لیتے۔

10۔ طلب علم کا شوق پیدا فرماتے:

آنحضور ﷺ تعلیم کے لئے ہمیشہ مناسب ذوق و شوق اور تحریک پیدا کیا کرتے تھے اور جب طبیعتیں آمادہ اور تیار ہو تیں تو پھر تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے آپ کا طریقہ کہ ایک دن چھوڑ کر وقفہ کر کے صحابہ کو تعلیم دیا کرتے تھے تاکہ اکتاہٹ محسوس نہ کریں پھر سوالات کے ذریعے مناسب فضا قائم کر لیتے تھے مثلاً مفلس کون ہے؟ پہلوان کون ہے؟ اس طرح لوگوں کو متوجہ فرماتے: **حسن لسوال نصف العلم**۔ "یعنی ڈھب سے سوال پوچھنا نصف علم کا درجہ رکھتا ہے"۔(50)

11۔ اوھام و خرافات سے پرہیز کی تعلیم:

آپ ﷺ نے فرمایا: سورج گرہن کسی کی موت و حیات پر نہیں ہوتی، بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے نشانی ہے۔ اسی طرح اکثر طلبہ امتحانات میں کامیابی کے لیے مختلف غیر شرعی تعویز اور دوسرے عملیات کرواتے ہیں، کاہنوں کے پاس جاتے ہیں حضور ﷺ نے ایسے اعمال سے منع فرمایا۔

12۔ تعلیم وتربیت میں تدریج وتربیت:

وفد عبد القیس کو نصیحت کرتے ہوئے ایمان و عبادات کی بات کی اور آخر میں فرمایا: احفظوھن واخبروا بھن من وراء کم۔ "ان کو یاد کرو اور جو لوگ یہاں موجود نہیں ان تک یہ پیغام پہنچا دو"۔

13۔ عمل تطبیق:

حضرت عثمانؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب یہ حضرات اسی بات کو اچھی طرح سمجھ لیتے، جب تک ان پر عمل نہیں کرلتے، آگے نہ بڑھتے گویا صحابہ کرام علم اور عمل کو ساتھ ساتھ سیکھتے۔ تعلمنا العلم والعمل جمیعا۔ (51)

14۔ سمجھانے کا بہتر انداز:

جابر بن حکیمؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ایک تہبند باندھے ہوئے تھے جس کے کنارے قدموں تک تھے۔ آپ ﷺ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا، کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھنا، اپنے بھائی سے شگفتہ انداز میں بات کرنا، اپنا تہبند پنڈلیوں تک اونچا رکھنا اور تہبند کو نیچا لٹکانے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ تکبر کی نشانی اور علامت ہے اور اللہ تکبر کو پسند نہیں کرتا"۔

15۔ ذہانت کا امتحان لینا:

ایک دفعہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: "ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور نفع رسائی میں مومن کی مانند ہے، مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ صحابہ خاموش رہے، تو آپ ﷺ نے خود فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے"۔ (52)

16۔ پانچ نمازوں کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر سے ایک نہر گزر رہی ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہ جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ نہیں، بالکل نہیں، یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

17۔ ساتھیوں سے مشورہ کرنا:

جنگ احد کے موقع پر صحابہ کا مشورہ قبول فرما کر مدینے سے باہر دفاع کرنے کا فیصلہ فرمایا (53)

جنگ بدر کے موقع پر حضرت حباب بن المنذرؓ کی رائے کو ترجیح دی۔ (54)

18۔ شاگرد کو طلب علم میں مستعد کرنے کے لئے سوال:

حضرت ابی بن کعبؓ سے دریافت فرمایا: **ای آیۃ فی القرآن اعظم**؟ حضرت ابیؓ نے جواب دیا: آیۃ الکرسی، تو آنحضور ﷺ نے اس جواب پر پیار کیا دی۔

19۔ غیبت کی مذمت (سوالیہ انداز میں):

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول

جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: **الغیبة ذکرک اخاک بمایکرھه**۔ "غیبت یہ ہے کہ کسی کا عیب کا ذکر کرنا جو اس میں موجود ہو" (55)

20۔ حسن تربیت و تعلیم:

نبی پاک ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے والد کی مانند ہوں، جب تم رفع حاجت کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف رُخ نہ کرو اور نہ پشت۔ (56)

21۔ قرآن پڑھنے کی ترغیب:

آپ ﷺ نے فرمایا جس کے دل میں قرآن نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے۔

22۔ مخاطب کی بولی اور لہجے میں بات کرنا:

عاصم اشعری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ الفاظ کہتے ہوئے سنا کہ سفر میں روزے رکھنا، کوئی نیکی نہیں، اشعریوں کی لغت میں لام کو میم میں تبدیل کیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے اپنا لہجہ چھوڑ کر ان کا لہجہ استعمال کیا۔ پھر فرمایا: **لیس من امبر ام صیام فی امسفر**۔ (57)

23۔ نفع رساں علم کے حصول کی ترغیب:

نبی پاک نے نفع بخش علم کے اصول کی ترغیب دلائی ہے۔ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے۔ **اللھم انی اسئلک علماً نافعاً، اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع**، اللہ اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جس سے نفع نہ ہو۔ (58)

رسول اللہ ﷺ تعلیم کے معاملے میں بڑے حریص اور تڑپ رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے۔ آپ ﷺ خواتین کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کی ترغیب دیتے اور جب خواتین نے آپ ﷺ سے الگ وقت مانگا تو آپ ﷺ نے ان کے لئے علیحدہ وقت مقرر فرمادیا جس میں خواتین آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوتیں اور آپ ﷺ سے سوالات کرتیں اور آپ ﷺ انہیں جوابات عطا فرماتے۔

الغرض آپ ﷺ نے تعلیم کو کسی خاص طبقہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ معاشرہ تمام افراد کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا جس کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جاہل اور اجڈ قوم ایک متمدن اور تعلیم یافتہ قوم بن گئی۔ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ وہ غلامی سے نکل کر حکومتی ایوانوں میں براجمان ہوئی اور اس قدر ممتاز ہوئی کہ دنیا کی تمام قوتیں اس کی نظر میں حقیر ہو گئیں۔

مقالے کا طائرانہ جائزہ:

اگر قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمارے سامنے بہت سے عوامل کارفرما نظر آتے ہیں۔ ان میں سے سرفہرست تعلیم اور نظام تعلیم ہے۔ وہی قوم ترقی کی منازل طے کرتی ہے جو تعلیم سے پیوستہ ہو اور وہ قومیں جو اس سے نابلد ہوں وہ نہ صرف زوال پذیر ہوتی ہیں بلکہ ان کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرت انسان کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز سے آراستہ کیا وہ علم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کو جو کام سونپا تھا وہ تعلیم کتاب و حکمت و تزکیہ نفس تھا۔ الغرض جو معاشرہ تعلیم کی اہمیت سے واقف نہیں اُس کا ترقی کرنا محال ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حوالہ جات

1۔ القرآن۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر 31
2۔ امام احمد بن حنبل، دار المعارف مصر 1936 صفحہ نمبر 180
3۔ اللسان العرب، ابن منظور ج وت ص 416
4۔ المفردات، ص 635، المکتبۃ القاسمیہ، لاہور
5۔ پروفیسر خورشید احمد، اسلام کا نظریہ تعلیم ص۔ 13
6۔ ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا، جلد 6، ص 367
7۔ Dictionary of Educatoin ص 618
8۔ پروفیسر خورشید احمد، اسلام کا نظریہ تعلیم ص 13
9۔ ضیاء الدین احمد، تعلیم وتربیت، ص 21
10۔ پروفیسر خورشید احمد، اسلام کا نظریہ حیات، ص 423
11۔ ضیاء الدین احمد، مفکرین تعلیم ص 89
12۔ مس فہمیدہ خان، اصول تعلیم، ص 84
13۔ سید یمین الدین علوی، جان ڈیوی کا فلسفہ تعلیم ص 70
14۔ پروفیسر خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، ادارہ تصنیف وتالیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی 1986، ص 423
15۔ سنن ابی ماجہ۔ مصطفی البابی، 1953 ص 81
16۔ الجامع الصحیح الترمذی، امام محمد بن عیسیٰ، 1954، ص 48
17۔ السنن ابی ماجہ، مصطفی البابی، 1953 ص 81
18۔ جامع بیان العلم وفضلہ، مدینہ منورہ، المکتبہ العلمیہ ص 26
19۔ علی نواز میمن، ملت اسلامیہ، ص 119
20۔ Ref. The Hatchinson's Encycloedia, 1999
21۔ اسلامی دنیا تعلیم میں بھی پیچھے، روزنامہ جنگ، سنڈے میگزین 2 دسمبر 2001
22۔ سید قاسم محمود، دنیا ایک تعارف، ص 7
23۔ روزنامہ ایکسپریس کراچی، یکم اگست 2006۔
24۔ مولانا ابوالحسن ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر ص 63
25۔ القرآن۔ سورۃ احزاب آیت نمبر 12
26۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس ص 107
27۔ القرآن۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر 129
28۔ القرآن۔ سورۃ الجمعہ۔ آیت نمبر 2
29۔ القرآن سورۃ البقرہ آیت نمبر 151

30۔القرآن سورۃ آل عمران آیت نمبر164

31۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر269

32۔ فلسفہ تعلیم۔ سید آل حیدر۔ قمر کتاب گھر، اردو بازار کراچی ص14

33۔القرآن۔ سورۃ الغاشیہ، آیت نمبر17تا20

34۔ سنن ابی ماجہ۔ ص81

35۔ صحیح بخاری، ابو داؤد، ترمذی، و انسائی

36۔ کتاب تعلیم، سلطان جہان، آزاد پبلیشرز کراچی۔ ص55

37۔القرآن۔ سورۃ الجمعہ آیت نمبر2

38۔ کتاب تعلیم، سلطان جہاں، آزاد پبلشرز، کراچی، ص55

39۔ایضاً

40۔ تعلیم و تدریس، محمد یاسین شیخ، غضنفر اکیڈمی کراچی، ص23

41۔ ایضاً

42۔ تعلیم کی فلسفیانہ اور عمرانیاتی بنیادیں، محمد اشرف خرم، اردو اکیڈمی کراچی، ص147

43۔ایضاً

44۔ عمرانیات، پروفیسر ساجد حسین، غضنفر اکیڈمی کراچی ص99

45۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب الھصر فی الکلام

46۔ مرقاۃ المنابیح ص87

47۔الکفایۃ۔ ص182

48۔ صحیح بخاری، الکتاب الطلاق۔ باب اللعان

49۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء، سنن رسول اللہ

50۔ صحیح مسلم، کتاب البر، باب الحریم الظلم

51۔ مسند احمد، تفسیر القرطبی جلد اول ص39

52۔ صحیح البخاری، کتاب العلم

53۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ

54۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ

55۔ صحیح مسلم، کتاب البر، تحریم الغیبۃ

56۔ سنن ابی ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ

57۔الکفایۃ۔ ص182

58۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب من الادعیۃ

شعبہ تحقیق و مراجع

وزارتِ مذہبی اُمور و بین المذاہب ہم آہنگی

حکومت پاکستان، اسلام آباد